پیام تعلیم

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دلی ۲۵

جنوری ۸۵ء جلد ۲۲ شمارہ ۱

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے

غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

پیارے بچو! بیسویں صدی کا ۸۴ واں سال بھی رخصت ہو ہی گیا۔ مگر اس مرتبہ وہ ہمیشہ کی طرح چپکے سے نہیں گیا۔ اس مرتبہ وہ اس طرح گیا ہے کہ ہم اسے جلدی بھلا نہیں سکیں گے اور ہم ہی کو کیا، پورا ملک بلکہ تقریباً ساری دنیا کو برسوں یاد آتا رہے گا۔

۳۱ اکتوبر کو ہماری وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل اور اس کے بعد دلی اور ملک کے دوسرے کئی مقامات پر آتش زنی، لوٹ مار اور قتل کے المناک واقعات تازہ ہی تھے کہ ۳ دسمبر کو شہر بھوپال پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی۔ فرشتۂ اجل نے ایک ہی وار میں ہزاروں بچوں کو یتیم، ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور سیکڑوں بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو بینائی سے محروم کر دیا۔ ہزاروں اب بھی موت اور زندگی کے درمیان بستروں پر ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل فرمائے آمین ــــ افسوس ہے پچھلے دنوں مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی اور مشہور و معروف شاعر فیض احمد فیض بھی ہم سے جدا ہو گئے۔

ان حالات میں نیا سال ہمارے لیے کیا لے کر آیا ہے، یہ تو وقت ہی بتلائے گا۔ ناامیدی کفر ہے اس لیے ہم کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے ہم ۱۹۸۵ء کو نیک خواہشوں اور تمناؤں کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہیں آپ بھی آمین کہیے۔

ہم ڈاکٹر بشیر بدر کے ممنون ہیں کہ ایک بڑی اچھی اور معنی خیز نظم کے ساتھ آپ کے بزم میں شریک ہو رہے ہیں۔ یہ نئے سال کا تحفہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کا یہ تعاون جاری رہے گا۔ نظموں میں خضر برنی، حافظ باقوی اور قنبر احمد رضوی صاحبان اور نثر میں نسیم ستر کھی، احمد جمال پاشا، سلمان آزاد، سلطان احمد اشک وغیرہ کی چیزیں دلچسپ ہیں اور آپ کو پسند آئیں گی۔ ہم آپ کی رائے کا انتظار کریں گے۔

پرنٹر و پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دلی ۲ میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دلی ۲۵ سے شائع کیا

آپ کے البم کے لیے

اردو کے ممتاز شاعر فیض احمد فیض جو ہم سے ۲۰ر نومبر ۱۹۸۴ء کو جدا ہو گئے۔

مصور: شکیل اعجاز

بشیر بدر

اردو

خوب صورت زبان ہے اردو — آج ہندوستان ہے اردو
دوستی کے لیے زمین بنی — پیار کا آسمان ہے اردو
دونوں بیٹے ہیں ہندو و مسلم — مادر مہربان ہے اردو
ماں کی ممتا ہے باپ کی شفقت — آپ کا خاندان ہے اردو
کیرتن ہے، بھجن ہے، بانی ہے — مندروں کے سمان ہے اردو
خانقاہوں کا سر پہ سایہ ہے — خسروی[1] سائبان ہے اردو
منقبت، نعت اور حمد و ثنا — صوفیوں کی اذان ہے اردو
نعرۂ انقلاب زندہ باد — انقلابوں کی جان ہے اردو
آج جمہوریت کے پرچم میں — سب سے اونچا نشان ہے اردو
یہ سیاست نہیں، محبت ہے — عاشقوں کی زبان ہے اردو
سایہ سایہ گھنی پلکیں — دھوپ میں سائبان ہے اردو
ریت کو کاٹتا ہوا پانی — یہ غزل کی زبان ہے اردو
با ادب میر و غالب و اقبال — ساتواں آسمان ہے اردو
ہر بدلتے ہوئے زمانے کی — آج بھی میزبان ہے اردو
فلم ہے، ریڈیو ہے، ٹی وی ہے — روٹی، کپڑا، مکان ہے اردو
ان کو شاید ابھی خبر ہی نہیں — یہ انھیں کی زبان ہے اردو

اردو، ہندی میں کوئی فرق نہیں
سچ ہے آج ہندوستان ہے اردو

۱۲۰۔ ڈی۔ شاستری نگر۔ میرٹھ

۱۔ حضرت امیر خسرو

حافظ باقوی

پتی پتی اس کی ہری ہے
پس جائے تو لال پری ہے

ہوتے ہیں پھول اُجلے اس کے
بھینی بھینی خوشبو والے

پیاری پیاری اس کی لالی
اس سے خوش ہر لڑکی بالی

شوق سے اس کو گھر میں لائیں
پیس کے پھر ہاتھوں میں لگائیں

بچو! بوجھو اس کا نام
پاؤ منہ مانگا انعام

(جواب - مہندی)

ڈاکٹر قنبر رضوی

اسماء کی گڑیا

آ ہا ہا ہا لائی گڑیا
ماں میری لے آئی گڑیا
آہا یہ گڑیا بیچاری
کتنی اچھی، کتنی پیاری
گڑیا کا ہے پیارا مکھڑا
پہنے ہے رنگین سا کپڑا
سر پہ دوپٹا چمکیلا سا
پانو میں موزہ ہے پیلا سا
ناک میں نتھ کانوں میں بالا
گردن میں موتی کی مالا
گڑیا ہے کیا بھی سجائی
لیکن سہمی اور لجائی
دن ہے پیارا رات سہانی
روز سناؤں نئی کہانی
سن کے کہانی وہ کھو جائے
میں لپٹا لوں وہ سو جائے

نسیم ستھرکھی

تربوز کے چھلکے

سلمان اور مجّو دو چھوٹے سے لڑکے تھے جو ایک شہر کے چھوٹے سے محلے میں رہتے تھے۔ اس محلّے میں بہت سے مکان تھے۔ مکانوں کے درمیان سے ایک پتلی گلی گزرتی تھی۔ گلی کے ایک کونے میں بجلی کا ایک کھمبا تھا۔ کھمبے کے پاس ہی ایک چھوٹا سا گھر بنا ہوا تھا۔ اس گھر کی دیواریں کچی مٹی کی تھیں۔ باہری بیٹھک پر ٹین کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ رات کے وقت جب بجلی کے کھمبے کا بلب جلتا تو اس کی روشنی پھیل کر اس چھوٹے سے گھر پر پڑتی جس سے اس گھر میں اچھی خاصی روشنی ہو جاتی۔ یہ گھر مجّو کا تھا۔ مجّو اپنے والد کو ابّا کہتا تھا۔ اس کے ابّا شہر کے ایک کارخانے میں کام کرتے تھے۔ شام کو جب وہ کام کر کے گھر لوٹتے تو اپنی بیوی بچّوں کے ساتھ چولھے کے پاس بیٹھ جاتے۔ مجو کی اماں گرم گرم روٹیاں توے سے اتار کر رکھتی جاتیں، مجّو کے ابّا اور مجو کھاتے جاتے۔ کھا پی کر اللہ کا شکر بجا لاتے ــــ یہ مجّو کے گھر والوں کا روزانہ کا معمول تھا۔ مجّو کے گھر کے سامنے سلمان کا گھر تھا ــــ سلمان کا گھر بڑا خوبصورت تھا۔ گھر دو منزلہ بنا ہوا تھا۔ اس کی چھتیں اور دیواریں قلعی کے چونے سے چمکتی تھیں، دروازے اور کھڑکیوں میں رنگ برنگے شیشے لگے ہوئے تھے۔ اس گھر میں بہت سے کمرے تھے۔ کھانے کے کمرے میں جو لمبی چوڑی میز بچھی تھی اس پر صاف ستھری پلیٹیں، باریک شیشے کے چمکیلے گلاس، پلاسٹک کے ڈبے میں چھری، کانٹے اور چمچے ہر وقت رکھے رہتے تھے۔ گھر کے تمام آدمیوں کے لیے الگ الگ کمرے تھے۔ سلمان کا بھی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں اس کا لکڑی کا گھوڑا، چھوٹی سی بندوق اور بہت سے کھلونے رکھے ہوئے تھے۔ سلمان کے ابّو امّی سلمان کو بہت چاہتے تھے۔ سلمان کے ابّو جب بھی دفتر سے گھر آتے ان کے دونوں ہاتھوں میں مٹھائی، بسکٹ اور پھلوں کی تھیلیاں ہوتیں۔ سلمان ان کے ہاتھوں سے چھین کر ایک ہاتھ سے مٹھائی منہ میں رکھتا دوسرے سے پھل ــــ اس طرح کچھ کھاتا کچھ پھینک دیتا۔ اس کے ابّو امّی یہ دیکھ کر خوش ہوتے۔

سلمان اور مجّو کے گھر آس پاس ہونے کی وجہ سے ان دونوں میں بڑی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ ہمیشہ ایک ساتھ کھیلا کرتے۔ سلمان اکثر مجّو کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتا اور پھر وہ دونوں گھر کے اندر کھیلا کرتے۔ ایک دن کھیلتے کھیلتے دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ سلمان کی امّی نے سلمان کو کھانے کے لیے آواز دی۔ سلمان نے مجّو سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ کھانا کھانے کے لیے چلو ــــ لیکن مجّو نے سلمان سے کہا کہ میں اپنے گھر سے کھا آیا ہوں ــــ سلمان کھانے کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کی امّی نے ہاتھ بڑھا کر آگے اپنی کرسی کے قریب بٹھا لیا اور اس کے سامنے رکھی ہوئی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈالے، اس کے اوپر مرغی کا سالن اور دو تین بوٹیاں ڈال کر اس کے آگے بڑھا دیا۔ سلمان کے ابّو نے کبابوں کی پلیٹ سے دو کباب نکال کر اس کی پلیٹ میں رکھے۔ سلمان نے کچھ کھایا کچھ اسی پلیٹ میں چھوڑ کر

۱۴/۳، ۳ نصیر آباد فیڈرل بی ایریا کراچی۔

اپنے دوست مجو کے پاس آگیا۔ مجو اس وقت چھوٹی سی سائکل پر بیٹھا ہوا کمرے کے اندر ہی سائیکل چلا رہا تھا ــــ سلمان نے آتے ہی مجو سے کہا ـــ آؤ چلو ـــ باہر چل کر سائکل چلائیں۔ ـــ مجو اس پر تیار ہو گیا ـــ اب یہ تین پہیوں کی چھوٹی سی سائکل مکان کے کمرے سے نکل کر گلی میں آگئی تھی۔ آگے سلمان بیٹھا ہوا اپنے چھوٹے چھوٹے پیروں کو جلدی جلدی گھما رہا تھا، پیچھے مجو بیٹھا ہوا تھا گلی کے نکڑ پر سلمان نے اپنی سائکل یک بیک روک دی۔ سامنے ایک مکان تھا۔ مکان کے باہر تربوز کے چھلکے پڑے ہوئے تھے۔ کسی نے تربوز کھا کر چھلکے گلی میں پھینک دیے تھے۔ ان چھلکوں میں سفیدی کے ساتھ کہیں کہیں تھوڑا لال لال گودا باقی رہ گیا تھا۔ سلمان نے لپک کر چھلکوں کو اٹھا لیا اور ان میں لگا ہوا گودا کھانے لگا ـــ جب سلمان چھلکوں کو اٹھا اٹھا کر کھا رہا تھا تو مجو اس کے قریب ہی بیٹھا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

خضر برنی

سردی

پربت پر اب برف جمی ہے
گویا اک چادر سی تنی ہے
چوٹی پر ہیرے کی کنی ہے
بجنے دینے لگے دُہائی
سردی آئی سردی آئی

سورج ہو دے ہے سہما سہما
بے رونق اور ہلکا، پھلکا
مُنا ایک ستارا جیسا
لمبا چوڑا بنا ہے رائی
سردی آئی، سردی آئی

جاڑوں کی دنیا ہی نئی ہے
دن چھوٹا اور رات بڑی ہے
سردی کے ہونٹوں پہ ہنسی ہے
جاڑے نے ہر چیز جمائی
سردی آئی سردی آئی

ہم کو اب راحت سی ملی ہے
جلے کی سردی جو پڑی ہے
اسکولوں کی چھٹی سی ہے
چل پکنک کو میرے بھائی
سردی آئی سردی آئی

جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

انور انصاری

بچوّں کا مشاعرہ

(ایک ایکٹ کا مزاحیہ ڈراما)

مرزا نسیم بیگ قاتل . . . . محلّے کا ایک شریر لڑکا (مجلس استقبالیہ کے صدر)

خالد انور چاند . . . . محلّے کا دوسرا شریر لڑکا (سکریٹری بزمِ مشاعرہ)

راشد انور آفتاب . . . . محلّے کا فلسفی بچّہ جو صرف شاعری کرتا ہے اور پڑھنے لکھنے میں دل کم لگاتا ہے۔

ریحانہ تبسّم . . . . . . محلّے کی ایک شریر لڑکی جو اپنے ماسٹروں کو بہت پریشان کرتی ہے۔

شہلا عرف بٹّو . . . . . . محلّے کی دوسری لڑکی جو زبردستی اپنا رعب دوسری لڑکیوں پر جمانا چاہتی ہے

کرشن کمار . . . . . . محلّے کا ایک بچہ جو اپنے ماتا پتا کی زیادتیوں سے پریشان رہتا ہے اور تنگ آکر شاعری کرتا ہے۔

مقام: مرزا نسیم بیگ قاتل کے گھر کا ایک حصّہ
وقت: بارہ بجے دن
موسم: گرمی کی ایک دوپہر

(مرزا نسیم بیگ قاتل کے خالو ابا اور خالہ جان)

اسٹیج کی جانب سے زور زور سے گھنٹی بجتی ہے پھر تھوڑی دیر بعد نسیم بیگ قاتل پلّے کی ٹوپی اور پرانی اچکن اور خستہ پائجامہ زیب تن کیے اور ہاتھ میں ایک خم دار چھڑی لیے پردے کے آگے پہنچ کر اور جھک کر آداب بجا لاتے ہیں۔ اپنی ٹوپی کو درست کرتے ہیں، کھنکھارتے ہیں اور سامعین کی جانب یعنی بچوّں کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہیں اور پھر زیرِ لب مسکراتے ہیں اور جیب سے ایک پرُزہ نکال کر خطبۂ استقبالیہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

معزز حاضرین، بھائیو، بہنو اور میرے نو عمر دوستو! کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں، یہ ناچیز دنیائے شاعری میں نسیم بیگ قاتل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میرا کام یہی ہے کہ جب جب بچوّں کو تفریح کی ضرورت ہوتی ہے میں سینہ سپر ہو کر میدان عمل میں کود پڑتا ہوں (اسٹیج کی جانب دیکھتے ہوئے) پھر مجھے کئی دنوں سے آپ کے والدین کی زیادتیوں کا علم ہو چکا ہے۔ میں انھیں کا علاج کرنے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ بوریت، پریشانی اور زیادہ پڑھنے لکھنے کی وجہ سے بیکاری کی مصیبت سے نجات دلانے کا واحد ذریعہ یہ بزم مشاعرہ ہے۔

پھر گھنٹی بجتی ہے اور مرزا نسیم بیگ قاتل اسٹیج کے بیچوں بیچ دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسٹیج کی دوسری جانب سے خالد انور، چاند سکریٹری مشاعرہ کمیٹی آتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ اب مشاعرہ باقاعدہ شروع ہونے والا ہے اور نسیم بیگ

آڈٹ آفیسر، اولڈ ہزاری باغ روڈ، بالمقابل چونا بھٹہ، رانچی ۹۔ ۸۳۴۰۰۹

قاتل سے مشاعرہ کی صدارت کی گزارش کرتے ہیں۔
مرزا قاتل صدارت کے لیے ہمہ تن منتظر تھے۔
فوراً کرسی صدارت پر آدھمکے۔ شاعروں کی فہرست پر
ایک نظر ڈالی اور کہنے لگے "بھئی سب سے پہلے میں

مشاعرہ کی ابتدا اپنی ایک نظم "میاں نٹھلو" سے کروں گا
(پھر وہ بھدی آواز میں اپنی نظم سنانے لگے)

میاں نٹھلو کام چور تھے، لیکن سینہ زور
کھاتے تھے دندناتے تھے اور بہت مچاتے شور
ایک چوہے کو مار نٹھلو خود کو سمجھیں شیر
اپنے منہ میاں مٹھو بن کر کھڑے لگائیں ٹیر
ماں نے کان پکڑا تو بن بھیگی بلی روئے
بھینس کے آگے نیر بہائے اپنے نینا کھوئے
کہا بھینس نے سینگ مار تو کون کھیت کی مولی
گرے نٹھلو میاں زمین پر جیسے بھوس کی بولی
رو رو کر منہ دھو کر کھاتے پورے بارہ آم
دن چھپتے ہی روٹی کھائی اور کیا آرام

نسیم بیگ قاتل پوری نظم سنا گئے مگر وہ داد اور واہ وا
سے محروم رہے۔ دراصل آج کل مشاعروں میں
داد انھیں کو ملتی ہے جو لے میں گا کر اپنی نظم یا
شعر سناتے ہیں۔
قاتل پھر خالد انور چاند سکریٹری مشاعرہ کمیٹی سے
گزارش کرتے ہیں کہ وہ اب اپنا کلام سنائیں
خالد انور چاند کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ دوستو
میری نظم کا عنوان ہے "فیض الحسن سے ملیے"۔

فیض الحسن سے ملیے، فیض الحسن یہی ہیں
چہرہ ہے گورا گورا صورت ہے بھولی بھالی
پر عقل سے ہے بالکل ان کا دماغ خالی
ہر لمحہ سوجھتی ہے ان کو نئی شرارت
ہر لحظہ ان کے دم سے سر پر نئی مصیبت
اپنے بڑوں کی کچھ بھی کرتے نہیں ہیں عزت
چھوٹوں کی ان کے دل میں کچھ بھی نہیں ہے شفقت
یہ اور بھی ستم ہے سنتے کسی کی کم ہیں
آوارہ حال لڑکوں کے ساتھ روز و شب ہیں
ہر صبح اُٹھ کے پہلے باہر گلی میں جانا
اور مل کے دوستوں میں پھر شور و غل مچانا
جو بھی ملا اسی کو مشقِ ستم بنانا
مشقِ ستم بنا کر پھر قہقہے لگانا
فیض الحسن سے ملیے، فیض الحسن یہی ہیں

(نظم سن کر سبھوں نے زور سے تالیاں بجائیں جب
تالیوں کی آواز کم ہوئی تو فلسفی شاعر راشد انور آفتاب
کو دعوتِ سخن دی گئی۔ آفتاب صاحب نے نظم
سنانی شروع کر دی۔ نظم کا عنوان ہے۔ "پھول چاند
گیت")

پھول :
چاند :
گیت :
زندگی کے ہیں نشاں۔ !!!
ہم بنیں گے اس نشاں کے پاسباں
پھول بن کر مسکرانا
ہم سکھائیں گے جہاں کو دوستو!!
چاند بن کر جگمگانا
ہم سکھائیں گے جہاں کو دوستو
گیت بن کر دل پہ چھانا۔
ہم سکھائیں گے جہاں کو دوستو۔
پھول، چاند، گیت
زندگی کے ہیں نشاں

(راشد انور آفتاب کے بعد ریحانہ تبسم تشریف
لے آئیں اور اپنی سریلی آواز میں کلام پڑھنے لگیں)
نظم کا عنوان ہے۔ ماسٹر صاحب

کیا سنائیں ماسٹر صاحب کا حال
آدمی ہیں لاجواب و بے مثال
کانپتے ہیں سارے بچے آپ سے
کچھ یہ کچھ کہتے نہیں ماں باپ سے

ہر گھڑی غصہ سے آنکھیں لال ہیں
ماسٹر ہیں یا کوئی کوتوال ہیں
ان کا غصہ، ان کا قہر، ان کا جلال
سارے بچوں کے لیے ہے جی کا کال
جس پہ ان کا ایک ڈنڈا پڑ گیا
بس وہیں بے چارہ ٹھنڈا پڑ گیا
صورِ محشر آپ کی آواز ہے
اور ان کو اس پہ بے حد ناز ہے
اے خدائے پاک تجھ سے ہے دعا
ماسٹر صاحب کے غصے کو گھٹا
ان کو ہم بچوں کی شفقت بخش دے
کچھ محبت، کچھ مروت بخش دے

(ریحانہ تبسم کے بعد ہی ہر طرف سے شور و غل کی آوازیں آنے لگتی ہیں اور ہر طرف بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ قائل کو پریشانی ہوتی ہے کہ آخر یکایک سامعین کو کیا ہوا وہ گھنٹی بجا بجا کر بچوں کا دھیان اپنی طرف کھینچنے کی کی کوشش کرتے ہیں مگر کوئی ان کی نہیں سنتا ہے۔ اسٹیج کی ایک جانب سے نسیم بیگ قائل کے خالو اور ان کی خالہ اماں ہاتھ میں بیلن لیے اسٹیج پر تشریف لاتی ہیں، آتے ہی نسیم بیگ قائل کے خالو ابا نے نسیم کی گردن پکڑلی اور خالہ اماں نے بغیر کچھ کہے ان کی مرمت شروع کردی۔ اس پر بھی قائل ہمت نہیں ہارتے ہیں۔ شہلا عرف بٹو نے کلام سنانے کو کہتے ہیں اور آخر میں کرشن کمار کو شعر سنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ جب ان کی آواز پر کوئی نہیں آتا تب وہ سکریٹری خالد انور چاند کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یک بیک مشاعرہ کا رنگ کیوں کر بکھر گیا۔ اس پر خالہ جان نے انھیں ایک بیلن ادر رسید کیا اور بولیں، تم سے تو کہا گیا تھا کہ بازار سے سبزی اور برف خرید لاؤ اور تم یہاں..... یکایک قائل کے خالو ابا کی نظر "بزمِ مشاعرہ" کے بورڈ پر پڑتی ہے۔ بورڈ پر لکھے شاعروں کے نام اور مشاعرہ کی غرض و غایت پڑھ کر انھیں ہنسی آجاتی ہے۔ وہ پیار سے نسیم بیگ کو چمٹا لیتے ہیں اور کہتے ہیں اٹھو چلو۔ ہم لوگوں سے بھول ہوئی جو مشاعرہ یوں ختم ہو گیا۔ اسی وقت پردہ گرتا ہے۔ نسیم بیگ قائل گھنٹی بجاتے ہوئے اسٹیج کی دوسری جانب بھاگتے ہیں۔

کنجوس کی کہانی

احمد جمال پاشا

راجستھان میں کسی زمانے میں ایک صاحب بہت زبردست کنجوس تھے، ان کی زندگی کا واحد مقصد دولت جمع کرنا تھا. اس کے لیے وہ سب کچھ کرگزرنے پر تیار رہتے.

بہار کا موسم تھا۔ آم افراط سے ہوئے تھے ایک دن کنجوس کی بیوی نے ایک آم کی فرمائش کردی. وہ آم پر پیسا خرچ کرنا نہیں چاہتا تھا. لیکن بیوی کو مطمئن کرنے یا کہیں سے مفت ایک آم ہتھیا لینے کے خیال سے ایک قریبی دکان پر گیا. دکاندار نے بتایا۔ "ایک آم چار آنے میں ملے گا۔" یہ سن کر کنجوس تقریبا بے ہوش ہوتے ہوتے بچا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "چونی! یہ تو بہت زیادہ ہوئی. کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں سے کم دام پر آم مل سکے ؟" دکاندار نے کہا۔ سڑک پر آم کی بڑی سی دکان ہے وہاں ایک آم تین آنے میں مل سکتا ہے۔"

یہ سن کر کنجوس بہت خوش ہوا اور سڑک پر آم کی بڑی دکان پر پہنچا۔ دکاندار سے ایک آم کی قیمت پوچھی. اس نے بتایا: "ایک آم تین آنے میں ملے گا!" تین آنے کا ایک آم سن کر کنجوس کو پسینا آگیا اس نے کہا "دو آنے میں دوگے ؟" دکاندار نے کہا "اگر تم منڈی جاؤ تو وہاں دو آنے کا ایک آم مل جائے گا۔ مگر منڈی یہاں سے چار میل دور ہے!" کنجوس بولا "چار میل دور ہے تو کیا ہوا۔ ایک آنہ تو بچ جائے گا۔" اور کنجوس چل دیا. وہاں پہنچ کر آم کے دام پوچھے. منڈی والے نے کہا "دو آنے" کنجوس نے کہا۔ دو آنے تو بہت ہوئے. اس سے کم قیمت پر آم کہاں مل سکتا ہے ؟" منڈی والے نے کہا، "شہر کے باہر آموں کی آڑھت ہے۔ وہاں ایک آنے میں ایک آم مل جائے گا مگر آڑھت یہاں سے ۱۲ میل دور ہے" کنجوس نے کہا "۱۲ میل دور ہے تو کیا ہوا آم تو سستا مل جائے گا۔"

کنجوس اس کے بعد چل دیا۔

اس نے آڑھتیے سے آم کے دام پوچھے۔ اس نے کہا "ایک آنہ" کنجوس بولا "ایک آم کا ایک آنہ تو بہت ہوا. اس سے سستا آم نہیں مل سکتا ؟" آڑھتیے نے کہا "یہاں سے چھ میل پر ایک آم کا باغ ہے وہاں شاید دو ہی پیسے میں آم مل جائے"۔

کنجوس یہ سنتے ہی چل دیا. باغ میں پہنچ کر اس نے پوچھا۔ "ایک آم کتنے کا بیچو گے ؟" باغ والے نے کہا "دو پیسے میں" دو پیسے کا نام سن کر کنجوس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے پوچھا. "کیا ایک آم مفت میں نہیں مل سکتا؟"

باغبان نے کہا "مل کیوں نہیں سکتا! اگر آم کے درخت پر چڑھ کر سو آم توڑ دو، تو ایک بہت اچھا اپنی پسند کا آم تم مفت لے سکتے ہو" یہ سن کر کنجوس بہت خوش ہوا فوراً سب سے بڑے درخت پر چڑھ کر پہلے ہی ایک بہت ہی بڑا اور عمدہ آم توڑ کر جیب میں رکھ لیا اس کے بعد جلدی سے سو آم توڑ لینے کے لیے وہ درخت کی پھنگی تک پہنچنے کی کوشش میں سنبھل نہ سکا اور گرا، گرتے میں خوش قسمتی سے آم کی ایک شاخ ہاتھ آگئی۔ جسے اس نے سختی سے پکڑ لیا۔ لٹکتے میں نیچے جو دیکھا تو گہری دلدل، جس

کوٹھی نشاط افزا، سیوان (بہار)

میں گرے تو دھنس کر ختم ہو جائے۔ اس مصیبت سے بچنے کے لیے خدا سے دُعا مانگنے لگا۔

تھوڑی دیر میں ایک آدمی ہاتھی پر باغ سے گزرا۔ وہ مدد کے لیے چلایا۔ ہاتھی والا قریب آیا تو اس نے چلا کر کہا: "اگر تم اپنا ہاتھی میرے نیچے لا کر مجھے اس پر اتار لو تو میں تمھیں سو روپے دوں گا۔"
یہ سن کر اس آدمی نے ہاتھی اس کنجوس کے نیچے کھڑا کیا اور اسے ہاتھی پر اتارنے کے لیے اس کے دونوں پانو پکڑے۔ مگر اچانک ہاتھی آگے بڑھ گیا۔ ہاتھی والا کنجوس کے پیر پکڑے پکڑے لٹک گیا۔
اب دونوں خدا سے اس مصیبت سے نجات پانے کی دُعا مانگنے لگے۔

کچھ دیر بعد باغ سے ایک اونٹ والا گزرا۔ دونوں چلائے۔ "اونٹ والے! خدا کے لیے ہمیں اپنے اونٹ پر اتار لو، ہم دونوں تمھیں سو، سو روپے دیں گے!" اونٹ والا دونوں کے نیچے اپنا اونٹ لایا دونوں کو اتارنے کے لیے دوسرے آدمی کے دونوں پانو پکڑ لیے اونٹ اچانک آگے بڑھ گیا۔ اب تین آدمی موت و زلیست کی کشمکش میں خطرناک دلدل کے اوپر خدا سے مدد کی دُعا مانگ رہے تھے۔

اتنے میں ایک گھوڑا سوار باغ سے گزرا۔ تینوں مدد کے لیے چلائے اور خدا کے لیے ہمیں اپنے گھوڑے پر اتار لو، ہم تینوں تمھیں سو، سو روپے دیں گے" یہ سن کر سوار گھوڑے کو تینوں کے نیچے لایا اور تیسرے آدمی کو پہلے اتارنے کے لیے اس کے دونوں پانو پکڑ لیے۔ گھوڑا اچانک آگے بڑھ گیا۔ اب چار آدمی ایک دوسرے کو کس کے پکڑے ہوئے لٹکنے لگے۔ سب سے اوپر کنجوس تھا جس کا سب سے پتلا ہاتھ تھا۔ تینوں کنجوس پر زور دے رہے تھے کہ وہ آم کی ڈال کس کے پکڑے رہے۔ اگر اس کا ہاتھ چھوٹا تو چاروں دلدل میں گر کر ختم ہو جائیں گے۔

اتنے میں ایک گدھے والا ادھر سے گزرا۔ چاروں مدد کے لیے چلائے۔ اور سب سو سو روپے گدھے پر اتارنے کے لیے دینے کا وعدہ کرنے لگے۔ گدھے والا پڑھا لکھا نہ تھا۔ اس لیے اس کی "ارتھمیٹک" بہت کمزور تھی۔ مگر وہ جاننا چاہتا تھا کہ ان چاروں کو اتارنے کے بدلے اسے کتنا روپیا ملے گا؟
اس نے چلا کر کنجوس سے پوچھا۔
"آخر کتنا روپیا ملے گا؟"
کنجوس نے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے بتایا "کہ اتنا بہت سا۔" ہاتھ کھولتے ہی چاروں گر کر دلدل میں دھنسنے لگے اور انھیں نکالنے کے لیے گدھے والا ان کی طرف جلدی سے رسّا پھینک کر انھیں بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ ●●

فرق بتائیے

تصویر نمبر ۲ میں آٹھ غلطیاں ہیں۔ تلاش کیجیے۔

غنی غازی

چور پر مور
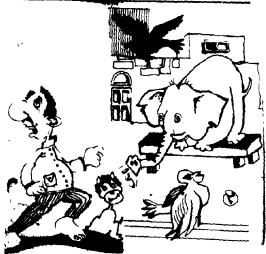
ڈھونڈی با، نامی ایک کسان تھا۔ اس کے والد اس کے لیے ایک کھیت چھوڑ گئے تھے۔ ڈھونڈی با اگر اس کھیت میں محنت کرتا تو اپنا پیٹ آسانی سے پال سکتا تھا۔ لیکن وہ بہت زیادہ احدی اور کاہل تھا۔ وہ کھیت میں ہل، بوائی، فصل کی کٹائی، صحیح وقت پر نہیں کرتا تھا جس کی وجہ سے کھیت میں بہت کم فصل ہوتی تھی۔

اس کی بیوی کونڈا بائی، بہت ہوشیار اور محنتی تھی۔ اسے اپنے شوہر کا احدی مزاج ناپسند تھا۔ وہ اس پر بہت غصہ کرتی تھی مگر ڈھونڈی با چپ چاپ سن لیتا۔ اسے کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔

ایک سال بارش نزدیک آگئی پھر بھی ڈھونڈی با نے کھیت میں ہل نہیں چلایا وہ صبح کھیت پر جا کر بے کار بیٹھا رہتا تھا۔ ایک دن اس کی بیوی کھیت میں گئی اسے کھیت کی حالت دیکھ کر صبرا لگا۔ اتنے میں اس کی نظر درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تین چار آدمیوں پر پڑی۔ یہ لوگ چور ہیں۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ اس نے اپنے شوہر کو اشارہ کیا۔ اور ذرا اونچی آواز میں اپنے شوہر سے بولنے لگی تاکہ چور سن سکیں۔

"تمھارے پتا نے زیورات کا صندوق اس کھیت میں چھپا رکھا ہے۔ وہ جگہ تم کو یاد نہیں۔ اب ہم کل رات میں کھیت میں ہل چلائیں گے تاکہ ہمارا صندوق ہمیں مل جائے۔"

شوہر نے کہا: "میں کل رات کو دو بیل اور ہل لے آؤں گا اور کھیت میں ہل چلا دوں گا۔" اس کے بعد دونوں گھر چلے گئے۔

چوروں نے دونوں کی باتیں سن لیں۔ اور کھیت میں ہل چلا کر زیورات کا صندوق لے کر فرار ہونے کا منصوبہ بنا لیا۔ انھوں نے ہل اور بیل لا کر رات بھر میں سارے کھیت میں ہل چلا دیا مگر انھیں وہاں صندوق نہیں ملا تب انھیں احساس ہوا کہ عورت نے انھیں دھوکا دیا ہے۔ چوروں کو اس عورت پر غصہ آنے لگا۔

ڈھونڈی با نے اس کھیت میں باجرہ بو دیا۔ اس سال خوب بارش ہوئی زمین میں گہرا ہل چلانے کی وجہ سے باجرہ کی فصل جھوم کر آئی تھی۔ اناج فروخت کرکے اسے خوب روپیا ملا تھا۔

چوروں نے ڈھونڈی با کے گھر میں چوری کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ رات میں ڈھونڈی با کے گھر کے پیچھے صحن میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ڈھونڈی با کی بیوی کسی کام سے صحن میں گئی تو اسے چور دکھائی دیے۔ وہ گھر میں آئی اور ذرا بلند آواز میں اپنے شوہر سے کہنے لگی۔

"گانو میں چوریاں بہت ہو رہی ہیں اس لیے ہمارے پاس جو زیورات کا صندوق ہے وہ کنویں میں ڈال دیں گے، وہاں سے اسے کوئی نہیں چرائے گا۔ پھر اس نے ایک صندوق میں پتھر بھر دیے اور آنگن میں جا کر وہ صندوق کنویں میں ڈال دیا۔ چوروں نے سوچا کہ اب کام پورا ہو گیا۔ کنواں چھوٹا تھا اور اس میں پانی بھی زیادہ گہرا نہیں تھا۔ چور سوچنے لگے کہ موٹ کے ذریعے کنویں کا پانی نکال کر

انجمن خیر اسلام ہائی اسکول بمبئی ۸

کنویں کو سوکھا کیا جاسکتا ہے پھر چور سوٹ کی رسّی کھینچ کر
پانی نکالنے لگے۔ لیکن کنویں کی تہہ میں پانی کا بڑا جھرنا تھا۔
جس کی وجہ سے کنویں کا پانی کم نہیں ہوا۔ چوروں نے تین چار
گھنٹے خوب محنت کی۔ صحن میں کیلے کے درخت لگے ہوئے
تھے۔ انھیں بھرپور پانی مل گیا۔ اس طرح صبح ہونے
لگی اور چور بے زار ہو کر فرار ہوگئے۔

کچھ دنوں بعد کونڈا بائی کو وہی چور گھر کے آس پاس
گھومتے ہوئے نظر آئے اور اس کو یقین ہو گیا کہ رات میں
یہ پھر چوری کریں گے۔ اس نے بچھو اور دوسرے زہریلے
کیڑے اکٹھا کیے۔ ان سب کو ایک ڈبے میں بند کیا اور
اس میں تھوڑے بہت پیتل کے زیور رکھ دیے۔ رات
ہو جانے پر وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی۔ "آج میں نے چوروں
کو گشت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ اپنے گھر میں چوری
کریں گے۔ مجھے ڈر محسوس ہو رہا ہے۔ اس لیے یہ زیورات
کا ڈبا بیلوں کے کوٹھے میں کھمبے سے اونچائی پر باندھ
دو۔ صبح ہوتے ہی میں وہاں سے لے آؤں گی۔" اس کے
شوہر نے وہ ڈبا کوٹھے میں ایک کھمبے سے باندھ دیا۔
چھپے ہوئے چوروں نے اسے دیکھ لیا۔ آدھی رات کے
وقت وہ اندھیرے میں کوٹھے میں گئے۔ انھوں نے ڈبا
نیچے گرا دیا تو ان کے جسم پر بچھو اور دیگر زہریلے کیڑے گرے
اور انھیں ڈسنے اور ڈنک مارنے لگے چور درد سے کراہتے
ہوئے وہاں سے بھاگ نکلے۔

اس کے بعد چوروں نے اس عورت کو اچھا سبق سکھانے
کا فیصلہ کیا۔ گرمی کے موسم میں وہ عورت ایک رات صحن
میں سو رہی تھی۔ انھوں نے اس عورت کے منھ میں کپڑا
ٹھونس دیا اور چارپائی سے اس کے ہاتھ پانو باندھ دیے
اور چارپائی سر پر اٹھا کر جنگل کی طرف چلنے لگے۔ عورت
اچانک جاگ گئی۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ اس نے آہستہ
آہستہ اپنے ہاتھ پانو کھول لیے۔ ایک پیپل کے درخت کے
نیچے سے چور چارپائی اٹھائے گزر رہے تھے کہ عورت
نے پیپل کی ایک ٹہنی پکڑ لی۔ چور شراب کے نشے میں چور
تھے۔ وہ چارپائی خالی لیے آگے بڑھ گئے۔ عورت کو
ڈر محسوس ہونے لگا کہ کہیں پھر سے وہ چور اس کی تلاش
میں واپس نہ آئیں۔ لہٰذا وہ پتّوں میں چھپ کر بیٹھ گئی
اور صبح تک یوں ہی بیٹھی رہی۔

کچھ دیر بعد چوروں کی دوسری ٹولی۔ پڑوسی گاؤں
سے چوری کر کے وہاں آئی۔ انھوں نے چوری کر کے لایا
ہوا صندوق وہاں رکھا اور زیورات نکال کر آپس میں بانٹنے
لگے۔ انھوں نے زیورات اور نقد رقم کے چار حصے کیے۔
عورت یہ سب کچھ درخت پر بیٹھ کر دیکھ رہی تھی وہ
درخت سے چلّا کر کہنے لگی "ارے دھوکے بازو! میرا
حصہ کدھر ہے؟" آواز سنتے ہی چور گھبرا کر اوپر دیکھنے لگے۔
ان کو درخت پر عورت نظر آئی وہ سمجھے کہ درخت پر
بھوت ہے۔ وہ ڈر گئے اور بھوت، بھوت چلّاتے ہوئے
دم دبا کر بھاگ نکلے، پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ عورت
نیچے اتری اور اچھے اچھے گہنے لے کر اپنے گھر چلی آئی۔ اس
کے بعد کسی بھی چور نے اس عورت کو تکلیف نہیں پہنچائی۔
بیوی کی عقلمندی دیکھ کر اس کے شوہر نے بھی کاہلی کو
خیرباد کہہ کر بیوپار شروع کر دیا اور پھر اس کے بعد دونوں
خوش حال زندگی گزارنے لگے۔

●●

جزیرہ "الموش" میں ایک قدیم اور مشہور شہر "چوہیا پوری" ہے۔ جہاں صرف چوہے اور چوہیاں رہتے ہیں۔ چھوٹے، بڑے، موٹے پتلے، بادامی کالے، چھوٹی دُم والے، بڑی دم والے۔ وہاں ان کے اپنے اسکول ہیں، پارک ہیں، بازار ہیں، سینما ہال ہیں، اسپتال ہیں۔ یعنی وہ ایک ترقی یافتہ شہر ہے۔

چوہیا پوری میں چوہیا سنٹرل اسکول بھی ہے۔ اس اسکول کی پانچویں جماعت میں چالیس پینتالیس چوہے چوہیاں پڑھتے تھے۔ صرف تین پڑھائی ہوتی تھی۔ پہلا پیریڈ "حکمتِ دندان" کا تھا یہ مضمون چوچک چند پڑھاتے تھے۔ وہ بڑے بڑے دانت والے بہت سخت ماسٹر تھے۔ انھوں نے نہ جانے کتنے شرارتی چوہے چوہیوں کے کان کھینچ کھینچ کر بڑے کر دیے تھے۔ ان کے درس میں سبھی اپنے اپنے دانت بند کیے چپ چاپ بیٹھے رہتے۔ کوئی چوں چاں تک نہیں کرتا۔ دوسرا پیریڈ "کرشمۂ دم" کا ہوتا تھا۔ اس کو پڑھاتی تھیں استانی چشم النسا بانو۔ وہ بڑی پیاری ٹیچر تھیں۔ انھوں نے کبھی کسی کے کان نہیں کھینچے۔ وہ ہمیشہ اپنی دُم میں نیا ربن باندھ کر آتیں ان کی آواز میں ٹافی گھلی ہوتی۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ بھی اتنا پیارا ہوتا کہ ایک بار ہی میں ساری باتیں یاد ہو جاتیں۔ کبھی کبھی وہ میٹھی میٹھی کہانیاں بھی سناتیں۔ سب بچے ان کے پیریڈ کا خوشی سے انتظار کیا کرتے۔ تیسرا پیریڈ "ریس کورس" کا تھا۔ اس کو پڑھاتے تھے "چالاک سنگھ" وہ ڈسپلن کے سخت پابند تھے۔ ان کے کلاس میں داخل ہوتے ہی سارے چوہے چوہیاں ادب سے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان کا پڑھایا ہوا کوئی بھی شاگرد زندگی میں کبھی چکمہ نہیں کھا سکتا تھا۔ ان کے کئی شاگرد آج جزیرۂ "الموش" کے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔

درجہ پنجم کا مانیٹر تھا چکھی۔ وہ دُبلا پتلا سریل سا چھوٹی دُم والا تھا۔ وہ پورا کتابی کیڑا تھا۔ ہمیشہ کتاب سے چپکا ملتا تھا۔ سبھی پڑھنے لکھنے میں اس کا لوہا مانتے تھے۔ ششماہی امتحان میں وہ اوّل آیا تھا۔ اس لیے ماسٹر چالاک سنگھ نے چکھی کو درجہ پنجم کا مانیٹر بنا دیا تھا۔ "حکمت دندان" کے استاد چوچک چند نے چکھی کو سخت ہدایت دے رکھی تھی۔ ان کے آنے سے قبل جو بھی شیطانی کرے یا شور وغل مچائے اس کا نام بلیک بورڈ پر لکھا ملنا چاہیے۔

اس دن چنٹو چوہے نے نامعلوم کس بات پر چُنّی چوہیا کی دُم میں دانت سے کاٹ لیا۔ بچاری چُنّی چوہیا زور زور سے رونے چلانے لگی تھی۔ بس

قاسمی منزل، سپاہی ٹولہ، پورنیہ

مانیٹر چلکی نے سوچے سمجھے بغیر چنٹو کا نام تختۂ سیاہ پر لکھ دیا۔ اس سے چنٹی کی سسکیاں کچھ کم ہو گئیں۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد استاد چو چک چند جی ہاتھ میں رجسٹر تھامے درجہ میں داخل ہوئے۔ ہمیشہ کی طرح انھوں نے تختۂ سیاہ کی طرف نگاہ دوڑائی۔ پھر آواز میں کڑاپن لا کر بولے۔ "چنٹو کان پکڑ کر ادھر آؤ!" اور تین چار کرارے چانٹے وجہ دریافت کیے بغیر انھوں نے چنٹو کو جما دیے۔ نٹ کھٹ چنٹو کا گال سوج گیا۔ اتنا ہی نہیں پورے گھنٹے بھر اسے دیوار کی طرف منہ کر کے ایک کونے میں کھڑا بھی رہنا پڑا ــــ اتنی زیادہ سزا ملنے پر چلکی دل ہی دل گھبرایا ــــــ "یہ کام میں نے اچھا نہیں کیا۔ کہیں چنٹو چھٹی میں ہمارا کچومر نہ نکال دے۔ وہ ہے بھی موٹا تگڑا۔ ہائے اللہ! میری حفاظت کرو۔"

گھنٹہ ختم ہوا۔ ماسٹر چو چک چند کے کلاس سے باہر نکلتے ہی چنٹو نے چلکی کو دھمکایا۔ "مانیٹر کی دم! آج اسکول سے نکلنا تو دیکھوں گا۔ مجھ سے مار کا بدلہ نہ لیا تو میرا نام چنٹو نہیں۔ بچو! ایک ہی گھونسے میں ساری مانیٹری ہوا کھانے چلی جائے گی۔" بس چلکی کی سٹی پٹی گم ہو گئی۔ اس کو مکمل یقین ہو گیا کہ آج اس کی پٹائی ہو کر رہے گی۔

اسکول کی چھٹی ہوئی۔ چلکی خوف زدہ سا پانچ منٹ بعد اسکول سے باہر نکلا۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی چنٹو کا کہیں اتا پتا نہ تھا۔ اس لیے وہ جلدی جلدی لودتا پھاندتا اپنے گھر کی طرف چلا۔ چلکی اپنے گھر کی [illegible]خری گلی میں مڑا ہی تھا کہ اسے کسی نے پکارا۔ سامنے چنٹو کھڑا تھا۔ چلکی تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے [illegible]گے اندھیرا چھا گیا۔ چنٹو نے ذرا کڑک کر کہا ــــــ "ٹھہرو" چلکی جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔ پھر وہ عاجزی سے بولا ــــ "بھیا! میں معافی مانگتا ہوں۔ آیندہ ــــــــ" چنٹو [illegible]رمیان میں اس کی بات کاٹ کر بولا "چلکی ڈرو مت۔ [illegible]ج میں تمھیں چھوڑے دے رہا ہوں۔ میرا موڈ جھگڑے کا نہیں ہے۔ مگر میری ایک بات یاد رکھنا:"

"کیا بھیا؟ کونسی بات؟" چلکی نے آہستہ سے پوچھا۔

"یاد رکھنا۔ میں آج کی مار بھولا نہیں ہوں۔ پھر کبھی اس مار کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ جاؤ!" اور اتنا کہہ کر چنٹو اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

چلکی نے سکون کی سانس لی۔ لیکن وہ کچھ سمجھ نہیں پایا کہ آخر چنٹو کا مطلب کیا ہے؟ وہ کب اور کیسے بدلہ لے گا؟ کیا چنٹو اور اس کے دوست مل کر میری پٹائی کریں گے۔

اور سچ مچ شرارتی چنٹو نے پڑھا کو چلکی سے مار کا بدلہ لے کر ہی دم لیا۔ ہوا یہ کہ اس واقعے کے بعد چنٹو بالکل بدل گیا۔ اس نے کان پکڑ لیے کہ کبھی کسی کو نہیں ستاؤں گا۔ عہد کر لیا کہ لڑائی جھگڑا بالکل بند وہ خوب لگن سے اسکول میں پڑھتا۔ صبح شام دل لگا کر امتحان کی تیاری میں منہمک رہتا۔ جو مشکل سوالات اس کی سمجھ میں نہ آتے اسے اپنے بڑے بھائی بہن وغیرہ سے حل کراتا۔ غرض اس پر پڑھائی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس کی پڑھائی لکھائی کی لگن دیکھ کر سبھی گھر والے حیران تھے۔

سالانہ امتحان کے ریزلٹ کا اعلان ہوا چنٹو اپنے درجے میں اول آیا تھا۔ اور چلکی دوم۔ مارکس شیٹ لینے کے بعد چنٹو نے چلکی کو اشارے سے بلایا اور کہا:

"دوست، میں نے تم سے کہا تھا نا کہ یاد رکھنا میں ماسٹر چو چک چند کی مار بھولا نہیں ہوں۔ پھر کبھی اس مار کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ اور آج میں نے تم سے بدلہ لے لیا ہے۔"

چلکی نے چنٹو کو گلے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بھرائے گلے سے بولا:

"بھیا چنٹو، تم نے مجھ سے بدلہ نہیں لیا بلکہ میرا دل جیت لیا ہے۔"

تدبیر اور تقدیر

سلطان آزاد

کشاپی گانو میں ایک غریب مزدور اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رہتا تھا۔ دن بھر کی مزدوری کے باوجود اس کی ضروریات پوری نہ ہو پاتی تھیں۔ اس کی بیوی نے اپنے شوہر کی پریشانی اور بے بسی کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی کچھ ایسا کام کرے گی جس سے چار پیسے کی آمدنی ہو اور اپنی ضرورت پوری ہو جائے۔ اس لیے وہ آس پاس کے کسانوں کے یہاں جا جا کر دھان کوٹنے لگی، جس کے عوض میں چند سکے اور تھوڑی سی بھوسی مل جاتی۔ بھوسی کو وہ اپنے گھر میں پڑے ایک بڑے سے مٹی کے برتن میں جمع کر لیتی تاکہ ڈھیر سا جمع ہو جانے پر چند سکوں کے عوض فروخت کر سکے۔ ادھر اس کے شوہر کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ اس کا شوہر رحیم رات کے اندھیرے اور صبح کے اُجالے میں تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر ملاحوں کے لیے جال بننے لگا۔ اسی درمیان جب بھی کوئی مصیبت آجاتی، مثلاً کبھی چُنّو یا مُنّو بیمار پڑ جاتے تو وہ یہی کہتا "اللہ میاں نے ہماری تکدیر (تقدیر) ہی نہیں اچھی بنائی۔ اگر تکدیر (تقدیر) اچھی ہوتی تو تھوڑے ہی ہم مہنت اور مجدوری (مزدوری اور محنت) کرنے پر بھی دُکھ اٹھائے" اس کی بیوی اس کی باتوں کو سن کر جواب دیتی "نہیں چنّو کے ابا ایسی بات نہیں ہے اللہ میاں اچھی تدبیر سے کام لینے والوں کے لیے ہی کبھی کبھی تکدیر (تقدیر) بھی اس کے حوالے کر دیتے ہیں" اس طرح کے بحث و مباحثے وہ گذشتہ دس برسوں سے کرتے چلے آ رہے تھے۔

ایک دن ایک ملاح نے اس کے بنے ہوئے جال کی اُجرت بھی نہیں دی اور اس کے عوض خوب ڈانٹا اور پھٹکارا بھی، کیونکہ رات کے اندھیرے میں اس نے جال کے ایک حصے میں کچا دھاگا بُن دیا تھا۔ جس سے پھنسی مچھلیاں نکل نکل بھاگ گئیں۔ اور اس ملاح کو دن بھر کی محنت میں ایک بھی مچھلی نہیں ملی۔ اپنی غلطی کو بُری تقدیر سمجھ کر رحیم اپنے آپ کو کوسنے لگا۔ "یا اللہ! میری تکدیر (تقدیر) ایسی کیوں بنا دی کہ محنت کرنے بھی پیسا نہیں ملتا اور پھر مصیبت ہی مصیبت میرا پیچھا کیوں کرتی ہے؟"

رات کے سناٹے میں جب ساری دنیا خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ وہ اپنے اور اپنے گھر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیسے محنت و مزدوری کر کے بال بچے اور بیوی سبھی خوشی خوشی زندگی گزاریں۔ اسی ادھیڑ بن میں اُسے شہر کے بینکوں کا خیال آیا کہ مصیبت سے بچنے کے لیے اور آگے کے لیے لوگ پیسے جمع کرتے ہیں تاکہ ایسے ویسے موقعوں پر کام آ سکے۔

پتہ: گلزار باغ، پٹنہ ۷

بس وہ یہ سوچ کر سو گیا۔

رحیم علی الصبح اٹھا اور نہار منہ ہی جال بننے لگا۔ صبح کے آٹھ بجے تک اس نے جال کا ایک حصہ بن ڈالا اور شام کے وقت مزدوری سے لوٹ کر آنے کا ارادہ کرکے، کہ لوٹنے کے بعد اس جال کو رات تک مکمل کرے گا۔ وہ کھا پی کر مزدوری کے لیے چلا گیا۔ شام کو جب گھر لوٹا تو وہ بہت خوش تھا کیونکہ آج سے اس کی مزدوری میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے اس کی خبر اپنی بیوی کو نہیں دی بلکہ اس کو پرانی ہی مزدوری دی اور رات کے سوچے ہوئے ارادے کے مطابق اس زاید مزدوری کو جمع کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن وہ ان پیسوں کو کہاں جمع کرے، اس کے پاس تو ایک بکس بھی نہیں ہے، یہ سوچ کر اس نے پیسوں کو مٹی کے اسی برتن میں چھپا کر رکھ دیا جس میں اس کی بیوی بھوسی جمع کرتی تھی۔ اور یہ سوچا کہ رمضان میں ابھی چھ مہینے کی دیر ہے۔ تب تک کافی پیسا جمع ہو جائے گا۔ اور وہ اپنے بال بچوں کے لیے اچھے کپڑے اور دیگر سامان خریدے گا۔ بھوسی کا برتن ابھی بھرنے میں کافی دن ہیں، تب تک میں اس میں سے جمع پیسے کو نکال لوں گا۔ اس طرح میرا کام بھی چل جائے گا۔ اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی۔ اس طرح وہ ہر روز چپکے سے کچھ نہ کچھ پیسے جمع کرنے لگا۔

شعبان کا مہینا آگیا۔ اس کی بیوی کو یہ خیال آیا کہ اس مہینے میں لوگ اپنے مرحوم رشتہ داروں کے لیے فاتحہ وغیرہ کرتے ہیں۔ میرے پاس تو کچھ بھی پیسے نہیں ہیں۔ میں کیا کروں اور کیسے اس کا انتظام کروں۔ اسی درمیان ایک آدمی بھوسی خریدنے کے لیے آگیا اور اس کی بیوی نے اچھا موقع سمجھ کر اس کو چند سکوں کے عوض بیچ دیا۔ اس بار بھوسی بکنے پر اسے بہت ہی کم پیسے ملے۔ کیونکہ بھوسی کا آدھا برتن ہی بھرا تھا۔ پھر بھی وہ خوش تھی کہ چلو شبِ برات کا انتظام تو ہو جائے گا۔ اس نے شب برات کا انتظام کر لیا۔

شب برات کے دوسرے دن جب رحیم مزدوری کر کے گھر واپس آیا اور اپنی عادت کے مطابق برتن میں کچھ پیسوں کو چھپانا چاہا تو وہ بھوسی کے خالی برتن کو دیکھ کر چیخ پڑا "چنوں کی اماں تم نے اس برتن میں رکھی بھوسی کو بیچ دیا۔" چنوں کی اماں پہلے تو اپنے شوہر کی گرجدار آواز سے گھبرا گئی اور پھر بولی "ہاں! میں نے شب برات کے لیے بیچ دیا۔" یہ سن کر رحیم اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کی بیوی اپنے شوہر کی یہ حالت دیکھ کر بولی "تمھیں کیا ہو گیا۔ بتاؤ تو سہی!" وہ کانپتے ہوئے آواز میں بولا "چنوں کی اماں، میں اپنی مزدوری میں سے کچھ پیسے بچا کر اس بھوسی میں تم سبھوں سے چھپا چھپا کر پانچ مہینے سے رکھ رہا تھا کہ عید میں چنو منو اور تمھارے کپڑے خریدوں گا (خریدوں گا) اس برتن میں اب تک دو سو روپے جمع کر چکا تھا۔" یہ سن کر اس کی بیوی کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے اور وہ بھی اپنی تقدیر کو کوسنے لگی۔

شب برات کے تیسرے روز سے رحیم بڑا اداس اور غمگین رہنے لگا۔ اپنے غم اور غصے کا اظہار یوں کیا کہ اس نے سلاخوں کے جال کو بننا بند کر دیا۔ کیوں کہ اس کے دماغ میں یہ بات اٹ چکی تھی کہ زیادہ محنت اور مزدوری کرنے سے کوئی فائدہ نہیں جب میری تقدیر ہی اچھی نہیں تو پھر اسی طرح زندگی گزار دوں گا۔ اس طرح رمضان کا بھی مہینا آگیا۔ اور وہ اپنے خواب کو یاد کر کے تنہائی میں روتا رہتا تھا کہ یا اللہ! ہم نے کون سا گناہ کیا تھا کہ میرے کام کے لیے پیسا رکھا تھا جو تو نے ہم سے چھین لیا لیکن اب ایسا سوچنے سے کیا فائدہ۔؟ وہ یوں ہی روزانہ مزدوری کے لیے جاتا اور مغموم حالت میں شام کو

واپس آجاتا۔

رمضان کی دس تاریخ تھی۔ ایک ملّاح نے رحیم سے بڑی آرزو منّت کی کہ بھائی رحیم! میرے جال کی بنائی کھل گئی ہے، میری خاطر اس کی مرمّت کردو۔ میری روزی روٹی کا سوال ہے۔ اس نے لاپروائی سے جال کو لے لیا اور فوراً ہی مرمت کرکے اس کے حوالے کر دیا۔ اس ملّاح نے بھی فوراً اپنی جیب سے اٹھنّی نکال کر دیدی۔ رحیم نے اس اٹھنّی کو لے کر یوں ہی لاپروائی سے ایک کنارے ڈال دیا۔

شام کے وقت ملّاح کی دی ہوئی اٹھنّی کو لے کر وہ بازار کی طرف چل پڑا۔ آج بازار میں مچھلیوں کی ریل پیل تھی۔ اس لیے مچھلی سستی بک رہی تھی۔ اس نے بھی تول میں ایک مچھلی خرید لی اور اسے لے کر گھر واپس آیا۔ رات ہو چکی تھی۔ اس لیے اپنی بیوی سے جلد بنانے کے لیے کہا۔ اس کی بیوی نے چند منٹوں بعد جیسے ہی اس مچھلی کے ٹکڑے بنانے چاہے اس کے پیٹ سے ایک گول سا پتھر گر پڑا۔ جس کے گرتے ہی اس کا اندھیرا گھر اس پتھر کی چمک سے روشن ہو گیا۔ اس کی بیوی اور رحیم دونوں گھبرا گئے "یا اللہ! یہ کیا بلا آگئی ہے۔" وہ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ بستی میں شور مچ گیا۔ ایک بستی سے دوسری بستی اور شہر تک اس کی خبر جا پہنچی۔ اس کی قیمت بڑے بڑے جوہری لگانے لگے۔ ہزاروں سے لاکھوں تک اس کی قیمت لگ گئی۔ اس لعل کے سہارے رحیم مزدور اس بستی کا ہی نہیں بلکہ آس پاس کی تمام بستیوں کا واحد امیر شخص بن گیا۔ اس نے اپنے خواب کو حقیقت میں بدلتے وقت اس میں مزید اضافہ کر دیا۔ اُس نے بستیوں کے تمام غریبوں اور مفلسوں کے لیے کپڑے اور عید کی خوشیوں کے سامان مُہیّا کر دیے۔ عید کے دن وہ بہت خوش تھا، اس لیے کہ اس کے بچوں کے ساتھ بستی کے تمام لوگ اس کی خوشی میں برابر کے شریک تھے۔

بابا کی کرامات

عقیلہ قیس

شہر سے مورکھ گنج کی دوری بہت زیادہ نہ تھی۔ یہی کوئی ایک ڈیڑھ میل۔ لیکن دونوں جگہوں کے درمیان ایک چوڑے پاٹ والی ندی بہتی تھی جس سے مورکھ گنج شہر سے بالکل کٹ ہی گیا تھا۔

مورکھ گنج کے سبھی لوگ احمق اور توہم پرست تھے۔ جادو طلسم اور ٹونے ٹوٹکوں میں گہرا اعتقاد تھا ان کا۔ مرد کوئی اہم کام شروع کرنا چاہتے تو سب سے پہلے شگون نکال کر یہ طے کرتے کہ ابھی شروع کیا جائے یا نہیں۔ اس سے کام میں بے وجہ دیر ہوتی اور کبھی کبھی نقصان بھی ان کو برداشت کرنا پڑتا۔ عورتیں بھی کم نہ تھیں۔ برسات کے موسم میں بارش نہیں ہوتی تو ساری رات چیخ چیخ کر گیت گاتیں اور اپنے ساتھ دوسروں کی بھی نیندیں حرام کر دیتیں۔ اور کبھی شادی بیاہ کے موقع پر بارش کا اندیشہ پیش آتا تو پاس پڑوس سے لوٹا چرانے نکلتیں۔ ان کا یقین تھا کہ اس طرح بارش کے امکان کو ٹالا جا سکتا ہے۔ ساعت بری ہوتی تو پکڑی جاتیں۔ پھر ان پر جوتے چپلوں کی بارش ہوتی یا پھر گالیوں کی۔

مورکھ گنج کا مکھیا بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا اور مورکھوں کا مکھیا ہونے کی بات کو صحیح ثابت کرتا تھا۔ گذشتہ کئی برسوں سے ایسا ہو رہا تھا کہ اس کے جو بھی اولاد پیدا ہوتی، موت کا نوالہ بن جاتی۔ اس کے دل میں یہ وہم گھر کر گیا تھا کہ ہو نہ ہو اس کے گھر میں بھوت، جن کا ڈیرا ہے۔ ہر سال دوسرے گاؤں سے کھوج کھوج کر وہ اوجھوں کو بلاتا اور گھر کھونٹوایا کرتا۔ پھر بھی اس کو دل کا چین میسر نہ ہوا۔

ایک روز گاؤں والوں نے پڑاؤ سے کے بڑے برگد کے درخت کے نیچے ایک عجیب قسم کے آدمی کو اپنے ارد گرد کے ماحول سے بے خبر لیٹے ہوئے پایا۔ اس کے بڑے بڑے بال، گھنی بھری داڑھی اور چھتراتی ہوئی مونچھوں سے خوف اور اسرار ٹپکتا تھا۔ گاؤں والے فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ لوگوں نے دیکھا کہ بھوک لگنے پر وہ شخص اٹھتا اور پاس ہی کہیں بھی جا کر زمین کھودنا شروع کر دیتا۔ تھوڑی دیر میں اس کے اندر سے سیب ناشپاتی اور دوسرے پھل نکل آتے جنھیں کھا کر اپنی بھوک مٹا لیتا۔ گاؤں والوں نے جو یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو دانتوں تلے انگلیاں دبا لیں۔ لوگ اب اس کو احتراماً بابا کہنے لگے۔ اور خود ان کے لیے طرح طرح کی مٹھائیاں اور پھول پھل لے کر آنے لگے مگر بابا کو ان سب چیزوں کی پروا تک نہیں تھی۔ ایک آدھ ٹکڑا چکھ کر باقی سامان یوں ہی چھوڑ دیتے۔

ایک بات اور ہوئی۔ منگلو جس کی قوت بینائی دس بارہ روز قبل اچانک غائب ہو گئی تھی کسی طرح بابا کے پاس آیا اور ان کے قدموں پر گر کر گڑگڑاتا ہوا بولا، "بابا مجھے نہ معلوم کس بھول کی سزا میں بھگوان نے میری آنکھوں کی روشنی چھین لی۔"

بابا نے اسے اٹھا کر اپنے قریب بٹھایا اور دھیمے

ہمدردانہ لہجے میں بولے "تو اندھا ہو گیا ہے ننگلو!"

اس کے بعد انھوں نے اپنے قریب زمین سے تھوڑی سی دھول اٹھائی، ننگلو کا سر پکڑ کر اس سے پلکیں موندنے کے لیے کہا اور کچھ بدبداتے ہوئے اس پر دھول مل دی۔ تھوڑی دیر بعد ننگلو نے جو آنکھیں کھولیں تو کچھ لمحوں کے لیے پلک جھپکانے کے بعد چیخنے لگا "ارے میری آنکھیں ٹھیک ہو گئیں، مجھے سب نظر آ رہا ہے، میں سب کو دیکھ سکتا ہوں۔"

پھر بابا کے قدموں کو چھو کر ملتجیانہ لہجے میں بولا:

"دھنیہ ہیں آپ، بابا۔ اب ایک مہربانی اور کیجیے۔ اپنا غلام بنا کر اپنی خدمت کا موقع دیجیے۔"

اس روز سے ننگلو دن رات بابا کے ساتھ رہنے لگا۔

اس خبر نے تو پورے گانو میں تہلکہ ہی مچا دیا۔ لوگ اب بابا کو خوش کرنے کے لیے طرح طرح کی چیزیں بابا کو بھینٹ چڑھاتے اور مرادیں مانگتے۔

آخر یہ بات گانو کے مکھیا کے کانوں میں بھی پہنچی۔ بابا کی کرامات کا گانو والوں سے آنکھوں دیکھا حال سن کر اس کے مایوس اور پژمردہ دل میں امید کی نئی کونپلوں نے آنکھیں کھولیں۔ آخر وہ بھی بابا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا غم ظاہر کیا۔ بابا نے کہا، "تیرے گھر ایک بڑے بھوت نے ڈیرا ڈال رکھا ہے۔ سب اسی کا کھیل ہے!"

گانو کے مکھیا کو پہلے سے شک تھا ہی۔ اب بابا کے منہ سے بھی یہی بات سن کر اس کو اس بات کا پکا یقین ہو گیا۔ اس کا گلا بھر آیا۔ بولا "میرا نام و نشان ختم ہو جائے گا بابا۔ مجھے بچائیے۔ میرے گھر کو اس بھوت سے آزاد کر دیں، میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

بابا بولے "ناممکن ہے! اس طاقتور اور ظالم بھوت سے لوہا لینا خطرناک ہے۔"

مکھیا یہ سن کر خوف اور مایوسی سے رونے لگا۔ اس نے کئی دفعہ بابا سے اس بھوت کو بھگانے کی گزارش کی۔

آخر بابا کا دل پگھل گیا۔ فرمایا، "جا تیرے جیسے سچے بھگتوں کے لیے یہ کام بھی کروں گا لیکن ——"

"لیکن کیا بابا ——؟" مکھیا نے فوراً پوچھا

"اس کے لیے ایک بڑا سا مٹی کا گھڑا، ایک موٹا پکھا اور ایک مضبوط رسّی درکار ہوگی۔ انتظام کر کے رکھنا، کل صبح تیرے گھر چلوں گا۔"

دوسرے دن صبح بابا ننگلو اور گانو کے مکھیا کے ساتھ اس کے گھر پہنچے۔ پہلے انھوں نے گھر کے اندر باہر چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھا پھر پر فکر لہجے میں بولے "اس طاقتور بھوت کو قابو میں کرنے کے لیے لڑائی لڑنا ہوگی۔

"تم ایسا کرو، گھر کی عورتوں کو کسی پڑوسی کے یہاں پہنچا کر پورا مکان خالی کر دو۔ میں آج اس کا فیصلہ کر کے ہی لوٹنا چاہتا ہوں۔"

پورا مکان بابا کی ہدایت کے مطابق خالی کر دیا گیا۔

بابا نے گھڑا، پکھا اور رسّی لے لیے۔ وہ گھر کے اندر جانے سے قبل ہدایت کرتے ہوئے بولے "آج یا تو میری جان جائے گی یا اس بھوت کو یہاں سے جانا ہوگا۔ جب تک میں خود باہر نہ نکلوں تم لوگ اندر آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

اس کے بعد بابا نے اندر جا کر کواڑ بند کر لیے۔ کچھ دیر تک لوگوں نے بابا کے منتر زور زور سے پڑھنے کی آواز سنی پھر اچانک گھر کے اندر سامانوں کے گرنے پڑنے کی آواز آنے لگی۔ بیچ بیچ میں بابا کے چیخنے کی آواز بھی آنے لگتی جیسے ان کا گلا دبایا جا رہا ہو۔

باہر کے لوگوں کے لیے یہ سب بڑا بھیانک تجربہ تھا۔ ان کے چہرے خوف سے نیلے پڑ گئے تھے۔ گھر کے اندر برتنوں کے گرنے ٹوٹنے کی صدا سے ان کا دل کانپ رہا تھا۔

تقریباً گھنٹے بھر لڑائی چلتی رہی پھر کچھ دیر کے لیے گھر کے بھیتر خاموشی چھا گئی۔ لوگوں کا ذہن اندیشے سے بھر گیا لیکن جب اس کے بعد دروازہ کھلا اور بابا پسینے سے شرابور گھڑا اٹھائے باہر نکلے تو باہر کھڑے لوگوں نے سکھ کی سانس لی۔ کچھ لوگ خوشی سے چلانے لگے، "بابا کی جے! سادھو بابا کی جے!!"

لیکن بابا کو ان سب کی پروا نہیں تھی۔ وہ مکھیا سے

باقی صفحہ ۲۲ پر

دو تاجر تجارت کے خیال سے گھر سے نکلے۔ راستے میں ان کو بھوک لگی، دونوں ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے۔ ایک نے اپنی روٹی کی گٹھری کھولی تو اس میں سے پانچ روٹیاں نکلیں۔ دوسرے نے اپنی روٹی کی گٹھری کھولی تو اس میں سے تین روٹیاں نکلیں۔ تب ان لوگوں نے اپنی روٹیاں ملا دیں۔ تو یہ روٹیاں آٹھ ہو گئیں۔ ابھی ان لوگوں نے کھانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ انھی کے شہر کا ایک آدمی اور بھی آ گیا۔ انھوں نے اسے بھی کھانے پر ساتھ بٹھا لیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس آدمی نے انھیں آٹھ دینار دیے اور کہا۔ "تم دونوں آپس میں بانٹ لینا" یہ کہتے ہوئے وہ چلا گیا۔

جس تاجر کی پانچ روٹیاں تھیں وہ بولا! "تمھاری تین روٹیاں تھیں اس لیے تمھیں تین دینار اور ہماری پانچ روٹیاں تھیں اس لیے ہمیں پانچ دینار۔ حساب برابر۔"

دوسرا تاجر بولا! "نہیں میں تو چار دینار لوں گا۔"

"کیوں بھلا؟"

"اپن دونوں نے روٹیاں ساتھ ملا دی تھیں۔ اس لیے دونوں کی روٹیاں برابر برابر ہو گئیں۔ آخر اپن دونوں دوست ہیں۔ جب روٹیاں مل کر کھائی ہیں تو برابر برابر کھائی ہیں۔ لہٰذا دینار بھی برابر ہی بٹنا چاہیے۔ میں چار دینار لوں گا۔ تم بھی چار دینار لو۔"

"یہ بات غلط ہے میری روٹیاں پانچ تھیں اس لیے میرے دینار پانچ۔ تمھاری روٹیاں تین تھیں اس لیے تمھارے دینار تین۔"

اس طرح دونوں دوست آپس میں جھگڑنے لگے۔

سرحار روڈ ہزاری باغ (بہار)

ان دنوں عرب میں خلیفہ حضرت علیؓ کی حکومت تھی۔ وہ حساب میں بہت بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ دونوں تاجر انھی کے دربار میں حاضر ہوئے۔

خلیفہ نے دونوں کی باتیں دھیان سے سنیں۔ جس تاجر کی گٹھری سے تین روٹیاں نکلی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر خلیفہ نے کہا: "تم چپکے سے تین دینار لے کر چلتے بنو۔"

"لیکن میرے آقا! مجھے تو چار دینار ہی ملنے چاہییں۔ برابر کا سوال ہے۔"

دوسرا تاجر بھی ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں تھا۔

"دیکھو اگر تم نے تین دینار نہیں لیے تو میں اپنے حساب کی گٹھری کھولوں گا۔ پھر تو تمھیں صرف ایک ہی دینار ملے گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا حضور! میرا حق چار دینار کا ہے۔ اور آپ تین نہیں، دو نہیں صرف ایک دینار کی بات کرتے ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے!"

"تو ٹھیک ہے میں کھولتا ہوں اپنی حساب کی گٹھری۔" خلیفہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب ذرا دھیان سے سنو۔ مان لو روٹی صرف ایک ہوتی اور کھانے والے تین ہوتے تو روٹی کے تین ٹکڑے کیے جاتے کہ نہیں؟"

"کیے جاتے سرکار!"

"مگر روٹیاں تھیں آٹھ جن کے ٹکڑے ہوگئے چوبیس

جنھیں تین آدمیوں نے برابر مل کر کھایا یعنی ہر ایک کو آٹھ آٹھ ٹکڑے ملے۔ حساب ٹھیک ہے نا؟" خلیفہ نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مالک" دوسرے تاجر نے سر ملا دیا۔

خلیفہ آگے بڑھے: "تمھاری روٹیاں کُل تین تھیں؟ صرف تین ہر ایک کے تین تین ٹکڑے کُل کتنے ٹکڑے ہوئے؟"

"نو ٹکڑے سرکار!"

"جس میں سے آٹھ تو تم ہی کھا گئے۔ سب نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے تھے کہ نہیں؟"

"کھائے تھے سرکار۔"

"اب تم ہی بتلاؤ! اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے تو تم نے ہی صاف کر ڈالے۔ صرف ایک ٹکڑا تم نے مہمان کو دیا۔ تو ذرا سوچو! تمھارے دوست نے مہمان کو کتنے ٹکڑے دیے؟ دوست کی روٹیاں تھیں پانچ۔ جن کے تین تین ٹکڑے کیے گئے۔ یعنی کُل ٹکڑے پندرہ ہوئے۔ ان میں سے تمھارے دوست نے صرف آٹھ ٹکڑے کھائے۔ باقی کے سات مہمان کو کھلائے۔ تم نے مہمان کو صرف ایک ٹکڑا کھلایا۔ اس لیے تمھارا ایک دینار۔ تمھارے دوست نے مہمان کو سات ٹکڑے کھلائے اس لیے اس کے سات دینار ہوئے۔ ہو گیا آٹھ دیناروں کا بٹوارا؟"

پہلے تاجر کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ دوسرا تاجر خلیفہ کا منہ تاکتا رہ گیا۔ ●●

بقیہ صفحہ ۱۰

بولے "دیکھو، میں نے گھر میں سانکل چڑھا دی ہے۔ اس بھوت کو لے کر تو میں جا رہا ہوں۔ جنگل میں کہیں دور اس کو دفن کرنا پڑے گا۔ ورنہ اس کے لوٹ آنے کا خطرہ ہے۔ اس کام میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ تب تک گھر کا دروازہ کھولنا نہیں، سمجھے؟"

گانو کے مکھیا نے سر جھکا کر جواب دیا "آپ کی بات سر آنکھوں پر مہاراج!"

اس کے بعد بابا نے بھاری بھرکم گھڑا اپنے کاندھے پر اٹھایا اور منگلو کے ساتھ چل پڑے۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ پاس کی ایک نالی پار کرتے وقت وہ اپنا توازن کھو بیٹھے اور گر پڑے۔ گھڑا نیچے گر کر پھوٹ گیا اور اس کے بھیتر سے خوفناک بھوت کے بجائے ڈھیر سارے سونے چاندی کے زیور بکھر گئے۔ گانو کے لوگوں کی آنکھیں یہ دیکھ کر حیرت سے پھٹ گئیں۔ مورکھ گنج کے بیوقوفوں کا پہلی مرتبہ عقل سے سابقہ پڑا۔

بابا اور منگلو اٹھ کر بھاگنے لگے لیکن گانو والوں نے انھیں فوراً پکڑ لیا۔ کچھ لوگوں نے تو غصے میں ان کی خوب مرمت بھی کی۔ اس طرح معجزوں کا راز کھلا۔

گانو کے لوگوں نے اس واقعے سے کئی باتیں سیکھیں۔ انھوں نے جانا کہ ڈیڑھ ہفتہ قبل منگلو نابینا نہیں ہوا تھا۔ یہ تو محض اس کی مکاری تھی، کہ زمین کے اندر سے سیب ناسپاتی نکال کر کھانے والے بابا آدھی رات میں ہی گڑھے کھود کر پھل چھپا دیتے تھے، کہ بابا اور منگلو گانو والوں کو بیوقوف سمجھ کر لوٹنا چاہتے تھے۔

مگر گانو والوں کے لیے یہ سب ایک نیا تجربہ تھا۔ ●●

براہ کرم پرچہ نہ ملنے کی اطلاع ہر مہینے کی ۱۰ تاریخ کو دے دیا کیجیے بصورت دیگر تعمیل ممکن نہ ہو سکے گی۔

سرکولیشن منیجر

دسمبر کا شمارہ ڈاک سے محصول ہوا۔ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی۔ پیام تعلیم وصول ہوتے ہی بغیر پڑھے چین نہیں ملتا ہے آپ سبھی کہانی معیاری شائع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں کے لیے سبھی سامان آپ نے پیام تعلیم میں جمع کر دیے ہیں۔ ساتھ انعامی مقابلہ بھی خوب رہتا ہے۔

اس شمارہ میں "بچوں کا ادیب عبدالواحد سندھی" کے بارے میں پڑھا جو مسعود احمد برکاتی نے بہت اچھے طریقے سے پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ "چاے کی دعوت"، "قصہ بلی اور چوہے کی دشمنی کا"، "شاہی حجام"، "گھریلو ملازمہ"، "نوبل انعام کی حقدار" اور "سراغ" نے بھی کافی متاثر کیا۔

یہ دلیش ہمارا ہے (ساحل تسلیمی) اور عزیز مرادآبادی کی "دیس کی نیتا" بھی پسند آئی۔ بچوں کی کوشش کالم میں کافی اچھے اچھے مضامین تھے اسلامی میں حضرت علی کا کردار بھی پڑھا۔ اگر ممکن ہو تو اسلامی کہانی ضرور شائع کریں میری دعا ہے کہ پیام تعلیم دن دوگنی ترقی کرے (آمین)

محمد ارشاد عالم
عالم منزل۔ اوگانواں۔ نالندہ

میں رسالہ پیام تعلیم چھ ماہ سے پڑھ رہا ہوں مجھے یہ رسالہ بے حد پسند آیا۔ اس رسالہ میں اور کہیں اچھا مواد ہوتا ہے۔ مجھے خاص طور سے یہ کہنا ہے کہ آپ اس میں کارٹونی کہانیوں سے شمارے کا صفحہ ضائع نہ کریں لہذا ہماری آپ سے درخواست ہے کہ آپ شمارہ میں سماجی و سائنسی مضامین لکھا کریں جن سے معلومات میں اضافہ ہو۔

محمد انیس احمد
گلی پہاڑی املی مکان ۱۳۱۵ دہلی

نام: خالد ندیم ولد عبدالمطلب عمر: ۱۵ سال
مشغلہ وشوق:- اخبارات کا مطالعہ کرنا۔ قلمی دوستی کرنا۔ کرکٹ کھیلنا۔ نماز پڑھنا۔ لطیفے سننا۔
پتا: ضلع پریشد ہائی اسکول بالاپور ضلع اکولہ ۴۴۴۳۰۲

نام:- محبوب سعید حارث عمر: ۱۴ سال
مشغلہ:- اچھی اچھی کتابیں پڑھنا اور ان کو جمع کرنا۔ ٹکٹ جمع کرنا۔ ریڈیو پروگرام میں شامل ہونا۔ سکے جمع کرنا
پتا:- کیراف محمد حامد علی صاحب "گلفشاں" چھوٹا قاضی پور، گورکھپور

نام:- محمد ماجد قمر محمد ہارون عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: روز بچوں کے ساتھ اسکول جانا اور کتاب لے کر پڑھنا اور بڑوں کو ادب سے سلام عرض کرنا۔
پتا: انوار اردو ہائی اسکول روڈ جامع مسجد پورہ مانا۔ ضلع اکولہ ۴۴۴۱۰۶

نام: عقیل احمد عبدالمجید عمر ۱۵ سال
مشغلہ: اچھی اچھی کتابیں پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا۔ اسکول وقت پر جانا اور قلمی دوستی کرنا۔
پتا: انوار اردو ہائی اسکول روڈ جامع مسجد پورہ مانا۔ اکولہ

نام: شبنم اوگانوی عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: کہانی لکھنے کا شوق، تصویر بنانا، انعامی مقابلہ میں حصہ لینا۔
پتا:- کیراف ساحل اوگانوی عالم منزل اوگانوہ ضلع نالندہ بہار

بچوں کے لیے نئی اور دلچسپ کتابیں

کہانیاں، معلوماتی، سوانح

کتاب	قیمت
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چھوٹا لڑکا	۱/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
پھر میں چگوں کیا خاک	۱/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
پھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
جادو کا گھر	۱/۵۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
ہنتو جنتو	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
تاک دنا دن تاک سے	۱/۵۰
مدو رانا پر ریس چلے	۱/۵۰
پان کھاکر طبلہ بجاکر رام ناچا	۱/۵۰
پکڑو دم کٹے کو	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
جن حسن عبدالرحمٰن (اول)	۲/۵۰
جن حسن عبدالرحمٰن (دوم)	۲/۵۰
الوکھا عجائب خانہ (اول)	-/۵۰
الوکھا عجائب خانہ (سوم، چہارم) فی حصہ	-/۵۰
گلابوچو ہیا اور غبارے	۱/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
آؤ ذرا ما کریں	۲/۰۰

کتاب	قیمت
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
اس نے کیا کرنا جانا	۱/۲۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
ایک کچوری تیل میں	۱/۵۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
دادا نہرو	۵/۰۰
بچوں کے اقبال	۴/۵۰
دم کٹا سانپ	۱/۰۰
پہیلیاں	۰/۸۰
تین اناڑی	۲/۰۰
میگھ نگر کا راجا	۱/۲۵
سندر چنار	۰/۷۵
کھیل سنسار (نظمیں)	۴/۵۰
جوہر قابل	۳/۰۰
میر انیس	۲/۰۰
چنبیلی	۱/۲۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
چٹالوں کی کہانی	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
شیر خاں	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰

کتاب	قیمت
میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰
تانبیل خاں	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
دھنک (نظمیں)	۳/۰۰
گلابوچو ہیا اور پری زاد	۲/۰۰
جلوہ غالب	۳/۰۰
وطن کے جاں نثار	۳/۰۰
سرکس	۱/۵۰

مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت
پیارے رسول	۴/۵۰
ہمارا دین (اول، دوم، سوم) فی حصہ	۶/۰۰
یسرنا القرآن	۲/۲۵
اسلام کیسے شروع ہوا	۴/۵۰
ہمارے رسول	۴/۰۰
ہمارے نبی	۲/
اسلامی عقائد و مسائل مذہب	۶/۰۰
قرآن پاک کیا ہے	۳/۰۰
اللہ کا گھر	۳/۰۰
عقائد اسلام	۱/۵۰
حضرت نظام الدین اولیاء	۲/۰۰
چار یار	۴/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول)	۴/۰۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (دوم)	۴/۰۰
سرکار دو عالم	۳/۰۰
اسلام کیسے پھیلا (حصہ اول)	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا (حصہ دوم)	۴/۵۰
خلفاء اربعہ	۶/۵۰

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ہوٹل والا (فوجی سے) یہ کیا؟ تم آدھا کھا رہے ہو آدھا پیکٹ میں بند کر کے جیب میں رکھ رہے ہو۔
فوجی:۔ ارے بھائی جتنے دشمن مار سکا مار دیے باقی کو گرفتار کر رہا ہوں۔

● استاد:۔ بتاؤ ہاتھی کہاں پائے جاتے ہیں؟
شاگرد:۔ سر ہاتھی اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان کے کھوئے جانے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

ح۔م نگرامی

● بیٹا:۔ امی اسکول میں بہت سے خراب لڑکے ہیں۔
امی:۔ بیٹے تو اسکول مت جاؤ۔
بیٹا:۔ اسی لیے تو میں اسکول نہیں جاتا ہوں۔

فخر عالم گیا

● مریض:۔ ڈاکٹر صاحب میرے ساتھ کچھ رعایت کیجیے۔ میں بہت غریب آدمی ہوں۔ ممکن ہے کبھی میں آپ کے کوئی کام آسکوں۔
ڈاکٹر:۔ تم کیا کام کرتے ہو۔
مریض: جی میں قبریں کھودتا ہوں۔

● راشد:۔ بتاؤ حکیم اور ڈاکٹر میں کیا فرق ہے؟
حامد:۔ فرق صرف اتنا ہے ڈاکٹر کوٹ پہنتا ہے اور حکیم شیروانی۔

شاہد رفیق راجپوت۔

● ماں:۔ میں نے جو پیسا تمھیں دیا وہ کیا کیا۔
بیٹا:۔ جو پیسا آپ نے مجھے دیا وہ زمیں پر گر گیا۔
ماں:۔ تو تم نے اٹھایا کیوں نہیں؟
بیٹا:۔ ابا جان کہتے ہیں کہ گری ہوئی چیز مت اٹھاؤ۔

شکیل الرحمٰن (گیا)

● ایک اُچکّے نے حلوائی کی دکان پر تھال میں سے لڈو اٹھا لیا۔ حلوائی نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اچکّے نے جھٹ سے وہ لڈو منہ میں رکھ لیا اور بولا "لو بس نہ تمھارے ہاتھ آیا اور نہ میرے ہاتھ آیا"۔

● استاد:۔ جو کام تم نے نہیں کیا۔ اس کے لیے تمھیں سزا بھی نہیں ملے گی۔
ایک لڑکا:۔ شکریہ سر، آج میں نے ہوم ورک نہیں کیا ہے۔

عبداللہ فیضان احمد

● ماں:۔ "نیلوفر! تم چھجّے پر کیا کرنے لگیں؟ جلدی کوڑا پھینک کر واپس آؤ"۔
نیلوفر:۔ "اماں! آپ نے کہا تھا کہ آدمی دیکھ کر پھینکنا اور ابھی تک کوئی آدمی اِدھر سے گزرا ہی نہیں"۔

● مریض:۔ مہربانی کر کے میری آنکھیں دیکھ لیجیے"۔
ڈاکٹر:۔ کیوں، کیا ہے؟ مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا"۔
مریض:۔ "خوب! تو میں اور آپ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں"۔

عطیہ صدیقی گونڈہ

ادھر ادھر سے

محکمہ ڈاک وتار کا خطوط نویسی کا مقابلہ
مس ثریا کو پہلا انعام ملا

اس سال محکمہ ڈاک وتار کے زیر اہتمام منعقد کیے جانے والے خطوط نویسی کے بین اقوامی انعامی مقابلہ میں پہلا انعام گوہاٹی کی رہنے والی ایک لڑکی مس ثریا کو اس کے انگریزی زبان کے خط پر ملا ہے۔ انعام آج یہاں وزیر مواصلات مسٹر این وی گاڈ گل نے تقسیم کیے۔ پہلے انعام کی رقم ایک ہزار روپے رکھی گئی تھی۔

۱۱۵ برس کی عمر میں انتقال

مونگیر سے ۴ کلومیٹر دور موضع ڈھالیکے میں فرید کوٹ ضلع کے سب سے معمر شخص سردار سنتا سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ وہ ۱۱۵ برس کے تھے۔ انھوں نے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں شرکت کی تھی اور وہ موت کے دن تک کام کرتے رہے۔ ان کی بینائی آخری دم تک ٹھیک رہی۔ اور ان کے سبھی دانت سلامت تھے۔

کلب ضلع پرلیشد اردو پرائمری اسکول

۲ر اکتوبر ۸۴ء کو گاندھی جینتی اور لال بہادر شاستری جینتی کی تقریب میں ہمارے اسکول، ضلع پرلیشد اردو پرائمری اسکول کلب (ضلع ایوت محل مہاراشٹر) کی ایک طالبہ لبنیٰ تحسین بنت قاضی محمد فہیم الدین نے اپریل ۸۴ء کے ضلع بورڈ کے مشترک سالانہ امتحان میں کلب سنٹر پر ڈیڑھ سو طالبات و طلبہ میں ۷۰٪ نمبرات حاصل کر کے نمایاں کامیابی کے اعزاز میں کلب کے ایک "سماج مصلح" جناب چند دو چاندورے صاحب کی طرف سے ہر سال کے مطابق ۱۵ روپے کا تحفہ بصورت اسٹیل کی ایک کشتی، ایک گلاس، ایک لوٹا اور ایک کٹوری پیش کی گئی۔

بندر کے دل والی لڑکی کی طبیعت پھر خراب ہونے لگی

لوما نڈا (کیلیفورنیا) ۱۳ر نومبر ایک ماہ کی جس بچی کے سینے میں بندر کا دل بذریعہ آپریشن لگایا گیا تھا۔ اس کی طبیعت پھر مضمحل ہونے لگی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جسم بندر کے دل کو قبول نہیں کر رہا ہے۔ لیکن علاج کا اثر ضرور قبول کر رہا ہے اس کے معالج ڈاکٹر رابن دور وشو نے کہا ہے کہ بہر حال حالت تشویش ناک نہیں ہے لڑکی جس کا نام راز رکھا گیا ہے اور جسے صرف بے بی فے کے نام سے جانا جاتا ہے اسے یہاں کے اسپتال میں ۲۶ر اکتوبر کو بندر کا دل لگایا گیا تھا۔

دنیا کا سب سے اونچا درخت

کیلیفورنیا میں پانچ سو سال پرانا ایک درخت ہے اس کی اونچائی ۳۲۰ فٹ ہے اور اس کا گھیرا ۱۵۱ فٹ ہے یہ دنیا کا سب سے اونچا درخت ہے۔

۲۵ برس بعد میٹرک پاس کیا

بجنور۔ قصبہ نہٹور سے قریب ۱۲ کلومیٹر دور ایک شخص نے ۲۵ سال بعد میٹرک پاس کیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ نگینہ کے رہنے والے ممتاز احمد نام کے اس شخص نے سب سے پہلے ۱۹۵۹ میں ہائی اسکول کا امتحان دیا تھا جس میں وہ فیل ہو گیا تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری اور ۲۵ سال کی لگاتار کوشش کے بعد آخر کار اس نے اس سال ہائی اسکول کا امتحان پاس کر لیا۔ صحیح ہے محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

بچوں کی کوششیں

شیام کی چالاکی

ایک دن شیام نے شہر جانے کے لیے ٹھان ہی لی۔ وہ گھر سے نکلا تو شیام کی ماں نے کہا بیٹا تمھیں دینے کے لیے میرے پاس اور تو کچھ ہے نہیں سوائے اِس چھوٹے سے ہیرے کے، یہی لے لو شیام نے ہیرا لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور اپنی ماں سے رخصت ہو کر چل پڑا، دوپہر کو آدھا جنگل پار کرنے کے بعد اُس کا سامنا ڈاکوؤں سے ہوگیا۔ ڈاکوؤں نے کہا جتنا مال ہے ہمارے حوالے کردو ورنہ جان سے مار ڈالیں گے۔ شیام نے کہا اچھا میں پہلے کھانا کھالوں، آپ لوگ بھی میرے ساتھ کھانا کھا لیجیے، ڈاکوؤں نے کہا نہیں کوئی اعتراض نہیں، شیام نے کہا میں ہمیشہ کھانے سے پہلے نہاتا ہوں آپ لوگ شروع کیجیے میں نہا کر آتا ہوں، پھر ندی کی طرف گیا اور اِس میں کود گیا اور چپکے سے اپنی ماں کے دیے ہوئے ہیرے کو جیب سے نکالا پھر باہر آکر کہا کہ بھائیو یہ ہیرا مجھے ندی میں ملا ہے شاید ابھی بہت سے ہیرے ہوں گے۔ تینوں ڈاکو کھانا چھوڑ کر کپڑے سمیت ندی میں کود پڑے۔ اِدھر شیام اپنا سارا سامان لے کر نو دو گیارہ ہوگیا۔ ڈاکو ہیرا ڈھونڈتے ہی رہے۔

سید احمد جامی
درجہ ششم الف مڈل اسکول جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۵

ہمدردی

کسی گانو میں ایک راجا رہتا تھا۔ اس کا نام کنور سنگھ تھا۔ وہ نہایت رحمدل اور خوش مزاج تھا۔ اس گانو میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو راجا کی تعریف نہ کرتا ہو۔

ایک دن کی بات ہے، راجا اپنے بستر پر سویا ہوا تھا۔ رات کے قریب دو بج رہے تھے۔ دور دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دور گانو کے کتے بھونک رہے تھے۔ اتنے میں راجا کی آنکھ کھل گئی تو اس کے کانوں میں ایک بوڑھی عورت کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ راجا جب وہاں پہنچا تو ایک بوڑھی عورت ایک ٹوٹے ہوئے مکان کے باہر رو رہی تھی۔ جب راجا نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ کیا بتاؤں، میں دو دن سے بھوکی ہوں۔ راجا اس کو فوراً اپنے محل لے گیا اور اس کو کھانا کھلوایا اور آرام کے لیے ایک کمرہ دیا۔

بوڑھیا ایک جادوگرنی تھی وہ راجا کے پڑوسی دشمن راجا کے یہاں سے کنور سنگھ کو مارنے آئی تھی۔ بوڑھیا بستر پر پڑی سوچ رہی تھی کہ جس نے مجھ پر اتنا احسان کیا ہو اس کو کیسے مارا جاسکتا ہے۔ اس لیے اس نے راجا کو مارنے کی بجائے ایک ایسی انگوٹھی دی جو پوری ریاست کے بارے میں بتلا دیتی تھی کہ کہاں پر کون کیا کر رہا ہے۔ اس سے راجا کو یہ پتا چل جاتا کہ اس سے کتنے لوگ خوش یا ناخوش ہیں۔

اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا چاہیے چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ ہمدردی سے پیش آنے سے پتھر بھی موم بن سکتا ہے۔

ابوطلحہ
جماعت دہم ضلع اسکول سہسرام

بھوت

محمود اسلامیہ اسکول الہ آباد کا ایک ذہین طالب علم تھا۔ وہ ہمیشہ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوتا تھا اس لیے استاد کے ساتھ ساتھ سبھی لڑکے بھی محمود کو پسند کرتے تھے۔ وہ ایک زندہ دل لڑکا تھا، لیکن آج جب وہ اسکول آیا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا، آنکھوں میں ہلکی سرخی بھی تھی۔ اس کی اس عجیب کیفیت کو دیکھ کر سبھی تعجب میں تھے۔

انٹرول میں محمود کا قریبی دوست اور ہم جماعت آفتاب نے اس کی اس حالت کو دیکھ کر پوچھا: کہ محمود کیا بات ہے، آج تم اداس لگ رہے ہو اور ایسا لگتا ہے کہ تم رات بھر سوئے نہیں ہو؟" محمود کے خاموش رہنے پر آفتاب نے اپنا سوال دہرایا۔ تب محمود کہنے لگا: "کیا بتاؤں آفتاب، کل رات ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے اور میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔ "لیکن آخر کیا بات ہوئی کہ تم اتنا پریشان ہو۔" یہ کہتا ہوا آفتاب اور قریب کھسک آیا۔

محمود آہستہ آہستہ کہنے لگا "کل رات مجھے کافی رات تک نیند نہیں آئی اور میں جاگتا رہا کہ مجھے پیاس لگی، میں پانی پینے کے لیے اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ اچانک میری نظر چھت پر پڑی، میں حیرت میں پڑ گیا، کیوں کہ چھت پر لمبا کالا بھوت کھڑا تھا، میں ڈر کے مارے دوڑتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بھاگا، اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرا گیا۔ جس کی وجہ سے میرے پیر میں چوٹ آ گئی۔ میں دھیرے سے اٹھ کر کمرے میں جا کر لیٹ گیا، لیکن رات بھر مجھے نیند نہیں آئی اور میں جاگتا رہا۔"

آفتاب نے کہا "دوست گھبراؤ مت وہ کوئی بھوت ووت نہیں ہے، بس تمہارا وہم ہے۔ کل رات کو دیکھنا وہ بھوت آتا ہے کہ نہیں اگر آئے تو اپنی امی کو جگا کر ان سے کہنا۔" تبھی گھنٹی بجی اور دونوں دوست کلاس میں چلے گئے۔

دوسرے دن جب محمود اسکول آیا تو وہ پہلے ہی کی طرح خوش خرم تھا۔ آفتاب نے پوچھا "کیوں محمود بھوت کا کیا ہوا؟" محمود ہنستے ہوئے کہنے لگا "تم نے صحیح کہا تھا، وہ کوئی بھوت نہیں تھا۔ بلکہ میری امی کا نقاب تھا۔ ہوا یہ تھا کہ میں تمہارے کہنے کے مطابق دوسرے دن رات کو بھوت دیکھنے کے لیے ہمت کر کے نکلا تو کل کی طرح وہ آج بھی موجود تھا، میں نے ڈرتے ڈرتے امی کو جا کر جگایا اور بھوت کے بارے میں بتایا انھوں نے اٹھ کر باہر کی لائٹ جلائی تو میں نے دیکھا کہ وہ تو امی کا نقاب ہے امی جان نے اس نقاب کو چھت پر دھوپ میں رکھا تھا۔ وہ دن کو اٹھانا بھول گئی تھیں جس کو کہ میں بھوت سمجھ بیٹھا۔" پھر دونوں دوست ہنستے ہوئے کلاس میں چلے گئے۔

اس طرح یہ ظاہر ہوا کہ کسی چیز سے ڈریں نہیں بلکہ ہمت سے ہر مرحلے سے نپٹنا چاہیے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر۔

ایم سیف الدین انصاری
معرفت: شمع بک اسٹال چوک گھنٹہ گھر الہ آباد

قسمت کی شہزادی

ایک راجا تھا، اس کے سات بیٹیاں تھیں۔

ایک دن راجا نے اپنی سبھی بیٹیوں سے پوچھا۔
"بیٹی تم کس کی قسمت سے کھاتے ہو؟" راجا
کی چھے بیٹیوں نے جواب دیا "ابا حضور میں
آپ کی قسمت سے کھاتی ہوں۔" راجا نے اپنی
سب سے چھوٹی لڑکی زاہدہ سے بھی پوچھا۔
"بیٹی تم کس کی قسمت سے کھاتی ہو؟" شہزادی
زاہدہ نے کہا "ابا حضور میں اپنی قسمت سے
کھاتی ہوں۔" یہ سن کر راجا بہت ناراض ہوا۔
اس نے اپنے نوکر کو بلا کر کہا کہ اسے جنگل
میں چھوڑ آؤ۔ نوکر نے جا کر زاہدہ کو جنگل
میں چھوڑ دیا۔ زاہدہ جنگل میں روتی بھٹکتی رہی۔
ایک لکڑہارا پیڑ کی ڈال پر بیٹھا لکڑی کاٹ رہا تھا۔
وہ زاہدہ کے رونے کی آواز سن کر نیچے اترا اور
پوچھنے لگا۔ "بیٹی تم کیوں رو رہی ہو؟" شہزادی
نے اپنی داستان لکڑہارے کو سنائی۔ لکڑہارے
نے ساری داستان سن کر کہا "بیٹی تم میرے
ساتھ رہو۔" لکڑہارے کے بھی کوئی اولاد نہیں
تھی۔ اس نے شہزادی کو بیٹی بنا لیا۔ اور دونوں
ساتھ میں رہنے لگے۔ ایک دن کی بات ہے۔
شہزادی اور لکڑہارا دونوں جنگل میں لکڑی کاٹ
رہے تھے کہ اچانک بابا کی کلہاڑی زمین میں
دھنس گئی اور ٹن کی آواز سنائی دی۔ شہزادی نے
بابا سے کہا "بابا اس کو کھودیے۔" بابا نے کھودنا
شروع کیا، کھودتے کھودتے ایک گھڑا نکلا۔
اس میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ شہزادی
یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ دونوں نے اللہ کا
شکر ادا کیا۔ شہزادی نے بابا سے کہا "بابا ہم
لوگوں کے رہنے کا گھر نہیں ہے۔ چلیے ایک
اچھا سا گھر بنوائیں۔" بابا نے مزدور لگا کر ایک
اچھا سا گھر بنوایا۔ کچھ ہی دنوں میں خوبصورت
محل بن کر تیار ہوا۔ اس میں باغ باغیچہ لگایا گیا
اور محل کو اچھی طرح سجایا گیا۔
ایک دن راجا اپنی جنگل میں شکار کی
غرض سے جب داخل ہوا تو اسے سخت حیرانی
ہوئی۔ اس نے ایسا خوبصورت محل کبھی نہ
دیکھا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہ سکا تھا کہ وہ لڑکی
جسے وہ جنگل میں چھوڑ آیا تھا آج اس محل کی
مالک ہوگی۔ وہ اس لڑکی کو بھول بھی چکا تھا
اور یہ یقین کر لیا تھا کہ اسے جنگلی جانوروں
نے کھا لیا ہوگا۔ راجا کو تجسس پیدا ہوا کہ وہ
اس محل میں داخل ہو کر دیکھے کہ وہاں کون
لوگ آباد ہیں۔ چنانچہ وہ محل میں داخل ہوا۔
ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ اندر سے
شہزادی زاہدہ نمودار ہو رہی تھی۔ راجا شہزادی کو
دیکھ کر گم صم کھڑا رہا۔ زاہدہ کی بھی یہی حالت
تھی۔ آخر شہزادی زاہدہ نے اپنے ابا حضور کا
استقبال کیا اور اندر لے گئی۔
پھر شہزادی نے اپنی بہنوں کے بارے
میں پوچھا تو راجا کہنے لگا۔ "بیٹی تمہاری بہنوں
نے ہماری ساری دولت تباہ کر دی تم ٹھیک
کہتی ہو کہ ہر آدمی اپنی قسمت سے کھاتا ہے
جو اللہ پر صابر و شاکر رہتے ہیں اللہ ان کی
مدد اپنے غیب سے کرتا ہے۔"

عائشہ بانو
نیاز احمد، جگر منزل، جگر روڈ، گونڈہ

خدا کی نافرمانی کا انجام

قوم یہود کو حکم تھا کہ ہفتے کے دن شکار
نہ کریں، تو وہ کیا تدبیر کرتے کہ دریا کے کنارے
گڑھے کھود کر ہفتے کے دن سے ایک روز
پہلے دریا کا پانی ان میں بھر دیا کرتے تھے

دریا سے گڑھے تک ایک نالی بنا دیتے جس سے پانی کے ساتھ ساتھ مچھلیاں بھی گڑھے میں آجائیں۔ وہ دوسرے دن اتوار کو مچھلیاں گڑھے سے نکال لیتے اور حیلہ کرتے کہ یہ مفتے کا شکار ہمیں یہ تو جمعہ کا شکار ہے اور پھر مچھلیاں اگر چاہتیں تو جس راستے سے آئی ہیں واپس بھی جا سکتی تھیں۔ خدا نے اس نافرمانی اور چالاکی کے سبب ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور انھیں بندر بنا دیا۔

عظمیٰ عارف
درجہ نہم، جی آئی سی، مدورہ، جالون

بچہ غزل

ہمیں چاہیے روز اچھے کھلونے
امرتی قلاقند اور برفی کے دونے
ہم اسکول جائیں گے کچھ لیٹ ہو کر
ابھی نو بجے ہیں، ابھی سوتے دیجیے
ہمیں آج سرکس کا شو دیکھنا ہے
وہ جھولوں کے کرتب مزے کرتے بونے
یہ اتوار آئے گا پھر سات دن میں
یہ پکنک کے دن ہیں بڑے ہی سلونے
بڑی جان کھاتے ہیں یہ ممی ڈیڈی
نہ آنگن ہمارا نہ کمرے کے کونے
ہوئے فیل آخر نہیں پڑھنے والے
دعا بھی مانگیے کیجیے جادو ٹونے
کہا اب بھی احسان کا مان جاؤ
ابھی وقت ہے علم سے دل لگاؤ

احسان احمد
سلیمان منزل، درگا باڑی لین، گیا

لالچی چمپو

کسی زمانے میں ایک بہت ہی گھنا جنگل تھا۔ اس جنگل میں شیر، ہاتھی، بھالو، گیدڑ اور دوسرے چھوٹے بڑے جانور رہتے تھے۔ اس جنگل میں بہت بڑا بازار بھی تھا جس میں کھانے کا ہر سامان ملتا تھا۔ اسی بازار میں ایک دکان کالو بھالو کی تھی جو شہد اور انڈے بیچتا تھا۔ اس کے برابر والی دکان چمپو گیدڑ کی تھی۔ چمپو اپنی دکان میں گوشت بیچتا تھا۔ وہ گوشت بہت مہنگا بیچتا تھا اسی لیے کوئی بھی جانور اس کی دکان سے گوشت نہیں خریدتا تھا۔ سب کالو بھالو کی ہی دکان سے انڈے اور شہد خریدتے تھے۔ جب کوئی جانور کالو کی دکان سے کوئی چیز خریدتا تو چمپو کو بہت غصہ آتا۔ وہ دل ہی دل میں کالو سے جلتا رہتا۔

ایک دن چمپو گیدڑ نے سوچا کہ اب وہ گوشت کی جگہ شہد بیچا کرے گا۔ یہ سوچ کر وہ کالو کے پاس گیا اور بولا "کالو بھائی کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تم یہ شہد کہاں سے لاتے ہو۔ اب میں بھی شہد بیچا کروں گا۔"

"ارے بھئی، شہد نکالنا بہت مشکل ہے۔ اس میں بہت پریشانی ہوتی ہے۔ اچھا یہی ہے کہ تم گوشت ہی بیچو۔" کالو نے چمپو کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

کالو نے چمپو کو بہت سمجھایا۔ جب وہ نہیں مانا تو کالو اس سے بولا "اگر تم نہیں مانتے تو میں تمھیں بتاتا ہوں۔ اگر تم شہد لانا چاہتے ہو تو جنگل کے اندر جاؤ۔ جس پیڑ پر شہد کا چھتا دکھے اس کے نیچے آگ لگا کر دھواں کر دو۔ دھویں سے مکھیاں اڑ جائیں گی اور تم شہد لے آنا۔"

چمپو نے دل میں سوچا کہ کالو بھی کتنا بے وقوف ہے کہ اس نے اس کو شہد توڑنے کی ترکیب بتا دی۔ وہ بنا کچھ کہے سیدھا جنگل کے اندر چل پڑا۔ گھومتے گھومتے اسے ایک شہد کا چھتا نظر آیا۔ اس نے آس پاس

کے پتّے جمع کر کے اس میں آگ لگادی۔ چمپو جسے شہد کا چھتّا سمجھ رہا تھا وہ بروں کا چھتّا تھا۔ سب بروں نے غصّے میں آکر چمپو کے بہت زور سے کاٹ لیا۔ وہ بہت چیخا بہت چلّایا مگر وہاں کوئی تھا ہی نہیں جو اس کی پکار سنتا۔ وہ وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور سیدھا کالو کے پاس گیا۔ چمپو کی ایسی حالت دیکھ کر کالو کو ہنسی آگئی۔ اس نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا "دیکھا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا شہد نکالنا آسان کام نہیں ہے۔" مگر تم مانے ہی نہیں اب اس میں میرا کیا قصور"۔ چمپو کالو کو برا بھلا کہہ کر وہاں سے چلا آیا۔

کچھ دنوں بعد جب اس کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی تو اس نے پھر سوچا کہ اب کیا کیا جائے۔ جس سے کالو کی دکان چلنا بند ہو جائے۔ اچانک اس کے دماغ میں گھنٹی بجی۔ اس نے سوچا کہ اگر میں انڈے بیچنا شروع کردوں تو شاید میری دکان چلنے لگے۔ یہ سوچ کر وہ کالو بھالو کے پاس گیا اور اس سے بولا "کالو بھائی کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تم یہ انڈے کہاں سے لاتے ہو۔ کالو نے کہا "میں اب تم کو کچھ نہیں بتاؤں گا اب کے اگر کچھ بات ہوگئی تو تم مجھے پھر برا کہو گے۔"

چمپو نے کہا "تم بتاؤ چاہے نہ بتاؤ مگر میں پتا لگا لوں گا کہ تم انڈے کہاں سے لاتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے آگیا اور پاس کی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ کالو انڈے لینے جارہا ہے۔ وہ چپ چاپ اس کے پیچھے چل دیا۔

کالو ایک چھوٹے سے گھر میں گھس گیا۔ اس گھر میں چمّی مرغی رہتی تھی۔ جو روزانہ کالو کو انڈے دیتی تھی۔ کالو نے اندر جاکر چمّی سے انڈے لیے اور کہا "چمّی بہن ہوشیار رہنا ایک چور تمہارے انڈے چرانے کے چکر میں ہے۔"

چمّی نے کہا "بھائی تم بالکل فکر مت کرو۔ میں نے انڈوں کی حفاظت کے لیے ایک چوکیدار رکھ رکھا ہے"

جھاڑی میں چھپے چمپو نے بھی یہ باتیں سن لیں اس نے دل میں کہا "چمّی نے چاہے چوکیدار رکھا ہو یا کچھ اور۔ میں انڈے چرا کر ہی دم لوں گا"۔ تھوڑی دیر بعد جب کالو اور چمّی باہر آئے تو چمپو چپ چاپ گھر میں گھس گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں تو کوئی بھی چوکیدار نہیں ہے۔ اس نے ایک ڈربے میں بہت سارے انڈے رکھے ہوئے دیکھے۔ انڈے نکالنے کے لیے جیسے ہی اس نے اندر ہاتھ ڈالا ویسے ہی اس کے ہاتھ میں کسی نے کاٹ لیا۔ وہ درد سے بہت زور سے چلّایا۔ اس کی آواز سن کر چمّی اور کالو اندر دوڑے چلے آئے۔

کالو نے چمّی سے کہا "چمّی چور تو رنگے ہاتھ پکڑا گیا۔ مگر مجھے تمہارا چوکیدار نظر نہیں آرہا"۔

"میرا چوکیدار یہ کالا بچھو ہے جو ہر وقت میرے ڈربے میں رہ کر میرے انڈوں کی حفاظت کرتا ہے"۔ چمّی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کالو نے کہا "دیکھو چمپو میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ شہد اور انڈے بیچنا تمہارے بس کا کام نہیں ہے۔ مگر تم نے میرا کبھی کہنا نہیں مانا۔ اگر آج میری بات مانتے تو شاید یہ سب نہیں ہوتا"۔

چمپو کا سر شرم سے نیچے جھک گیا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ لالچ کرنا اور چوری کرنا کتنی بری بات ہے۔ اس نے اسی وقت دونوں سے معافی مانگی اور اس نے کہا کہ اب وہ کبھی بھی بے ایمانی لالچ اور چوری نہیں کرے گا۔

اس کے بعد چمپو بہت ایمانداری سے اور مناسب داموں پر گوشت بیچنے لگا۔ اب سب ہی جانور اس سے خوش تھے اور سب ہی اس کی دکان سے گوشت خریدنے آتے تھے۔ دیکھا چمپو کس طرح سے ایماندار بن گیا۔

فرخ ریحان

حکمت کے موتی

- لوگ مذہب کے لیے لڑیں گے، جھگڑیں گے، مذہب کی حمایت میں لکھیں گے، لیکچر دیں گے اور اس کی خاطر مر بھی جائیں گے لیکن اس کے مطابق زندگی بسر نہیں کر دیا گے۔ (کولسٹن)
- دکھ کا خیال چھوڑ دینے سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ (ڈاکٹر مارٹن)
- جو لوگ ورزش کے لیے وقت نہیں نکال سکتے ہیں انھیں بیماری کے لیے وقت دینا ہوگا (آر ای ڈی بی)
- کتابوں کا مطالعہ دماغ کو روشن کرتا ہے (ابراہیم لنکن)
- کم پڑھنا زیادہ سوچنا ہی عقلمند بننے کی نشانی ہے۔ (ٹیگور)

محمد انور عادل عثمانی
(پنجیانہ محلہ، کالنی ۱ بردوان)

لالچ کا انجام

پرانے زمانے کی بات ہے۔ کسی گانو کے کنارے آصف نامی ایک شخص رہا کرتا تھا ان کی بیوی تھی جس کا نام جمیلہ تھا۔ دونوں بیوی و شوہر بہت نیک اور خدا پرست تھے۔ آصف صاحب بڑے زمیندار تھے۔ ان کے گھر کے پیچھے آموں اور پھلوں کے باغات تھے۔ گھر سے تھوڑے فاصلے پر کھیت تھا جس کی نگرانی نوکروں کے ذمے تھی۔ شادی کو کئی سال گزر جانے پر بھی ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ گانو کی عورتیں جمیلہ کو طرح طرح کے طعنے دیتیں۔ لیکن آصف صاحب اسے خدا کی ناراضگی سمجھ کر ہمیشہ خدا سے معافی مانگتے اور دعا کرتے کہ یا خدا! ہمیں بھی کوئی اولاد دے۔

آصف صاحب غریبوں کی مدد کرتے، ننگوں کو کپڑے پہناتے۔ جمیلہ بھی بیواؤں کی مدد کیا کرتی۔ کسی کے گھر کوئی مصیبت پڑتی تو ان کی خدمت کرتی اور ان کی ضروریات کو پوری کرنے کی کوشش کرتی۔ اور فرصت کے وقت خدا سے رو رو کر دعا مانگتی اور اپنے گناہ کی معافی چاہتی۔ خواہش یہ تھی کہ سنسان گھر میں کوئی چراغ روشن ہو جائے۔

اب وہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ چکے تھے کہ خدا نے ان کی دعا قبول کی اور ان کے یہاں ایک پھول سی بچی پیدا ہوئی۔ بچی کو پاکر دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ دونوں نے بچی کو بڑے ناز و نعم سے پالا۔ نام بھی اس کا نازو رکھا۔ اب نازو دھیرے دھیرے بڑی ہوکر جب تین سال کی ہوئی۔ ان کے یہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام پیارو رکھا گیا۔ پیارو جب دو سال کا ہوگیا تو دونوں بھائی بہن پھولوں اور آموں کے باغ میں کھیلتے رہتے۔ کبھی کبھی کھیلوں میں اس قدر کھو جاتے کہ انھیں کھانے پینے کا بھی خیال نہیں رہتا۔ ان کی زندگی ایسی ہی گزر رہی تھی۔

ایک بار گانو میں وبا پھیلی۔ ان کے والدین چل بسے۔ ان بچوں کی دیکھ ریکھ ان کے ان تین نوکروں نے کی جو ان کے کھیت کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ان میں سے ایک نوکر بڑا لالچی تھا۔ اس نے ایک روز سوچا کہ اگر کسی طرح ان دونوں بچوں کو ختم کر دیا جائے تو ہم پوری جائداد کے مالک بن جائیں گے۔ اپنا یہ فیصلہ دوسرے دو نوکروں کو سنایا اور انھیں کسی طرح راضی بھی کر لیا۔ انھیں ختم کرنے کے لیے یہ ترکیب سوچی کہ ان دو بچوں کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔ انھیں جنگلی درندے کھالیں گے۔ یہ طے پانے کے بعد نوکروں نے مل کر ان بے کس بچوں سے کہا کہ ہمارے گانو کے کچھ فاصلے پر ایک جنگل ہے، وہاں تمھارے والدین ہیں۔ وہ تم کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ بچے یہ سن کر بے حد خوش ہوئے۔ وہ اپنے والدین کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو گئے اور نوکروں سے کہا جلد ہمیں لے چلو۔

نوکر جنگل میں سرِ شام ایک مقام پر لے گئے۔ وہاں کہا
تم لوگ یہیں بیٹھے رہو۔ تھوڑی دیر بعد تمھارے والدین
آئیں گے۔ بچے والدین کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ وہ
دونوں ظالم جائداد پانے کی خوشی میں جھوم جھوم کر گھر
پہنچے۔ اپنی کامیابی پر بے حد خوش تھے۔ لیکن رات میں
اچانک طوفان آیا۔ وہ عالیشان عمارت زمین بوس
ہو گئی۔ یہ تینوں سنہرا خواب دیکھنے والے دیوار کے نیچے
دب کر مر گئے۔ ادھر جنگل میں اندھیرا چھانے لگا۔ بچے
گھبرا کر اپنے والدین کو پکارنے لگے۔ اتفاق سے اس
وقت ایک سوداگر کا اسی راہ سے گزر ہوا۔ جب اس نے
بچوں کی چیخ، پکار سنی، ان کے قریب آیا۔ ان بچوں
کی درد بھری داستان سن کر اسے رحم آیا۔ وہ بے اولاد
تھا۔ انھیں اپنے گھر لے گیا۔ اس نے انھیں اپنے بچوں
کی طرح پرورش کیا۔ "خدا جسے رکھے اسے کون چکھے"۔
عربی کا مقولہ ہے "الحریص محروم"۔ لالچی محرومی کا منہ
دیکھتا ہے۔ نوکروں نے اپنے لالچ کا انجام دیکھ لیا۔
اور قدرت نے بچوں کو بچا لیا۔

سید عبدالسبوح
متعلم بھدرک ہائی اسکول، بھدرک

پیارے نبی

پیارے بھائیو! آپ نے اپنے پیارے نبی حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ضرور سنا ہوگا۔ آپ نے ساری
دنیا کو محبت اور بھائی چارگی کی تعلیم سے منور کر دیا۔
اللہ تعالیٰ خود آپ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں اپنے
کلامِ پاک یعنی قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتے ہیں "ہم نے
آپ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔
جب ہم نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے
بارے میں پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ بات صاف طور پر
نظر آتی ہے کہ آپ "رحمت اللعلمین" تھے۔ جب آپ
دنیا میں تشریف لائے اس وقت سرزمینِ عرب میں
طرح طرح کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ لڑنے
جھگڑنے کے عادی تھے۔ جنگیں خاندان در خاندان چلتی
تھیں لوگ اپنے قبیلوں پر ناز و فخر کرتے تھے، بتوں
کی پرستش کیا کرتے تھے۔ لوگ ایک خدا کو بھلا چکے
تھے۔ شراب جوا اور کئی برائیوں میں ڈوبے رہتے۔
آپ نے آنے کے بعد لوگوں کو پھر سے خدا کے
ایک ہونے کا یقین دلایا۔ رب کا کلام پڑھ کر سناتے اور
لوگوں کو اللہ کے احکام سمجھاتے۔ آپ کی تعلیم کو سن کر
کچھ لوگ آپ کے ہمنوا ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے
آپ پر ظلم و ستم کیا، آپ صبر و ضبط کے ساتھ حالات کا
مقابلہ کرتے رہتے اور دینِ خدا کو پھیلاتے رہتے۔
آہستہ آہستہ لوگوں نے آپ کی تعلیم کو سمجھا۔ اللہ پر
ایمان لائے۔ اکیلے نبی ہونے پر ایمان لائے۔ اللہ کے
رسولوں پر ایمان لائے، اللہ کی کتابوں پر ایمان لائے
اس ایمان و یقین نے ان کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔
اور ساتھ میں فرشتوں پر بھی ایمان لائے۔ جنت و دوزخ
پر ایمان لائے۔ لوگ آپس میں بھائی ہو گئے۔ جس دین
کی پہلے مخالفت کیا کرتے تھے اب ان کے لیے جان
کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو گئے۔ سارے عرب
میں نہیں بلکہ آہستہ آہستہ ساری دنیا میں دینِ اسلام
کا بول بالا ہونے لگا آؤ درود پڑھیں پیارے نبی پر۔

درود ہو پیارے نبی پر
سلام ہو پیارے نبی پر

عزیز اللہ قاسمی
مشیر آباد، حیدرآباد

پیامیوں سے

"پیامِ تعلیم" کے مضامین کے بارے میں اپنی رائے
علاحدہ کاغذ پر لکھ کر بھیجا کریں۔

پیامی ادبی معمّا نمبر ۱ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱۔ رہنما۔ خلفائے اربعہ ص ۱۱ ۲۔ قاعدے۔ پیارے رسول ص ۶۲ ۳۔ گرمیوں۔ ننھا فرشتہ ص ۶۲ ۴۔ سوسو۔ بچوں کے افسر ص ۳۲ ۵۔ تصور۔ پہاڑ کی چوٹی پر ص ۶۸ ۶۔ شخص پہاڑ کی چوٹی پر ص ۵۴ ۷۔ دوسروں۔ نبیوں کے قصے ص ۹ ۸۔ آپ۔ مسلمان بیبیاں ص ۲

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۱۳ خوش نصیب

فی کس ۷/۲۵ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ محمد حامد۔ کیراف محمود بک ایجنسی ص ۱۵ منگل وارڈ۔ مالیگاؤں۔
۲۔ محمد آصف ابدالی " " " "
۳۔ عقیلہ نسرین ۱۴/۱-۱۸۲ - ۲ - ۱۹ رنگست پورہ۔ حیدرآباد ۵۰۰۲۶۴
۴۔ محمد کریم اللہ شریف ۵۔ محمد سلیم اللہ شریف ۶۔ محمد خلیل اللہ شریف ۷۔ محمد رحیم اللہ شریف (ان سب کا پتا وہی ہے جو عقیلہ نسرین کا ہے)
۸۔ گل صنوبر۔ مکان ص ۳۶۸۔ نیو وارڈ۔ مالیگاؤں
۹۔ عبدالمجید۔ مدرسہ اسلامیہ۔ رفیع گنج۔ اورنگ آباد
۱۰۔ خلیق احمد۔ کمرہ ص ۲۳۹ اے ونگ منسٹری آف لا۔ شاستری بھون نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
۱۱۔ عشرت فاطمہ ۱۳۵۰ پہاڑی املی۔ جامع مسجد۔ دہلی ص ۶
۱۲۔ شائستہ خلیل۔ ۱۳۔ اسما خاتون (پتا وہی ہے جو عشرت فاطمہ کا ہے)
۱۴۔ رمضان علی۔ رہبرا شاپ میکر اسٹال ص ۱ اپوزٹ یونین بینک بھنڈی بازار بمبئی۔

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب

فی کس ۵ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ روشن عباس رضوی۔ اندھیری بمبئی ۲۔ نجم السحر نیو وارڈ۔ مالیگاؤں ۳۔ ہما خانم۔ نیو وارڈ مالیگاؤں ۴۔ محمد شہزاد کریم گنج گیا۔ ۵۔ سید ابرار۔ الٰہ آباد ۶۔ الیف ڈی انصاری۔ نیو وارڈ۔ مالیگاؤں۔ ۷۔ ساجد ابدالی منگل وارڈ۔ مالیگاؤں ۸۔ عبدالرشید منگل وارڈ مالیگاؤں ۹۔ ارشد۔ عرف گڈو جامع مسجد دہلی ۶۔ ۱۰ نیلو عارفین۔ سمستی پور۔ بہار۔

اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں

پیامی ادبی معمّا نمبر ۱۳ کا صحیح جواب ذیل کی کتابوں میں ہی ملے گا

کتاب	مصنف	قیمت
ننھا فرشتہ	فہمیدہ عتیق	۴/۵۰
رنگوں کی بستی	سہیل انور	۳/۵۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	یوسف ناظم	۲/۰
نبیوں کے قصے	خواجہ عبدالحئی فاروقی	۴/۵۰
ایک کھلا راز	مسعود احمد برکاتی	۳/۰
موم کا محل	پروفیسر محمد انیس	۴/=
بہادر	ترجمہ: قرۃ العین حیدر	۲/۵۰
شیر خاں	" " "	۱/۵۰
میر انیس	محمد حسین حسان	۲/=
پہاڑ کی چوٹی پر (ناول)	مرزا ادیب	۵/=
بن جنتی	الیاس احمد مجیبی	۴/۵۰
دم کٹا سانپ	محمد قاسم صدیقی	۱/=
دادا نہرو	منوّر لکھنوی	۵/=
سرکار کا دربار	الیاس احمد مجیبی	۴/۵
بھوتوں کا جہاز	شمیم حنفی	۶/=
اس نے کیا کر نہ جانا	آصف مجیب	۱/۲۰
بچوں کے افسر	مرتبہ: نور الحسن ہاشمی	۵/=
پیارے رسولؐ	سلطانہ آصف فیضی	۴/۵۰
ہمارا دین (اوّل تا سوم)	شہاب الدین دسنوی	فی حصہ ۶/=
مچھیرا اور اس کی بیوی	عبدالواحد سندھی	۲/۵۰
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۴/۰

کتابیں حاصل کرنے کے پتے

۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
۲۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶
۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۲
۴۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ علی گڑھ ۲

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 13

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۵ فروری ۱۹۸۵ء

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر مبلغ 50 روپے

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبر وار لکھیے۔

1۔ جو لڑکے ــــ سے کام کرتے ہیں وہ اپنا وقت نہیں کھوتے ہیں۔ (سلیقے / قاعدے)
2۔ ان کی ماں ــــ گئیں کہ فرعون اس بچے کو بھی کہیں مار نہ ڈالے۔ (گھبرا / ڈر / سہم)
3۔ مگر ایک ــــ کے بعد دکن ہی میں ایک شاعر پیدا ہوا۔ یہ ولی دکنی تھا۔ (عرصے / مدت)
4۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ہم ــــ میں سو رہے تھے۔ (کمرے / باغ / گھر)
5۔ خندق کی لڑائی میں حضرت رسول پاک نے عورتوں کو ایک ــــ میں بھیج دیا تھا۔ (محل / قلعے)
6۔ ان کو ایک ــــ ضرور چاہیے جو گھر کے سارے کام دھندے کو سنبھالے رہے اور انھیں کچھ کام نہ کرنا پڑے۔ (آیا / ماما / خادمہ)
7۔ ایک چور کسی امیر آدمی کے گھر سے ــــ چرا کر پہاڑ دن میں غائب ہو گیا ہے۔ (ہیرے / جواہرات / روپے)
8۔ ... آوازے کسے اور اتنے ــــ مارے کہ آپ خون سے تر بتر ہو گئے۔ (پتھر / اینٹ)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۳۴ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصّہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی معمّا نمبر 13 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

"اگر میں قوم کی خدمت کرتے ہوتے مر بھی جاؤں تو میرے لئے یہ بڑے فخر کی بات ہوگی۔
مجھے یقین ہے کہ میرے خون کا ہر قطرہ، اِس قوم کے فروغ میں کام آئیگا، اور اسے
مستحکم اور متحرک بنانے میں کارآمد ثابت ہوگا۔"

30 اکتوبر 1984ء

شریمتی اندرا گاندھی

84/177

Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 Jan. 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دہلی ۲

پیام تعلیم

بھولی جان کی طرف سے
منّی کیلئے

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

فروری ۸۵ جلد ۲۲ شمارہ ۲

ایڈیٹر: ولی شاہجہاں پوری

قیمت: ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

۲۰ جنوری کو رات کے سوا آٹھ بجے پروفیسر محمد مجیب (سابق شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ) بھی اپنے معبود حقیقی سے جا ملے، انا للہ و انا الیہ راجعون

مجیب صاحب مرحوم ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین اور ڈاکٹر سید عابد حسین کے ہمراہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اس وقت آئے تھے جب جامعہ کی کشتی بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔ تینوں حضرات نے اسے ڈوبنے سے بچایا اور اپنی پر خلوص، انتھک کوششوں سے جامعہ کو اس جگہ لا کھڑا کیا جہاں وہ آج ہے۔

۱۹۴۸ء سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے اور ۱۹۷۳ء میں علالت کے باعث جامعہ سے ضابطہ کا تعلق ختم ہو گیا۔

اپنی عمر کے بیاسی سالوں میں سے ۵۹ سال مرحوم جامعہ سے وابستہ رہے۔ مجیب صاحب مورخ تھے، ادیب تھے، ڈراما نگار تھے، معلم تھے اور ان سب سے زیادہ ایک شریف انسان۔ افسوس کہ ایسے لئیق اور خلیق انسانوں سے دنیا خالی ہوتی جا رہی ہے۔ آپ مکتبہ جامعہ اور پیام تعلیم سے ابتدا ہی سے وابستہ رہے۔ ان کی وفات سے جامعہ ملیہ اسلامیہ اور مکتبہ جامعہ یتیم ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آغوش رحمت میں لے اور بیگم آصفہ مجیب اور فرزند محمد امین کو اس بار غم کے اٹھانے کی طاقت عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

یہ شمارہ کسی قدر تاخیر سے آپ تک پہنچ رہا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس میں جناب بیکل اتساہی، یوسف ناظم، احمد جمال پاشا، محمد شریف خاں کی نگارشات پڑھ کر آپ کی کوفت دور ہو جائے گی۔ اس شمارے کے متعلق ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

پروفیسر محمد مجیب

پیدائش ۳۰؍اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء   وفات ۲۰؍جنوری سنہ ۱۹۸۵ء

محمد شریف خان

ہمارے صدر اور وزیر اعظم

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے دیس کی راجدھانی دلی ہے۔ دلی میں ایک بڑی اور شان دار عمارت ہے جس کو راشٹرپتی بھون کہتے ہیں۔ ہمارے ملک کے صدر اس میں رہتے ہیں۔ صدر کا عہدہ سب سے بڑا ہے اور ان کے بڑے اختیارات ہیں اور بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ آج کل ہمارے صدر عزت مآب گیانی ذیل سنگھ ہیں۔

راشٹرپتی بھون کے نزدیک ہی ایک بہت بڑا اور اہم شخص رہتا ہے اس کو وزیر اعظم کہتے ہیں۔ آج کل ہمارے وزیر اعظم جناب راجیو گاندھی ہیں۔

کیا آپ اس بات سے واقف ہیں کہ صدر اور وزیر اعظم کے عہدوں پر الیکشن کس طرح ہوتا ہے اور ان عہدوں کا الیکشن لڑنے کے لیے کس اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے؟ اگر آپ نہیں جانتے تو ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

صدر کے الیکشن میں عام لوگ ووٹ نہیں دیتے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیوں کہ بظاہر ان کے پاس بہت اختیارات ہیں مگر حقیقت میں وہ ان تمام اختیارات کا استعمال وزیر اعظم اور دوسرے وزیروں کی صلاح پر کرتے ہیں۔

آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ دلی میں ایک پارلیمنٹ ہے۔ جس میں پورے دیس سے چن کر نمائندے آتے ہیں ان نمائندوں کو ممبر پارلیمنٹ کہتے ہیں ان کو مختصر الفاظ میں ایم پی بھی کہتے ہیں دلی کی طرح تمام ریاستوں کی راجدھانیوں میں اسمبلیاں ہیں، ان اسمبلیوں میں پوری ریاست سے چن کر نمایندے آتے ہیں ان نمایندوں کو ممبران اسمبلی کہتے ہیں۔ ان کو مختصر الفاظ میں ایم۔ ایل۔ اے کہتے ہیں۔ ملک کے تمام ایم۔ پی اور ایم۔ ایل۔ اے صدر کے الیکشن میں ووٹ دے سکتے ہیں۔

صدر کے الیکشن میں صرف وہ آدمی امیدوار ہوسکتا ہے۔ جو ہمارے ملک کا شہری ہو۔ جن آدمیوں کی عمر ۳۵ سال سے کم ہو وہ امیدوار نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی امیدوار نہیں ہو سکتے جو پاگل ہوں، جن کا دیوالہ نکل چکا ہو یا جو غیر اخلاقی جرم میں سزا پا چکے ہیں ہمارے ملک میں اب تک چھ صدر ہو چکے ہیں ان کے نام ہیں ڈاکٹر راجندر پرشاد، ڈاکٹر رادھا کرشنن، ڈاکٹر ذاکر حسین، جناب وی۔ وی گری۔ جناب فخرالدین علی احمد، جناب نیلم سنجیوا ریڈی اور ساتویں صدر جناب گیانی ذیل سنگھ ہیں۔

شعبۂ تعلیم علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

وزیر اعظم کے الیکشن کا طریقہ مختلف ہے۔
عام طور سے وزیر اعظم لوک سبھا کے الیکشن کے بعد چنا جاتا ہے۔ لوک سبھا کے الیکشن میں ہر وہ شخص ووٹ دیتا ہے جس کی عمر ۲۱ سال سے کم نہ ہو۔ لوک سبھا کے الیکشن میں بہت سی پارٹیاں حصہ لیتی ہیں جس پارٹی کے سب سے زیادہ ممبران الیکشن جیت جاتے ہیں وہ اس بات کی حق دار ہوتی ہے کہ اس کے بڑے لیڈر کو وزیر اعظم بنایا جائے۔ یہ حق بھی اس پارٹی کا ہوتا ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ اس کا کون سا لیڈر وزیر اعظم بنایا جائے صدر اسی شخص کو وزیر اعظم مقرر کر دیتے ہیں۔
ہمارے ملک کے پہلے وزیر اعظم جناب جواہر لال نہرو تھے، ان کے بعد جناب لال بہادر شاستری، شریمتی اندرا گاندھی، جناب مرار جی ڈیسائی اور جناب چرن سنگھ وزیر اعظم ہوئے۔ شریمتی اندرا گاندھی اس کے بعد دوبارہ وزیر اعظم ہوئیں۔ آج کل ہمارے وزیر اعظم راجیو گاندھی ہیں جو شریمتی اندرا گاندھی کے فرزند ارجمند ہیں۔

جناب راجیو گاندھی ہمارے دیس کے سب سے کم عمر وزیر اعظم ہیں، وہ صرف چالیس سال کی عمر میں وزیر اعظم ہوئے ہیں ان سے امید ہے کہ وہ بچوں اور نوجوانوں کے لیے بہت زیادہ کام کریں گے۔

ڈاکٹر سہیل برکاتی

بخارا ایک زمانے میں دنیا کا مشہور و معروف شہر تھا۔ یہاں کے لوگ علم حاصل کرنے کے لیے بہت دُور دُور کا سفر بھی کرتے تھے۔ آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے بخارا پر نوح بن منصور نامی بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ سخت بیمار پڑا۔ اس کے دربار کے معالجوں کی تمام کوششوں کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکا۔ بخارا میں اس وقت ایک نوجوان طبیب بھی موجود تھا۔ اس نوجوان طبیب کی عمر اس وقت صرف سترہ سال تھی۔ چوں کہ درباری طبیبوں کے علاج سے بادشاہ کو فائدہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس لیے اس نوجوان کو بھی دربار میں طلب کیا گیا۔ اس کے علاج سے بادشاہ کو شفا ہو گئی۔ اس طبیب کو دنیا آج حکیم ابنِ سینا کے نام سے جانتی اور ایک عظیم طبیب، مفکر اور سائنس داں مانتی ہے۔ اس کا پورا نام ابوعلی الحسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا ہے۔ شہر بخارا کے قصبے افشنہ میں ۹۸۰ء میں پیدا ہوا۔

ابنِ سینا بچپن ہی سے بہت ذہین اور علم کا بہت شوقین تھا۔ ابھی دس برس ہی کا تھا کہ ابنِ سینا نے قرآن شریف حفظ کر لیا اور کچھ ادبی علوم کا مطالعہ بھی مکمل کر لیا۔ اپنے بیٹے کی ذہانت اور علم سے دلچسپی دیکھ کر ابنِ سینا کے باپ نے اس کی تعلیم پر خاص توجہ دی اور اس کے لیے استاد مقرر کیے۔ ان استادوں میں سے ایک کا نام ابوعبداللہ الناتلی بھی تھا، جن سے اس نے فلسفہ، منطق اور حساب کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ ابنِ سینا نے ان علوم میں جلد ہی اتنی مہارت حاصل کر لی کہ بعض مسائل کو وہ اپنے استاد سے زیادہ اچھی طرح سمجھنے لگا اور یوں استاد کو اپنے شاگرد سے فائدہ پہنچا۔

بوعلی ابنِ سینا کے زمانے میں لوگ عام طور سے کئی کئی مضامین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایک ہی آدمی طب، فلسفہ، ادب، طبیعیات، کیمیا، حساب جیسے مختلف قسم کے علوم نہ صرف پڑھتا تھا بلکہ ان میں مہارت بھی پیدا کرتا تھا۔ اس لیے ابنِ سینا نے بھی طبیعیات کی طرف توجہ دی اور اس مضمون کی کتابیں پڑھنے کے بعد طِب کی تعلیم حاصل کی۔

ابنِ سینا کو علمِ طب دوسرے مضامین کے مقابلے میں بہت آسان لگا۔ اور وہ طبیب کی حیثیت سے بہت کامیاب رہا۔ اس کے علاج سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔ اس کے علاوہ ابنِ سینا نے طِب کی تعلیم

بھی دی۔ کیوں کہ ابنِ سینا کو علم حاصل کرنے سے دل چسپی تھی اس لیے طبیب بننے کے بعد بھی اس نے دوسرے علوم کا مطالعہ جاری رکھا۔ وہ فلسفہ، منطق، طبیعیات کے علاوہ ریاضیات کی کتابوں سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہا۔ اس کے مطالعے کے شوق اور علم سے دل چسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکثر اس کے سامنے کتابیں پھیلی ہوتی تھیں اور وہ ان کو پڑھنے میں اور سمجھنے میں اتنا مصروف رہتا تھا کہ سونے کے لیے بہت کم وقت ملتا تھا۔ ابنِ سینا نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جب وہ سولہ سال کا تھا تو ڈیڑھ سال تک بہت کم سویا، ہر وقت کتابیں پڑھتا رہتا اور جب کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو مسجد میں جا کر نماز پڑھتا اور مسئلہ حل ہونے کی دعا مانگتا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ان تمام علوم کی کتابیں پڑھ کر فارغ ہو چکا تھا جن کا ذکر آپ نے اوپر پڑھا ہے۔

علم حاصل کرنے کے بعد اس کو دوسروں تک پہنچانا اور اس میں اضافہ کرنا ہر تعلیم یافتہ انسان کا فرض ہوتا ہے۔ ابنِ سینا نے طب پڑھی تو اس کے ذریعہ سے علاج کر کے لوگوں کو بیماریوں سے نجات دلائی اور دوسرے لوگوں کو طب کی تعلیم دی۔ اسی طرح اس نے طب، فلسفہ، منطق اور طبیعیات پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھیں جن کی تعداد کسی نے پچاس، کسی نے ۹۹ اور کسی نے کئی سو لکھی ہے۔ اس کی سب سے مشہور کتاب کا نام "القانون فی الطب" ہے۔ جسے طب کا انسائکلوپیڈیا بھی کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ابنِ سینا نے قدیم و جدید طب پر موجود تمام معلومات کو اکٹھا کر دیا ہے اور ان معلومات میں اپنے علم اور تجربے سے اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کتاب میں معلومات کو پیش کرنے کا انداز نیا ہونے کے ساتھ، اتنا دل چسپ تھا کہ بہت جلد یہ کتاب مقبول ہوگئی۔

"القانون فی الطب" اتنی مفید کتاب ثابت ہوئی کہ لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا اور یورپ کی درس گاہوں میں ایک عرصے تک اس کو نصاب میں شامل رکھا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جدید سائنسی طب کو پروان چڑھانے میں جس کتاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ ابنِ سینا کی یہی کتاب ہے۔ اس کتاب کا فائدہ اٹھانے کے لیے دنیا کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ علم طب کی درس گاہوں میں اب بھی اس کتاب کو خاص طور سے پڑھایا جاتا ہے۔ دوسرے علوم پر بھی حکیم ابنِ سینا کی جو کتابیں ہیں ان میں قابلِ قدر معلومات ملتی ہیں۔ طبیعیات میں اس نے توانائی، حرارت، روشنی وغیرہ سے متعلق نظریات پر روشنی ڈالی ہے ابنِ سینا کی کتابوں میں فلسفے پر "الشفا" منطق پر "الاشارات والتنبیہات" بھی بہت مشہور ہیں۔

پرانے زمانے کے بادشاہوں کا ایک شوق یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ نامور عالموں اور ماہروں کو اپنے درباروں میں بلاتے تھے اور ان کو انعام و اکرام دیتے تھے، جس سے ان کا مقصد عالموں کی عزت افزائی کے علاوہ علم کا فروغ بھی تھا۔ ابنِ سینا کو بھی اپنی اعلا علمی قابلیت کی وجہ سے مختلف بادشاہوں اور امیروں کے دربار میں رہنے کا اتفاق ہوا، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

امیر قابوس، نوح بن منصور، خوارزم شاہ، امیر مجد الدولہ، امیر ہمدان شمس الدولہ۔

درباروں سے وابستہ رہنے کی وجہ سے ابنِ سینا کو عزت و مرتبہ کے ساتھ مالی آسایش بھی ملی۔ لیکن بادشاہوں کی ناراضگی یا کسی اور وجہ سے ابنِ سینا کو زندگی کا کچھ حصہ قید میں بھی گزارنا پڑا۔ یہ عظیم حکیم اور سائنس داں ستاون سال اس دنیا میں رہنے کے بعد جون ۱۰۳۷ء میں ہمدان میں انتقال کر گیا

بیکل اُتساہی بلرام پوری

مُنّے کی پُھلواری

یہ مُنّے کی پُھلواری ہے
رنگ برنگے پھول ہیں اِس کے پتّی پتّی نیاری ہے
اِس کے کونے میں اِک گڑیا سُندر روپ سجائے
پیارا، البیلا اک گُڈّا کھیر، جلیبی کھائے
ڈھول، بانسری، بین، پپہری باجا بینڈ بجائے
پھولوں کے سب سجے براتی شادی کی تیاری ہے
یہ مُنّے کی پُھلواری ہے

تھالوں میں یہ بھانت بھانت کی رکھّے ہوئے مٹھائی
رس گلّوں کے ساتھ لگائے شیرہ اور ملائی
توند پہ اپنی ہاتھ پھیرتے ہیں چاچا حلوائی
دادی امّاں روز کہیں یہ چاٹوں کا بیوپاری ہے
یہ مُنّے کی پُھلواری ہے

یہ دیکھو اک گھوڑا دوڑا، وہ بھاگی اک موٹر
اِس پر بیٹھا راج سپاہی، اُس پر بیٹھے مسٹر
یہ کھاتا دس کلو گھاس، وہ ڈیزل دو لیٹر
چھک چھک، پھک پھک شور مچاتی چلی ریل سرکاری ہے
یہ مُنّے کی پُھلواری ہے

سول لائن۔ بلرام پور۔ گونڈا

گُڑدوں کوں وہ مُرغا بولا، بلّی میاؤں میاؤں
کھوں کھوں کر کے اُچھلے بندر، کوّا کاؤں کاؤں
بول غُٹرغوں اُڑا کبوتر، کتا بھوں بھوں بھاؤں
مونچھیں تان کے غُرّایا وہ جنگل کا ادھیکاری ہے
یہ مُنّے کی پھلواری ہے

یہ پیالوں میں دودھ بھرا ہے، وہ انگور کی تھالی
آم، سنتروں کے جُھرمٹ میں یہ سیبوں کی لالی
کھری رس بھری کیلوں کی بو باس میں بنی نرالی
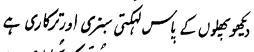
دیکھو پھلوں کے پاس لہکتی سبزی اور ترکاری ہے
یہ مُنّے کی پھلواری ہے

دور وہ دیکھو مل کی چمنی جس سے دھواں نکلتا
لوہا گل کے چاندی بنتا، پانی روپ بدلتا
وہ کھیتوں میں ناج لہکتا روٹی بن کر ڈھلتا
چھم چھم ناچیں جیون پریاں جھومتی کیاری کیاری ہے
یہ مُنّے کی پھلواری ہے

چندا ماموں کو دیکھ آئے کوئی نہ چرخا کاتے
دیتے نہیں وہ دودھ کٹورہ روز وہاں ہم جاتے
اب وہ رات کو بیکل بھیا گیت ہمارا گاتے
ہم حاکم ہر ایک جگت کے سکّہ اپنا جاری ہے
یہ مُنّے کی پھلواری ہے

گھوڑے کا تعارف

یوسف ناظم

گھوڑا انسان کا بہت قریبی دوست ہے۔ کُتّے کی طرح وہ جگری دوست تو نہیں ہے لیکن ہے یہ بھی بہت عزیز دوست۔ اصل میں ہوا کیا کہ کتّا، وفاداری کے معاملے میں بہت مشہور ہو گیا۔ اتنا مشہور ہو گیا کہ جسے بھی دو کمروں اور ایک چھوٹے سے دالان کا گھر ملا وہ کُتّا پالنے لگا۔ ورنہ دیکھا جائے تو کتّا پچھلے زمانے میں اتنا اہم جانور نہیں تھا۔ تھا لیکن بس ایک حد تک۔ آج کی دنیا میں تو کتّوں کا یہ حال ہے کہ کاروں میں گھومتے ہیں، آیائیں ان کے لیے الگ سے نوکر رکھی جاتی ہیں جو انھیں دن میں دو مرتبہ صابن سے نہلاتی دھلاتی ہیں۔ وہ تو اچھا ہوا کہ کتّے لباس وغیرہ نہیں پہنتے۔ ورنہ اِن کے لیے طرح طرح کے لباس بھی سِلنے لگتے۔ کتّوں کے لیے یہ سارے چونچلے اس لیے کیے جاتے ہیں کہ کتّا تھوڑی بہت جاسوسی بھی کر لیتا ہے۔ سونگھ کر بتا سکتا ہے کہ چور کِدھر بھاگا ہے بلکہ زیادہ سمجھ دار کتّے تو اس جگہ تک بھی پہنچا دیتے ہیں جہاں چور یا ڈاکو چھپا ہوا ہو۔ اسی لیے اب پولس کے محکمے میں انھیں بھی رکھا جانے لگا ہے لیکن کتّا چاہے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے۔ گھوڑا گھوڑا ہی ہوتا ہے۔ جتنے بھی جانور ہم نے دیکھے ہیں۔ ان میں سب سے خوبصورت جانور یہی گھوڑا ہوتا ہے۔ یعنی بڑے سائز کے جانوروں میں۔ ویسے چھوٹے جانوروں میں خرگوش کافی خوبصورت ہوتا ہے، نرم بھی ہوتا ہے اسے گود میں لو تو ایسا معلوم ہوتا ہے ریشمی روئی کا کوئی تکیہ گود میں رکھا ہے۔ اس کی طرح بلّی بھی خوش شکل اور ملائم ہوتی ہے۔ اس کے پنجے تکلیف دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود بلّی ہر دل عزیز جانور ہے۔ آسانی سے پل جاتی ہے۔ خرچ اس پر زیادہ ہوتا نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ خرچ بچاتی ہے بلّی گھر میں موجود ہو تو چوہے بھاگ جاتے ہیں جو رہنے کی کوشش کرتے ہیں بلّی انھیں کھا جاتی ہے۔ اس لیے چوہوں سے جو مالی نقصان پہنچ سکتا ہے بلّی کی وجہ سے نہیں ہونے پاتا۔ حساب کیا جائے تو بلّی تقریباً مفت ہی پڑتی ہے۔ لیکن ہم یہ بلّی کی داستان کہاں لے کر بیٹھ گئے۔ ہم تو گھوڑے کی بات کر رہے تھے۔ پہلے زمانے میں راجے مہاراجے بادشاہ سلامت، ان کے شہزادے سبھی گھوڑوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ آدھی سے زیادہ فوج گھوڑ سوار، فوج ہوا کرتی تھی۔ پیدل فوج تو صرف اس لیے رکھی جاتی تھی کہ جنگ کا میدان بھرا بھرا نظر آئے ورنہ اصل جنگ وہی سپاہی لڑتے تھے جو گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔ شکار پر جانا ہو تو یہی گھوڑے کام آتے تھے۔ اس زمانے میں جیپ گاڑیاں کہاں ہوتی تھیں۔ شادی کے کٹھن وقت پر دولہے کا

۱۹ الہلال، ۱۳۰ باندرہ ریکلیمیشن، کرشن چندر مارگ، بمبئی ۵۰

دوست اور ہمدرد ہوتا تو یہی گھوڑا ہوتا گھوڑے پر بیٹھا ہوا دولھا شان دار بھی بہت دکھائی دیتا تھا۔ موٹر میں بیٹھا ہوا دولھا تو نظر ہی نہیں آتا بالکل دلھن معلوم ہوتا ہے۔ سب کی نظروں سے چھپا چھپا۔ گھوڑے کی وجہ سے دولھے کی شان دو بالا ہو جاتی تھی۔ گھوڑے کی لگام بھی دولھے کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ اس سے لوگوں پر بڑا رعب پڑتا تھا اور سب کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ شخص زندگی کی گاڑی بھی چلا سکتا ہے۔ سڑکوں پر سے یہ دولھا گزرتا تو لوگ اپنے اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر اسے دیکھتے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں سے جھانکتے تھے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ دولھے کو کم دیکھتے تھے اور گھوڑے کو زیادہ۔ سجا سجایا گھوڑا زیادہ شان دار نظر آتا تھا۔ اب یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ سجی ہوئی موٹر دیکھ لو۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس میں دولھا بیٹھا ہے یا دلھن۔ صرف شوفر کی ٹوپی دکھائی دیتی ہے۔

جنگ، شکار اور شادی بیاہ کے علاوہ گھوڑا دوسرے کاموں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ گھوڑ دوڑ تو اب بھی ہوتی ہے۔ اس میں کتنا مزہ آتا ہے۔ گھوڑوں کی دوڑ میں حصہ لینے والے گھوڑے بڑے خاندانی گھوڑے ہوتے ہیں اور ان کے ماں باپ بھی یہی کام کرتے تھے۔ ریس کے گھوڑوں کو بہت احتیاط سے پالا اور رکھا جاتا ہے۔ ان کے لیے باضابطہ ایک استاد ملازم رکھنا پڑتا ہے جو انھیں ٹھیک سے دوڑنا سکھاتا ہے۔ کہاں اپنی رفتار بڑھاتی ہے یا نو کیسے ڈالتے ہیں کہاں اچھلنا ہے۔ گردن کس طرح لمبی کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ گھوڑوں کا استاد اپنے شاگردوں پر بہت محنت کرتا ہے۔ گھوڑوں کو ہوم ورک نہیں دیا جاتا۔ ساری تعلیم استاد کے سامنے ہوتی ہے۔ ریس جیتنے والے گھوڑے تو دور سے پہچان لیے جاتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ آج کی بازی انھیں کے ہاتھ ہے۔ ریس میں اگر گھوڑا جیت جاتا ہے تو اس کے مالک کے گھر میں دولت ہی دولت آجاتی ہے۔ اتنی کہ گھر میں رکھی نہیں جا سکتی۔ بینک میں لے جاکر رکھنی پڑتی ہے۔ ریس کے گھوڑوں کے فوٹو بھی کھینچے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے مالک کی تصویر بھی کھینچ جاتی ہے۔ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑوں کے مالک ان گھوڑوں کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کی ہر ضد پوری کرتے ہیں۔ اعلا سے اعلا چارہ کھلاتے ہیں۔ کیا پتا بادام، پستے اور اخروٹ بھی کھلاتے ہوں۔ پتا چلے نہیں تو کیسے چلے۔ ان گھوڑوں کو اسے اصطبل میں رکھا جاتا ہے جس کے دروازے پر باوردی چوکیدار پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ صرف پہرہ دیتے رہیں یہ چوکیدار تو کوئی حرج نہیں لیکن ان کے ہاتھ میں بندوق بھی ہوتی ہے۔ ان گھوڑوں کی اتنی ہی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اصطبل میں کام کرنے والوں کو سیاہ شیشوں کے چشمے لگا کر کام کرنا پڑتا ہے تاکہ ان میں سے کسی کی نظر کسی گھوڑے کو نہ لگ جائے۔

پھر وہ گھوڑا بھی تو ہے جو بگھی میں جوتا جاتا ہے۔ یہ بھی قیمتی گھوڑا ہوتا ہے۔ اس کی بھی کافی خاطر تواضع کرنی پڑتی ہے۔ گھوڑا جتنا تندرست و پہلوان قسم کا ہوگا اتنی ہی زیادہ کمائی ہوگی۔ کرائے کی بگھی میں بیٹھنے سے پہلے لوگ گھوڑے کا معائنہ کرتے ہیں بگھی کی خوبصورتی کو نہیں دیکھتے نہ کوچوان کی مونچھیں دیکھتے ہیں۔ تانگے کے گھوڑے کی عزت ذرا کم ہوتی ہے بلکہ کہنا چاہیے ہوتی ہی نہیں ہے۔ شہر کے سارے مریل گھوڑے تانگوں ہی میں جوتے جاتے ہیں۔ لوگ مجبوری کی وجہ سے اس میں بیٹھتے ہیں لیکن بعد میں افسوس کرتے اور کہتے ہیں کہ اس تانگے میں بیٹھ کر گھر آنے سے تو اچھا تھا کہ ہم پیدل

سے پیدل ہی چلے آتے۔ پھر سامان کا کیا کرتے۔
ڈھیروں تو سامان ساتھ لے کر سفر پر نکلتے ہیں۔ گھوڑا
کتنا ہی گیا گزرا نہ ہو اسے کھلانا پلانا ہی پڑتا ہے۔
انھیں کھلانے پلانے کے لیے کتنے جتن کرنے پڑتے
ہیں یہ تو تانگہ چلانے والے ہی جانتے ہیں۔

سرکس میں بھی سب سے زیادہ کمال دکھانے
والا ہی گھوڑا ہوتا ہے۔ بچے بھی جتنے شوق سے گھوڑوں
کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہیں کسی اور جانور کی پیٹھ پر نہیں
ہوتے۔ چوپائی ہو یا جوہو، بچے سب گھوڑے کی
سواری کریں گے اور پھر کچھ کھائیں گے پییں گے۔
آدمیوں اور گھوڑوں میں کچھ فطری لگاو ہوتا ہے۔ یہ
دونوں بہت جلد گھل مل جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے
کہ بہت گہرے دوست ہیں۔ مانا کہ گھوڑوں یا گھوڑے
کے بچوں کو آدمی اپنی گود میں نہیں بٹھا سکتا لیکن
محبت کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں ہے۔ گھوڑا اتنا
سارا کام کرنے، دولت کمانے اور آدمی کا جی بہلانے
کے باوجود اپنی حد میں رہتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ وہ جانور
ہے یہ نہیں کہ کتے کی طرح آدمی کے برابر بیٹھا ہے،
اسی میز پر کھانا کھا رہا ہے، اسی بستر میں سو رہا ہے
اور دن بھر ڈرائنگ روم میں صوفے پر یوں بیٹھا رہتا
ہے جیسے یہ اسی کے لیے خریدا گیا ہے۔ مہمان بھی
آ جائیں تو صوفے پر سے اٹھتا نہیں۔ جب دیکھو منہ
سے زبان نکالے کھڑا رہتا ہے جیسے آنے جانے
والوں کا منہ چڑا رہا ہو۔ رال بھی ٹپکتی ہے تو پروا
نہیں کرتا۔ گھوڑا مہذب جانور ہے۔ کیا مجال جو مالک
کی موجودگی میں کوئی بدتمیزی کرے۔ ٹانگیں پھیلا کر
سو جائے یا بلاوجہ لوٹنے لگے۔

گھوڑے آوارہ بھی نہیں پھرتے۔ کبھی برسوں
میں ایک آدھ گھوڑا یوں ہی بے مقصد گھومتا دکھائی
دیتا ہے ورنہ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف
رہتے ہیں اور اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ تازہ
ہوا ان کو ضرور چاہیے لیکن ایک ہوا کی خاطر وہ کوئی
بری عادت اختیار نہیں کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ
گھوڑوں کی ہر کوئی عزت کرتا ہے۔ کوئی گھوڑا اگر
سڑک پر یا بازار میں نظر بھی آجائے تو نہ انھیں کوئی
پتھر مارتا ہے نہ ان پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ دوسرے
جانوروں کے ساتھ یہ رعایت نہیں کی جاتی، انھیں
فوراً مار بھگایا جاتا ہے۔ بعض جانوروں کے ساتھ تو پرندے
بھی مذاق کرنے سے نہیں چوکتے۔ خاص طور پر کوؤں
کو تو بھینسوں کی پیٹھ پر بیٹھنے میں بڑا لطف آتا ہے،
یوں بیٹھتے ہیں جیسے یہ بھینس انھیں کے لیے یہاں
آکر ٹھہری تھی۔ لیکن گھوڑوں کے ساتھ یہ مذاق نہیں
کیا جاتا۔ کوے جانتے ہیں کہ یہ ایک باعزت جانور ہے
اور اس کی پیٹھ پر بیٹھنے کا حق صرف آدمی کو ہے۔
بھینس وغیرہ کی بات اور ہے۔ آج تک کسی بھی سرکس
میں بھینس نہیں لائی گئی۔ سوائے دودھ دینے کے وہ
کچھ اور کر ہی نہیں سکتی۔ یہی اس کا کمال ہے۔ اور
اب تو دودھ بھی پتلا دینے لگی ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو
سبھی کا حال پتلا ہے۔

گھوڑا اپنے مالک کے دکھ درد کا بھی ساتھی ہوتا
ہے۔ شادی کی بارات کا گھوڑا تو کرایے کا گھوڑا ہوتا
ہے۔ لیکن ذاتی گھوڑا بہت وفادار ہوتا ہے۔ جنگل میں
یا کسی اور کسی سنسان جگہ مالک کو کچھ ہو جائے۔ وہ
گر پڑے یا بے ہوش ہو جائے یا کسی حادثے میں
زخمی ہو جائے تو گھوڑا اسے وہیں چھوڑ کر اپنے اصطبل
کو نہیں چلا جاتا۔ اپنے مالک کو وہ اپنے مضبوط دانتوں
کی مدد سے اٹھا لیتا ہے اور میلوں اسی طرح چل کر
اسے گھر واپس لاتا ہے۔ (فلموں میں ہم نے یہی دیکھا
ہے) لیکن سچ مچ ایسا ہوتا ہے۔ گھوڑے میں اتنی
سمجھ بھی ہوتی ہے اور طاقت تو ہوتی ہی ہے۔

گھوڑے کے ساتھ بس ایک ہی مشکل ہے
اس کے لیے جوتے بنوانے پڑتے ہیں۔ انھیں نعل

باقی ۱۷

بچوں کے لیے نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جھرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا ناصح	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
چھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰
ہار کی تلاش	۴/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن "تا کے سے"	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
پھر میں چھگوں کیا خاک	۱/۵۰
پکڑ دم کٹے کو	۱/۵۰
پان کھا کر طبلہ بجا کر...	۱/۵۰
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدو رانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو جیپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰
میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰
ایک کھوری تیل میں	۱/۵۰
تابیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/۰۰
پہیلیاں	۰/۸۰
چھوٹا لڑکا	۱/۵۰
جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
سندر چنار	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
میگھ نگر کا راجا	۱/۲۵
میر انیس	۲/۰۰
دادا نہرو	۵/۰۰
جلو مرغابی	۲/۰۰
خربوزے شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
دم کٹا سانپ	۱/۰۰
ریڈیو فیچر	۲/۲۵
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)	۱/۲۵
سماجی زندگی (سوم)	۱/۴۰
کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارے محاورے	۷/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (اول)	۰/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (دوم)	۰/۴۰
انوکھا عجائب خانہ (چہارم)	۰/۵۰
مفید معلومات	۱/۵۰

چھوٹا بارہ سنگھا اور اس کا خواب

امریکا کے قدیم باشندوں کو ریڈ انڈین کہا جاتا ہے۔ ان کے بہت سے قبیلے تھے اور یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ایک قبیلہ تھا "شتن" اس قبیلے میں ایک لڑکا رہتا تھا اس کا نام "چھوٹا بارہ سنگھا" تھا۔ آپ حیران نہ ہوں یہ لوگ اسی قسم کے نام رکھا کرتے تھے۔ ایک دن چھوٹا بارہ سنگھا اپنے خیمے میں غمگیں بیٹھا ہوا باہر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ موسم بہار کا تھا اور پہاڑوں پر بے شمار جانور بھی تھے، پھر بھی وہ مغموم تھا۔ صرف وہی نہیں، بلکہ گانو کا ہر شخص مغموم تھا۔ خیموں کے اندر جوان اور بوڑھے گائے کی کھال اوڑھے حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ خیموں کے باہر نہ تو کوئی بچہ کھیلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور نہ کوئی جنگ جو شخص تقریر کر رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چھوٹا بارہ سنگھا اپنے باپ کی طرف گھوما۔ اس کے باپ کا نام "کھڑا ہوا بارہ سنگھا" تھا۔

"بابا، ہم کو اپنے گھوڑے کبھی ملیں گے بھی یا نہیں؟"

بات دراصل یہ تھی کہ کچھ فاصلے پر ان کے دشمن قبیلے کا گانو تھا۔ اس قبیلے کا نام تھا "کوا"۔ دونوں قبیلوں میں ہمیشہ لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ پچھلے

جاڑے میں ایک رات کوا قبیلے نے حملہ کر دیا اور شتن قبیلے کے تمام گھوڑے بھگا کر لے گئے۔ شتن قبیلے کے جوانوں نے ان کا پیچھا کیا، مگر ناکام رہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس سواری کے لیے گھوڑے بہت کم رہ گئے تھے اور پھر پہاڑوں پر برف بھی جمی ہوئی تھی۔ برف کی وجہ سے جب شتن قبائلی اپنے گھوڑوں سے اتر کر آگے بڑھے تو کوا قبائلیوں نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور ان کے رہے سہے گھوڑے بھی لے بھاگے۔ بڑی بھاری مصیبت آن پڑی تھی۔ ریڈ انڈین اپنے گھوڑوں

کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ یہ لوگ صرف دو کام جانتے تھے، جنگ یا شکار، اور گھوڑے کے بغیر دونوں کام نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ لوگ یوں تو اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں سے گھوڑے مانگ سکتے تھے، مگر وہ بڑے خود دار تھے۔ کسی سے مانگنا ان کو گوارہ نہ تھا۔ لہٰذا اب صرف یہی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو دوبارہ حاصل کریں یا پھر جنگلی گھوڑوں کو پکڑ کر سدھائیں، لیکن دونوں کام گھوڑوں کے بغیر دشوار تھے۔ اسی رات چھوٹے بارہ سنگھا نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ درختوں کے درمیان کسی چیز کا پیچھا کر رہا ہے۔ مگر وہ چیز نظر نہیں آ رہی ہے اس کے باوجود اسے یہ احساس بھی ہو رہا ہے کہ جس چیز کا وہ پیچھا کر رہا ہے وہ ایک گھوڑا ہے۔ صبح جب آنکھ کھلی تو وہ خواب بتانے کے لیے اپنے باپ کے پاس پہنچا۔

"ابو! ابو! میں نے ایک بڑا انوکھا خواب دیکھا ہے!" اس نے کہا، مگر باپ نے یہ کہہ کر اُسے چپ کرا دیا کہ "بیٹا، خواب تو انوکھے ہوتے ہی ہیں۔ ابھی اس کا ذکر نہ کرو۔"

اسی رات لڑکے نے پھر خواب دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے کا پیچھا کر رہا ہے۔ گھوڑا تو خیر اسے نظر نہ آیا، مگر وہ سمجھ گیا کہ کس قسم کا گھوڑا ہے۔ گھوڑا بالکل سفید تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ اس گھوڑے کے پیچھے اور بہت سے گھوڑے تھے۔ سفید گھوڑا دوسرے گھوڑوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ صبح جب اس نے اپنا خواب سُنانا چاہا تو اس کے باپ نے پھر منع کر دیا۔ تیسری بار اس نے پھر یہی خواب دیکھا اور پھر چوتھی بار بھی یہی خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ اپنے گھر واپس آ گیا ہے اور اپنے گاؤں والوں کے لیے بہت سے تحفے بھی لایا

ہے۔ اس مرتبہ باپ نے بیٹے کا خواب سُن لیا اور بیٹے کو ساتھ لے کر گاؤں کے مرکز میں پہنچا اور چلانے لگا "ہُوکا ہے! ہُوکا ہے!" گاؤں کے لوگوں کو متوجہ کرنے کا ان لوگوں میں یہی طریقہ رائج تھا۔ چناں چہ تمام لوگ جمع ہو گئے۔ پھر باپ نے سب کو اپنے بیٹے کا خواب سنایا۔ لوگ بڑے حیران ہوئے۔ اس قبیلے میں خوابوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ لہٰذا خواب کو دوبارہ لڑکے سے سنا گیا اور پھر تمام سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا۔ جب فیصلہ ہو گیا تو سب سے چھوٹا سردار بولا:

"تمھارے خواب کا ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ تم بہت سے جنگلی گھوڑوں کو پکڑ لو گے!" اس بوڑھے سردار کا نام "چاند" تھا۔ چاند یہ بھی بتا سکتا تھا کہ چھوٹے بارہ سنگھے کو اس میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قبیلے کا یہ رواج نہ تھا کہ پہلے سے مشکلات کا تذکرہ کر دیا جائے۔ چناں چہ بوڑھا سردار اس سلسلے میں خاموش رہا۔

چھوٹا بارہ سنگھا اسی وقت اپنی مُہم پر روانہ ہو گیا۔ اس نے دریا پار کیا، جنگلوں سے گزرا اور میدانی علاقے میں پہنچ گیا۔ اس کے پاس نہ کوئی ہتھیار تھا اور نہ غذا۔ سارا دن وہ بھوکا پیاسا چلتا رہا، مگر اسے گھوڑا نظر نہ آیا۔ شام کو جب سورج

ڈھلنے لگا اور سائے لمبے ہونے لگے تو اچانک اسے بہت دور کوئی چیز بڑی تیزی سے حرکت کرتی ہوئی دکھائی دی۔ ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

"میرا گھوڑا! میرے خوابوں کا گھوڑا!" چھوٹا بارہ سنگھا سوچنے لگا۔ اور تیزی سے اس طرف دوڑا، مگر وہ گھوڑے کو نہ دیکھ سکا۔ آخر کار وہ تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا اور پھر سو گیا۔ اس رات اس نے کوئی خواب نہ دیکھا مگر کئی بار اس کی آنکھ کھل گئی اور ہر بار اسے اپنے قریب گھوڑے کے ہنہنانے اور ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ دوسرے دن وہ پھر گھوڑے کے تعاقب میں نکل گیا، مگر اس بار وہ اس کے پیچھے دوڑا نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ گھوڑے کا پیچھا کرتا رہا۔ کئی گھنٹے چلنے کے بعد وہ سمجھ گیا کہ وہ کوّوں کے علاقے میں آگیا ہے، مگر اس نے پروا نہ کی۔ آخر کار جس وقت وہ ایک ندی سے پانی پی رہا تھا، اس کی نظریں درختوں کی جانب اٹھ گئیں۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ وہ سفید گھوڑا کھڑا ہوا ہے جیسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس گھوڑے کے پیچھے اور بھی بہت سے گھوڑے موجود تھے۔

وہ سوچنے لگا" اس سفید گھوڑے نے مجھے ان گھوڑوں تک پہنچا دیا ہے، مگر کہیں یہ گھوڑے کوّوں کے نہ ہوں!" یہ گھوڑے ان کے نہ تھے۔ عین اسی وقت چھے آدمی جن کا تعلق کوّا قبیلے سے تھا، اچانک آن موجود ہوئے۔ یہ لوگ بھی ان گھوڑوں کو پکڑنا چاہتے تھے۔ کوّا قبائلی بڑے جنگ جو تھے۔ انھوں نے صرف گھوڑے کی طرف توجہ کی، لڑکے کی پروا نہ کی۔ یہاں تک کہ لڑکا جب چپکے سے سفید گھوڑے پر سوار ہو گیا اس وقت بھی انھوں نے اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ لوگ لڑکے کو اپنے علاقے سے گھوڑے لے جانے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے گھوڑوں کو سفید گھوڑے کے پیچھے لگا دیا۔ لڑکے نے جب دیکھا کہ کوّا قبائلی اس کی طرف بڑھ رہے ہیں تو وہ تیزی سے سفید گھوڑا دوڑانے لگا۔ ممکن تھا کہ سفید گھوڑا لڑکے کو لے کر بہت دور نکل جاتا اور یہ لوگ اسے پکڑ نہ پاتے، مگر چھوٹا بارہ سنگھا تو دوسرے گھوڑوں کو بھی حاصل کرنا چاہتا تھا، کیوں کہ گانو والوں کو گھوڑوں کی شدید ضرورت تھی، لہٰذا اس نے سفید گھوڑے کو روک لیا اور سیدھا کوّوں کے سامنے آکھڑا ہو گیا۔ وہ کل چھے تھے اور یہ اکیلا تھا۔ پھر وہ بہت بڑے اور طاقت ور تھے اور یہ چھوٹا سا لڑکا تھا۔ ان کے پاس نیزے اور تیر کمان تھے اور کلھاڑیاں بھی۔ ان کے برعکس لڑکا بالکل نہتا تھا، مگر لڑکا گھبرایا نہیں۔ انھوں نے اسے ایک چھوٹا بچہ سمجھا مگر وہ اپنے آپ کو بہت بہادر اور جنگ جو سمجھنے لگا۔ چناں چہ وہ بولا: "ہمارے قبیلے کے لوگ تم سے ڈرتے نہیں اور نہ بھاگتے ہیں!" یہ کہتے ہی اس نے کود کر ایک بڑی سی ٹہنی اٹھا لی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو چھے تجربہ کار بہادروں کے مقابلے میں کیا کر سکتا تھا۔ اس کے بجائے اس نے وہ طریقہ اختیار کیا جو عام طور پر ریڈ انڈین اس وقت کرتے تھے جب وہ صحیح معنوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ دشمن کو صرف چھوتے تھے اسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے، جب کہ دشمن اسے مار ڈالنے پر تلا رہتا تھا۔ "کوّے" فوراً تاڑ گئے کہ لڑکا کیا کرنے والا ہے، مگر انھیں اپنی آنکھوں

یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ ذرا ہچکچائے۔ بس اتنی ہی دیر میں لڑکے نے ان پر حملہ کر دیا۔ اپنے قبیلے کا نعرہ لگا کر اس نے گھوڑے کو دوڑایا اور قبل اس کے کہ وہ لوگ سنبھل پاتے، اس نے تیزی سے اپنی ٹہنی ایک شخص کو ماردی اور اس کے فوراً بعد دوسرے آدمی کو بھی ٹہنی مار دی۔ اب تو کوتے بہت سٹپٹائے، کیوں کہ قبائلی دستور کے مطابق ان کے دو آدمی بے کار ہو چکے تھے۔ جن لوگوں کو ٹہنی لگی تھی وہ خود بھی شرمندہ اور حیران تھے کہ اتنے چھوٹے سے لڑکے نے انھیں کس طرح ٹہنی ماردی۔ ٹہنی سے مار کھا جانے کا مطلب ہی گویا ہار جانا تھا۔ لڑکے نے انھیں سوچنے کی مہلت نہ دی اور دوبارہ حملہ کر دیا۔ وہ گھوڑے کی گردن پر جھک کر ادھر اُدھر مڑتا جاتا تھا اور خود کو دشمنوں کے حملے سے بچاتا جاتا تھا۔ اتنے میں اس نے یکے بعد دیگرے دو وار کیے اور مزید دو آدمیوں کو "بے کار" کر دیا۔ اب جو دو باقی رہ گئے تھے، انھوں نے بڑی احتیاط برتنی شروع کر دی۔ ایک آدمی نے اپنی کلہاڑی لڑکے پر مارنا چاہی۔ لڑکا گھوڑے سے کود پڑا اور دشمن کے گھوڑے سے بچ کر اس نے ایک آدمی کے پیر پر ٹہنی ماردی۔ اب صرف ایک آدمی باقی رہ گیا تھا۔ یہ ان کا سردار تھا۔ اس نے اپنے نیزے سے وار کیا۔ خوش قسمتی سے لڑکا اس وقت تک پھر گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا، لہٰذا وہ بچ گیا۔

اس کے بعد وہ پہلے بائیں جانب جھکا، پھر دائیں جانب اور اس کے بعد وہ اچانک سردار پر جھپٹ پڑا۔ اب سردار بھاگنے لگا اور لڑکا اس کا تعاقب کرنے لگا۔ اس دوران لڑکے نے قریب پہنچ کر سردار کی کہنی پر ٹہنی ماردی اور اس کا نیزہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بالآخر کوتوں نے ہار مان لی اور اشاروں کی زبان میں لڑکے سے کہا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے۔ لہٰذا اسے اب کوتوں کے گانو چلنا چاہیے۔ چناں چہ وہ لوگ آگے آگے چلے اور لڑکا اپنے سفید گھوڑے پر ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ باقی جنگلی گھوڑے بھی سفید گھوڑے کے پیچھے پیچھے جانے لگے۔

کوتوں نے چھوٹے بارہ سنگھے کو اپنے گانو پہنچ کر بہت سے تحفے دیے اور جو گھوڑے وہ پکڑ لائے تھے، وہ سب واپس کر دیے۔ انھوں نے اس چھوٹے سے لڑکے کے ساتھ وہ سلوک کیا جو بڑے بڑے بہادروں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

اس کے بعد چھوٹا بارہ سنگھا گھر واپس آگیا۔ گانو کے لوگوں نے اس کا نہایت شان دار استقبال کیا۔ سب لوگ گھوڑوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس دن سے چھوٹا بارہ سنگھا سب کی نظروں میں بہادر آدمی بن گیا۔ حالانکہ وہ ابھی نو عمر تھا۔ قبیلے والوں نے ٹہنی سنبھال کر رکھ لی جس سے چھے آدمیوں کو زیر کیا گیا تھا ●●

بہ شکریہ نونہال (کراچی)

بقیہ ص ۱۱

کہا جاتا ہے اور گھوڑا انھیں اُتار نہیں سکتا۔ یہ ایک مرتبہ اس کے پانو میں ٹھک گئے تو ٹھک گئے۔ برسوں کام دیتے ہیں۔ گھوڑے کی ٹاپ اسی لیے مشہور ہے۔ فرش پر چلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یاں کوئی چل رہا ہے۔ ہاتھی جیسے جانور کے چلنے کی آواز نہیں آتی لیکن چار چھے گھوڑے اگر ایک ساتھ چلیں تو ان کی ٹاپوں کی آواز سے سارا میدان گونج اٹھتا ہے۔

گھوڑوں کی شان ۲۶ جنوری کو دیکھنی چاہیے۔ فوجی بینڈ کے ساتھ ان کی پریڈ۔ یہ منظر ہم لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے۔ خود ہی ٹی وی پر دیکھ لینا۔

چالاک کمہار

احمد جمال پاشا

کسی زمانے میں ایک ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام بہادر تھا۔ اس کی حکومت دور دور تک سمندروں اور پہاڑوں کی ڈھالوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ دو سونے کے تخت پر سونے کا شامیانہ لگا کر اور سونے کا تاج پہن کر بیٹھتا۔

اس کی رعایا اُسے ایک ہزار ہاتھیوں کا بادشاہ کے نام سے یاد کرتی اس وجہ سے نہیں کہ اس کے پاس ایک ہزار ہاتھی تھے۔ بلکہ ہاتھی تو صرف پچاس ہی تھے۔ لیکن اس طرح اُسے یاد کرنے سے وہ خوش بہت ہوتا تھا۔

سلطان کو دنیا میں بس صرف ایک ہی غم تھا اور وہ یہ کہ اس کے پاس کوئی سفید ہاتھی نہ تھا جب کہ پڑوس کے ملک کے بادشاہ کے پاس پانچ سفید ہاتھی تھے اس کا ملک سفید ہاتھیوں کے نام سے دور دور تک مشہور تھا۔

اس زمانے میں سفید ہاتھی رکھنا بڑی شان و شوکت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور کہا جاتا تھا کہ "سفید ہاتھی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے" اور یہ عقیدہ تھا کہ جس بادشاہ کے پاس سفید ہاتھی ہوگا، اس کے ملک، رعایا اور بادشاہ پر کبھی کوئی برا وقت نہ پڑے گا۔ اور خدا سب پر ہمیشہ مہربان رہے گا!"

بہادر اپنے پڑوسی بادشاہ سے ملنے کے لیے چاہتا تھا کہ سفید ہاتھی پر بیٹھ کر جائے۔ در اصل سلطان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بھی یہی تھی۔

اس نے اعلان کرا رکھا تھا کہ جو بھی شکاری اس کے لیے ایک سفید ہاتھی پکڑ کر لائے گا اس کو وہ اشرفیوں میں تول کر اس کا منہ موتیوں سے بھر دے گا۔ اس کے علاوہ اس کو منہ مانگا انعام بھی دے گا۔ لیکن اتنے بڑے اعلان کے باوجود اسے ایک بھی سفید ہاتھی حاصل کرنے میں کامیابی نہ حاصل ہوسکی۔

سلطان کی رعایا میں ایک کمہار اور ایک دھوبی بھی تھا۔ کمہار اپنے فن میں طاق تھا۔ وہ بہت خوبصورت برتن چاول رکھنے کے لیے بناتا لیکن اس میں ایک بہت بڑی کمزوری تھی یہ کہ حد درجہ کاہل تھا۔ اس لیے وہ صرف اتنا ہی کماتا، تاکہ اس سے اپنا پیٹ بھر سکے۔ حالانکہ وہ چاہتا تو محنت کر کے بآسانی بہت اچھی طرح زندگی گزار سکتا تھا۔

دھوبی بہت محنتی تھا۔ وہ صبح سے رات تک کپڑے دھوتا۔ اس کی آمدنی بہت اچھی تھی۔ اس لیے وہ مزے اور آرام سے رہتا تھا۔

کمہار کی بیوی دھوبن کو بہترین کپڑے پہنتے، دھوبن اور اس کے بچوں کو بہت اچھے کھانے کھاتے دیکھ دیکھ کر جل کر خاک ہوتی رہتی۔ کمہارن دن رات اپنے شوہر کے کان دھوبی اور دھوبن کے

نشاط افزا۔ سیوان (بہار)

خلاف بھرتی رہتی۔ بجائے محنت سے کام کرکے دھوبی
کی طرح اچھی زندگی گزارنے کے وہ ایسی ترکیبیں سوچا
کرتے کہ کسی طرح کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ
دھوبی، دھوبن اور ان کے بچے بھی ہماری طرح خراب
حالت میں رہنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور دھوبی کی آمدنی
گھٹ کر ہماری آمدنی کے برابر ہو جائے۔ پھر ہم محنت
کرکے اپنی آمدنی ان سے زیادہ بڑھالیں گے۔

بہت سوچ ساچ کے ایک دن کمہار بادشاہ
سلامت کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدمبوسی کے بعد
بولا کہ:

"جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں" بادشاہ نے
کہا:

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

کمہار نے کہا۔

"اے! ایک ہزار ہاتھیوں والے بادشاہ!
میں ایک بڑی حیرت انگیز اسکیم لے کر آپ کی خدمت
میں حاضر ہوا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے غریب پرور،
کہ ہم سب ہی کو آپ کی رعایا میں اس بات پر
انتہائی رنج ہے کہ بادشاہ سلامت کے پاس اب
تک کوئی سفید ہاتھی نہیں ہے۔ آپ کی رعایا کی یہ
انتہائی شدید خواہش ہے کہ وہ آپ کو سفید ہاتھیوں
کے بادشاہ کے نام سے یاد کرے۔ اور میں آپ کو
ایک سفید ہاتھی دلانے میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں!"

سلطان نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے
جوش میں آکر کہا کہ اے لائق انسان اگر تم نے
ہمیں سفید ہاتھی دلادیا تو ہم نہ صرف تمھیں بلکہ
سفید ہاتھی تک کو سونے سے تول کر تمھیں دے
دیں گے۔ اور تمھارا منہ ہم بیش قیمت موتیوں سے
بھر دیں گے اور پھر منہ مانگا انعام دیں گے۔ میرے
اچھے آدمی جلدی سے بتاؤ کہ تم نے اس سلسلے میں
کیا منصوبہ بنایا ہے۔؟"

کمہار نے عرض کیا۔

"جہاں پناہ! شاہی محل کے پچھواڑے میرے
پڑوس میں ایک دھوبی رہتا ہے وہ نہ صرف دھوبی
ہے بلکہ ایک بہترین جادوگر بھی ہے۔ اور اپنے کام
کا بہت بڑا ماہر۔ وہ بادل کی طرح کالے کپڑے تک کو
دھوکر چاندنی کی طرح شفاف و براق کر دیتا ہے
جہاں پناہ! آپ اسے حکم دیں کہ وہ آپ کے کسی
بھی ایک بھورے ہاتھی کو دھوکر سفید کردے۔ پھر اس
طرح سے ایک ہزار ہاتھیوں کے بادشاہ آپ کے پاس
ایک سفید ہاتھی بھی ہو جائے گا۔"

کمہار کی بتائی ہوئی ترکیب سے بہادر بہت
خوش ہو گیا۔

بادشاہ نے فوراً اپنے محل کے پچھواڑے کمہار
کے پڑوس میں رہنے والے دھوبی کو حاضر کیے جانے
کا سپاہیوں کو حکم دیا۔

جب دھوبی بادشاہ سلامت کے حضور میں
پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اسے حکم دیا۔

"میں تمھاری قابلیت اور فن کا امتحان لے رہا
ہوں۔ تم میرے کسی بھی ایک ہاتھی کو اتنی صفائی
سے دھو، اور اتنا دھو، کہ وہ بھورے سے سفید ہو
جائے۔ اس کے لیے تم وہ جادو استعمال کرو جو
تم بادل سے بھی کالے کپڑے کو چاندنی سے بھی
شفاف و براق دھونے میں استعمال کرتے ہو۔
یاد رکھو! اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو ہم تم کو
ایک بورا سونا اور منہ مانگا انعام دیں گے۔ لیکن
اگر تم اس میں ناکام رہے تو پھر تم کو زندگی بھر
جیل میں سڑا کر مار ڈالیں گے!"

دھوبی نے بادشاہ کے سامنے اپنے پڑوسی
کمہار کو بیٹھا ہوا دیکھا اور اس کے چہرے پر پھیلی
ہوئی شرارت آمیز فاتحانہ مسکراہٹ دیکھی اور وہ
فوراً سمجھ گیا کہ یہ سب شرارت اسی پڑوسی کمہار

کی ہے۔ اور اسے پھنسانے کے لیے اس نے بادشاہ کو اتنا غلط مشورہ دیا ہے۔

معاملے کو سمجھتے ہوئے حاضر جواب دھوبی نے جان کی امان پانے کے بعد عرض کیا۔

"اے ایک ہزار ہاتھیوں کے بادشاہ! میں آپ کا حکم سر آنکھوں پہ بجا لاؤں گا۔ لیکن ہاتھی کو نہلانے کے لیے مجھے ایک بہت بڑے ٹب کی ضرورت پڑے گی۔ براے مہربانی آپ میرے دوست اور پڑوسی کمہار کو حکم دیں کہ وہ مجھے اس قسم کا ایک بہت بڑا ٹب بنا دے جس میں، میں کالے ہاتھی کو دھو کر سفید کر سکوں۔"

جب کمہار نے دیکھا کہ جو جال میں نے اس دھوبی کے لیے بچھایا تھا اس میں اب خود ہی پھنس رہا ہے تو اس نے کہا۔

"جہاں پناہ! لیکن ہاتھی کو تو دریا میں بھی نہلایا جا سکتا ہے؟"

دھوبی نے جواب دیا۔

"نہیں! نہیں! دریا کا پانی گرم نہیں ہے۔ مجھے ہاتھی کو بھٹی چڑھانے کے لیے انتہائی گرم پانی کی ضرورت پڑے گی۔ تاکہ ہاتھی کا رنگ کٹ سکے اور وہ کالے یا بھورے سے سفید ہو سکے!"

یہ سن کر بادشاہ نے کمہار کو حکم دیا کہ "نہیں نہیں تم ہاتھی کو نہلانے کے لیے فوراً ایک بہت بڑا ٹب بناؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

بادشاہ کا حکم سننے کے بعد چغل خور کمہار سر جھکا کر اپنے گھر واپس چلا آیا۔ وہ دھوبی کو پھنسانے کے لیے بادشاہ کے پاس جتنا خوش خوش گیا تھا۔ واپسی کے بعد وہ اب دنیا کا اتنا ہی غمگین ترین انسان تھا۔

پورے تین ماہ تک کمہار اور اس کا پورا گھر ہاتھی کو نہلانے کے لیے بہت بڑا ٹب بنانے میں مصروف رہا۔ آخر بڑا ٹب بن کر تیار ہو گیا اور پچاس آدمی اسے اٹھا کر بادشاہ کے دربار تک لے گئے۔

ہاتھی لایا گیا۔ اور اس کو ٹب میں اترنے کا مہاوت نے حکم دیا۔ لیکن جیسے ہی ہاتھی نے اپنا ایک پیر اس بڑے ٹب کے اندر رکھا تو اس کے پاؤں کے بوجھ سے اس بڑے ٹب کے ہزاروں ٹکڑے ہو گئے۔

بادشاہ نے کمہار کو حکم دیا کہ "وہ زیادہ مضبوط ٹب بنائے!"

اگلے تین ماہ کی سخت محنت کے بعد کمہار اور اس کے کنبے نے دوسرا بہت بڑا ٹب تیار کر لیا۔ یہ ٹب اتنا ہی بھاری تھا کہ دربار تک لے جانے کے لیے پورے سو آدمی کمہار نے لگائے۔

ٹب میں پانی بھرا گیا اور اس کے نیچے دھوبی نے آگ سلگا دی۔ اس بار جب ہاتھی ٹب کے اندر داخل ہوا تو ٹب نہیں ٹوٹا۔

لیکن بڑے ٹب کا پیندا اتنا موٹا تھا کہ آگ کی گرمی پانی تک نہ پہنچ سکی۔

دھوبی نے پھر اس بڑے ٹب کو بیکار قرار دیا۔ اور کمہار کو ایک اور بڑا ٹب اگلے تین ماہ میں تیار کرنا پڑا۔

ٹب بننے کا سلسلہ جاری رہا۔ یا تو ٹب اتنا مضبوط نہ ہوتا کہ اس میں ہاتھی داخل ہو اور وہ سلامت رہ جائے اور نہ ٹوٹے یا پھر اس کا تلا اتنا موٹا ہو جاتا کہ آگ اس کے اندر کا پانی نہ گرم کر پاتی۔

کمہار اور اس کا گھر بھر ہر بار بڑا ٹب بنانے کے لیے مٹی کھودتا رہتا یا پھر سب مل کر ٹب بناتے رہتے۔ وہ اپنا کام بالکل نہ کر پاتے۔

جس کی وجہ سے وہ اتنے زیادہ غریب ہو گئے کہ بھوکوں مرنے لگے۔

کمہار کو ہر وقت افسوس بھی رہتا کہ اس نے دھوبی کو پھانسنے کے لیے جو جال بچھایا تھا۔ اس میں وہ خود بری طرح پھنس کر رہ گیا ہے۔

ایک کمہار بادشاہ سلامت کو ایک دن نیا لمپ دکھا رہا تھا۔ اتنے میں دربار میں اچانک دوڑتے ہوئے کئی شکاری داخل ہوئے انھوں نے چلا کر کہا۔

"اے سفید ہاتھی کے بادشاہ! آپ کو فتح مبارک ہو! ہم نے ابھی جنگل میں آپ کے لیے ایک سفید ہاتھی پکڑ لیا ہے!"

یہ سن کر سلطان بہت خوش ہوا۔ پھر سفید ہاتھی بادشاہ سلامت کے حضور میں پیش کیا۔

مارے خوشی کے بادشاہ سلامت دھوبی، کمہار اور ہاتھی کو نہلانے والے ٹب کے بارے میں سب کچھ بھول گئے۔ اس طرح کمہار کی جان بھی بچ گئی اور دھوبی نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔

سفید ہاتھی کے بادشاہ نے اپنی تمام پیاری رعایا کے لیے ایک بہت بڑی دعوت کرنے کا حکم دیا۔ جس کا سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ جس میں ہر روز دھوبی اور کمہار ساتھ ساتھ آتے۔ کیوں کہ کمہار نے آیندہ دھوبی سے معافی مانگ لی تھی۔ اور پھر وہ آپس میں ہمیشہ کے لیے گہرے دوست ہو گئے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی کہانی جلد شائع ہو تو براہ کرم مختصر کہانی لکھیے۔ کہانی کے آخر میں اپنی عمر، اور اسکول کا نام ضرور لکھیں۔ **(ادارہ)**

عبدالواحد سندھی

ہمارے ہادیؐ کا آخری حج

ہجرت کا دسواں سال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ ذی قعدہ ۱۰ھ ہجری میں اعلان کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جارہے ہیں۔ یہ خبر پورے عرب میں پھیل گئی۔ اس بابرکت موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے شوق میں پورا عرب اُمنڈ آیا۔

ماہ ذی قعدہ کی آخری تاریخوں میں آپ کی سواری مدینۂ طیبہ سے روانہ ہوئی اور ۴ ذی الحجہ کی صبح کے وقت آپ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ وہاں آنے کے بعد پہلے آپ نے کعبہ کا طواف کیا اور پھر آپؐ نے مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

اس کے بعد آپؐ صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے اُتر کر مروہ کی سعی کی، یعنی دوڑ لگائی۔ ان چیزوں سے فراغت کے بعد آپ نے جمعرات کے روز یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو تمام مسلمان کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔

دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کی صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے اور عرفات کے میدان میں تشریف لائے۔ عرفات کے میدان میں آپ نے وہ مشہور تاریخی خطبۂ حج دیا، جو دنیا کی تاریخ میں "حقوقِ انسانی" کا پہلا منشور ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے انسانوں کے لیے اہم باتوں کے بارے میں ہدایتیں فرمائیں:

۱۔ لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

۲۔ لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں، جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمھیں عن قریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمھارے کاموں کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

۳۔ لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون، جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اُسے مار ڈالا تھا۔ میں چھوڑتا ہوں۔

جاہلیت کے زمانے کا سود ملیامیٹ کردیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

۴۔ لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمے داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔

۵۔ لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

۶۔ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی ہے اور نہ کوئی نئی امت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال

بھر میں ایک مہینا رمضان کے روزے رکھو۔ مالوں کی زکات نہایت خوش دلی کے ساتھ دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجا لاؤ۔ اپنے حکّام کی اطاعت کرو، جس کی ہے کہ تم پروردگار کی فردوسِ بریں میں داخل ہوگے۔

۷. لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی پوچھا جائے گا، مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دوگے؟ سب نے کہا "ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیے۔ آپ نے رسالت اور نبوّت یعنی اللہ میاں کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔" ہمارے پیارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنی انگلی اُٹھائی اور تین دفعہ فرمایا "اے اللہ تو گواہ رہنا۔" پھر آپ نے فرمایا، "جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ (یہ سب باتیں) ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔" اس موقع پر قرآن پاک کی ایک آیت نازل ہوئی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"آج میں نے تمھارے لیے دین کو پورا کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو بہ حیثیت دین پسند کیا۔"

آخری حج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے طریقے خود برت کر دکھا دیے کہ حج کس طرح کرنا چاہیے۔

اسی موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "مجھ سے حج کے مسئلے سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے۔"

(بہ شکریہ "نونہال" کراچی)

جاگو اور جگاؤ

جانچو	فراخ دلی کے ساتھ
عبادت کرو	محبت کے ساتھ
سنو	توجہ کے ساتھ
ادا کرو	عجلت کے ساتھ
دیکھو	دلچسپی کے ساتھ
انتظار کرو	صبر کے ساتھ
بولو	اختصار کے ساتھ
غور کرو	گہرائی کے ساتھ
خدمت کرو	آمادگی کے ساتھ
اعتماد کرو	یقین کے ساتھ

شیر اور گدھا

ریاض احمد خاں
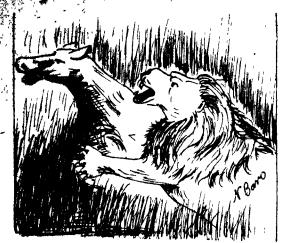
شیر اور گدھے کی دوستی کے چرچے تمام جنگل میں عام ہو چکے تھے۔ کچھ جانور تو یہ سمجھنے لگے تھے کہ گدھے کی صحبت میں شیر بھی گدھا ہو گیا ہے اور کچھ یہ سمجھتے تھے کہ گدھے نے شیر پر کچھ جادو ٹونا کروا دیا ہے جس کی وجہ سے شیر، گدھے کی ہر بات بغیر حجت مان لیتا ہے۔ کئی مرتبہ گدھے کی جھوٹی شکایت پر شیر نے کئی جنگلی جانوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس کی وجہ سے جنگل کا ہر جانور گدھے سے نفرت کرنے لگا اور بدلہ لینے کی ٹھان بیٹھا تھا۔ جب بھی کسی جانور کا شیر سے کچھ کام ہوتا تو وہ پہلے گدھے سے ملتا اس سے مشورہ کرتا اور گدھے کی جی حضوری میں لگ جاتا گدھا تو گدھا ہی تھا جنگلی جانوروں کی سیاست سے بے خبر رہا۔

ایک دن چالاک لومڑی نے ایک ترکیب گدھے پر آزمائی اور وہ اس طرح کہ گدھے کو اکیلا دیکھ کر اس کے سامنے پہنچی اور بڑے ادب سے جھک کر سلام کیا۔ گدھا، شیر کی صحبت میں رہ کر مغرور بھی ہو چکا تھا۔ اس نے لومڑی کی طرف بڑی حقارت سے دیکھا اور کہنے لگا "کیا کام ہے تمھارا؟" لومڑی اور مسکین بن گئی۔ کہنے لگی: "گدھے بھائی آپ کی بہادری اور انصاف پسندی کے چرچے جنگل میں عام ہو رہے ہیں جنگل کے تمام جانوروں کی دلی خواہش ہے کہ وہ آپ کا استقبال کریں اور آپ کی شان میں قصیدے پڑھیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو آیندہ ہفتے اسی جگہ آپ کی شان میں ایک جشن کا اہتمام کیا جائے۔ گدھے نے بڑی شان بے نیازی سے جواب دیا کہ اسے فرصت نہیں ہے۔ اس پر لومڑی نے اپنے ترکش سے دوسرا تیر چلایا اور کہنے لگی کہ اگر آپ نے اجازت نہیں دی تو تمام جنگلی جانور بھوک ہڑتال کر دیں گے اور اس وقت تک گھاس چارے پر منہ نہ ماریں گے جب تک آپ اجازت نہ دے دیں۔ لومڑی کی اس بات کا گدھے پر خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے منظوری دے دی۔ جشن منانے کی اجازت ملتے ہی لومڑی نے گدھے سے ایک درخواست کی اور وہ یہ کہ اس جشن میں جنگل کا راجا نہ آئے کیوں کہ ان کی آمد سے کوئی جنگلی جانور شرکت نہیں کرے گا۔ گدھا بھی سمجھتا تھا کہ اگر شیر اس جشن میں آئے گا تو سب کی نگاہوں کا مرکز بن جائے گا اور گدھے کی کوئی حیثیت نہ رہے گی۔ اس لیے لومڑی کی اس تجویز کو گدھے نے فوراً ہی مان لیا۔

اِدھر سے فارغ ہو کر لومڑی جنگلی جانوروں کے پاس گئی اور سب کو یہ خوش خبری سنا دی۔ اب لومڑی اس تاک میں رہی کہ موقع ملتے ہی گدھے کے جشن کے مطابق شیر کو اطلاع دے۔ آخر چھے گھنٹے انتظار کرنے کے بعد شیر اسے اکیلا مل گیا۔ شیر کو لومڑی نے بڑے ادب سے سلام کیا اور کہنے لگی کہ حضور آپ جنگل کے بادشاہ ہیں اور ہم تمام جنگلی جانور آپ کی رعایا ہیں۔ آپ کو اپنا بادشاہ مانتے ہیں اور آپ کے حکم پر جان کی بازی لگا سکتے ہیں۔ مگر ادھر کئی دن سے

۴۲-۰۰۴ حبیب ولا، لورنیسٹ روڈ، جگاؤں ممبئی ۴۰۰۰۱۰

آپ کے دوست گدھے میاں سب سے یہ کہتے ہیں کہ شیر تو محض ایک معمولی جانور ہے دراصل جنگل کا راجا تو میں ہوں۔

لومڑی کی یہ بات سنتے ہی شیر کے تن بدن میں آگ لگ گئی، وہ سیدھا گدھے کو ختم کرنے کے لیے بڑھا۔ مگر لومڑی نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ "حضور جلد بازی سے کام بگڑ جاتے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جلد بازی کا کام شیطان کا ہوتا ہے اس لیے آپ غصہ تھوک دیجیے۔ آپ اپنے کان سے گدھے کی شرارت سن کر فیصلہ کر لیجیے۔" شیر نے خوشی خوشی لومڑی کی بات مان لی۔ لومڑی نے شیر سے کہا کہ جشن کے روز وہ اطلاع دے گی اور شیر کو چھپنے کی جگہ بھی بتا دے گی۔ پھر شیر سے یہ وعدہ لیا کہ اس بات کا گدھے کو علم نہ ہو۔ شیر نے وعدہ کر لیا۔

اب لومڑی نے بڑی چالاکی سے پہاڑ کے دامن میں گدھے کے جشن کا اہتمام کیا۔ وہ اس لیے کہ یہاں پر ایک غار میں شیر کو چھپ کر بیٹھنے اور جشن کی کارروائی دیکھنے کی اچھی سہولت تھی۔ لومڑی نے گیدڑ سے مشورہ کیا کہ اس جشن کے موقع پر وہ ایک تقریر کرے جس میں شیر سے زیادہ گدھے کی تعریف ہو۔ گیدڑ پہلے تو بہت ڈرا کہنے لگا کہ کہیں شیر کو معلوم ہو گیا تو اس کے پورے خاندان کو کھا جائے گا۔ مگر لومڑی نے جب اس کو اطمینان دلا دیا تو گیدڑ نے تقریر کرنے کی حامی بھر لی۔

اللہ اللہ کر کے جشن کا دن آ گیا۔ لومڑی شیر کو پہاڑ کے دامن میں لے آئی اور غار میں بٹھا دیا۔ ادھر جنگل کے جانور ایک ایک کر کے جمع ہوتے گئے۔ گیدڑ، لومڑی اور خرگوش گدھے کو لینے گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد گدھے صاحب ان کے ساتھ جشن گاہ میں آ گئے۔ تمام جنگلی جانوروں نے گدھے کو خوش آمدید کہا اور اسے ایک اونچے مقام پر بٹھا دیا۔ گدھا بڑی شان سے بیٹھ کر سب کا جائزہ لینے لگا۔ اس جلسے کی کارروائی لومڑی نے شروع کی اور پھر گیدڑ سے درخواست کی کہ وہ گدھے صاحب کے بارے میں اپنے اور جنگل کے تمام جانوروں کے خیالات پیش کریں۔ گیدڑ ڈرتے ڈرتے آیا اور اس نے گدھے کی خوب تعریف کی۔ اس تقریر کے بعد گدھے کو جنگلی پھولوں کے کئی ہار اور گلدستے پیش کیے گئے جس پر گدھا اپنی اوقات بھول گیا اور جب وہ جنگل کے جانوروں کا شکریہ ادا کرنے کھڑا ہوا تو کہنے لگا کہ دراصل شیر کی اس جنگل میں کوئی اہمیت نہیں ہے کیوں کہ وہ تو اس قدر ڈرپوک ہے کہ ہر معاملے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے۔ شیر جیسا بزدل جانور جنگل میں نہیں ملے گا۔

شیر غار میں چھپا یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا اور سن رہا تھا جب اس نے گدھے کی زبان سے ایسے گستاخانہ جملے سنے تو وہ اپنے آپے سے باہر ہو گیا اور ایک دہاڑ مار کر غار سے نکلا اور ایک ہی جست میں گدھے کو دبوچ لیا۔ بھلا گدھے کی کیا مجال کہ شیر کا مقابلہ کرتا۔ تھوڑی ہی دیر میں گدھے کا وجود ختم ہو گیا۔ تمام جنگلی جانور دُم دبا کر وہاں سے بھاگ گئے سوائے لومڑی کے۔ لومڑی نے شیر کو مبارک باد دی اور کہا کہ دراصل جنگل کے راجا تو آپ ہی ہیں۔ ●●

فرق بتائیے

آفتاب عالم

ٹن ٹن! ٹن ٹن! اسکول کا گھنٹہ بجا۔ پہلا پیریڈ حساب کا تھا۔ ماسٹر صاحب رجسٹر لے کر درجے میں داخل ہوئے۔ بس ایک دم خاموشی طاری ہو گئی۔ کھسر پھسر بھی بند۔ لڑکے اس طرح خاموش ہو گئے کہ اگر فرش پر سوئی بھی گر جائے تو آواز صاف سنائی پڑے۔

وجہ یہ تھی کہ تمام لڑکے حساب کے ماسٹر صاحب سے کانپتے تھے۔ وہ پڑھائی کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ بات بات میں کڑی سزا دیتے تھے۔ کسی کے کان کھینچتے، کسی کو مرغا بناتے اور کسی کو بنچ پر کھڑا کر دیتے۔ جو بھی لڑکا کوئی غلطی کرتا یا شرارت کرتا اُسے چھڑی ضرور کھانی پڑتی۔ ماسٹر صاحب جتنا زیادہ مارتے پیٹتے تھے اتنا اچھا وہ پڑھاتے بھی تھے۔ اس دن حاضری لینے کے بعد ماسٹر صاحب نے کہا۔ "ہوں! کل میں نے تم لوگوں کو حساب کے کچھ سوال حل کرنے کو دیے تھے۔ جن تمام چور لڑکوں نے سوال حل نہ کیے ہوں یا کاپی نہ لے آنے کا بہانہ کرنے والے ہوں فوراً بنچ پر کھڑے ہو جائیں!"

ماسٹر صاحب کا حکم سنتے ہی درجے میں سناٹا چھا گیا۔ لڑکے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ جانے آج کیا سزا ہے۔ دیکھتے دیکھتے سبھی لڑکے بنچ پر کھڑے ہو گئے۔

صرف ایک لڑکا ہی تمام حساب حل کر کے لے آیا تھا۔ اس لیے وہ بنچ پر نہیں کھڑا ہوا۔ ماسٹر صاحب نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "مجھے خوشی ہے کہ تم لوگوں میں ایک لڑکا ایسا بھی ہے جو تمام مشکل سوال حل کر سکتا ہے۔ حساب محنت چاہتا ہے۔ مسلسل محنت۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک بھی شاگرد ایسا نہ ہو جو حساب میں کمزور ہو۔

اور پھر اپنی عادت کے مطابق ماسٹر صاحب نے بنچ پر کھڑے لڑکوں کی مرمت کرنی شروع کر دی۔ ایک دو لڑکے تو زور زور سے رونے لگے۔ کسی لڑکے کے گال پر تھپڑ کے نشان پڑے۔ گھونسا کھا کر کسی کی پیٹھ اکڑ گئی اور کوئی اپنے کان سہلاتا رہا۔

مگر یہ کیا۔ سزا پانے والے لڑکوں کی پٹائی دیکھ کر بیٹھا ہوا لڑکا بھی سسکتے سسکتے بنچ پر کھڑا ہو گیا۔

ماسٹر صاحب حیران رہ گئے۔ آخر یہ لڑکا کیوں رو رہا ہے۔ پوچھا گیا۔ "عثمان تم کیوں رو رہے ہو۔ تمھیں تو سزا ملی نہیں۔ مجھے تم پر فخر ہے تم درجے کی شان ہو۔"

ماسٹر صاحب کی بات سن کر لڑکے کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہنے لگے۔ وہ بھرے گلے [illegible]

[illegible]

ادھر ادھر سے

غزل خوانی کے مقابلے میں نیشنل ہائی اسکول داپولی کی کامیابی

بزم اردو جیلون (مہاراشٹر) کی طرف سے غزل خوانی کے مقابلے میں نیشنل ہائی اسکول داپولی ضلع رتناگیری کی تبسم قمرالدین رکھانگے (جماعت ششم) اور فیروزہ بینکر (جماعت ہفتم) نے بالترتیب اول اور دوم انعامات حاصل کر کے بزم اردو کی طرف سے گروپ ۲ کے لیے رکھی گئی شیلڈ جیت لی۔ اور درجہ نہم کے طالب علم سید اشفاق قادری نے گروپ ۳ کے مقابلے میں دوسرا انعام حاصل کیا۔

ایم پی مارگ میونسپل اردو اسکول کرلا کی شاندار کامیابی

بمبئی میونسپل کارپوریشن کے محکمۂ تعلیم سے وابستہ ایم پی مارگ میونسپل اردو اسکول ۲ پائپ روڈ کرلا (بمبئی) نے بیٹ ۲ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے تقریری مقابلوں میں سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی عظیم الشان کامیابی حاصل کی مدرسہ کی حسب ذیل طالبات نے ان سالانہ مقابلوں میں حسب ذیل انعامات حاصل کیے۔

۱۔ صفیہ بنت محمد وزیر جماعت پنجم تقریر کا عنوان "ادب سے ہی انسان انسان ہے۔" اول انعام۔

۲۔ عشرت بنت شوکت جماعت ششم تقریر کا عنوان "ہم ایک ہیں" اول انعام۔

۳۔ شبنم بنت محمد عقیل جماعت ہفتم، تقریر کا عنوان "اگر تیسری عالمی جنگ چھڑ جائے۔" سوم انعام

ٹیلی وژن آپ کی جیب میں

ٹوکیو، جاپان کے الیکٹرونک سامان بنانے والی کمپنی "سونی" نے ایک پاکٹ سائز ٹیلی وژن تیار کیا ہے اس کی موٹائی صرف ڈیڑھ انچ ہے اور وزن ۵۱۰ گرام ہے اور اسکرین کی کشادگی صرف دو انچ ہے اور آپ جہاں چاہیں اپنا من پسند پروگرام دیکھ لیں۔ یہ ٹیلی وژن فی الحال بلیک اینڈ وہائٹ ہے لیکن توقع ہے کہ یہ جلد ہی رنگین تصاویر کے ساتھ بھی دستیاب ہو سکے گا یہ ٹیلی وژن الکائین بیٹری سے کام کرتا ہے لیکن اگر آپ چاہیں تو عام بجلی سے بھی چلا سکتے ہیں۔

بچوں کے قلمی رسالے نکہت کا اجرا

مورخہ ۲۷ نومبر ۸۴ء کو ایم پی مارگ میونسپل اردو اسکول ۲ کرلا (بمبئی) کے اسکول پارلیمنٹ کے شعبۂ ثقافت کے اہتمام سے بچوں کا سہ ماہی قلمی رسالہ "نکہت" کی رسم اجرا مراٹھی اسکول کے صدر شری بورڈے صاحب کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔ بچوں کے اس جریدے میں ان کے لکھے مضامین، کہانیاں، لطیفے، کارٹون اور تصاویر وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ضخیم رسالہ اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبان میں بھی ہے۔

دنیا میں سب سے طویل سفر کرنے والی ٹرین

دنیا میں سب سے طویل فاصلے کے درمیان سفر کرنے والی ٹرین روس کی "ٹرانس سائبیرین ایکسپریس" ہے جو ماسکو سے بحرہ جاپان کی بندرگاہ ولاڈی واسٹک تک ۵ ہزار ۸ سو ۱۰ میل کا سفر سات دن میں طے کرتی ہے۔ پوری دنیا میں اس وقت کسی بھی ٹرین کا روٹ اس قدر طویل نہیں ہے۔ ٹرانس سائبیرین ایکسپریس کے مسافروں کو سات دن کے سفر میں سات مرتبہ اپنی گھڑیوں کا وقت تبدیل کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ مقامی وقت سے واقف رہیں یہ ٹرین ارل کی پہاڑیوں مغربی سائبیریا کے میدانوں اور مشرق کے گھنے جنگلات سے گزرتی ہے۔

• ایک شخص نے جوتے خریدنے کے بعد دکان دار سے نئے سال کا کیلنڈر طلب کیا تو دکان دار نے معذرت کرتے ہوئے کہا "جناب، کیلنڈر تو ختم ہو گئے ہیں کل کسی وقت رسید دکھا کر کیلنڈر لے جانا۔"
وہ شخص بولا، "اگر رسید گم ہو گئی تو جوتا دکھا کر لے جاؤں گا۔"

طاہر

• پہلا دوست: اگر دنیا میں پانی نہ ہوتا تو؟
دوسرا دوست: تو پھر ہم خالص دودھ پیا کرتے۔

• ناصر: احمد، ٹی وی پر سگریٹ کے خلاف جو بھیانک اشتہار آتا ہے اسے دیکھ کر مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔
احمد: پھر کیا تم نے سگریٹ پینی چھوڑ دی؟
ناصر: نہیں میں نے اپنا ٹی وی بیچ دیا۔

ابوالعامر

• استاد: (شاگرد سے) اگر تمہارے پاس چار سیب ہوں اور تمہارے چار دوست آجائیں تو تم کیا کرو گے؟
شاگرد: جناب میں ان کے جانے کا انتظار کروں گا۔

نازیہ فیض، حیدرآباد

• پہلا دوست: میرے نانا کو مرے ہوئے دس سال ہو چکے ہیں، لیکن مجھے ابھی تک ان کی شکل یاد ہے۔
دوسرا دوست: تو کیا ہوا جب میری نانی مر جائیں گی تو مجھے بھی ان کی شکل یاد رہے گی۔

نوید احمد

• سپاہی: (کوئلے کے بیوپاری سے) تم کوئلا بلیک کرتے ہو۔
کوئلے والا: اجی صاحب، ہم کہاں بلیک کرتے ہیں یہ تو قدرتی طور پر بلیک ہوتا ہے۔

عابد

• ایک نوکر روتا ہوا اپنے مالک کے پاس آیا مالک نے رونے کا سبب پوچھا تو نوکر نے بتایا کہ بیگم صاحبہ نے مارا ہے۔ اس پر مالک بے ساختہ بولا، "تو روتا کیوں ہے، کیا تو نے ہمیں کبھی روتے ہوئے دیکھا ہے؟"

علی محمد،

• استاد: (شاگرد سے) لطیفہ کسے کہتے ہیں؟
شاگرد: (دماغ پر زور دیتے ہوئے) جی میں سمجھ گیا آپ شاید لطیف صاحب کی بہن کی بات کر رہے ہیں۔

• شوخ طالب علم نے استاد سے پوچھا، "محبت کی کشش اور زمین کی کشش میں کیا فرق ہے؟"
"کچھ زیادہ نہیں" استاد نے سنجیدگی سے جواب دیا، "دونوں ہی آدمی کو خاک میں ملا دیتی ہیں"

زہرہ

بچوں کی کوششیں

کاغذ

یہ کہانی اس چیز کی ہے جو اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے اور آپ کے ہاتھ میں ہے. اس کا نام کاغذ ہے. اس پر ہی کتاب چھپتی ہے. جسے ہم سب پڑھتے ہیں. کاغذ آج کے زمانے کے لیے بے حد ضروری ہے. کاغذ نہ ہوتا تو ہمارا بہت سارا کام ٹھپ ہو جاتا. اگر کاغذ نہ ہوتا تو ہمیں کتابیں پڑھنے کو نہ ملتیں اور نہ اخبار.

زمانہ قدیم میں نیپال اور کشمیر کے مسلمان پرانے کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے. پہلے کاغذ کھردرا اور خراب تھا. پھر بھی کاغذ کی مانگ کافی مقدار میں تھی. لوگوں میں لکھنے کا شوق پیدا ہوا. پرانے زمانے میں کاغذ کو دیمک نہ لگتی تھی اور نہ ہی کاغذ جلد پھٹتا تھا. ہمارے دیس میں ٹیٹاگڑھ، کھوپولی، دانڈیلی، سون گڑھ لکھنؤ، پونے، ان مقامات پر کاغذ کے کارخانے قائم ہیں. ان کارخانوں میں بانس، گھاس، لکڑی کی لگدی بناتے ہیں. لگدی مشین میں پھیلا کر سکھائی جاتی ہے. کاغذ کو بلیچنگ نامی پاؤڈر سے صاف کیا جاتا ہے. کاغذ لکھنے اور چھاپنے کے بعد کئی اور طرح استعمال ہوتا ہے. بورے بنانے کے لیے کاغذ ایک نئی شے ہے. امریکہ میں کاغذ سے چٹائی اور دیگر چیزیں تیار کرتے ہیں. بستر پر بچھانے کے لیے چادر بھی کاغذ سے بنائی جاتی ہے. کاغذ سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں جو بہت مضبوط ہوتی ہیں. جنگ میں گولہ بارود میں بھی کاغذ استعمال ہوتا تھا. جرمنی میں کاغذ کے جوتے پہننے کا رواج ہے. کاغذ سے پتنگ بنائی جاتی ہے. چین میں سال کے نویں مہینے کی نویں تاریخ کو پتنگ کا دن منایا جاتا ہے. کاغذ دوسری صدی عیسوی میں چینیوں نے بنایا. کاغذ بنانے کی مشین ۱۷۹۹ء میں بنائی گئی.

"سائنس بھی ایک رحمت ہے"

آصف ابراہیم سرکار
پیواں، منڈنگڈھ، ضلع رتناگیری

چھوٹی سی بھول

پرانے زمانے کی بات ہے. کسی گاؤں میں رحمت خاں نام کا ایک زمیندار رہتا تھا. اس کے دو بیٹے تھے جو بہت مغرور تھے. بڑے بیٹے کا نام فرید اور چھوٹے کا نام زبیر تھا. ایک بار ان کے گھر ڈاکہ پڑا. جس میں باپ رحمت خاں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا. فرید اور زبیر بھی زخمی ہو گئے. اس ڈکیتی میں ان کی ساری جائداد جاتی رہی، یہاں تک کہ ان کے گھر کھانے پینے کو بھی کچھ نہ رہا. بڑے بیٹے فرید کی بیوی نے تجویز رکھی کہ میرے ماں باپ اچھی حیثیت کے مالک ہیں. کیوں نہ ہم لوگ وہاں چل کر اپنا وقت گزاریں. یہ تجویز سب نے مان لی اور چل دیے. لیکن یہ بھی ایک پرانی کہاوت ہے کہ "جہاں جائے بھوکا وہاں پڑے سوکھا". جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی دو گھنٹے پہلے ایک حادثے میں فرید کی ساس بھی طرح

زخمی ہوگئی ہیں، سارا گھر ہسپتال میں ہے۔ اب تو ان غریبوں کی امیدوں کا آخری محل بھی گر کر چکنا چور ہوگیا اور مایوس ہوکر یہ لوگ کسی انجانی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس طرح ان لوگوں کو در، در کی ٹھوکریں کھاتے کئی سال بیت گئے۔ ایک دن دونوں بھائی مزدوری کی تلاش میں کافی دور نکل گئے۔

راستے بھر وہ دونوں یہی سوچتے رہے کہ کاش ہم اپنے اوپر اتنا گھمنڈ نہ کرتے اور نہ یہ مصیبت اور ناگہانی کے دن دیکھتے۔ چلتے چلتے جب کافی تھک گئے تو ایک پیڑ کے سائے میں کچھ دیر دم لینے کے لیے بیٹھ گئے۔ راستے کی تھکن اور بھوک پیاس نے انھیں نڈھال کر دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا سے اپنی غلطیوں اور بھول کی معافی مانگنے لگے اور زار و قطار رونے لگے۔ اسی اثنا میں وہاں ایک سفید پوش بوڑھا فقیر نمودار ہوا اور دونوں کو مخاطب کرکے بولا: "کیا بات ہے بچّو"؟ فقیر کو اپنے اوپر مہربان دیکھ کر دونوں نے اپنا سارا حال سنایا۔ اس پر فقیر نے کہا "خدا نے تمھاری منت سماجت قبول کرلی ہے اور اس نے مجھے تمھاری ساری تکلیفیں، پریشانیاں دور کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ جاؤ واپس اپنے گھر جاؤ، تمھیں تمھارا مکان، جائداد سب کچھ جوں کا توں ملے گا۔ لیکن میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، کبھی اپنے زر اور بل پر غرور نہ کرنا کیوں کہ غرور اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔"

دونوں بھائیوں نے فقیر کو بڑے احترام سے سلام کیا اور خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف واپس ہولیے۔

محمد آصف خاں

معرفت ایوب اشرف، محلہ دلازاک متصل، چوکی چنگی، شاہجہاں پور (یوپی)

بری صحبت کا نتیجہ

برسات کا موسم تھا۔ آسمان پر بادل منڈلا رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ صبح کے [illegible] بجے تھے۔ لڑکے کتابیں بغل میں دبائے مدرسے جا رہے تھے۔ محمود بستہ لے کر گھر سے تو چل نکلا مگر جب آگے آیا تو دل میں کہنے لگا آج تو سیر کرنے کا دن ہے مدرسے کون جائے۔ کہیں اِدھر اُدھر گھومنے چلیں ساتھ کے چند لڑکوں کو ساتھ چلنے کو کہا مگر سب لڑکوں نے چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں اتنی فرصت نہیں کہ پڑھائی چھوڑ کر تمھارے ساتھ سیر کرنے چلیں۔ وہ اکیلا ہی ایک طرف کو چلنے لگا۔

راستے میں اسے حامد اسکول جاتے ہوئے ملا۔ حامد نہایت شریف اور بھولا بھالا لڑکا تھا۔ محمود نے حامد سے کہا "بھائی آج بڑا اچھا دن ہے، آسمان پر بادل منڈلا رہے ہیں۔ آؤ ہم دریا پر چلیں، سیر کریں نہائیں اور خوب مزے اڑائیں" حامد نے انکار سے سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں بھائی ہم تو اسکول جا رہے ہیں اگر آج اسکول نہ گئے تو کل ماسٹر صاحب ہمیں ماریں گے"

محمود نے کہا "تم بڑے ڈرپوک ہو ماسٹر جی کی مار سے ڈر گئے۔ بھائی ایسے دن بار بار نہیں آتے چلو دریا پر چلیں" حامد سیدھا سادا تو تھا ہی، محمود کی باتوں میں آگیا۔ دونوں دریا پر گئے اور نہانے لگے حامد اور محمود تیرنا نہیں جانتے تھے۔ دریا میں پانی بہت تھا۔ جیسے ہی آگے بڑھے ڈوبنے لگے۔ ایک ملاح نے ان کی جان بچائی۔ جب وہ دونوں اسکول کی چھٹی ہونے پر بھی گھر نہیں پہنچے تو گھر والے ڈھونڈتے دریا پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ حامد اور محمود بے ہوش دریا کے کنارے پڑے ہیں [illegible] گھر لایا گیا۔ جب دونوں ہوش میں آئے تو [illegible] والدین ان پر بہت ناراض ہوئے۔ سچ ہے [illegible]

صحبت کا نتیجہ بڑا ہوتا ہے۔ اس لیے بچو بری صحبت سے بچو اور اچھی صحبت میں رہو تاکہ مصیبتوں سے بچے رہو۔ اگر بری صحبت میں رہو گے تو تمھارا حال بھی حامد جیسا ہو گا

محمد ہارون
ضلع آکولہ ۴۴۴۱۰۶

ننھّو خاں بہادر

تھا تو وہ ۱۴ ہی برس کا مگر اس کے گانو والے اُسے ننھّو خاں کہتے تھے۔ اصلی نام بھی اس کا نہ جانے کیا تھا، بس ہم نے یہی نام سنا تھا اور اسی نام سے آپ کو ان کی کہانی انھیں کی زبانی سناتے ہیں۔ تو سنیے وہ کہتے ہیں اور اپنی زبان میں کہتے ہیں۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے جی گھبرانے لگا۔ سوچا چلو ماما کے یہاں ہو آئیں، اپنے گانو تحصیل آباد (خلیل آباد) سے کچھ ماما کا گانو دور بھی نہ تھا۔

وہاں ماما مامی سے مِل کر بہن بھائیوں کو دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ پانچ اِک دن رہا۔ اسی بیچ ایک دن گانو سے باہر جنگل جا نکلا، بڑا گھنا، گھور اندھیرا جنگل۔ میں ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک جگہ ایک بورڈ دیکھا، لکھا تھا۔

"ایک ہفتے سے اس جنگل میں خونخوار درندہ (شیر) کہیں سے آگیا ہے، ہوشیار! آگے سنبھل کر جائیں"
اس کے نیچے یہ تحریر تھا۔

"اس درندے کو مُردہ یا زندہ پکڑنے والے کو دس ہزار روپیا انعام"۔

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک دم ایسا لگا جیسے دھرتی پھٹ جائے گی۔ ہوا یہ کہ وہ موت کا دیوتا درندہ کہیں دھورے (قریب) ہی سو رہا تھا۔ اُن نے (اس نے) کچھ آہٹ میری سن لی۔ اُن نے من میں سوچا اُو ہو! یہ میرے مارنے کی ترکیب اور بورڈ پڑھ ریا ہے (رہا ہے)۔ بس پھر کیا تھا جھپٹ ہی تو پڑا میرے سر پر۔ کھدا کا کرنا (خدا کا کرنا) میں نے گھر سے چلتے ہوئے ماما کی لوہے کی چھڑی ہاتھ میں لے لی تھی۔ اس کے سرے پر بکریوں کے پتوں کو توڑنے کے لیے ایک کانٹا سا لگا تھا (لگا ہوا تھا) بس جونہی درندہ منہ پھاڑ کر میرے پے جھپٹا مارکے گرا (مجھ پر جھپٹ کر گرا) میں بھی پورا ڈنڈا اس کے منہ کے بھیتر دے دیا اور کیا مولا کا کرم ہوا کہ مجھے کھرونچ تک بھی نہ آئی۔

بس میں ایک اُور (طرف) کھڑا ہنس رہا تھا اور وہ چاروں کھانے (خانے) چت پڑا اوں اوں کر رہا تھا۔ جیسے ڈنڈا منہ سے نکالنا چاہتا ہو، اور ڈنڈے کے اگلے کانٹے نے دِکھے (شاید اس کے کلیجے کو زخمی کر رکھا تھا۔

بس اتنے میں کیا ہوا! جھٹ دِنی سے (جھٹ سے) دو سپاہی بندوک (بندوق) تھامے نکلے اور لگے مجھے باندھنے۔ میں نے کہا "بھائی کیا ہوا؟ مجھ کو کیوں باندھ رہے ہو"۔ وہ کہین لگے (کہنے لگے) بس تو چپکا ہو جا۔ یہ درندہ ہم نے مارا ہے اس کا انعام ہم لیں گے"۔ "بھائی، تم ہی لے لینا، مجھے کھول دو! میں چپکے گھر چلا جاؤں گا"۔ میں نے کہا۔ انھوں نے مجھے کھول دیا اور دھکا دے کر گانو تک چھوڑ آئے۔
پھر تھانے جا کر کہہ دیا کہ یہ درندہ ہم نے مارا ہے اور ٹھاٹ سے انعام لے اڑے، میں گانو چلا آیا، پھر ایک ہی ہفتہ ہوا تھا کہ کسی نے کنڈا کھٹکایا (کنڈی بجائی) جا کر جو دیکھا تو سپاہی کھڑا تھا اُن نے مجھے ۵ ہجار (۵ ہزار) روپے دیے اور بتایا کہ جو کچھ جنگل میں ہوا وہ ایک کسان دیکھ رہا تھا۔ اُس نے تھانے میں جا رپوٹ سنائی اب وہ دونوں سپاہی تو جیل میں ہیں اور ۵ ہزار کسان کو مل گئے اور یہ پانچ ہزار تیرے ہیں۔

میں نے کھدا (خدا) کا بڑا سکر (شکر) بھیجا۔ تو بھائیو، بچو! یہ تھے نتھو خاں! اور یہ ان کا کارنامہ، اب بھی وہ زندہ ہیں اور پیامی بچوں کو سلام بھیج کر یہ نصیحت کر رہے ہیں۔

بچو! بے ایمان مت بنو، بہادر بنو
مصیبت میں گھبرانا مت۔ ہمت بلند رکھو

بشریٰ وحیدی
ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت انسؓ ہمارے نبیؐ کے پیارے صحابی تھے۔ صحابی ان نیک لوگوں کو کہتے ہیں جنھیں حضورؐ کی محفلوں میں بیٹھنے، ان سے فیض پانے اور آپؐ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہو۔ حضرت انسؓ کا بھی شمار انھیں مقدس اور اللہ پاک کے چہیتے اور پاکیزہ بندوں میں ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ ایک دن اپنے مکان پر تشریف فرما تھے۔ بیوی بچوں کے ساتھ ہشاش بشاش بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک آپ کو حضور صلعم کی یاد نے بے چین کر دیا۔ آپ دوڑتے ہوئے نبی محترمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ (صلعم) نے دریافت فرمایا۔

اے انسؓ! کیا بات ہے کہ تم دوڑتے ہوئے آئے ہو، ہانپ رہے ہو۔ آخر ایسی کیا چیز ہے جس نے تمھیں اس قدر بے قرار کر دیا ہے۔ حضرت انسؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

میرے پیارے آقا!

میں اپنے مکان پر خوشحال فرحاں و شاداں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ قیامت کے دن آپ (صلعم) جنت میں بلند و بالا ارفع و اعلا مقامات پر نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ میرے اعمال اتنے اونچے نہیں ہیں کہ میں آپ کے ساتھ جنت میں رہ سکوں۔ اس خیال سے بے چین آپ کی ملاقات کے لیے بے قرار کر دیا۔

نبی کریم (صلعم) تھوڑی دیر خاموش رہتے ہیں۔ اللہ پاک کے مقدس فرشتہ جبرئیل السلام اللہ کا حکم لاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔ ہم آسانی کے لیے ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ "جو لوگ اللہ کی اور نبی کریم صلعم کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہ قیامت میں نبیوں کے ساتھ صدیقین کے ساتھ شہداء کے ساتھ اور صالحین کے ساتھ ہوں گے اور یہ ان کے بہترین ساتھی ہیں۔" اس بیان کو سن کر حضرت انسؓ خوش خوش لوٹ جاتے ہیں۔

میرے عزیز ساتھیو!

اس فرمانِ خداوندی میں ہمارے لیے خوشخبری ہے ہمیں اللہ ربّ العٰلمین اور پیارے نبی رحمۃ للعٰلمین سے سچی محبت ہونی چاہیے ان کی فرمانبرداری میں ہماری دنیا بھی کامیاب ہے اور آخرت کی زندگی میں بلند بالا مقامات ہیں۔

خدا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔
آمین

محمد یاسین نورانی
مکان نمبر ۲-۳۲۲-۴-۱، جامع مسجد، مشیر آباد، حیدرآباد ۲۰

شیر کا شکار

کوہ فیل نامی پہاڑ پر نیل گانو نام کی ایک چھوٹی سی بستی آباد تھی۔ یہ فیل نامی پہاڑ دریا کے کنارے آباد تھا۔ اس دریا کا نام دریائے واسی تھا۔ واسی کے دوسرے کنارے پر دہشت نام کا ایک جنگل تھا اسی دہشت میں نیل گانو کے اکثر و بیشتر لوگ سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے۔ دہشت اپنے قدرتی مناظر کی وجہ سے بڑا دلکش تھا۔ اس

میں سبز نباتات، رنگ برنگے پھول، چہچہاتے پرندے اور پانی کے صاف و شفاف چشمے شامل تھے۔

دہشت اپنے قدرتی مناظر کے برخلاف طرح طرح کے جنگلی جانوروں کی وجہ سے خوفناک بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دہشت میں سیر و تفریح کو جانے والے اپنے ساتھ مختلف ہتھیار لے جایا کرتے تھے۔ وقت آنے پر اپنے اسباب کی مدد سے جنگلی جانوروں کا بآسانی شکار بھی کر لیتے تھے۔ لیکن ابھی جنگل میں ایک شیر ایسا چالاک اور خطرناک تھا کہ اسے کوئی مار نہ سکا بلکہ خود اس شیر نے کئی آدمیوں کو ہڑپ کر لیا تھا۔

ایک روز نیل گانو کے بہادر، نڈر اور چالاک نوجوان نے اس شیر کو مارنے کا ارادہ کیا۔ ہمت کے ساتھ یہ لڑکا دریائے واسی کا سفر کرتے، مدوجزر کا مقابلہ کرتے ہوئے، مختلف کشتیوں اور جہازوں سے بچتے ہوئے دانشمندی اور تیز رفتاری کے ساتھ شام کے وقت دہشت میں پہنچا۔ اس وقت پرندے اپنے گھونسلوں میں جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مور ناچ رہے تھے۔ ٹھنڈی اور دل کو سکون پہنچانے والی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس وقت سے لے کر تمام رات شیر کی تلاش کرکے اسی انتظار میں وقت گزر گیا لیکن شیر کے آنے کا پتا نہ چلا۔ سحر ہو رہی ہے۔ وقت پانچ بجے کا ہے۔ نوجوان پر نیند کا غلبہ طاری ہے۔

یک بہ یک اسے شیر صاف و شفاف جھیل میں پانی پیتا ہوا نظر آیا۔ اس نوجوان نے جلد ہی بندوق اٹھا کر فائر کیا۔ نشانہ چوک گیا۔ شیر چونک کر نوجوان کی طرف تیزی سے دوڑتا آنے لگا۔ جلد ہی دوسرا فائر کیا تو یہ گولی اس شیر کے سر میں لگی۔ شیر چکر کھانے لگا۔ تیسرے اور آخری فائر کرنے پر شیر ختم ہو گیا۔

اشفاق احمد کاریجوی
گورنمنٹ اردو کالج، [illegible] مہاراشٹر

طالب علم کی دعا

میں ہوں طالبِ علم اے میرے مولا
مجھے دولتِ علم کی ہے تمنا
خدایا نہیں چاہتا میں امارت
نہیں چاہتا میں زر و مال و دولت
مرے واسطے علم ہے وجہِ عزت
مرے واسطے ہے یہی اصل نعمت
ترقی کی کنجی اسے جانتا ہوں
غلامی کا درماں اسے مانتا ہوں
عطا کر مجھے دولتِ علم یارب
کہ میرا بھی چمکے سعادت کا کوکب
الٰہی صدائے دلِ زار سن لے
دکھے دل کی فریاد اک بار سن لے

حسرت حسین خاں
فرحت منزل، رُدر پور، گورکھپور

حکیم لقمان کی نصیحتیں

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی تھیں ہم اس میں سے چند کو یہاں پیش کرتے ہیں۔ اس میں ہمارے لیے بڑی قیمتی باتیں ہیں۔ اس سے ہماری زندگی میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ ان باتوں پر عمل کرکے ہم ایک اچھی اور کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔

۱. اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ اس لیے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔
۲. والدین کی فرماں برداری کر۔
۳. غریبوں اور مسکینوں پر ظلم نہ کر۔
۴. یتیموں کا مال نہ کھا۔
۵. نماز کو قائم کر۔

۶۔ نیکی کا حکم کر۔
۷۔ برائیوں سے لوگوں کو روکتا رہ۔
۸۔ مصیبتوں پر صبر کر۔
۹۔ عزم و ہمّت کے ساتھ زندگی بسر کر۔
۱۰۔ عالموں کی صحبت کو غنیمت جانو۔ کیونکہ علم دِل کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح بارش خشک زمین کو زندہ کرتی ہے۔
۱۱۔ جاہلوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے جیسا بنا لیں۔
۱۲۔ موت کو ہر وقت پیش نظر رکھ۔
۱۳۔ نماز میں قلب کی حفاظت کر۔ مجلس میں زبان کی حفاظت کر۔ غضب میں ہاتھ کی حفاظت کر اور دسترخوان پر شکم کی حفاظت کر۔
۱۴۔ علم بے عمل اور عمل بے علم سے پرہیز کر۔
۱۵۔ ذکرِ خدا کی محفل میں بیٹھ جا اس سے خدا کی رحمت نازل ہوگی۔

خلیل اللہ حقانی
متصل جامع مسجد، مشیر آباد، حیدرآباد

برائی کا انجام برائی

ایک فقیر لڑکا راستے میں بیٹھا ہوا روٹی کھا رہا تھا۔ دور ایک کتّے کو اس نے سویا ہوا دیکھا۔ اس کو پکارا اور ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا یہاں تک کہ کتّے نے محسوس کیا کہ وہ اس کو ایک روٹی کا لقمہ دے گا۔ کتّا اس کے قریب ہوا تاکہ روٹی لے تبھی، لڑکے نے ایک ڈنڈا اس کے سر پر دے مارا۔ کتّا بھاگ گیا۔ تکلیف کی زیادتی کے سبب کتّا چلانے لگا۔ اسی وقت ایک شخص اپنی کھڑکی سے جھانک رہا تھا جو لڑکے نے کیا وہ دیکھ رہا تھا۔ تو وہ دروازہ پر آیا اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا جس کو اپنے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ اس نے لڑکے کو آواز دی اور ایک روپیا اس کے لیے نکالا تو لڑکا دوڑا۔

اور اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ روپیا لے لے تو اس شخص نے اس کی انگلی پر ایک ڈنڈا جما دیا اور ایسا مارا کہ وہ کتّے سے زیادہ چلانے لگا۔ پھر اس نے اس شخص سے کہا "تو مجھ کو کیوں مارتا ہے؟ حالانکہ میں نے تجھ سے کوئی چیز نہیں مانگی ہے" اس شخص نے اسے جواب دیا "تو نے کتّے کو کیوں مارا جبکہ تجھ سے کتّے نے کچھ نہیں مانگا تھا" بس برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔

ہلال احمد اعظمی
ڈونمپورہ، مئو، ضلع اعظم گڈھ

بقیہ صفحہ ۲۵

"نہیں ماسٹر صاحب آپ مجھے معاف کر دیجیے۔ آنکھیں ہی نہیں میرا دل بھی رو رہا ہے۔ آپ نہیں جانتے میں بھی سزا پانے کا حقدار ہوں۔"

"کیوں تم نے ایسا کون سا کام کیا؟ آخر کس بات کی سزا"؟ ماسٹر صاحب نے جاننا چاہا۔

"تمام سوال میں نے حل نہیں کیے۔ سچ بات یہ ہے کہ مشکل سوال میں نے اپنے بڑے بھائی سے حل کروائے، آپ مجھے بھی سزا دیجیے۔" اتنا کہتے کہتے وہ لڑکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ماسٹر صاحب کا دل بھر آیا وہ بولے "میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم کو سچ بولتے دیکھ کر میرا دل خوشی سے بھر گیا ہے۔ میں تمھاری سزا معاف کرتا ہوں۔ ایک دن تم ضرور بڑے آدمی بنوگے اور ملک و قوم کا نام روشن کروگے۔" اور سچ مچ حساب کے ماسٹر صاحب کی بات سچ نکلی۔ بچّو کیا تم جانتے ہو وہ سچ بولنے والا لڑکا کون تھا۔ وہ لڑکا تھا گوپال کرشن گوکھلے۔ نام سنا ہے نا؟

"ہندی سے ترجمہ"

پیامی ادبی معمّا 11 کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱۔ سیکھتے، سرکار کا دربار ص۱۵ ۲۔ خلا، سرکار کا دربار ص۹۶ ۳۔ حد، نبیوں کے قصے ص۲۳ ۴۔ کھیل، رنگوں کی بستی ص۴۶ ۵۔ سیاسی، گاندھی جی دکھنی افریقہ میں ص۱۴ ۶۔ سہم، ایک کھلا راز ص۲۶ ۷۔ بیج، پہاڑ کی چوٹی پر ص۵۵ ۸۔ فیل، ننھا فرشتہ ص۴۵

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۱۲ خوش نصیب
فی کس ۸/۳۵ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ عطیہ نسرین ۱۶/۱۸۲/۲-۱۹۰ رنست پورہ۔ حیدرآباد
۲۔ محمد کریم اللہ شریف ۳۔ محمد رحیم اللہ شریف ۴۔ محمد سلیم اللہ شریف
۵۔ محمد خلیل شریف (ان کا پتا وہی ہے جو عطیہ نسرین کا ہے۔)
۶۔ این اے انصاری مکتبہ اطفال ۳۶۸ نیو وارڈ مالیگاؤں۔
۷۔ خلیق احمد، کمرہ ص۲۳۹ اے ونگ، منسٹری آف لا، شاستری بھون نئی دہلی ۱
۸۔ ارشد عرف گڈو مکان نمبر ۱۳۵ پہاڑی املی، مٹیا محل۔ دہلی ۶
۹۔ عبدالمجید مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج اورنگ آباد۔ بہار
۱۰۔ عاصمہ خاتون مکان نمبر ۱۳۵ پہاڑی املی، مٹیا محل دہلی ۶
۱۱۔ ماجدہ نجم کیراف ڈاکٹر نجم الہدیٰ نمبر ۱، سکنڈ فلور، میر بخشی علی اسٹریٹ مدراس ۱۴۰۰۰۶
۱۲۔ نسرین سلطانہ شیخ، ۱۲، مولانا آزاد روڈ گراؤنڈ فلور گمرہ نمبر ۸ بمبئی ۸

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۸ خوش نصیب
فی کس ۶/۲۵ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ این ایس انصاری (مالیگاؤں) ۲۔ ایم ایس انصاری (مالیگاؤں) ۳۔ انیس الرحمن (نئی دہلی) ۴۔ ستیہ پال شرما (جموں و کشمیر) ۵۔ اسرار علی سلانی (لکھنؤ) ۶۔ سمیر حسین (رتناگیری) ۷۔ سید ابراہیم (دبئی) ۸۔ محفوظ الرحمن خاں (بنارس)

پیامی ادبی معمّا نمبر 14

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۸۵ء

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1 ۔ .... اور ہر ـــــ جماعت میں اوّل آئے۔ (مرتبہ / بار)
2 ۔ پھر ہم سب نے ـــــ کیا۔ (آداب / سلام / خدا حافظ)
3 ۔ یہ سب ہمارے ـــــ ہیں۔ (مہربان / دوست / عزیز)
4 ۔ اگر دیگ بغیر ـــــ کے پک سکتی ہے تو آوارہ ـــــ کے بغیر کیوں نہیں چل سکتا۔ (پانی / آگ ـــــ پانی / آگ)
5 ۔ .... میں رہنے والی چڑیوں کے پر ـــــ اور ـــــ رنگ کے ہوتے ہیں (ہلکے / بھاری ـــــ ہرے / پھیکے)
6 ۔ یہ کس ـــــ کی بدمعاشی ہے۔ (لڑکے / طالب علم / پاجی)
7 ۔ ماں کی آنکھوں سے دو چار ـــــ ٹپکیں۔ (آنسو / بوندیں)
8 ۔ ایک عقلمند نے ان سب کو ـــــ کر خاموش کرایا۔ (بہلا پھسلا کر / سمجھا بجھا)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں صحیح جواب صفحہ ۳۴ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمّے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابل قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

(اپنے حل اس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی معمّا نمبر 14 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کی کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۱۵
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت : ۴/۰۰
اردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت ۷/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/۰۰
کھیل سنسار
سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں
قیمت : ۴/۵۰
تین اناڑی
عصمت چغتائی
گلو، بلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔
قیمت ۳/=
ترجمہ
قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی، لیکن اب تو اُس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
کہاوت اور کہانی
روزمرّہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت : ۴/۵۰
سرکس
رنگین کار : ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمّا
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں۔
نام
پتا

Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage

Regd. No. D(SE)-043 Feb. 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹر مکتبہ جامعہ لمٹیڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دلی ۲

ماہنامہ
پیام تعلیم
نئی دہلی ۲۵

پھر میں چگوں کیا خاک
نہایت آسان زبان میں
چھوٹے بچوں کے لیے
ایک کہانی
قیمت: ۱/۵۰
پان کھا کر، طبلہ بجا کر رام ناچا
ایک مزے دار کہانی
جو خاص طور سے چھوٹے بچوں کے
لیے لکھی گئی ہے
قیمت: ۱/۵۰
تاک دِنا دن تا کے سے
چھوٹے بچوں کے لیے
چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھی گئی
مزے دار کہانی
قیمت: ۱/۵۰
پکڑ دُم کے ٹکو
ایک گدھے نے شیر کو بھگا دیا۔ بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ چھوٹے بچوں کے لیے۔ قیمت ۱/۵۰
پانچ بونے
پانچ کام چور بونوں کی کہانی چھوٹے بچوں کے لیے۔ قیمت: ۱/۵۰
ہپتو جپتو
یہ کہانی بھی چھوٹے بچوں کے لیے لکھی گئی ہے، انھیں کی زبان میں۔ قیمت ۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی
چھوٹے بچوں کے لیے انھی کی زبان میں ایک دلچسپ کہانی۔ قیمت: ۲/۵۰
بچوں کے لیے عبدالواحد سندھی جامعی کی کتابیں
جادو کا گھر
چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان میں لکھی گئی ایک مزے دار کہانی۔ قیمت ۱/۵۰
چیونٹی رانی
کہانی کی کہانی اور معلومات کی معلومات۔ قیمت ۱/۵۰
بی پنڈکی اور کوا
چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان میں لکھی گئی ایک دلچسپ کہانی
قیمت: ۱/۵۰
بچوں کی کہانیاں
قیمت ۱/۵۰
مدو رانا پردیس چلے
مگر کیسے چلے؟ اور راستے میں کیا کیا ہوا، یہ تو پڑھنے سے ہی پتا چلے گا۔
قیمت: ۱/۵۰

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دہلی ۲۵

مارچ ۱۹۸۵ء جلد ۲۲ شمارہ ۳

ایڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

ہمیں افسوس ہے کہ اس مرتبہ پھر پیام تعلیم کافی تاخیر سے آپ تک پہنچ رہا ہے۔ اس کی وجہ علالت کے باعث میری غیر حاضری بھی ہے اور کچھ دوسری مصروفیات بھی۔ اس شمارے میں جامعہ مڈل اسکول کے سابق ہیڈ ماسٹر خالد سیف اللہ صاحب کا مضمون "کتنی بے کراں ہے یہ کائنات" بڑا معلوماتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اسے ضرور پسند کریں گے۔ ہم کوشش کریں گے کہ خالد سیف اللہ صاحب آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

یہ زمانہ سائنس کا ہے ایسی ہی ایک سائنسی معلومات آپ کو آفتاب عالم صاحب کے مضمون "تاج" میں ملے گی۔ "جوتوں کا تماشا" اور "تین چھینکیں" بھی دلچسپ ہیں۔

"بچوں کی کوششیں" کی کہانیاں عام طور سے بہت گھسی پٹی ہوتی ہیں "کسی ملک میں بادشاہ تھا" جیسی کہانیوں کا زمانہ اب نہیں رہا۔ ہماری خواہش ہے کہ بچے اپنے ارد گرد کے واقعات پر جن سے انھیں سابقہ پڑتا ہے، مضامین لکھا کریں۔ ہر مضمون میں اپنی عمر نام کے ساتھ لکھنا نہ بھولیں۔ کاغذ کے ایک طرف لکھیں اور دونوں سطروں کے بیچ میں ایک سطر چھوڑ دیں تو ان کے مضامین جلد شائع ہو سکیں گے۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

اردو کی ممتاز
ادیبہ
شفیقہ فرحت
آپ کے
البم
کے لیے
20 9 83 AKOLA
مصور: شکیل اعجاز، اکولہ

عنبر چغتائی

دیپ سے سورج

سرسید نے دیپ جلایا — اندھیارے کی پلٹی کایا
ہلکی پھلکی، میٹھی میٹھی — بات نہیں کی، گیت سنایا
گونگے ہو گئے دشمن بیری — اردو کا وہ جادو چھایا
دیپ کی دھیمی جوت میں عنبر — ہر ساتھی کو آگے لایا

اُٹھا "اردو باغ" کا مالی — مسکیں صورت، فطرت عالی
جیسا وہ خود، ویسی باتیں — سیدھی سادی، بھولی بھالی
غالب کا شاگرد حقیقی — جس نے الگ اک راہ نکالی
گھور اندھیرے کی بستی سے — مشعل لے کر نکلا حالی

اک دم ایسا طوفاں آیا — چاروں کھونٹ اندھیرا چھایا
دیپ کہاں کا! مشعل کیسی — جس کو دیکھا بجھتا پایا
مردِ مجاہد عبدالحق نے — بیڑا اس ہل چل میں اُٹھایا
اپنی جوانی، اپنا جیون — جو کچھ تھا، اردو پہ لٹایا

اب تو انوکھی سج دھج ہے
دیپ کہاں، یہ سورج ہے

بہ شکریہ نونہال کراچی

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

رسول پاکؐ
(عبدالواحد سندھی جامعی)

پیارے رسول کون تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے، آپ نے کیا تعلیم دی؟ ان تمام سوالوں کے جواب اس کتاب میں ملیں گے۔ قیمت: ۶/۰

ارکانِ اسلام
(مولانا اسلم جیراجپوری)

اسلام کے پانچوں ارکان کی تفصیلات بتانے والی کتاب ہے۔ قیمت ۱/۵۰

عقائدِ اسلام
(مولانا اسلم جیراجپوری)

بچوں کو اسلامی عقائد سکھانے والی ایک بہترین کتاب۔

قیمت: ۱/۵۰

سرکارؐ کا دربار
(الیاس احمد مجیبی)

یہ کتاب نہ صرف ایک مذہبی سچی تاریخ کی حیثیت سے قابل قدر ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اس میں بچوں کی نفسیات کو خاص کر پیش نظر رکھا گیا ہے۔

قیمت: ۴/۵۰

چار یار
(الیاس احمد خاں مجیبی)

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کی سوانح حیات، نہایت آسان اور سلیس زبان میں۔

قیمت: ۴/۵۰

خلفاء اربعہ
(خواجہ محمد عبدالحیٔ فاروقی)

مڈل کلاسوں کے طلبہ کے لیے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کی سوانح حیات۔

قیمت: ۶/۵۰

پیارے رسولؐ
(سلطانہ آصف فیضی)

بچوں کے لیے سرکار دو عالمؐ کو ایک مکمل انسان کی حیثیت سے پیش کرنے والی خوبصورت کتاب۔ قیمت: ۴/۵۰

آں حضرتؐ
(اردو — ہندی)

(الیاس احمد مجیبی)

آں حضرت صلعم ہمارے نبی، خدا کے رسول اور پیغمبر ہیں اس کتاب میں آپؐ کے حالات مبارک پڑھنے کو ملیں گے۔

قیمت: ۳/۵۰

دس جنتی
(الیاس احمد مجیبی)

اس کتاب میں اُن دس صحابہؓ کے حالات پیش کیے گئے ہیں جن کے جنتی ہونے کی آنحضرتؐ نے ایک ساتھ اور ایک ہی وقت میں بشارت دی۔

قیمت: ۴/۵۰

نبیوں کے قصے
(خواجہ عبدالحیٔ فاروقی)

دنیا میں کتنے رسول کہاں کہاں اور کس زمانے میں آئے اور کیا تعلیم دی، ان سب کا مختصر حال اس کتاب میں ملے گا۔

قیمت: ۴/۵۰

ہمارے رسول
(خواجہ عبدالحیٔ فاروقی)

سیرت پر ایک بہترین کتاب جس کے پڑھنے سے رسول پاک کی محبت اور پیروی سنت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

قیمت: ۴/۰

سرکار دو عالم
محمد حسن حسان ندوی

ساتویں آٹھویں درجوں میں پڑھنے والے بچوں کے لیے سیرت کی ایسی کتاب جس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ قیمت: ۳/۰۰

ہمارے نبیؐ (اردو - ہندی)
(سید نواب علی رضوی)

دس بارہ سال کے بچوں کے لیے سیرت پر ایک اچھی کتاب جس میں کچھ اچھی نصیحتیں بھی شامل ہیں۔

قیمت: ۲/۰

مسلمان بیبیاں
(اعجاز الحق قدوسی)

نامور مسلم خواتین کے وہ تاریخی حالات جنھیں پڑھ کر مسلمان بچیوں کے دلوں میں اسلام کی سچی محبت پیدا ہوتی ہے۔

قیمت: ۴/=

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵۔۱۱۰۰

صالحہ عابد حسین

شملے کے کتّے

آپ نے اپنے شہر میں، مکانوں کے آس پاس سڑکوں اور گلیوں میں، صبح سے شام تک بیسیوں کتّوں کو بھونکتے سُنا ہوگا۔ یہ ایسا عام جانور ہے کہ ہر شخص، کیا بچّہ، کیا بڑا، اسے روز دیکھتا ہے اور توجہ بھی نہیں کرتا۔ ہمارے یہاں عام طور پر کتّے کو بہت گندہ جانور سمجھتے ہیں۔ ہمارے پاک مذہب اسلام نے بھی اسے گندہ بتایا ہے۔ اسی لیے اگر یہ کسی چیز میں منہ ڈال دیتا ہے تو وہ پھینک دی جاتی ہے۔ اور برتن کئی مرتبہ مانجھ کر پاک کیا جاتا ہے۔ سچ پوچھو تو ہمارے یہاں کے کتّے بھی بڑے گندے ہیں۔ خدائی خوار، دن بھر گلیوں گلیوں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں اور کوڑے کرکٹ میں لوٹتے ہیں خیر، آؤ آج ذرا شملے کے کتّوں کی حالت دکھائیں۔

یہ تو معلوم ہوگا کہ انگریز لوگ کتّے پالنے کے بہت شوقین ہیں۔ مگر وہ سین جو شملے میں نظر آتا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ جب تم شام کے وقت باہر سیر کو نکلو گے تو تمھیں شملے کی اچھّی، صاف، کشادہ سڑکوں میں سے ایک بھی ایسی نہ ملے گی جہاں کتّے نظر نہ آئیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ گندے سڑے بازاری کتّے ہوتے ہیں۔ اجی توبہ کرو، بازاری یا ہندستانی کتّے ان عمدہ سڑکوں پر کیوں آنے لگے۔ یہ خاص ولایتی کتّے ہیں جو اپنے ہی جیسے ولایتی مالکوں کے ساتھ ساتھ چہل قدمی کیا کرتے ہیں۔ ہر یورپین مرد اور عورت کے ساتھ کم از کم ایک کتّا ضرور ہوتا ہے۔ بعض کے ساتھ تو دو دو تین تین بھی! اگر گھوڑے پر سوار ہیں تو کتّا ساتھ ساتھ بھاگ رہا ہے۔ پیدل چل رہے ہیں تو کتّا ساتھ

ہے۔ کبھی کھلا چھوڑ دیا کہ آزادی سے بھاگتا چلے۔ کبھی زیادہ محبت آئی تو اس چمڑے کے تسمے کو جو ہر ایک کے ہاتھ میں ضرور ہوتا ہے اس کے گلے میں باندھ دیا۔ دوسرا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ رکشے میں جا رہے ہیں تو کتّا ان کی گود یا پہلو میں بیٹھا ہے۔ اکثر تو یہ نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ میم صاحبہ رکشا میں سوار ہیں اور کتّا اپنا منہ ان کے منہ کے بالکل برابر کیے ہے (جیسے ہندستانی بچّہ اور ماں) گویا ایک دوسرے کو پیار کرنے ہی والے ہیں۔ ہاں یہ خوب اچھّی طرح سمجھ لو کہ یورپین ماں اپنے بچّے کو ہر وقت ساتھ نہیں رکھتی۔ شاذونادر ہی تمھیں ان کے ساتھ ان کا بچّہ نظر آئے گا۔ ان کو سیر کرانے کے لیے آیائیں مقرر ہیں۔ مگر کتّے کو ذرا دیر کے لیے چھوڑنا گوارا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یورپین عورتوں کو اپنے کتّے بچّوں سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں تو بظاہر غلط نہیں معلوم ہوتا۔

ہر شکل، ہر سائز اور تقریباً ہر رنگ کا کتّا تمھیں شملے میں نظر آئے گا۔ کوئی کالے رنگ کا بڑے بڑے بالوں والا بلّی کے بچّے کے برابر تو کوئی بالکل سفید خرگوش جیسا۔ کوئی بکری کی شکل سے ملتا جلتا اور اتنا ہی اونچا تو کسی کا منہ اتنا خوف ناک اور جسم ایسا موٹا تازہ جیسے گلدار یا شیر۔ کسی کی ٹانگیں ایسی پتلی پتلی اور لمبی کہ ہرن کا دھوکہ ہو۔ غرض ہر قسم کا "اعلا سے اعلا" کتّا شملے میں موجود ہے۔

یہ نہ سمجھنا کہ کتّے انسانوں سے کسی طرح کم ہیں۔ تم کہو گے واہ ہم لباس پہنتے ہیں وہ کپڑے نہیں پہنتے۔ جی نہیں یورپین

جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

کتے کپڑے بھی پہنتے ہیں۔ اکثر کی کمر پر صاف شفاف سفید کپڑے لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ کتے صرف مالکوں ہی کے ساتھ ہوتے ہیں بلکہ "مال روڈ" اور "گرجا میدان" میں تمھیں بہت سے نوکر لوگ صبح شام تین تین، چار چار کتوں کی زنجیریں پکڑے بڑے ادب کے ساتھ ان کو ٹہلاتے نظر آئیں گے۔ اگر بارش کے بعد کھل جائے اور تم کوشش کرکے سب سے پہلے ٹہلنے نکلو تب بھی تمھیں "کتوں کے نوکر" ضرور ملیں گے۔ جو اپنے آقاؤں (کتوں) کی زنجیریں پکڑے انھیں ہوا اور دھوپ کھلاتے ہوں گے۔ تم جانو اگر وہ دھوپ اور ہوا نہ کھائیں تو بیمار ہو جائیں۔

ہندستانی مائیں اپنے بچوں کو کتنا چاہتی ہیں پھر بھی ان کی صحت کا پورا خیال نہیں رکھتیں۔ شملے کے کتوں کی گھر سے باہر کی زندگی کا نقشہ تو ہم نے تمھیں دکھا دیا۔ گھر کے اندر کی زندگی کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ اس لیے کچھ لکھنے سے مجبور ہیں۔ مگر ہمیں اس کا یقین ہے کہ ہم ہندستانیوں سے انگریزوں کے کتے اچھی بلکہ بہت اچھی زندگی گزارتے ہیں۔

اب ان کتوں کے مقابلے میں تم ذرا بدنصیب ہندستانیوں کا حال سنو جو شملے میں رہتے ہیں۔ امیروں کو تو چھوڑ دو یہ تو ہر حالت میں اپنے آرام کا انتظام کر لیتے ہیں۔ حکومت بھی ان کی خاطر کرتی ہے۔ مگر وہ غریب جو ہندستان کے تین چوتھائی حصے سے بھی زیادہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جن کی حالت ہندستانیوں کی اصلی حالت ہے، یہاں کتوں سے بدتر زندگی گزارتے ہیں۔ "کتوں کے نوکر" بھی ان سے کہیں اچھی طرح رہتے ہیں۔ یہ پہاڑی قوم کے لوگ دن رات محنت مزدوری کرتے کئی کئی من کا بوجھ لادتے اور اپنے ہی جیسے آدمیوں کو ڈھوتے ہیں۔ جس وقت وہ بوجھ لے کر چڑھائی پر چڑھتے ہیں تو سانس کی آواز عجیب ہیبت ناک ہو جاتی ہے اور چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ پسینے کی بارش ہو رہی ہے۔ ان کی اس حالت کا تصور کرکے بھی دل کانپتا ہے اس پر بھی سامان کا مالک ان کو جھکا جھکا کر بڑی مصیبت سے پوری مزدوری دیتا ہے۔ انعام تو شاید ہی کوئی دے۔ یہ بدقسمت گھنٹوں کھڑے دو چار پیسوں کے لیے منت کرتے ہیں۔ جن کے بدلے انھیں اکثر تو گھڑکیاں، جھڑکیاں اور گالیاں ہی ملتی ہیں۔ مگر یہ بچارے پیٹ کی خاطر سب سن لیتے ہیں اور پھر بھی یہی کہے جاتے ہیں کہ حضور "بخشش" دے دو۔ پھر تمام دن کی محنت کے بعد خدا جانے انھیں کھانے کو کیا ملتا ہوگا کیوں کہ شملے کی مہنگائی اچھے اچھوں کو پریشان کر دیتی ہے۔ ان کو تو پیٹ بھر چنے بھی مشکل سے ملتے ہوں گے۔ جب دن بھر کی سخت محنت کے بعد رات آتی ہے، جو ہر انسان و حیوان کو راحت کا پیام دیتی ہے، تو یہ بدنصیب غریب ملک کے رہنے والے کسی گندی گلی یا سڑک کے ایک کنارے اپنی گدڑی بچھا کر پڑ رہتے ہیں اور خدا جانے کیسے اس سخت سردی اور بارش میں ایسی کھلی جگہ رات گزارتے ہیں۔

جن سڑکوں پر انگریز ان کے کتے اور امیر ہندستانی چہل قدمی کرتے ہیں ان غریبوں کو ایک مقررہ وقت کے سوا جانے کی اجازت نہیں۔ اس مقررہ وقت کے بعد اگر انھیں کسی کے یہاں بوجھ لے کر جانا ہو (جس کا اکثر اتفاق ہوتا ہے) تو دوسرے بے حد خراب زیادہ چڑھائی کے اور بہت لمبے راستوں (پگ ڈنڈیاں) سے جانا پڑتا ہے۔

ہاں تمھیں ان بہت سے ہندستانی لوگوں کا حال بتانا تو بھول ہی گئے جن پر "کوا چلا ہنس کی چال" والی مثال صادق آتی ہے۔ یہ بھی حاکم قوم کی دیکھا دیکھی جس طرح اور سب باتوں میں ان کی نقل کرتے ہیں اسی طرح کتے بھی پالتے ہیں اور ان پر سیکڑوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ باہر سیر کو نکلتے ہیں تو بڑی شان سے کتے کا تسمہ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے اور بڑی ادا سے سیٹی بجا بجا کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے کچھ کم مہذب نہیں۔

ان نقالوں کو بھی اپنے ہم وطن بھائیوں کا خیال نہیں آتا۔ جنھیں نہ کھانے کو روٹی ہے نہ پہننے کو کپڑا نہ سونے کو جگہ۔

●●

معراج

جوتوں کا تماشا

سردیوں کا موسم تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، لیکن ایک گھر میں خوب رونق تھی۔ وہاں دوستوں کی محفل جمی ہوئی تھی۔ اس وقت ایک دل چسپ بحث چھڑی ہوئی تھی۔ ایک ڈاکٹر صاحب مغلیہ دورِ حکومت کی تعریف میں دلیل پر دلیل پیش کر رہے تھے۔ میزبان موجودہ زمانے کی ترقی، آرام اور آرائش پر بحث فرما رہے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا: "مغلیہ دور میں لوگوں کو جو خوش حالی، آرام اور سکون میسر تھا وہ آج کل کے زمانے میں لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ اگر میرا بس چلے تو میں مغلیہ دور میں پہنچ جاؤں!"

اتفاق سے وہاں تقدیر اور تدبیر کا گزر ہوا۔ تقدیر یہ مباحثہ سُن کر ہنسی اور تدبیر سے بولی: "انسان کی فطرت بھی عجیب ہے۔ کبھی کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔ اگر اس کی دلی تمنا پوری نہ ہو تو وہ اُداس رہتا ہے۔ اگر اس کی آرزو پوری ہو جائے تب بھی اُداس رہتا ہے۔ آج میں تمھیں اُس کی تلوّن مزاجی کا تماشا دکھاتی ہوں!"

یہ کہہ کر تقدیر نے اپنی جھولی سے ایک جوڑی جوتے نکالے اور جہاں یہ گرما گرم بحث جاری تھی اس کمرے کے باہر رکھ دیے۔

آخر یہ محفل برخاست ہوئی۔ ڈاکٹر نے جوتے پہنے، لیکن غلطی سے اس نے قسمت کے عجیب و غریب جوتے پہن لیے۔ اس نے دوسرے لوگوں کو الوداع کہی اور قہقہہ لگا کر بولا: "واہ بھئی واہ، مغلیہ دور کی بھی کیا بات ہے۔ کاش وہی زمانہ پھر لوٹ آئے!"

تقدیر کے جوتوں میں یہ خاصیت تھی کہ انھیں پہننے والا جو بھی خواہش کرتا اس کی خواہش پوری ہو جاتی۔ ڈاکٹر نے جیسے ہی الفاظ ادا کیے اس کی خواہش پوری ہو گئی اور وہ مغلیہ زمانے میں پہنچ گیا۔ گھر کی سیڑھیاں اُتر کر جیسے ہی اس نے زمین پر قدم رکھا اس کے پانو ریت میں دھنس گئے۔ اس زمانے میں پکی گلیاں کم ہوتی تھیں۔ گلی میں ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا، کیوں کہ ان دنوں نہ بجلی تھی اور نہ روشنی کا معقول انتظام تھا۔ گلی کا موڑ مڑتے ہی ڈاکٹر ایک بازار میں پہنچ گیا۔ وہ حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نہ وہ بازار اُسے جانا پہچانا معلوم ہوتا تھا اور نہ مکان اور دکانیں۔ ڈاکٹر بڑبڑایا: "شاید میں نیند کی حالت میں راستہ بھول کر کسی اور طرف جا نکلا ہوں!"

وہ صبح تک اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ جب دن نکل آیا تو ڈاکٹر نے دیکھا کہ شہر کا نقشا ہی بدلا ہوا ہے۔ چونے اور گچ سے بنے ہوئے مکانات تھے۔

تنگ تنگ گلیاں اور بازار تھے۔ لوگ پرانی طرز کے عجیب طرح کے لباس پہنے پھر رہے تھے۔ ڈاکٹر حیران ہو ہو کر انھیں دیکھتا اور لوگ اُسے عجوبہ سمجھ کر حیرت سے دیکھتے۔ ڈاکٹر کو بھوک محسوس ہونے لگی۔ اُس نے ایک آدمی سے پوچھا: "یہاں کوئی ہوٹل ہے جہاں میں کچھ کھا پی سکوں۔"

اس آدمی نے کہا: "آپ کا مطلب ہے سرائے یا بھٹیار خانہ؟"

ڈاکٹر کو یاد آیا کہ مُغلیہ دور میں ہوٹل اور ریستوراں نہیں ہوتے تھے۔

اس نے کہا "ہاں مجھے کسی سرائے میں پہنچا دو۔"

اس آدمی نے ڈاکٹر کو کالی بھٹیاری کی سرائے میں پہنچا دیا۔

ڈاکٹر نے کہا: "بی بی، مجھے جلدی سے دو پیالی چائے بنا دو۔ ناشتے میں آلو کا بھرتا، ٹماٹر کی چٹنی کے ساتھ پراٹھے تل دینا۔"

کالی بھٹیاری نے حیران ہو کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور بولی: "اے بھائی، چائے، آلو اور ٹماٹر کیا ہوتے ہیں۔"

تب ڈاکٹر کو یاد آیا کہ یہ سب چیزیں انگریز اپنے ساتھ لائے تھے۔ ڈاکٹر نے جیسے تیسے ناشتہ کیا، پھر وہ بولا: "بی بی، ڈبل قوام کا پان اور سگریٹ کا ایک پیکٹ تو کسی سے منگوا دو۔"

بھٹیاری پھر نہیں سمجھ سکی۔ تب ڈاکٹر کو یاد آیا کہ تمباکو تو انگریز اپنے ساتھ لائے تھے۔ ڈاکٹر عجیب مشکل میں گرفتار ہو گیا۔ وہ سرائے سے باہر نکلا اور بے مقصد اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ اتنے میں کچھ لوگ ادھر آ نکلے اور ڈاکٹر کا لباس دیکھ کر بولے: "شاید کوئی مسخرہ یا نٹ بار ہے جو اس عجیب لباس میں گھوم رہا ہے۔"

ڈاکٹر جھلا کر بولا: "مسخرے اور نٹ باز ہو گے تم لوگ کہ ایسے پرانے وقتوں کا لباس پہن کر گھوم پھر رہے ہو۔"

بس پھر کیا تھا۔ ان لوگوں نے ڈاکٹر کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور مکوں اور لاتوں سے اس کی تواضع کرنے لگے۔ اتنے میں کچھ سپاہی اِدھر آ نکلے۔ ان کے سروں پر کُلاہ دار پگڑیاں، جسم پر پرانے طرز کی وردی، پاؤں میں سینڈل، ہاتھوں میں نیزے، کمر میں پٹکے اور پہلو سے لٹکی ہوئی تلواریں تھیں۔ وہ اسے پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے گئے۔ ڈاکٹر بہت ڈرا۔ اس نے سوچا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ قاضی نے جیل کی سزا سنا دی تو عمر بھر جیل میں سڑتا رہوں گا۔ اے خدا تو مجھے میرے اپنے زمانے میں پہنچا دے۔

اچانک اسے جھٹکا سا لگا۔ اس نے دیکھا کہ وہ وہیں مکان کے باہر کھڑا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: "شاید میں نے کوئی خواب دیکھا ہے، لیکن کتنا دل چسپ خواب تھا۔"

کوچوان پر کیا گزری

یہ جوتے ایک کوچوان کو ملے۔ وہ ایسے نرم اور ملائم جوتے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے وہ

جوتے پہن لیے اور اپنے آپ سے بولا: "لو میاں کوچوان، تم بھی کیا یاد کرو گے کہ ایسے عمدہ جوتے پہنے تھے۔" وہ اپنے گھر گیا۔ وہ بہت تھک رہا تھا اس لیے جوتے اُتارے بغیر بستر پر لیٹ گیا۔

اس کی کھڑکی کے سامنے ایک فوجی کپتان کا کمرہ تھا۔ اس کے سامنے قسم قسم کے پھل، لذیذ کھانے، اچار اور مُربّے رکھے ہوئے تھے۔ کوچوان تصوّر ہی میں ایسے لذیذ کھانوں کا مزہ لینے لگا۔ وہ بڑبڑایا: "عرصہ گزر گیا ہے کہ دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اِدھر بعض لوگ ڈھیروں کھانا کھا کر بھی سیر نہیں ہوتے۔ کاش کہ میں اس موٹے کپتان کی جگہ ہوتا تو مزہ آجاتا۔ پھر تو ہر روز عید کا روز ہوتا اور ہر رات شبِ برات ہوتی!"

اچانک اسے ایک جھپکی سی آئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کپتان کی میز پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے ہاتھ مارنے لگا۔ ابھی اس نے دو چار لقمے ہی اٹھائے تھے کہ اردلی نے اُسے ایک رقعہ لا کر دیا۔ یہ اس بات کی اطلاع تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے اور جرنیل صاحب نے طلب کیا ہے۔ بے چارے کپتان (یعنی جو پہلے کوچوان تھا) کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ گیا۔ اس نے پریشان ہو کر سوچا: "میں نے کبھی زندگی میں مکھّی تک نہیں ماری، اب کیا ہوگا؟"

کپتان کو محاذِ جنگ پر جانا پڑا۔ وہاں قیامت کا منظر تھا۔ گولوں کے دھماکے، گولیوں کی سنسناہٹ گاڑیوں اور ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ بے چارے کپتان کو اپنے بیوی بچوں کی یاد ستانے لگی۔ اچانک ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور اس کی ران میں لگی۔ ران سے خون کا فوارہ ابلنے لگا۔ وہ درد سے چلّایا: "اے خدا میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں؟ مجھ سے بہتر تو وہ کوچوان ہے۔ جو دن بھر کی محنت مشقت کے بعد شام کو گھر لوٹتا ہے اور اپنے بیوی بچوں میں بیٹھ کر بے فکری سے باتیں کرتا ہے۔ کاش میں کبھی کپتان بننے کی خواہش نہ کرتا!"

اس کے ساتھ ہی اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ بستر پر دراز ہے۔ وہ زور سے چلّایا: "اوہو، کیا خوفناک خواب تھا۔ مُنّے کی ماں، اگر میں کپتان ہوتا تو آج مر ہی چکا ہوتا!"

کوچوان کی بیوی چلّائی: "نوج، صبح سویرے تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟"

کوچوان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا: "اور وہ جوتے کہاں گئے؟"

اس کی بیوی نے کہا: "شاید مُنّے نے کھڑکی سے باہر پھینک دیے ہیں!"

کوچوان نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا، اُسے جوتے نظر نہیں آئے۔ وہ بولا: "چلو خیر کون سے اپنے تھے۔"

طالبِ علم پر کیا گزری

وہ جوتے ایک طالبِ علم نے اُٹھا لیے تھے اس نے جوتے پہن لیے اور وہ اپنے گھر گیا۔ طالبِ علم نے کھانا کھایا پھر کرسی پر بیٹھ کر سبق یاد کرنے لگا۔

"چاند زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ چاند پر ہوا نہیں ہے، اس لیے وہاں جاندار زندہ نہیں رہتے۔ چاند کی سطح پر بے شمار پہاڑ اور غار ہیں۔"

لڑکا جماہی لے کر بولا: "کاش میں کسی طرح چاند پر پہنچ سکتا۔"

یہ لفظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ اس کی کرسی برق رفتاری سے چاند کی طرف پرواز کرنے لگی۔

لڑکا مسکرا کر بولا: "شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ خیر میں اب جاگنے سے تو رہا چاہے صبح مرغا بننا پڑے۔"

اچانک ایک جگہ کرسی ٹھہر گئی۔ لڑکا انگڑائی لے کر بولا: "خوب، ہماری منزل آ گئی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے کرسی سے چھلانگ لگادی۔ اس کے پانو ریت میں دھنس گئے۔ لڑکا بولا: "یہ چاند ہے یا کوئی صحرا؟"

اس کے ہونٹ ہلے مگر کوئی آواز سنائی نہ دی۔ لڑکا حیران ہو کر سوچنے لگا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آخر اس کو خیال آگیا۔ وہ بولا: "خوب، دراصل یہ ہوا ہے جو ہماری آواز کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے، لیکن اگر یہاں ہوا نہیں ہے تو میں کیوں کر زندہ ہوں؟"

اس کے ہاتھ ناک کی طرف اُٹھے۔ وہاں پر ایک نلکی لگی ہوئی تھی۔ کمر سے بندھے ہوئے گیس کے سلنڈر سے ہوا کی تھوڑی تھوڑی مقدار اس کی ناک میں جا رہی تھی۔ لڑکے نے محسوس کیا کہ اس کا وزن بھی پہلے سے بہت کم معلوم دے رہا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بہت دور نکل گیا۔ چاند کی سطح پر بے حد گہرے غار اور اونچے اونچے ٹیلے بنے ہوئے تھے۔

لڑکے نے زمین کی طرف دیکھا۔ وہ اب فٹ بال کی طرح گول نظر آرہی تھی اور اس میں سے گہرے نیلے رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ وہ زمین کی چمک دمک اور خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے چاند کے ایک گہرے سے غار میں جھانک کر دیکھا۔ اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ پتا نہیں کس طرح اس کا ہاتھ پھسل گیا اور وہ ایک دم گڑھے کے اندر سر کے بل گرا اور سیکڑوں فٹ کی گہرائی میں تیزی سے گرتا چلا گیا۔ اس نے اپنے دل میں دعا مانگی: "اے خدا تو میری حفاظت فرما۔" اس کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی اور وہ بالکل آہستہ سے نرم نرم ریت پر جا گرا۔ لڑکا جھٹ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے سامنے دور دور تک ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ قریب ہی ایک بہت بڑا میدان تھا جس میں بہت سے مینڈک کی طرح کے لوگ کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔

ایک مینڈک کہہ رہا تھا: "زمین پر ایک بڑھیا رہتی ہے جو پکوڑے تل رہی ہے۔ وہ روز ہمیں دل چسپ خواب بھیجتی ہے۔"

لڑکا یہ سن کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ اس کے قہقہے کی آواز سن کر کچھ مینڈک ادھر آئے۔ وہ لڑکے کو دیکھ کر چلانے لگے: "ارے دیکھو کتنا بڑا مینڈک ادھر آنکلا ہے۔ آج تو ہمارے مزے ہو گئے۔ اس کے پکوڑے تل تل کر کھائیں گے۔" انھوں نے لڑکے کو گھیر کر پکڑ لیا۔ پھر اسے

ہے۔ کاش میں بھی بُلبل ہوتا اور اس فضا میں بے فکری سے اُڑتا پھرتا۔"

یہ الفاظ ادا کرتے ہی اس کی حالت میں تبدیلی آنے لگی۔ کوٹ اور بازو پَر بن گئے۔ جوتے اور پانو پنجے بن گئے۔ تھانے دار اس تبدیلی پر قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا: "شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔"

اسی وقت ایک سپاہی کسی کام سے وہاں آیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولا: "یہ تھانے دار کہاں گیا؟" جب اس نے تھانے دار کی کرسی پر بُلبل بیٹھا ہوا دیکھا تو اُسے پکڑنے کے لیے لپکا۔ بلبل کھڑکی کی راہ سے اڑکر باہر نکل گیا۔

اسے ہوا میں اُڑنا بے حد دل چسپ لگا۔ وہ کبھی درختوں کی ٹہنیوں پر بیٹھ جاتا۔ کبھی گھاس پر چہل قدمی کرنے لگتا، لیکن یہ خوشی زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی۔ پھر اچانک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ شکاری نے اس کے اوپر جال پھینک دیا تھا۔ بلبل نے چیخ چیخ کر کہا: "بد بخت، مجھے فوراً چھوڑ دے۔ جانتا نہیں کہ میں ڈونگا پور کا تھانے دار ہوں، بچو، یاد رکھنا کہ ایسی سزا دلاؤں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گے۔"

لیکن شکاری کو چیں چیں چوں ہی سنائی دے سکی۔ اس نے بُلبل کو پنجرے میں بند کر دیا تھانے دار (بُلبل) دل ہی دل میں ہنسا اور بولا: کبھی تو میرے ایک اشارے پر ملزموں کو قید کر دیا جاتا تھا۔ اب میں خود قید کی سزا بُھگت رہا ہوں۔"

شکاری نے بلبل ایک بڑھیا کے ہاتھ فروخت کر دی۔ وہ بولی: "پپّو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔"

بڑھیا نے بُلبل کا پنجرہ ایک میز پر رکھ دیا۔

کھینچتے ہوئے کڑاہی کی طرف لے چلے اور اُسے دھڑام سے کڑاہی میں گرا دیا۔

بے چارے لڑکے کی چیخ نکل گئی۔ آخری وقت میں اُس نے دُعا مانگی: "اے خدا میری حفاظت فرما۔"

اسے ایک جھٹکا سا لگا اور اس کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ وہ کرسی سے نیچے گر پڑا ہے۔ اس کی امّی نے اُسے سہارا دے کر اُٹھایا۔ امّی نے پیار سے پوچھا: "تمھیں چوٹ تو نہیں آئی میرے چاند؟"

لڑکا منہ بنا کر بولا: "امّی جان، آپ مجھے چاند کہ کر نہ پکاریے، دور کے ڈھول سُہانے ہوتے ہیں۔"

لڑکے نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا: "میرے جوتے کہاں گئے امّی؟" ماں نے جوتے سب جگہ تلاش کیے، لیکن وہ نہ ملنے تھے اور نہ ملے۔

تھانے دار پر کیا گزری

یہ جوتے ایک تھانے دار کو ملے۔ وہ ایسے عمدہ جوتے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے جوتے پہن لیے۔ اس کی کھڑکی کے سامنے ایک پودے پر بُلبل چہچہا رہا تھا۔ تھانے دار بولا: "کتنا پیارا پرندہ

دہاں ایک توتے کا پنجرہ بھی رکھا ہوا تھا۔ توتا اُسے
دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ بہت زور زور سے ٹیں
ٹیں کرنے لگا۔ توتے نے پوچھا: "کہیے بی بُلبل مزاج
تو اچھا ہے؟"
بلبل نے ٹھنڈی سانس بھری اور بولا: "آزاد
مجھ کو کر دے او قید کرنے والے۔ چڑچڑا رہوں چی"
توتا بولا: "اب ٹھنڈی آہیں بھرنے سے کیا
فائدہ۔ اب تو زندگی بھر تمھیں یہیں رہنا ہوگا!"
اتنے میں دروازہ بہت آہستگی سے کھلا
اور ایک خوفناک صورت والی بلا کمرے میں داخل
ہوئی۔ اس نے بہت کرخت اور دل ہلا دینے والی
آواز میں چیخ ماری، "می آآآ آؤں، میاؤں!"
توتا پر پھڑپھڑانے لگا۔ اس نے کہا: "دوست
تمھارے پنجرے کی کھڑکی کھلی رہ گئی ہے۔ تم فوراً
نکل جاؤ اور روشن دان کے راستے باہر اُڑ جاؤ۔
خدا حافظ!"
بلبل نے ایسا ہی کیا۔ وہ روشن دان میں
بیٹھ گیا اور اپنے دوست توتے کو دیکھنے لگا۔ بلّی
پنجرے پر پنجے مارنے لگی۔ بے چارہ توتا پنجرے
کی سلاخوں سے ٹکرا ٹکرا کر ادھ موا ہو گیا۔ تب
بلی نے کسی طرح پنجرہ کھول کر توتے کو پکڑ لیا
اور اُسے پنجوں میں دبا کر کھانے لگی۔
بلبل روشن دان کے راستے باہر نکل گیا اور
ہوا میں اڑنے لگا، لیکن اب ایک اور مصیبت
نازل ہوگئی۔ یعنی ایک شکرا اس کا پیچھا کرنے لگا
بے چارہ بلبل کبھی دائیں مڑتا، کبھی بائیں مڑتا، کبھی
پر سمیٹ کر غوطہ لگاتا، لیکن شکرے نے اس کا
پیچھا نہیں چھوڑا۔
بلبل اب تھکن سے چُور چُور ہو گیا تھا۔ اُسے
ایک مکان دکھائی دیا۔ اس کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔
بلبل کمرے میں چلا گیا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے
لگا۔ اس نے دعا مانگی: "اے خدا مجھے دوبارہ انسان
بنا دے!"
اس کی دعا قبول ہوگئی اور وہ دوبارہ انسان
بن گیا۔
اس نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا
ہے۔ وہ حیران ہو کر بولا: "میرے خدا، یہ کیا اسرار
ہے؟ اوہو، شاید میں سو گیا تھا اور میں نے کوئی
خواب دیکھا ہے!"
میز پر جوتے اسی طرح رکھے تھے۔ تھانے دار
نے نفرت سے انھیں دیکھا اور بولا: "پتا نہیں
یہ کیسے منحوس جوتے ہیں جنھیں پہن کر مجھے
ایسا ڈراؤنا خواب دکھائی دیا، یہ کہ کر اس نے
جوتوں کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

عبدل مزدور پر کیا گزری

یہ جوتے عبدل کو ملے جو اپنے کام سے واپس
آرہا تھا۔ اس نے جوتے اپنے تھیلے میں ڈال لیے
رات کے وقت کھانا کھانے کے بعد اس نے
جوتے پہن کر دیکھے۔ وہ اسے ایسے عمدہ لگے کہ وہ
جوتوں سمیت بستر پر لیٹ گیا۔ اس نے کہا،
"ایسے جوتے تو سیٹھ عبداللہ کے پاس بھی نہ ہوں
گے۔ کتنا مزہ آئے کہ میں راتوں رات کروڑ پتی بن
جاؤں!"
اس کی بیوی جھنجھلا کر بولی: "ارے تمھیں تو
ایسی فضول باتیں سوجھتی رہتی ہیں۔ اب جوتے
اتارو اور آرام کی نیند سو جاؤ!"
عبدل غنودگی کی حالت میں بولا: "آج میں
جوتوں سمیت ہی سوؤں گا!"
صبح جب عبدل کی آنکھ کھلی تو وہ یہ دیکھ کر
حیران رہ گیا کہ نہ وہ پرانا مکان ہے اور نہ چھلنگا
پلنگ سب ہی کچھ بدلا ہوا تھا۔ عبدل اپنے دل ہی

دل میں ہنسا: "خوب دل چسپ خواب ہے۔" یہ کہہ کر وہ کروٹ لے کر پھر سونے لگا۔

اتنے میں ایک نوکر نے آکر اطلاع دی: "سرکار، ناشتا تیار ہے۔" سیٹھ عبدل کو اُٹھنا ہی پڑا۔

ناشتے کی میز پر صرف چائے کی پیالی رکھی ہوئی تھی۔ چائے کا پہلا گھونٹ پیتے ہی اسے ابکائی سی آنے لگی۔ بالکل پھیکی سیٹھی چائے تھی۔

سیٹھ عبدل نے غصّے سے کہا: "بے وقوف اس بدمزہ چائے کو فوراً یہاں سے لے جاؤ اور میرے لیے حلوا پوری، نہاری اور رس ملائی لے کر آؤ۔"

نوکر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ بولا: "سرکار، آپ کو ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔"

سیٹھ عبدل بولا: "جو میں کہتا ہوں، تم وہ کرو۔"

نوکر ہوٹل سے یہ سب چیزیں لے آیا۔ سیٹھ عبدل نے ابھی ناشتا شروع ہی کیا تھا کہ ڈاکٹر فیضی آگئے۔ وہ یہ سب چیزیں دیکھ کر بہت ناراض ہوئے

اور کہا: "یہ تم نے پھر بدپرہیزی شروع کردی؟ میاں تم شوگر (ذیابیطس) کے مریض ہو اس لیے میٹھی چیزوں سے پرہیز کرو۔ یہ حلوا، رس ملائی اور مٹھائیاں تو زہر ہیں تمھارے لیے۔"

پھر نمکین چیزوں کی باری آئی۔

ڈاکٹر نے جھلا کر کہا: "اور یہ کس کم بخت نے مشورہ دیا ہے کہ تم قورمہ اور نہاری کھایا کرو۔ ارے بھائی، تمھیں خون کا دباؤ (بلڈ پریشر) ہے۔ تم نمک کم کھاؤ بلکہ بالکل نہ کھاؤ۔ تمھیں معدے کا السر (زخم) بھی ہے۔ السر میں تیز مرچ مسالہ سخت نقصان دیتا ہے۔"

سیٹھ عبدل نے سر پیٹ لیا۔ وہ بولا: "میں کروڑوں روپے کا مالک ہوں، لیکن یہ سب دولت میرے کس کام کی؟ دنیا کی سب لذّتیں مجھ پر حرام ہیں۔ اب نہ میں میٹھا چکھ سکتا ہوں اور نہ نمکین کھا سکتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے ہنس کر کہا: "میاں سب امراض امیر لوگوں کو مفت میں ملتے ہیں۔ بلکہ سچ پوچھو تو دولت خود ایک بہت بڑی بیماری ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

دولت کو بہت لوگ یہ کہتے ہیں خدا ہے
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ زر ایک وبا ہے

آخر عبدل کو وہی کڑوی کسیلی چائے زہر مار کرنا پڑی۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد سیٹھ عبدل نے کپڑے تبدیل کیے اور کارخانے کی طرف چلا۔ وہاں پہنچ کر سیٹھ کو معلوم ہوا کہ مزدوروں نے ہڑتال کردی ہے اور وہ تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کچھ مزدوروں نے اس کی کار کو گھیر لیا۔ یہ شور ہنگامہ دیکھ کر سیٹھ عبدل کی حالت خراب ہونے لگی۔ اس نے دُعا مانگی: "اے خدا تو مجھے اس مصیبت سے نجات دلادے۔ مجھ سے بہتر تو وہ مزدور ہے جو روکھی سوکھی کھا کر مزے کی نیند سوتا ہے۔"

الفاظ ادا کرنے کی دیر تھی کہ سیٹھ عبدل پھر سے

عبدل مزدور بن گیا۔ اس نے آنکھیں مل مل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ نہ وہ بنگلہ تھا نہ نوکر چاکر۔ وہ اپنے ٹوٹے پھوٹے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور اس کی بیوی اُسے چائے کے لیے بُلا رہی تھی

اس نے بیوی سے کہا: "خدا کا شکر ہے بیگم کہ میں سیٹھ عبدل نہیں ہوں۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے اور بیگم میں نے کل رات ایک اچھا سبق سیکھا ہے۔"

بیوی نے پوچھا: "وہ کیا؟"

عبدل لہک لہک کر شعر پڑھنے لگا۔

دولت کو بہت لوگ یہ کہتے ہیں خدا ہے
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ زر ایک وبا ہے

اِدھر تقدیر، تدبیر سے کہہ رہی تھی:

"دیکھا تم نے بہن، یہ انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ یہ کبھی کسی حال میں خوش نہیں رہ سکتا لیکن ہاں جو لوگ صبر کرتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں بے شک وہی لوگ ہر حال میں خوش رہیں گے۔

(بہ شکریہ نونہال۔ کراچی)

راجا آجا

انور شعور

آجا میری گود میں آجا
روح میں بس جا دل میں سما جا
میرے تن من دھن پر چھا جا
پیارے پیارے چندا راجا

مجھے بھی اور کہاں جانا ہے
آخر تیرے پاس آنا ہے
آکر اپنے پاس بُلا جا
پیارے پیارے چندا راجا

کب سے آنگن میں لیٹا ہوں
نیند کہاں ہے جاگ رہا ہوں
لوری گا جا اور سُلا جا
پیارے پیارے چندا راجا

کیوں ناراض ہوا ہے مجھ سے؟
نظریں دور رکھوں گا تجھ سے؟
تو مجھ سے روٹھے گا؟ جا جا!
پیارے پیارے چندا راجا

آ، میں تیرا دل بہلا دوں
کوئی اچھی چیز کھلا دوں
لے، یہ دودھ جلیبی کھا جا
آجا چندا راجا آجا
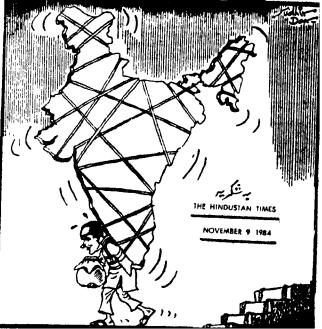
ایک لکڑہارا تھا۔ اس کا نام تھا جمیل۔ وہ بہت ہی بے وقوف تھا۔ اس کے پاس ایک گدھا تھا جس کو ایک دن وہ لے کر جنگل میں پہنچا اور ایک درخت کی شاخ پر بیٹھ کر اسی شاخ کو کاٹنے لگا۔

اتفاق سے ایک گھوڑ سوار ادھر سے گزرا۔ اس نے جمیل کو وہی شاخ کاٹتے دیکھا جس پر وہ خود بیٹھا تھا، تو اس نے ہنس کر کہا۔

"ارے بے وقوف یہ کیا کر رہا ہے۔"

"دیکھ نہیں رہے، لکڑیاں کاٹ رہا ہوں۔" جمیل نے غصے میں آکر کہا۔

"جس شاخ کو کاٹ رہے ہو، اسی پر بیٹھے ہوئے بھی ہو۔ شاخ کٹتے ہی نیچے گر جاؤ گے اور چوٹ کھاؤ گے۔" گھوڑ سوار نے کہا۔

"جاؤ میاں، اپنا کام کرو، میں نجانے کب سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر فروخت کر رہا ہوں، کبھی نہیں گرا، تم آج کہاں سے آگئے ہو، مجھے بتلانے کہ میں درخت سے گر پڑوں گا۔ ضرور تمھارا دماغ خراب ہے۔"

"تم دیکھ لینا، شاخ کٹتے ہی تم گر جاؤ گے۔" گھوڑ سوار نے کہا۔

"جاؤ۔ اپنا راستہ ناپو۔" جمیل نے پھر کہا۔

گھوڑ سوار نے جب دیکھا کہ لکڑہارا ماننے والا نہیں تو اس نے اپنی راہ لی۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ شاخ کٹ کر نیچے آرہی۔ اس کے ساتھ ہی جمیل بھی نیچے گر پڑا۔ اسے سخت چوٹ آئی مگر اس نے چوٹ کی پروا نہ کی۔ اور اٹھ کر گھوڑ سوار کی طرف دوڑا... اس نے سوچا کہ گھوڑ سوار ضرور پہنچا ہوا ہے جسے اس بات کا پہلے ہی پتا لگ گیا تھا کہ میں گرنے والا ہوں۔

جلد ہی اس نے گھوڑ سوار کو جا لیا اور اس کے آگے آکر گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ پھر بولا:

"بھائی مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمھاری بات نہیں مانی اور درخت سے گر پڑا۔ تم تو کوئی اللہ والے ہو۔ تمھیں ہر بات کا پہلے ہی پتا چل جاتا ہے۔ بس اتنا بتا دو کہ میں کب مروں گا۔ کس دن مروں گا۔"

"ارے ارے بھائی! میں تو عام آدمی ہوں۔" گھوڑ سوار نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں آپ مذاق کر رہے ہیں۔ جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ میں کس دن مروں گا، اس وقت تک میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔"

گھوڑ سوار نے بھی سوچا کہ کس بے وقوف سے اس کا پالا پڑ گیا ہے آخر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، جس دن تمھارا گدھا تین بار چھینکے گا اس دن تم مر جاؤ گے۔"

معرفت ایس۔ ایم رحمان، ۱۴۸۵ چوڑی والان۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶

"تمھارا بہت بہت شکریہ بھائی! اب میں اپنے گدھے کو چھینکنے ہی نہیں دوں گا۔" یہ کہہ کر جمیل واپس پلٹا اور گدھے کے پاس آیا۔ اس پر لکڑیاں لادیں اور شہر کا رُخ کیا۔ ساتھ ہی اس نے گدھے کی طرف منہ کر کے کہا:

"دیکھ بھولو..... چھینکنا مت!"

اس نے گدھے کا نام بھولو رکھ چھوڑا تھا۔ خدا کی قدرت کہ عین اسی وقت گدھے کو چھینک آگئی۔

اس کے چھینکتے ہی جمیل گھبرا گیا۔ اس نے سوچا، گدھا ایک بار چھینک چکا ہے۔ اگر دو مرتبہ اس نے اور چھینک ماری تو میں مر جاؤں گا۔ یہ سوچ کر اس نے گدھے کا منہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دبا لیا اور بولا:

"اب کیسے چھینکو گے بچو؟"

کچھ دور تک وہ اسی طرح چلتا رہا۔ گدھا تنگ آگیا۔ اس اپنا منہ چھڑانے کے لیے زور لگانا شروع کر دیا۔ جمیل نے اور مضبوطی سے گدھے کا منہ پکڑ لیا۔

اب حالت یہ تھی کہ گدھا منہ چھڑانے کے لیے زور لگا رہا تھا اور جمیل منہ پکڑے رہنے کے لیے۔ اسی عالم میں گدھے کو ایک اور چھینک آگئی۔ چھینک کیا آئی، جمیل کے دونوں ہاتھوں سے اس کا منہ نکل گیا۔

اب تو جمیل کے ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔

گدھا دو مرتبہ چھینک چکا تھا۔ اس کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ کہیں گدھا تیسری چھینک نہ مار دے۔ اس خیال سے اور زیادہ گھبرایا۔ فوراً اُٹھا اور اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا۔ اچانک اس کی نظر دو گول گول پتھروں پر پڑی۔ اس نے جھٹ ان پتھروں کو اُٹھا لیا۔ اور گدھے کے دونوں نتھنوں میں ایک ایک پتھر ٹھونس دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ ان پتھروں کے پھنس جانے کے بعد گدھا ہرگز نہیں چھینک سکے گا۔

دوسری طرف گدھا نئی مصیبت میں پھنس گیا

نتھنوں میں پتھر پھنس جانے کے بعد اس کا سانس رک گیا۔ وہ بہت گھبرایا۔ اس نے چاہا کسی طرح اس مصیبت سے نجات حاصل کرے، لیکن جمیل نے بھی گدھے کو گلے سے پکڑ رکھا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر گدھے نے تیسری چھینک ماردی تو وہ اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ اس کی زندگی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ گدھا تیسری مرتبہ نہ چھینک سکے۔

کچھ دور تک دونوں یونہی چلتے رہے، گدھا اپنا منہ چھڑانے اور پتھروں کو نکال پھینکنے کے لیے بے چین تھا اور جمیل اسے ہر حالت میں قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا دونوں کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

"دیکھو..... بھولو..... خدا کے لیے سیدھی طرح شہر چلو۔ آج میں لکڑیاں بیچ کر تمھارے لیے بہت اچھی گھاس خریدوں گا۔ تم پیٹ بھر کر گھاس کھانا مگر خدا کے لیے چھینکنا مت..... میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر میں مرگیا تو تم کہیں کے نہ رہو گے۔ پھر تمھیں کون ہری ہری گھاس کھلائے گا۔ کون تمھاری خدمت کرے گا، پھر تم جمیل کو یاد کرو گے اور کہو گے..... کاش! میں تیسری چھینک نہ مارتا۔"

گدھا بڑے غور سے جمیل کی باتیں سُنتا رہا اور

ایک ایک قدم آگے بڑھتا رہا۔ اچانک اس نے ایک زور کا جھٹکا مارا۔ اور اپنا منہ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

جمیل دوڑ کر آگے پہنچ گیا اور اُسے پکڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ عین اسی وقت گدھے نے تیسری چھینک ماری۔ نتھنوں میں پھنسے ہوئے دونوں پتھر بندوق کی گولی کی طرح تیزی سے نکلے اور جمیل کے سر پر اس زور سے لگے کہ وہ دھڑام سے گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔
بچو! یہ تھا اس بے وقوف لکڑہارے کا انجام۔ جو بے وقوف ہونے کے ساتھ ساتھ وہمی بھی تھا۔ وہمی لوگ اسی طرح نقصان اٹھاتے ہیں۔ ●●

● وزیر: (اپنے سکریٹری سے) اللہ تعالیٰ جب لوگوں میں عقل تقسیم کر رہا تھا اس وقت تم کہاں تھے؟
سکریٹری (کچھ دیر سوچ کر) سر! میں اس وقت آپ کے ساتھ دورے پر تھا۔

● منصف (ملزم سے) تم نے تالا کیوں توڑا؟
ملزم: کنجی نہ ہونے کی وجہ سے اور کیا کر سکتا تھا جناب!

نوگل بھاٹی
گورے گاؤں۔ وڈاوڈ (مہاراشٹر)

● جیل کے مناظر فلمانے کے بعد فلم کے ڈائرکیٹر نے جیلر صاحب کا شکریہ ادا کیا تو جیلر صاحب نے مسکرا کر جواب دیا: ڈائرکیٹر صاحب اس میں شکریہ کی کیا بات ہے اس جیل کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔

عبدالواحد شاد
حسن پورہ کلثی

● انجم (خالد سے) دوست ہری چیز کھانے سے آنکھ ہمیشہ ٹھیک رہتی ہے۔
خالد: وہ کیسے؟
انجم: اس لیے کہ گھوڑا گھاس کھاتا ہے اور میں نے آج تک کسی گھوڑے کو چشمہ لگاتے نہیں دیکھا۔

قمرالعارفین
ہسپورہ (اورنگ آباد)

● شیخ جی (بستر مرگ پر) مجھے کسی پرانی قبر میں دفن کرنا۔
تیماردار: کیوں؟
شیخ جی: اس لیے کہ جب فرشتے میرے پاس آئیں تو کہہ سکوں کہ تم اس قبر میں پہلے آ چکے ہو۔

فوزیہ افضال
ضلع مظفر نگر

● ڈاکٹر (مریض سے) تمھیں کیا تکلیف ہے؟
مریض: چلتا ہوں تو ہاتھ پیر آگے پیچھے ہوتے ہیں اور سوتا ہوں تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔

عطیہ صدیقی
گورنمنٹ ہاؤسنگ کالونی (گونڈہ)

● بچہ: امی میں نہر پر نہانے جاؤں؟
امی: نہیں بیٹے تم ڈوب جاؤ گے۔
بچہ: (ضد کرتے ہوئے) نہیں امی میں ضرور جاؤں گا۔
امی (غصے سے) اچھا جاؤ۔ اگر ڈوب گئے تو میں گھر میں نہیں آنے دوں گی۔

عبدالغنی
اکی اور۔ دھارواڑ

● استاد: (شاگرد سے) اگر سورج دن میں نہ نکلے تو کیا نقصان ہوگا۔
شاگرد: بجلی کا خرچ بڑھ جائے گا۔

● جج: (ملزم سے) آخر تم تجوریاں کھولنے میں اتنے ماہر اور ہوشیار کیسے بنے۔
ملزم: جی میں پہلے تجوریاں بنانے والی کمپنی میں کام کرتا تھا۔

محمد شمس الحسن
جونا بازار۔ اورنگ آباد۔ مہاراشٹر

سری نیواس لاہوٹی

تیس مار خاں

بچو! جو لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور جھوٹی شیخی بگھارتے ہیں انھیں ہم سب "تیس مار خاں" کہتے ہیں لیکن اس محاورے کی اصل حقیقت ذیل میں درج ہے۔

ایک گانو میں ایک میاں، بیوی رہتے تھے۔ میاں اتنا کاہل تھا کہ وہ کھاتا اور سوتا پڑا رہتا تھا۔ اس کی بیوی روز اسے کام کرنے کے لیے کہتی اور وہ سنی ان سنی کر دیتا۔ آخر ایک دن بیوی کے طعنوں سے تنگ آکر اس نے کہا، "کل صبح میں کام کی تلاش میں شہر جاؤں گا۔ زادِ راہ کے طور پر کچھ توشہ باندھ دینا۔"

گھر میں جو کچھ تھوڑا بہت سامان تھا اس کو بٹور کر بیوی نے تیس لڈو بنائے لیکن شیرہ بناتے وقت اس میں کوئی زہریلا جانور پڑ گیا جس کی اس کو خبر نہیں ہوئی اس لیے کہ شام کا وقت تھا۔

دوسرے دن صبح میاں لڈوؤں کا توشہ کاندھے پر لٹکائے کام کی تلاش میں شہر کے لیے روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد سستی نے انھیں آدبوچا اور وہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں آرام سے سو گئے۔ اتفاق سے اُدھر سے تیس

اردو بال حمایت نگر۔ حیدرآباد ۲۹

چوروں کا ایک قافلہ گزر رہا تھا جب انھوں نے گہری نیند میں سوئے ہوئے آدمی کی بغل میں ایک پوٹلی دیکھی تو وہاں رُک گئے۔ چوروں کے سردار نے پوٹلی اٹھائی اور اسے کھول کر دیکھا تو اس میں لڈو تھے۔ اس نے اپنے تمام ساتھیوں میں لڈو تقسیم کر دیے اور خود بھی ایک لڈو کھا لیا۔ ان زہریلے لڈوؤں کے کھانے سے ان تمام چوروں کی موت واقع ہو گئی۔

شام کو جب اس کاہل آدمی کی آنکھ کھلی تو اس کے قریب ہی تیس چور مرے پڑے تھے اور گانو والے انھیں گھیرے خوشیاں منا رہے تھے۔

دوسرے دن اس کاہل آدمی کو راجا کے دربار میں پیش کیا گیا۔ راجا نے کاہل آدمی کے اس کارنامے پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے "تیس مار خاں" کے خطاب سے نوازا اور اپنی فوج میں اسے بھرتی کر لیا۔

اس طرح سے اس کاہل آدمی کو بغیر کسی محنت کے نہ صرف نوکری ملی بلکہ اعزاز بھی حاصل ہوا۔

اسی دن سے اس محاورے کا جنم ہوا۔ ●

جواب کیا آپ بتا سکتے ہیں۔

ادب

۱۔(ج)، ۲۔(الف)، ۳۔(ب)، ۴۔(الف)

آفتاب عالم

تقریباً تین سو سال قبل مسیح مشرقی اٹلی کے جنوب میں آباد سسلی جزیرے کے سائراکیوز شہر میں راجا ہیروکا حکومت کرتا تھا۔ ایک بار راجا نے اپنے لیے تاج بنانے کے لیے ایک سنار کو کچھ سونا دیا۔ کچھ دنوں بعد سنار نے ایک خوبصورت تاج بنا کر راجا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خوبصورت تاج دیکھ کر راجا بہت خوش ہوا لیکن اُسے سنار کی نیت پر شک ہونے لگا۔ اسے بار بار یہ بات کھٹکنے لگی کہ کہیں سنار نے سونے میں کچھ ملاوٹ نہ کردی ہو۔

راجا نے اپنے اس شبہے کا ذکر اپنے کچھ خاص دوستوں سے کیا اور ان سے اس راز کا پتا لگانے پر اصرار کیا۔ راجا کے تاج میں ملاوٹ کا سوال ایک مسئلہ بن گیا اس کے دوستوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ملاوٹ کا معاملہ کس طرح سلجھایا جائے۔

ایک دن راجا کا ایک دوست شہر کے عوامی حمام میں نہانے کے لیے گیا۔ جیسے ہی کپڑے اتار کر وہ تالاب کے پانی میں اترا تالاب کا پانی کناروں پر اچھل گیا۔ پانی کو اوپر کی طرف کناروں پر آتے دیکھ کر وہ خود بھی اچھل پڑا۔ خوشی سے وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔ "میں نے پالیا، میں نے پالیا" کہتا ہوا وہ ننگ دھڑنگ ہی حمام سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگا۔

لوگوں نے اس شخص کو سڑک پر ننگ دھڑنگ دوڑتا ہوا دیکھ کر پاگل سمجھ لیا مگر واقعی وہ پاگل نہیں تھا۔ بلکہ وہ تھا دنیا کا عظیم سائنس داں آرشمیدس (آرکمیڈیز) راجا ہیروکا کا قریب ترین ساتھی۔ اسے تاج کے سونے میں کی گئی ملاوٹ کی جانچ کا طریقہ حمام میں مل گیا تھا جہاں سے وہ پالیا، پالیا چلاتے ہوئے دوڑ پڑا تھا۔

آرشمیدس نے راجا ہیروکا کے تاج کے وزن کے برابر سونا چاندی لیا اور باری باری سے سونا، چاندی اور تاج کو ایک پانی سے بھرے برتن میں ڈبو کر اس سے باہر نکلے ہوئے پانی کو الگ الگ تولا۔ اس نے دیکھا کہ تاج کی وجہ سے باہر نکلا پانی، سونے کی وجہ سے باہر نکلے پانی سے زیادہ اور چاندی کی وجہ سے نکلے پانی سے کم تھا اس طرح آرشمیدس نے یہ پتا لگا لیا کہ تاج نہ تو خالص سونے کا بنا تھا نہ چاندی کا بلکہ ملاوٹی تھا۔

اس طرح آرشمیدس نے نہ صرف راجا ہیروکا کے تاج کی اصلیت کی گتھی سلجھائی بلکہ اس نے دنیا کو ایک اہم سائنسی اصول بھی دیا۔ اس اصول کے مطابق جب بھی کوئی چیز پانی یا گیس میں آدھی یا پوری ڈبوئی جاتی ہے تو اس کے وزن میں کمی آجاتی ہے اور یہ کمی اس کے ذریعے ہٹائے گئے پانی یا گیس کے وزن کے برابر ہوتی ہے۔

اشفاق احمد

صبح کا بھولا

سلیمان کو اپنا وطن چھوڑے تقریباً دو سال کا عرصہ ہو رہا تھا۔ وہ فرقہ وارانہ فساد میں جان بچا کر اپنی بیوی بچوں کو لے کر دوسرے گانو چلا آیا تھا۔ لیکن وہ اپنے چھوٹے بھائی انور کو ساتھ نہ لا سکا تھا کیونکہ فساد کی آگ پھیلنے سے دو دن قبل ہی وہ نوکری کی تلاش میں گھر سے باہر گیا تھا اور فساد ختم ہونے کے بعد سلیمان نے اس کی بہت چھان بین کی لیکن اس کا کوئی پتا نہ چلا تھا۔

اس کا بھائی انور بیس بائیس سال کا اونچا پورا نوجوان تھا۔ فساد کو ہوئے دو سال ہو رہے تھے لیکن سلیمان کو اپنے بھائی کی یاد ابھی بھی شدت سے ستاتی تھی نہ جانے اس نے اسے کتنی مصیبتیں جھیل کر پڑھایا تھا اور اس قابل بنایا تھا کہ اسے اچھی سی نوکری ملے لوگ اس کی عزت کریں اور میں فخر سے کہہ سکوں کہ انور میرا بھائی ہے۔ انور بھی اپنے بھیا کے خواب کو حقیقت میں تبدیل کر رہا تھا لیکن ایک انقلاب آیا اور سلیمان کا خواب ٹوٹ کر بکھر گیا اور صرف اس کی یاد باقی رہ گئی۔ جو ہر وقت اسے ستاتی تھی اور وہ گھنٹوں خاموش بیٹھا اس کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔

جب دو سال تک اس کے بھائی کا کوئی پتا نہ چلا تو اس کی امید دل کے کسی تاریک گوشے میں سو گئی اور اسے یقین ہوتا چلا گیا کہ اس کا بھائی فساد میں مارا گیا کیوں کہ دو سال پہلے ہونے والے فساد میں جانی اور مالی بہت نقصان ہوا تھا نہ جانے کتنی عورتیں بیوہ ہو گئی تھیں، کتنے بچے یتیم ہو گئے تھے اور نہ جانے کتنے بھائی بہنوں سے، باپ بیٹوں سے جدا ہو گئے تھے۔ مالی نقصان ہونے کی وجہ سے بے روزگاری حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی آئے دن ڈاکے ڈالے جا رہے تھے۔ سلیمان نے نئے گانو میں آکر ایک کھیت لے لیا تھا۔ اس کے پاس کچھ گائیں اور بھینسیں بھی تھیں جس سے اس کی اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ صبح سے شام تک کھیت میں کام کرنا اور شام کو گھر آکر کھانا کھا کر سو جانا ہی اس کا معمول تھا۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ کھانا کھا کر بستر پر لیٹا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ یوں ہی کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کے بعد اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ تقریباً بارہ بجے اچانک کسی نے دروازے پر زور سے دھکا مارا۔ سلیمان کی نیند کھل گئی اور وہ آنکھیں ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور پھر یہ سوچ کر کہ بلی ولی ہوگی دوبارہ آنکھیں بند کر کے سونے کی

سوت گرنی کوارٹر۔ تاج آباد۔ ناگپور۔ ۹

کوشش کرنے لگا۔ لیکن دوسری مرتبہ پھر دروازے پر دھکا پڑا۔ سلیمان اٹھا اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی اٹھی۔ سلیمان نے قندیل لیا اور دونوں دروازے تک آئے۔ سلیمان نے آگے بڑھ کر دروازے سے جھانکا تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ باہر چار ڈاکو ہاتھوں میں بندوقیں لیے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بری طرح گھبرا گیا۔ اس نے تو خواب میں بھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی بیوی بھی کچھ مشورہ دینے کی بجائے خاموش دم سادھے کھڑی تھی بچے دونوں سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ ابھی وہ کچھ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ اور وہ تیزی کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ دو ڈاکوؤں نے سلیمان اور اس کی بیوی کے سینے سے بندوق لگا دی، باقی ڈاکوؤں نے بچوں کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر چارپائی پر ڈال دیا۔ اور پھرتی کے ساتھ سامان سمیٹنے لگے۔ سلیمان کی بیوی کے سینے سے بندوق لگانے والا ڈاکو اس کے زیورات اتارنے لگا۔ جب وہ مطمئن ہو گئے کہ اب گھر میں ایسی کوئی خاص چیز نہیں رہ گئی ہے جو لے جائی جائے تو انھوں نے دونوں کے سینوں سے بندوقیں ہٹا دیں اور سامان لے کر جانے لگے سلیمان خاموش کھڑا انھیں دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر اسے اپنے چھوٹے بھائی کی یاد آ گئی اور وہ آنسو پونچھتا ہوا بڑبڑانے لگا۔ کاش آج میرا انور ہوتا تو یہ سب کچھ نہ جانے دیتا۔ یہ سنتے ہی ان ڈاکوؤں میں سے ایک ڈاکو ٹھٹکا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر سلیمان اور گھبرا گیا اس نے سوچا شاید اب یہ ہماری جانیں بھی لینا چاہتا ہے۔ وہ زور زور سے ہانپنے لگا۔ وہ ڈاکو دھیرے دھیرے چل کر اس کے قریب آیا۔ اور کچھ دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد بولا۔

"تم۔ تمھارا نام کیا ہے ؟"

"مجھے سلیمان کہتے ہیں" سلیمان نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تم سلیم احمد صاحب کے بیٹے تو نہیں ہو"

"ہاں، میں ہیں ان ہی کا بیٹا ہوں" یہ سنتے ہی ڈاکو نے ایک طرف بندوق پھینکی اور اس سے لپٹ کر رونے لگا۔ "بھیا۔ بھیا میں تمھارا چھوٹا بھائی انور ہوں۔ بھیا تم مجھے اتنے جلدی بھول گئے۔ تم نے مجھے پہچانا بھی نہیں۔ میں تمھاری تلاش کرتے کرتے ڈاکو بن گیا بھیا۔ انور کے منہ سے جب طویل عرصہ بعد بھیا بھیا کی آواز سنی تو وہ خوشی سے اچھل پڑا جیسے اسے بہت بڑی دولت مل گئی ہو۔ وہ اسے بے تحاشہ چومنے لگا۔ اس کے بعد سلیمان کی بیوی بھی آگے بڑھی اور اس نے بھی اسے گلے سے لگا لیا۔ اس طرح صبح کا بھولا شام کو گھر واپس لوٹ آیا۔

خالد سیف اللہ

کتنی بے کراں ہے یہ کائنات

یہ کائنات کتنی وسیع ہے اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ نہ تو ہمیں اس کے پھیلاؤ کے بارے میں پوری معلومات ہیں اور نہ ہی اس کی وسعت کا صحیح اندازہ ہے۔

اگر ہم اپنی دنیا سے باہر نکل کر دیکھنے کی کوشش کریں تو شاید یہ بات ہماری سمجھ میں آسکے کہ ایسا کیوں ہے۔ ہماری زمین سورج کے خاندان کا ایک حصہ ہے۔ سورج کے خاندان کو ہم نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) بھی کہتے ہیں۔ جتنے سیارے (PLANETS) جن میں خود ہماری زمین بھی شامل ہے، سورج کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں، سورج کے خاندان یعنی نظام شمسی کا حصہ ہیں۔ اس خاندان میں بہت چھوٹے سیارے یعنی سیارچے (ASTEROIDS) اور شہاب ثاقب (METEORES) یعنی ٹوٹنے والے ستارے بھی شامل ہیں۔

ہمارا نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) خود ایک بڑے نظام کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔ یہ نظام کہکشاں (GALEXY) کہلاتا ہے۔ جب کبھی آسمان صاف ہو تو رات کے وقت دودھ کی ندی کی طرح یا دودھیا بادل کی طرح جو چیز ہمیں نظر آتی ہے۔ وہی کہکشاں ہے۔ شاید اسی لیے انگریزی میں اسے (MILKY WAY) یعنی

بڑی، پھیلی ہوئی، وسیع

دودھ جیسا راستہ کہتے ہیں۔ کہکشاں (GALEXY) لاکھوں ستاروں (STARS) کا جھرمٹ ہے جن کی روشنی ایک دوسرے سے مل کر ہمیں کروڑوں میل دور سے دودھ جیسی سفید نظر آتی ہے۔ ان لاکھوں ستاروں میں بعض تو ہمارے سورج سے بھی کئی گنا بڑے ہیں۔ کچھ ہمارے سورج جیسے ہی ہیں۔ ممکن ہے سورج کی طرح ان کے بھی خاندان یعنی نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) ہوں۔

کہکشاں (GALEXY) میں شامل ستارے اتنی دور ہیں کہ ہم اپنی دنیا سے ان کا فاصلہ میلوں یا کلومیٹر میں نہیں ناپ سکتے۔ اس کے لیے سائنس دانوں نے ایک پیمانہ ایجاد کیا ہے۔ اس پیمانے کو نوری سال (LIGHT YEAR) کہتے ہیں۔ آپ سوچیں گے بھلا سال سے ہم دوری کیسے ناپ سکتے ہیں۔ آئیے آپ کو بتائیں

آپ نے پڑھا ہوگا کہ روشنی ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا سفر طے کرتی ہے۔ اگر روشنی کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں دو سکنڈ کا وقت لے تو دونوں جگہوں کے بیچ کا فاصلہ کتنا ہوگا۔ ظاہر ہے ایک لاکھ چھیاسی ہزار جمع ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل

دنیا، چاند سورج، ستارے۔ کہکشاں اور جو کچھ اس سے پرے ہے سب کچھ کائنات میں شامل ہے۔

برابر تین لاکھ بہتر ہزار میل) اب اگر ہم یہ حساب لگائیں کہ سال بھر میں کتنے سکنڈ ہوتے ہیں اور اتنے سکنڈوں میں روشنی کتنا سفر کرے گی تو ہمارا جواب لگ بھگ ساڑھے کھرب میل ہوگا۔ اسی فاصلے کو نوری سال (LIGHT YEAR) کہتے ہیں۔ جو ستارہ (STARS) ہماری زمین کے سب سے قریب ہے اسے (ALFA CENTAUSY) کہتے ہیں۔ زمین سے اس کی دوری دوسو پچاس کھرب میل ہے۔ بتائیے کہ یہ ستارہ ہم سے کتنے نوری سال (LIGHT YEAR) کے فاصلے پر ہے۔ چار نوری سال سے زیادہ یا کم؟

ابھی تک ہم کائنات کے ایک چھوٹے سے حصے کہکشاں کے بارے میں ہی بات کر رہے ہیں۔ نوری سال کتنے میل کا ہوتا ہے یہ آپ کو معلوم ہے۔ اب ذرا کائنات کے اس معمولی سے حصے یعنی کہکشاں (GALEXY) کے پھیلاؤ کا اندازہ لگائیے۔ ہماری کہکشاں (GALEXY) ایک لاکھ نوری سال (LIGHT YEAR) چوڑی ہے۔ یہ چوڑائی میلوں میں کتنی ہوگی؟ حساب لگائیے! کائنات کتنی بے کراں ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری کہکشاں (GALEXY) سے پرے ایسی ہی یا اس سے بھی بڑی کروڑوں کہکشائیں (GALEXIES) اور ہیں۔ کون جانے ساری کہکشائیں مل کر کسی اور بڑے نظام کا حصہ ہوں۔

اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کائنات کی وسعت کا تصوّر بھی کرنا ممکن کیوں نہیں ہے۔ اتنی بڑی چیز ہمارے دماغ میں کیونکر سما سکتی ہے؟ اس کائنات میں ہماری دنیا کی بساط شاید ایسی ہو جیسے ہمالیہ پہاڑ کے سامنے چیونٹی کی یا شاید اس سے بھی کم! ذرا سوچیے کہ حضرت انسان کی اس پوری کائنات میں کیا حیثیت ہوگی؟ لیکن ان کا حوصلہ دیکھیے، چیونٹی کی طرح پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں خدا نظرِ بد سے بچائے!

آفریں باد بہ ایں ہمتِ مردانہ تو[۱]

لیکن اس تصویر کا ایک رخ اور بھی ہے۔ روح اور دل کی کائنات محبت، ہمدردی، آپسی بھائی چارہ، ایک دوسرے کے ساتھ دکھ درد میں شریک ہونا اس کائنات کی خوبیاں ہیں۔ ان دنوں یہ کائنات اجڑتی نظر آتی ہے۔ ہر طرف دھوکا ہے۔ فریب ہے۔ جنگ کے خوفناک بادل ہیں۔ انسان نے دل کی کائنات کو بھلا دیا ہے اور اپنی بربادی کے سامان خود تیار کر لیے ہیں۔ جگر صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر گھٹے تو بس ایک مشتِ[۲] خاک ہے انسان
بڑھے تو وسعتِ کونین[۳] میں سما نہ سکے

[۱] تیری ہمت اور بہادری قابلِ تعریف ہے۔
[۲] ایک مٹھی خاک یعنی مٹی
[۳] کائنات کی وسعت (اس کے بارے میں آپ نے ابھی پڑھا ہے!)

آئندہ کے لیے سوال

ہم سبھی کو ڈوبتے سورج کا منظر بہت اچھا لگتا ہے خاص طور پر پہاڑ پر دریا جھیل یا سمندر کے کنارے تو یہ منظر کچھ زیادہ ہی دلفریب نظر آتا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ڈوبتے وقت سورج سرخ رنگ کا کیوں دکھائی دیتا ہے؟

مرتبہ :- جاوید نہال حشمی

کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

ادب

۱. مندرجہ ذیل شعرا میں سے کس شاعر کو نوبل پرائز دیا گیا تھا؟

(الف) علامہ اقبال
(ب) مرزا غالب
(ج) رابندر ناتھ ٹیگور

(۲) یہ شعر کس کا ہے؟

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

(الف) ثاقب لکھنوی
(ب) آرزو لکھنوی
(ج) میر تقی میر

۳) "بانگ درا" کس کی تصنیف ہے؟

(الف) میر تقی میر
(ب) علامہ اقبال
(ج) حسرت موہانی
(د) خواجہ الطاف حسین حالی

(۴) نظیر اکبرآبادی کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی تھی.

(الف) ۱۷۲۵ء
(ب) ۱۷۷۵ء
(ج) ۱۸۲۵ء

(جواب اسی شمارے میں)

کوّا

اسحاق ایوبی

چھت پر، کبھی آنگن میں کبھی، ڈالی پہ کوّا
دیوار پہ بیٹھا ہے کبھی جالی پہ کوّا
دریا کے کنارے تو کہیں نالی پہ کوّا

خوابوں میں نظر آئے اسے روٹی کا ٹکڑا
اور سامنے آنکھوں کے پھرے روٹی کا ٹکڑا
لے بھاگے، جہاں اس کو ملے روٹی کا ٹکڑا

چلاتے ہیں یوں کاگ کہ توبہ ہی بھلی ہے
وہ کائیں کا ہے راگ کہ توبہ ہی بھلی ہے
اس راگ میں وہ آگ کہ توبہ ہی بھلی ہے

آنکھیں بھی نچائے گا، جہاں بیٹھے گا کوّا
اور سر بھی گھمائے گا، جہاں بیٹھے گا کوّا
اور پَر بھی ہلائے گا، جہاں بیٹھے گا کوّا

سونے کا بھی، آرام کا بھی، وقت مقرر
اور جاگنے کا، کام کا بھی، وقت مقرر
معمولِ صبح و شام کا بھی، وقت مقرر

چالاکی و خصلت میں بھی ہیں ایک سے کوّے
اور عقل و ذہانت میں بھی ہیں ایک سے کوّے
اسحاق و فراست میں بھی ہیں ایک سے کوّے

محمد علی کے یادگار مقابلے

نمبر	بمقابلہ	تاریخ	مقام	راؤنڈ	طریقہ شکست
۱۔	سونی لیسٹن	۲۵ فروری ۱۹۶۴ء	میامی بیچ	ساتواں	ناک آؤٹ
۲۔	سونی لیسٹن	۲۵ مئی ۱۹۶۵ء	لیوسٹن بیچ	پہلا	ناک آؤٹ
۳۔	فلائیڈ پیٹرسن	۲۲ نومبر ۱۹۶۵ء	لاس وگیاس	بارہواں	ناک آؤٹ
۴۔	جارج شووبلو	۲۹ مارچ ۱۹۶۶ء	ٹورنٹو	پندرہواں	-
۵۔	ہنری کوپر	۲۱ مئی ۱۹۶۶ء	لندن	چھٹا	ناک آؤٹ
۶۔	بریان لندن	۶ اگست ۱۹۶۶ء	لندن	تیسرا	ناک آؤٹ
۷۔	کارل ملڈن برگر	۱۰ ستمبر ۱۹۶۶ء	فرینکفرٹ جرمنی	بارہواں	ناک آؤٹ
۸۔	کلیولینڈ ویلیس	۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء	ہاؤسٹن	تیسرا	ناک آؤٹ
۹۔	زورا فولی	۲۲ مارچ ۱۹۶۷ء	نیویارک	ساتواں	ناک آؤٹ
۱۰۔	جارج فورمین	۳۰ اکتوبر ۱۹۷۴ء	زائرے	آٹھواں	ناک آؤٹ
۱۱۔	چک وپنر	۲۴ مارچ ۱۹۷۵ء	کلیولینڈ	پندرہواں	ناک آؤٹ
۱۲۔	جوبگنز	۳۰ جون ۱۹۷۵ء	ملائشا	پندرہواں	-
۱۳۔	جوفریزیر	یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء	مارپلا	چودھواں	ناک آؤٹ
۱۴۔	جین پیاری کوپمین	۲۰ فروری ۱۹۷۶ء	سان جوان	پانچواں	ناک آؤٹ
۱۵	جمی ینگ	۳۰ اپریل ۱۹۷۶ء	لینڈوار	پندرھواں	-
۱۶۔	رچرڈ ڈن	۲۵ مئی ۱۹۷۶ء	میونخ	پانچواں	ناک آؤٹ
۱۷۔	کن نارٹن	۲۸ ستمبر ۱۹۷۶ء	نیویارک	پندرھواں	-
۱۸۔	الفریڈو ایونجلستا	۱۶ مئی ۱۹۷۷ء	لینڈوار	پندرھواں	-
۱۹۔	ارنی شیورنہ	۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء	نیویارک	پندرھواں	-
۲۰۔	لیون اسپنکس	۱۵ ستمبر ۱۹۷۸ء	نیو آرلینس	پندرھواں	-
۲۱۔	لیری ہومز	۲ اکتوبر ۱۹۸۰ء	لاس ویگاس	دسویں راؤنڈ کے آخر میں	ٹیکنیکل ناک آؤٹ

مظفر علی بیگ ...... دہم (سی) جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول نئی دہلی ۲۵

آدھی ملاقات

پرچہ برابر مل رہا ہے۔ ٹائٹل اب پہلے کی بہ نسبت بہت ہی شاندار چھپ رہا ہے اور مضامین بھی کافی معیاری ہوتے ہیں مبارکباد قبول فرمائیں۔

حشمت کمال پاشا
(کلکتہ)

میں رسالہ پیام تعلیم تقریباً ایک سال سے پڑھ رہی ہوں یہ رسالہ مجھے بے حد پسند آیا ہے۔ اس کے مضامین نہایت دلچسپ سبق آموز ہوتے ہیں۔ مگر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ایک چیز کی کمی محسوس کی جا رہی ہے وہ ہے مذہبی مضمون۔ آپ اگر اس طرف توجہ فرمائیں تو بڑی خوشی ہوگی۔

شبانہ اعظمی
(وینالی دبہار)

لہ ایک مذہبی مضمون دینے کی تو برابر کوشش کی جاتی ہے۔
(ادارہ)

خدا کے فضل سے میں یہاں ایک دیہات میں بہت خوش رہتا ہوں۔ اس خوشی کا سبب یہ ہے کہ مجھے ہر ماہ پیام تعلیم پابندی کے ساتھ ملتا رہتا ہے۔ جس میں دلچسپ کہانیاں، معلوماتی مضامین اور اچھی اچھی نظمیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ یہ واحد رسالہ ہے جو اس دور دراز گاؤں میں آتا ہے۔ خدا اس کو مزید ترقی دے۔

ابرار خاں راہی
الاسنہ۔ بلڈانہ

نام :۔ بالو بگھولوی عمر ۱۵ سال
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا۔ نماز پڑھنا۔
پتا :۔ دلکش بوٹ سینٹر ہاسپٹل چوک۔ تاجپور سمستی پور۔

نام :۔ ابرار احمد آرزو عمر ۱۵ سال
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا۔ فٹ بال کھیلنا۔ دوستوں کے خطوط کا جواب دینا
پتا :۔ مقام و پوسٹ شاہ پور بگھونی وایا دینی۔ ضلع سمستی پور۔

نام :۔ محمد اسلم
مشغلہ:۔ اخبار پڑھنا۔ نماز پڑھنا۔ قلمی دوستی کرنا۔
پتا :۔ مکان نمبر ۲۷۹ محلہ انار دانہ سرہندی گیٹ۔ مالیر کوٹلہ پنجاب

نام :۔ حمزہ میاں محمود
مشغلہ:۔ رسائل پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا۔ ماں باپ کی خدمت کرنا۔
پتا :۔ مقام سونس، کھیڈ۔ ضلع رتنا گیری۔ مہاراشٹر۔

نام :۔ سعید سلیم جاوید عمر ۸ سال
مشغلہ:۔ کہانیوں کی کتابیں پڑھنا، پیام تعلیم اور نور کا پابندی سے مطالعہ کرنا۔ قلمی دوستی کرنا۔
پتا :۔ معرفت اے ایم قاسمی۔ مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج۔ ضلع اورنگ باد

نام :۔ محمد ساجد قمر محمد ہارون عمر ۷ سال
مشغلہ:۔ روز پابندی سے اسکول جانا۔ کہانیاں سننا۔
پتا :۔ الانوار اردو ہائی اسکول روڈ جامع مسجد پورہ۔ مانا۔ ضلع اکولہ

نام :۔ عبدالکفیل احمد عبدالحمید عمر ۱۵ سال
مشغلہ:۔ اچھی اچھی کتابیں پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا۔ اسکول وقت پر جانا
پتا :۔ الانوار اردو ہائی اسکول روڈ جامع مسجد پورہ۔ مانا۔ ضلع اکولہ

نام :۔ خالد صدیقی عمر ۱۵ سال
مشغلہ:۔ قلمی دوستی کرنا۔ نماز پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا۔
پتا :۔ شرافت ہاؤس ڈی ۳ لال باغ پٹنہ ۔۹

مرتبہ: موثق الدین

ادھر ادھر سے

ساڑھے سترہ فٹ لمبی داڑھی

ناروے کے ایک شخص لینگیتھ کی داڑھی ½ ۱۷ فٹ لمبی تھی۔ لینگیتھ ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۷ء میں انتقال کر گیا۔ وہ اپنی داڑھی کو تہہ در تہہ رکھتا تھا۔ آج کل یہ داڑھی اسمتھ سونین انسٹی ٹیوشن (واشنگٹن) امریکہ میں رکھی ہوئی ہے۔

انجمن اسلام گرلس اسکول کرلا کو ٹرافی

کل مہاراشٹر سیرت النبی مقابلہ، انجمن فروغ تعلیم بھیونڈی کی جانب سے منعقد کیا گیا۔ جس میں سینئر گروپ کے لیے انجمن اسلام گرلس اسکول کی طالبہ کہکشاں فاروقی نے تقریر کی اور سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ نیز کپ اور ٹرافی کی حق دار قرار دی گئیں۔

علی انتولے شیلڈ

انجمن اسلام پرائمری اسکول کرلا نے بمبئی کے پرائمری اسکولوں کے درمیان منعقد تقریری مقابلے میں پہلی بار شرکت کر کے "علی انتولے شیلڈ" حاصل کی۔ ہونہار طالب علم اعجاز ایوب خاں اور فریدہ عبدالرحمٰن نے بالترتیب دوم اور سوم انعام حاصل کیا۔

رئیس ہائی اسکول کا سالانہ تقریری مقابلہ

رئیس ہائی اسکول بھیونڈی کا اٹھائیسواں آل مہاراشٹر انٹر اسکول اردو تقریری مقابلہ ۱۸ر جنوری کو ڈاکٹر مجاہد حسین حسینی کی صدارت میں ہوا۔

اس تقریری مقابلے میں مالیگاؤں، تھانہ پرگنہ اور بھیونڈی کے اسکولوں کی سولہ ٹیموں کے ۳۱ طلبہ و طالبات نے حصہ لیا۔

مقابلہ کی اوولڈ بوائز ٹرافی انجمن خیر الاسلام (بوائز) کرلا نے، گولڈ جوبلی شیلڈ رئیس ہائی اسکول بھیونڈی نے اور عظیم گورے شیلڈ انجمن اسلام کرلا ہائی اسکول (گرلز) نے حاصل کی۔

پہلا انفرادی انعام رئیس ہائی اسکول کے طالب علم عامر عبدالواحد نیر دہلی نے، دوسرا انعام کیشکر محمد الطاف محمد یوسف (انجمن خیر الاسلام) تیسرا انعام سمیرا عبدالرحمٰن انصاری (انجمن خیر الاسلام) نے حاصل کیا۔

پیدل سفر کا ریکارڈ

ایک جرمن پروفیسر والڈ مرسن نے پیدل سفر کرنے کا نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ انھوں نے مسلسل چار سال سفر کیا۔ سفر کے دوران انھوں نے یورپ کے سیکڑوں شہروں اور قصبوں میں قیام کیا۔ اس دوران ان کے ۱۰۲ جوڑے جوتے ٹوٹے اور انھوں نے کل پچاس ہزار کلومیٹر کا سفر کیا ان کی عمر پچاس برس ہے۔

عجیب و غریب ترازو

سائنس دانوں نے ایک نہایت ہی حساس ترازو ایجاد کیا ہے۔ اس ترازو کے ذریعے ایسی چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے جنھیں عام طور پر بے وزن کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس ترازو پر کاغذ کے ٹکڑے کا وزن کرنے کے بعد اس پر پنسل سے نقطہ لگا دیا جائے اور پھر دوبارہ وزن کیا جائے تو آسانی پنسل کا وزن معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اسکول سے بھاگنے والے بچوں کے لیے انوکھی سزا

لائبیریا میں اسکول سے بھاگنے والے بچوں کے لیے بہت دلچسپ قانون ہے جب کوئی بچہ اسکول جانے سے انکار کرتا ہے تو اسے کسی قریبی پولیس اسٹیشن پر بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ فرش صاف کرتا ہے۔ کھڑکیوں کے شیشے چمکاتا ہے اور کانسٹبلوں کے جوتے پالش کرتا ہے۔ پہلے ہی روز یا زیادہ سے زیادہ دوسرے روز بچہ اسکول جانے کے لیے بے چین ہو جاتا اور پھر کبھی اسکول سے بھاگنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔

بچوں کی کوششیں

داستانِ گل

جب میں نے دنیا میں آنکھ کھولی، وہ ایک سہانی صبح تھی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا مجھے جھلا رہی تھی۔ میں نے اپنی ماں کی گود سے اپنے اطراف کا معائنہ کیا۔ شاخ پر میرے اور بھی ساتھی موجود تھے۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے۔ وہ سب مجھے دیکھ کر بڑے خوش تھے۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک بڑے سے خوبصورت باغ میں موجود ہوں۔ تتلیاں اور بھونرے مجھے پیار سے چوم رہے تھے مجھے یہ دنیا بڑی ہی خوبصورت اور رنگین نظر آرہی تھی۔ میں بڑا ہی خوش تھا۔

پر میری یہ خوشی تھوڑی ہی دیر کی تھی۔ جب میں اپنی ماں شاخ کی گود میں خوشی سے جھول رہا تھا کہ ایک ظالم ہاتھ نے مجھے اپنی ماں کی گود سے توڑ کر ایک ٹوکری میں دوسرے پھولوں کے ساتھ ڈال دیا۔ میرا بدن دکھ رہا تھا۔ میری آنکھیں درد سے بھر آئیں۔ تھوڑی دیر کے لیے میں اپنے ہوش و ہواس کھو بیٹھا۔

اچانک میں گہری بے ہوشی سے ایک چیخ کے ساتھ جاگ پڑا۔ کسی نے میرے جسم میں سوئی چبھو کر دھاگے میں پرو دیا تھا۔ میرے نازک سے بدن میں شدید درد ہو رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اب میری زندگی کا خاتمہ یقینی ہے اور یہ اس کی آخری منزل ہے۔ پر یہ میری غلط فہمی تھی۔ اب میں ایسی جگہ تھا جہاں نہ وہ خوبصورت چمن تھا نہ وہ ٹھنڈی ہوائیں۔ دور دور تک چڑیوں، بھونروں اور تتلیوں کا نام و نشان نہ تھا۔ یہاں تو سخت گرمی تھی۔ اطراف میں لوگوں کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ کبھی شبنم کے قطروں نے میرا منہ دھلایا تھا۔ اب ایک انسانی ہاتھ مجھ پر پانی چھڑک کر میری پژمردگی کو شادابی میں بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اس کی ہمدردی کو نہ سمجھ سکا۔ پر اتنا ضرور جان گیا تھا کہ یہ دنیا جہاں میں موجود ہوں بڑی ظالم ہے۔ اس سے ہمدردی کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اب تک میں جان چکا تھا کہ چمن کی خوبصورت دنیا سے نکل کر اب میں ایک بازار میں بکنے کے لیے موجود ہوں اور میرا محسن مجھے گجروں کے نام سے خریداروں کو دکھا رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ایک نرم ملائم اور خوبصورت ہاتھ نے مجھے بڑے پیار سے اُٹھایا۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے ایسا لگا کہ میں دوبارہ اپنی ماں کی گود میں ہلکورے لے رہا ہوں۔ اُن ہاتھوں نے مجھے گیلے لال کپڑوں سے اٹھا کر پہلے اپنی ناک سے میری خوشبو سونگھی، مجھے اپنے گالوں سے مَس کیا۔ میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر آئے۔ میں نے بڑے پیار اور شکر بھری نظر سے اپنے قدردان کی طرف دیکھا۔ میرا سارا گلہ جاتا رہا۔ مجھے لگا کہ اس جہاں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو مجھے ہمدردی اور پیار کے قابل سمجھتے ہیں۔ ان ہاتھوں نے مجھے اپنے جوڑے کی زینت بنا لیا۔ میری خوشی دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ ان مہربان ہاتھوں نے وہاں پہلے موجود گجرے کو بڑی حقارت اور بے دردی سے کھینچ کر

بازار کے کنارے بنی گندی نالی میں پھینک دیا۔ میری ساری
خوش فہمی رفع ہو گی۔
میں نے اپنا بھیانک انجام خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔
بس اب اپنے انجام کا منتظر تھا۔ بہت جلد میرا بھی یہ حشر
ہونے والا تھا۔
جب کلی کھلتی ہے یہ سوچ کر چپ رہتا ہوں
مسکرانے دو یہ انجام سے ناواقف ہے

سہیل احمد انصاری
انجمن خیرالاسلام ہائی اسکول، مدن پورہ، بمبئی

سنہرا ہنس

بہت دنوں پہلے کی بات ہے بنارس شہر میں
ایک راجا رہتا تھا۔ ایک دن اس کی رانی نے خواب میں
بہت خوبصورت اور سمجھدار ہنس دیکھے۔ رانی نے اپنا خواب
راجا کو بتایا۔
راجا نے دربار کے وزیروں اور جنگل کے شکاریوں
سے ہنس کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی پوچھا کہ " ہم
کس طرح ان ہنسوں کو بنارس میں لا سکتے ہیں۔ لوگوں نے
مشورہ دیا کہ شہر کے قریب ایک خوبصورت جھیل بنوائی
جائے جس کے چاروں طرف پیڑ پودے لگائے جائیں،
کنول اور للی کے پھول جھیل میں ڈال دیے جائیں تاکہ ہنس
اس جھیل کی خوبصورتی کو دیکھنے آئیں۔
راجا نے شہر کے قریب جھیل بنوا دی اور اعلان کرادیا
کہ بنارس کا راجا سبھی چڑیوں کو خوش آمدید کہتا ہے
اور جھیل میں آنے والے پرندے ہر خطرے سے محفوظ رہیں
گے۔
اس خوبصورت جھیل کی تعریف دور دور تک پہنچی۔
یہاں تک کہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں پر رہنے والے ہنسوں
نے بھی اس خبر کو سنا۔ وہ سب ہنس مل کر اپنے راجا کے
پاس پہنچے اور کہنے لگے ان برفیلی چوٹیوں پر رہتے رہتے
ہم تھک گئے ہیں۔ اس ٹھنڈ سے بچنے کے لیے ہم لوگ
بنارس جانا چاہتے ہیں، وہاں کے راجا نے سب چڑیوں
کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔"
سنہرا ہنس جو کہ راجا تھا سب پرندوں کی بات
سن کر بنارس کی جھیل دیکھنے کو تیار ہو گیا اور اس طرح
سب ہنس ہمالیہ سے اڑ کر بنارس پہنچ گئے۔
شکاریوں کی نظر جھیل کے آس پاس پر آنے والے
پرندے پر لگی رہتی تھی۔ کیونکہ راجا کا حکم تھا۔ ایک صبح ایک
شکاری نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا ہنسوں کا غول جھیل میں
اُتر را ہے۔ شکاری کا جال تیار تھا۔ جب سنہرا ہنس
سب سے پہلے اُترا تو اس کے پیر جال میں پھنس گئے۔
اور ہنسوں نے جب یہ دیکھا تو سب اڑ گئے۔ کوئی بھی
اس کی مدد کو نہ آیا صرف ایک ہنس رہ گیا جو اس سنہرے
ہنس کے پاس آیا۔ تب سنہرے ہنس نے کہا: "سب
تو اڑ گئے تم کیوں نہیں گئے، اگر تم یہاں ٹھہرو گے تو
تم بھی پکڑے جاؤ گے"۔ دوسرے ہنس نے جواب دیا:
"میرے مالک میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ ہم
ساتھ رہے ہیں ساتھ مریں گے۔"
شکاری نے جب ان کی بات سنی اور اتنے خوبصورت
ہنس دیکھے تو وہ ان کے قریب آیا اور بولا "تمہارے
سب ساتھی جا چکے ہیں کیا تم نے اوپر سے جال نہیں
دیکھا تھا؟
"جب زندگی ختم ہونے والی ہے اور موت نزدیک
ہے تو کوئی فائدہ نہیں جدوجہد سے۔ اور میں نے جال دیکھا
بھی نہیں تھا۔" تب شکاری نے دوسرے ہنس سے
پوچھا کہ "تم تو آزاد ہو پھر یہاں کیوں ٹھہرے ہو؟
ہنس نے جواب دیا "یہ میرا مالک ہے اور میرا
دوست ہے۔ اس کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ جب تک میری
زندگی ہے۔"
شکاری نے سوچا یہ کتنے سمجھدار اور اچھے ہنس ہیں
اگر میں نے ان کو نقصان پہنچایا تو خدا مجھ کو کبھی معاف
نہیں کرے گا۔ مجھے راجا کا انعام نہیں چاہیے۔ میں ان کو

آزاد کردوں گا۔" شکاری نے فوراً جال کاٹ دیا اور ہنس کا زخمی پانو سہلانے لگا۔ تب ہنس نے پوچھا: "تم نے مجھے آزاد کیوں کر دیا کیا اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے۔

"میں نے تم کو اپنے راجا کے لیے پکڑا تھا۔ کیونکہ اس کی رانی نے خواب میں سنہرا ہنس دیکھا تھا اور رانی چاہتی تھی کہ ایسا ہنس وہ دیکھے"۔ شکاری نے جواب دیا۔

سنہرے ہنس نے سوچا کہ میں خود بنارس کے راجا کے پاس جاؤں۔ اگر میں اپنی مرضی سے جاؤں گا تو وہ خوش ہو جائے گا اور مجھے اس خوبصورت جھیل میں چھوڑ دے گا۔ اس کے بعد دونوں ہنس اور شکاری راجا کے پاس گئے۔ رانی اور راجا ہنس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان کی بڑی خاطر کی، رات تک ان ہنسوں سے باتیں کیں اور ان کو بڑی اچھی طرح رکھا۔

کچھ دنوں کے بعد ہنسوں نے جانے کی اجازت مانگی اور کہا: "اب موسم بدل رہا ہے ٹھنڈ بھی کم ہو گئی ہے آپ لوگ ہمیں جانے دیں۔ ہم پھر آئیں گے جب ہمالیہ کی چوٹی پر برف پڑے گی"۔ دونوں ہنسوں نے بنارس کے راجا کو خدا حافظ کہا اور واپس ہمالیہ کی طرف اُڑ گئے۔

اس بات کو تو عرصہ گزر چکا ہے مگر اب بھی ہر سال جب جاڑا شروع ہونے لگتا ہے تو سنہرے ہنسوں کے غول اُڑتے ہوئے آسمان پر دکھائی دیتے ہیں اور جب جاڑے کا آخر ہوتا ہے تب یہی غول جس سمت سے آتے ہیں اُسی سمت واپس چلے جاتے ہیں۔

بیبی کروصی

تعلیم

۲/۱ ٹائپ بی اسپیشل، سینٹرل گورنمنٹ کالونی، گھاٹ کوپر، بمبئی ۸۶

تعلیم کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو ایک مذاق سا بن کر رہ گئی ہے۔ بس کیا ہے جیسے ہی بچے ہوش د حواس سنبھالتے ہیں کہ والدین ان کو ہندی اور انگریزی کی تعلیم دنیا شروع کرا دیتے ہیں۔ اردو تعلیم سے واسطہ کیا مگر افسوس ہے کہ والدین اردو تعلیم سے کیوں بھاگتے ہیں جبکہ وہ سب سے ضروری اور اہم ہے جب اردو نہیں تو مذہب کہاں ۔۔۔۔ کیسے بچے نماز و قرآن اور فرمانِ رسول پڑھ سکیں گے۔ جب رسول ہی نہیں تو پھر خدا نہیں، تو جنّت کہاں ۔۔۔۔۔۔۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔ اسلام کا ستون تو نماز اور قرآن ہے۔ تو پھر اس کو مضبوطی سے پکڑنا ہی تو دین اور دنیا کی جیت ہے۔ آیئے آج سے ہم لوگ عہد کریں کہ سب سے پہلے مذہبی تعلیم تب اور دوسری تعلیم۔ بس خدا ہم لوگوں کو ہدایت دے آمین۔

شبانہ اعظمی

مقام وڈاک گھر، درگاہ بیلا، ضلع ویشالی (بہار)

نیک خاتون

ان کو کون نہیں جانتا تھا۔ سب ہی لوگ جانتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر ایک سے محبت سے ملتی تھیں، چاہیے کوئی امیر ہو یا غریب۔ سب کو ایک نظر سے دیکھتی تھیں۔ ان کے نزدیک غریبی، امیری نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ سب سے محبت سے پیش آتی تھیں اور سب لوگ بھی ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ اللہ سے بھی بہت محبت کرتی تھیں اس لیے اللہ میاں نے ان کو جلدی ہی اپنے پاس بلا لیا۔

آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے۔ یہ کون سی نیک خاتون ہیں یہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ میں ان کو بچپن سے جانتی ہوں کیوں کہ ہمارے گھریلو تعلقات تھے، شروع میں پہلے بہت آتی تھیں جب سے ہم نے ہوش سنبھالا تو ان کا آنا جانا کم ہو گیا۔ شاید اس وجہ سے کہ وہ اکثر بیمار رہنے لگی تھیں، بچپن میں ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ مگر آج تک ان کا چہرہ مجھے یاد ہے۔

ان کی سفید ساری ہمیشہ صاف ستھری رہتی تھی وہ ہمیشہ ساری باندھتی تھیں۔ میں جب کبھی اوکھلا جاتی تھی تو کبھی کبھی رستے میں ملاقات ہو جایا کرتی وہ دیکھ کر بہت خوش ہو جاتیں۔ جب سے بیمار پڑی ہیں۔ کہیں آتی جاتی نہیں تھیں۔ ہم ایک دوسرے سے بڑے فخر سے کہہ دیتے تھے کہ ہم ان کو بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ ہم جب ذرا بڑے ہوئے تو ہم اکثر امی سے ان کے بارے میں سوال کرتے کہ جو پہلے ہمارے یہاں آتی تھیں اب ہمارے یہاں کیوں نہیں آتیں۔ ہم نہ جانے امی سے کیا کیا کہتے تھے پھر امی یہ کہہ دیتی تھیں کہ وہ تم سے ناراض ہیں۔ کیوں کہ تم ان کے گھر نہیں جاتی ہو اس لیے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ چاہے کوئی ان کے گھر جائے یا نہ جائے وہ سب سے ملتی تھیں۔ میری امی نے تو ویسے میرا دل بہلانے کے لیے یہ بات کہہ دی تھی۔ وہ تو اپنی بیماری کی وجہ سے کسی کے گھر نہیں جا پاتی تھیں۔ آج کل کے زمانے میں اتنی سیدھی سادی اور نیک شاید اس دنیا میں کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں تو بچو! آپ کے دل میں ہل چل ہوتی ہوگی اور کہہ رہے ہوں گے کہ جلدی سے ان صاحبہ کے نام کا پتا چلے تو یہ نیک خاتون محترم جناب اڈیٹر صاحب کی اہلیہ تھیں۔

بدر فاطمہ
۱۹۵ ای، کواٹر باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

انصاف

مُلّا جی شہر کے سب سے مال دار آدمی تھے۔ ان کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ بڑے لڑکے کا نام شیخ سعدی اور چھوٹے کا نام شیخ عبداللہ تھا۔ لڑکیاں چھٹی جماعت میں پڑھ رہی تھیں۔

ایک دن مُلّا جی نے آگرہ جانے کی ٹھانی۔ وہاں ان کے کچھ رشتے دار رہتے تھے۔ وہ گھر کے قیمتی سامان لے کر بیوی بچوں کے ساتھ چل دیے۔ جاتے جاتے راستے میں رات ہوگئی۔ اور انھیں ایک سنار کے گھر میں رات بسر کرنی پڑی۔ صبح ہوئی تو ہاتھوں میں تھیلا لیے بیوی بچوں کے ساتھ چل دیے۔ اسٹیشن پر پہنچ کر تھیلے کو ایک طرف رکھ کر گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔ سنار بڑا چالاک تھا۔ وہ اتنی دور سے پیچھے پیچھے آرہا تھا اس نے چپکے سے تھیلا اٹھایا اور چلتا بنا۔ جب ملّا جی ریل پر سوار ہو گئے تب انھیں تھیلے کے کھو جانے کا احساس ہوا۔ انھوں نے جلدی سے زنجیر کھینچ لی۔ گاڑی رُکی تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بھلا گاڑی کیوں رکوا دی!

ملّا جی نے ایک نہ سُنی گاڑی سے اُترے اور بیوی بچوں کو ساتھ لے کر عدالت پہنچ گئے اور سنار کے بارے میں شکایت درج کرا دی۔ قاضی نے اپنے ایک نوکر سے کہا سُنار کو جلدی عدالت میں حاضر کیا جائے۔

عدالت لوگوں سے کھچا کھچ بھری تھی۔

سنار نے آتے ہی کہا: "حضور میں نے کب تھیلی لی ہے"!

ملّا جی کہتے "نہیں حضور اسی نے ہی میرا تھیلا لیا ہے"!

قاضی نے دونوں سے کہا "تم دونوں کل آنا" جب دونوں چلے گئے تو قاضی نے ایک آدمی کو بلوایا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ دوسرے دن جب دونوں آئے تو قاضی نے پھر سے بیان دینے کو کہا۔ دونوں نے پھر وہی بیان دیے۔

اتنے میں ایک آدمی وہاں آپہنچا اس نے کہا "ہاں حضور اسی نے ملّا جی کا تھیلا چرایا ہے"! سنار یہ سُن کر جھلا گیا اور اس آدمی کو باہر دھکیل دیا۔ پھر سنار نے اس آدمی سے کہا "کیا تم نے مجھ کو دیکھا تھا" تب قاضی نے کہنا شروع کیا "دیکھو سنار! معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی جھوٹ بول رہا ہے"! سنار نے جلدی سے کہا "ہاں حضور یہ جھوٹ بولتا ہے"! تب قاضی اس آدمی سے مخاطب ہوا اور کہا "اچھا تم یہ بتاؤ سنار نے جب

ان کا تھیلا چرایا تو اس وقت تم وہاں تھے؟" آدمی چپ رہا۔ سنار نے جلدی سے کہا: "نہیں حضور یہ اس وقت وہاں نہیں تھا۔"

تب قاضی نے کہا: "ارے بدبخت! جب تو نے اس کا سامان نہیں لیا تو پھر تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ آدمی اس وقت وہاں نہیں تھا۔"

پھر قاضی نے نوکروں کو حکم دیا کہ سنار چور ہے اس کے دس کوڑے لگائے جائیں۔ ڈھنڈورا پٹوا دیا جائے تاکہ کوئی آدمی جھوٹ بولنے کی جرائت نہ کر سکے نوکروں نے حکم کی تعمیل کی اور ویسا ہی کیا۔

ملا جی بڑی شان سے آگرہ پہنچ گئے۔

خالد اقبال حشمی
۲۸ گلی ۲ نیا بازار، کانکی نارہ، (مغربی بنگال)

نماز

اے او بے نمازی نماز سیکھنے کے لیے آ مسجد

نماز پڑھنا نہیں معلوم تو نماز سیکھنے آ مسجد

نماز پڑھنے میں کیا فایدہ ہے نماز پڑھ کر دیکھ تو سہی

لیکن ضرور نماز و قرآن پڑھنے آ مسجد

نماز پڑھنے والوں سے نماز تو سیکھ

اور قرآن پڑھنا نہیں آیا تو سیکھنے آ مسجد

نماز پڑھنا بہت آسان ہے پڑھ کر دیکھ ذرا

اگر سچ نہیں ہے تو نماز سیکھنے آ مسجد

فرحت علی خاں
سید فاروق سنٹرل ایکسائز آفس۔ بجول پیٹ۔ نظام آباد

شک کا انجام

بات بہت پرانی ہے۔ ایک جنگل تھا۔ اس گھنے جنگل میں چار جنگلی بیل ایک ساتھ رہا کرتے تھے۔ اس جنگل میں ایک ہرا بھرا گھاس کا میدان بھی تھا۔ جس میں وہ دن بھر چرتے تھے اور شام کو خوشی خوشی اپنے گھر کو واپس چلے جایا کرتے تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی زندگی مزے کے ساتھ بسر ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے آپسی میل جول اور اتفاق کو دیکھ کر ان سے لڑنے کی ہمت کوئی نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس جنگل میں ایک خونخوار شیر تھا وہ بھی ہمت نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ ان پر جو بھی حملہ کرتا اس کو ایک کے بدلے چاروں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔

چاروں دوست اپنی دنیا میں مگن رہتے تھے اور ایک دوسرے کے سہارے زندگی کا سفر ختم کرتے جا رہے تھے لیکن شیر کو ان کی خوشی بری لگی۔ وقت کے ساتھ شیر ان لوگوں کے بارے میں غور کرتا۔ ان لوگوں کے موٹے تازے جسم کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا اور ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتا ہے۔

ایک دن اس کے دل میں بیٹھے شیطان نے اسے راستہ دکھا ہی دیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ ان کی دوستی کو ختم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ کسی طرح ان میں نا اتفاقی پیدا کر دی جائے۔

اگلے دن وہ اس مقام پر گیا۔ جہاں پہلا بیل چر رہا تھا۔ وہ اس کے نزدیک گیا پھر اس کے کانوں میں کہا: "کیا تمھیں معلوم ہے کہ جتنی گھاس تمھارے حصے میں آتی ہے اس سے زیادہ تو تمھارے دوسرے ساتھی کھا جاتے ہیں۔ تم تو مشکل سے ہی اپنے حصے کی گھاس کھا پاتے ہو۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے" [illegible] طرح شیر چاروں کے پاس گیا۔ پھر سب کے کانوں [illegible] بات کہہ [illegible] دوسرے دن سے وہ پہلے والی بات

دوستوں کے بیچ کشیدگی پیدا ہوگئی۔ اب وہ ساتھ رہنے پر بھی ساتھ نہیں تھے۔ اب چاروں الگ الگ سمت چرنے جانے لگے۔ شیر ان کی نگرانی کرتا تھا اور موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ ایک دن اس نے موقع پاکر ایک پر چھلانگ لگادی۔ دوسرے اس کی حالت کو دور کھڑے دیکھتے رہے۔ مگر مدد کو کوئی نہیں آیا۔ دوسرے ہفتے شیر نے دوسرے بیل پر چھلانگ لگائی بالکل پہلے کی طرح آج بھی دونوں اس منظر کو دیکھتے رہے۔ تیسرے ہفتے اس نے تیسرے بیل پر چھلانگ لگائی۔ اور اسے بھی ختم کر دیا۔ پھر آخر میں اس نے آخری بیل کو ختم کر دیا اور اپنی خوراک میں شامل کر لیا۔

جب تک وہ ایک ساتھ تھے، ان میں طاقت تھی اور وہ اپنے آپ کو حفاظت میں رکھتے تھے۔ لیکن شیر کے بھکاتے ہی ان میں نا اتفاقی ہوگئی تھی۔ جس کا انجام ان کو ملا۔ کیونکہ ایک کمزور کبھی بھی طاقت ور کا مقابلہ اکیلا نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کسی کام کو مل جل کر کیا جائے تو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ نا اتفاقی ہمیشہ نقصان پہنچاتی ہے۔

جاوید احمد خاں سوم

علی امام حسن امام، عالم گنج، پٹنہ۔ ۷

فارم IV حسب قاعدہ

بابت "پیام تعلیم" نئی دہلی ۲۵

۱۔ مقام اشاعت: جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۲۔ وقفہ اشاعت: ماہنامہ

۳۔ پرنٹر کا نام: سید احمد ولی ہندستانی پتا: جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

۴۔ پبلشر کا نام: " " " " " "

۵۔ اڈیٹر کا نام: " " " " " " "

مالکان کے نام اور پتے: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

چیرمین: پروفیسر محمد مجیب: جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔

ڈائرکٹر: کرنل بشیر حسین زیدی: جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۲۔ ڈائرکٹر: نواب اقبال محمد خاں۔ کف پریڈ کولابہ بمبئی ۵

۳۔ " سید مجتبیٰ حسین زیدی جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۴۔ " ضیاء الحسن فاروقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۵۔ " مالک رام، بلوبجبر، سی ۴/۵۰ ڈیفنس کالونی، نئی دہلی ۲۴

۶۔ " انور جمال قدوائی وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۵

کمپنی کے سرمایے کے ایک فیصد سے زیادہ کے حصے دار جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ اسلامی جیم خانہ کینیڈی سی فیس بمبئی ۷

میں سید احمد ولی تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا اطلاعات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔ دستخط:

سید احمد ولی

۲۸ر فروری ۱۹۸۵ء

پیامی ادبی معمّاٰ ۱۲ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱۔ نیلم، دم کٹا سانپ ص۲۴ ۲۔ کان پور۔ تین سال۔ دادا نہرو ص۱۵ ۳۔ ننگی۔ پوچھا۔ اس نے کیا کرنا جانا ص۳۵ ۴۔ تلاوت۔ بھوتوں کا جہاز ص۴۲ ۵۔ تل۔ دادا نہرو ص۶۸ ۶۔ درخت۔ بہادر ص۳۱ ۷۔ مسکرا۔ سیرانیس ص۵۳ ۸۔ خطرناک۔ شیرخاں ص۲۴ ۹۔ دو۔ جہادت کا آدم خود شیر ص۲۸

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۱۵ خوش نصیب

فی کس ۶/۷۰ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ عقیلہ نسرین ۱۶/۱۸۲-۲-۱۹ رحمت پورہ۔ حیدرآباد۔
۲۔ محمد کریم اللہ شریف ۳۔ محمد رحیم اللہ شریف ۴۔ محمد خلیل اللہ شریف ۵۔ محمد علیم اللہ شریف (ان سب کا پتا وہی ہے جو عقیلہ نسرین صاحبہ کا ہے)
۶۔ جی ایس انصاری۔ اطفال بکڈپو۔ ۱۴۴ محمد علی روڈ مالیگاؤں ۴۲۳۲۰۳
۷۔ ایم ایس انصاری ۸۔ این ایس انصاری (ان کا پتا وہی ہے جو جی ایس انصاری کا ہے)
۹۔ ارشد عرف گڈو مکان نمبر ۱۳۵۰ پہاڑی املی۔ جامع مسجد دہلی ۶
۱۰۔ شائستہ خلیل ۱۱۔ سیدہ عشرت فاطمہ (ان سب کا پتا وہی ہے جو ارشد کا ہے)
۱۲۔ مسعود سعد سلمان۔ مدرسہ اسلامیہ۔ رفیع گنج۔ اورنگ آباد (بہار)
۱۳۔ نصیب النسا گورنمنٹ اردو لوئر پرائمری اسکول۔ بیڈ رپیٹ۔ آنیکل ۵۶۲۱۰۶
۱۴۔ سعید احمد رضوان گورنمنٹ اردو لوئر پرائمری اسکول۔ آنیکل ۵۶۲۱۰۶
۱۵۔ نوید احمد عمران۔ گورنمنٹ اردو لوئر پرائمری اسکول۔ آنیکل ۵۶۲۱۰۶

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب

فی کس ۵ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ حبیب الرحمٰن۔ بمبئی ۲۔ سعید احمد جاوید۔ اورنگ آباد ۳۔ عاصمہ خاتون دہلی ۶ ۴۔ خلیق احمد۔ نئی دہلی ۵۔ رعنا خلیل۔ دہلی ۶ ۶۔ این اے انصاری، مالیگاؤں ۷۔ نظام الدین، بمبئی ۸۔ ایف ڈی انصاری مالیگاؤں ۹۔ ایچ کے انصاری، مالیگاؤں۔ ۱۰۔ فیض الحق کرنانک۔

اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں

پیامی ادبی معمّا نمبر ۱۵ کا صحیح جواب

ذیل کی کتابوں میں ھی ملے گا

کتاب	مصنف	قیمت
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	زہرہ مشیر	[illegible]
ننھا جھبرو	ریحان احمد عباسی	[illegible]
پلک نہ پارو	یوسف ناظم	[illegible]
مرغی کی چار ٹانگیں	"	[illegible]
ننھا فرشتہ	فہمیدہ عتیق	[illegible]
رنگوں کی بستی	ہیل انور	[illegible]
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	یوسف ناظم	[illegible]
نبیوں کے قصے	خواجہ عبدالحی فاروقی	[illegible]
ایک کھلا راز	مسعود احمد برکاتی	[illegible]
چڑیاں	سلطانہ آصف فیضی	[illegible]
رسول پاک	عبدالواحد سندھی	[illegible]
سندر چنار	بیگم صالحہ عابد حسین	/۵۰
پہاڑ کی چوٹی پر	مرزا ادیب	[illegible]
دس جنتی	الیاس احمد مجیبی	/۵۰
دادا نہرو	منوّر لکھنوی	[illegible]
آں حضرت	الیاس احمد مجیبی	۳/۰۰
سرکار کا دربار	"	/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	عبدالغفار مدھولی	۳/۰۰
دنیا کے جانور	قدسیہ زیدی	۲/۵۰
ہمارا دین (اوّل تا سوم)	شہاب الدین دسنوی۔ فی حصہ	/۰۰
اس نے کیا کرنا جانا	آصفہ مجیب	/۲۰

کتابیں حاصل کرنے کے پتے:
۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
۲۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶
۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
۴۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 15

150 روپے کے نقد انعامات

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۵ر اپریل ۶۸۵

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ **دوسرا انعام:** ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1۔ اونچی فضا میں ہوا کا ــــــ کم ہوتا ہے۔ (دباؤ/زور)
2۔ یہ ــــــ کا خاص ریچھ ہے۔ اس کو پینڈا کہتے ہیں۔ (امریکا/روس/چین)
3۔ ہوا یہ تھا کہ ــــــ اُس کے ہونٹوں پر چمٹ گئی تھی۔ (دیمک/چیونٹی)
4۔ اس ــــــ سارا باغ پرندوں کے چہچہوں سے گونج اُٹھتا تھا۔ (وقت/سمے)
5۔ یہ قلعہ کوئی ــــــ سال میں یعنی ۱۶۴۸ء میں بن کر تیار ہوا۔ (بیس/پندرہ/دس)
6۔ ادریس چاجان کا کہنا ہے کہ ممتاز بہترین ــــــ بولتا ہے۔ (زبان/محاورے)
7۔ وہ ایک دن مکہ کے سرداروں سے کہنے لگا " ــــــ !" (دوستو/یارو)
8۔ یہودی جتنا ــــــ ہوتا گیا آں حضرتؐ اتنے ہی نرم پڑتے گئے۔ (غصہ/سخت)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۳۵ کی کتابوں میں ہی ملے گا۔

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا کوپن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمّے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابل قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

(اپنے حل اِس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 15 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

پیامی ادبی معمّا کا کوپن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

بچوں کی کتابیں
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دلچسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔
یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت: ۲/۲۵
گاندھی بابا کی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت: ۴/۰۰
اردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت: ۷/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دلچسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت: ۴/۰۰
کھیل سنسار
سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔
قیمت: ۴/۵۰
تین اناڑی
عصمت چغتائی
گلو، بلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔
قیمت ۳/=
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبد الرحمن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی۔ لیکن اب تو اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۲/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔
قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمّا
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں۔
نام
پتا

Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 March 1985
Payam-I-Taleem
NEW DELHI-110025

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دہلی ۲

ماہنامہ
پیام تعلیم
نئی دہلی

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

اپریل ۱۹۸۵ء . جلد ۲۲ شمارہ [illegible]

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

مارچ کے شمارے کے لیے آپ کو معمول سے زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ تھوڑی سی تاخیر کی وجہ تو ہم نے بتا دی تھی۔ مگر اتنے طویل توقف کا باعث ڈاک کا محکمہ ہے جس نے ابھی تک رسالہ کے رجسٹریشن نمبر کی تجدید میں ۲۱ سال سے دیے ہوئے رجسٹرڈ نمبر میں اڑنگے ڈال دیے تھے۔ ابھی تک معاملہ پوری طرح سلجھ نہیں پایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپریل کا یہ شمارہ بھی وقت پر آپ تک نہ پہنچ سکے۔ ہماری طرف سے روزانہ دفتر کے چکر لگائے جا رہے ہیں۔

اگر یہ شمارہ وقت پر آپ کو مل جائے تو آپ کی ساری کوفت دور ہو جائے گی یہ دیکھ کر کہ ڈاکٹر زینت رشید آپ کے لیے بڑا دلچسپ اور معلوماتی مضمون لے کر پہلی مرتبہ بزمِ پیامِ تعلیم میں شریک ہوئی ہیں۔ ہم اپنی اور آپ کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ رشتہ ٹوٹے گا نہیں۔

اسی طرح اسد علی صاحب چاندپوری کی "پتنگ کی کہانی" بھی خاصی معلوماتی ہونے کے ساتھ دلچسپ بھی ہے اور احمد جمال پاشا صاحب کا "چالاک زمیندار اور چالاک ترین مزدور"۔ شمشاد ادیب صاحب کی "شہزادی نرگس"، اور رحمان حمیدی کی کہانی "شرافت کا انعام" بھی آپ کو پسند آئیں گی۔ ان کے علاوہ بیتال پچیسی کی کہانی "امر پھل" بھی دلچسپ کہانی ہے۔

نظموں میں عطاء الرحمٰن طارق اور مہ لقا ملکہ صاحبہ کی نظمیں بھی خوب ہیں۔

اکثر پیامی ایک ہی کاغذ پر گدگدیاں، قلمی دوستی اور آدھی ملاقات وغیرہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایک چیز تو شائع ہو جاتی ہے باقی ضائع ہو جاتی ہیں۔ انھیں چاہیے کہ لفافے میں الگ الگ کاغذ پر لکھا کریں۔

اس شمارے کے متعلق آپ اپنی رائے ضرور لکھیے لیکن سالانہ امتحان کے بعد۔ ابھی تو آپ جی لگا کر اس کی تیاری کیجیے۔ خدا آپ کو کامیاب کرے۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

آپ کے البم کے لیے

اُردو کے ممتاز شاعر

ڈاکٹر بشیر بدر

20.11.1984. AKOLA.

مصور شکیل اعجاز - اکولہ

عطاء الرحمٰن طارق

ممتحن ایک نظر!

ممتحن ایک نظر۔ ایک نظر۔ ایک نظر!
آپ چاہیں تو مرے بخت سنور جائیں گے
فیل ہو جائیں تو بے موت ہی مر جائیں گے
آپ کے پاس نہ جائیں تو کدھر جائیں گے
ممتحن ایک نظر۔ ایک نظر۔ ایک نظر!

مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں میں نہ صفر ہو جاؤں
کام بن جائے مرا پاس اگر ہو جاؤں
ممّی ڈیڈی کا بھی منظورِ نظر ہو جاؤں
ممتحن ایک نظر۔ ایک نظر۔ ایک نظر!

مجھ پہ یہ وقت مصیبت کا نہ آیا ہوتا
دل اگر میں نے کتابوں میں لگایا ہوتا
وقت کو یوں ہی نہ افسوس، گنوایا ہوتا
ممتحن ایک نظر۔ ایک نظر۔ ایک نظر!
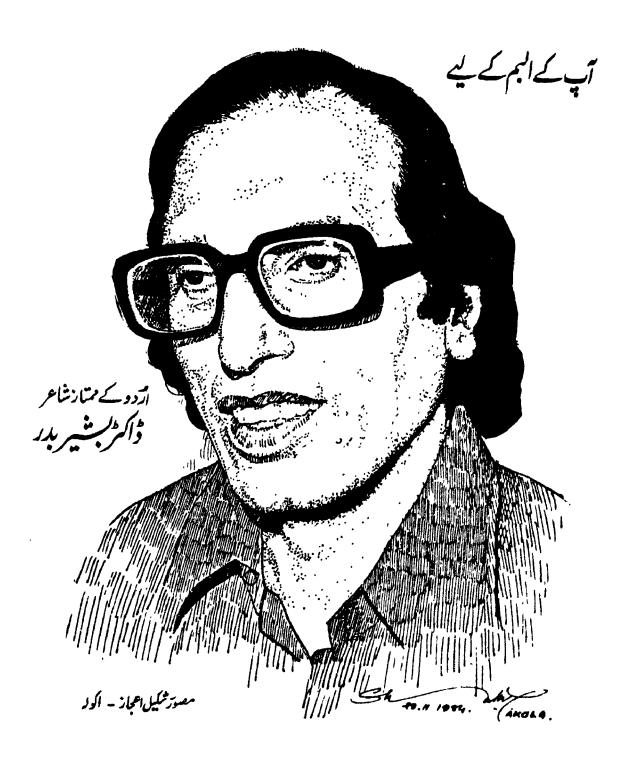
آپ کے لطف و عنایت کی ہے اک آس مجھے
اپنی غلطی کا بھی شدّت سے ہے احساس مجھے
ہوگا احسان بڑا، کردیں اگر پاس مجھے
ممتحن ایک نظر۔ ایک نظر۔ ایک نظر!

آپ کو پھر نہ کبھی مجھ سے شکایت ہوگی
پڑھنے لکھنے سے کبھی مجھ کو نہ نفرت ہوگی
اس طرح کی کبھی آیندہ نہ خفّت ہوگی
ممتحن ایک نظر۔ ایک نظر۔ ایک نظر!

۱۴۹۰ ۔ فاطمہ بائی بنگلہ۔ کے کے روڈ جیکب سرکل بمبئی ۴۰۰۰۱۱

بچوں کے لیے نئی اور دلچسپ کتابیں

دہلی کی چند تاریخی عمارتیں
ننھا مجھرو
مرغی کی چار ٹانگیں
پلک نہارو
ایک کھلاڑی
بابا تا صبح
بچوں کے افسر
پہاڑ کی چوٹی پر
رنگوں کی بستی
سرخ جوتے
سلامہ و صمصامہ
شرارت
صحت کے ۹۹ نکتے
صحت کی الف بے
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں
جدید پہیلیاں
مچھیرا اور اس کی بیوی
ننھا فرشتہ
نیلا ہیرا
آؤ ڈراما کریں
اس نے کیا کر دکھانا
خرگوش کی چال
بھوتوں کا جہاز
بھیرو قابل
خرگوش کا سپنا
موہن کا محل
محمد شفیع الدین نیر

۴/۰۰ بار کی تلاش
۲/۵۰ بچوں کی کہانیاں
۳/۰۰ بندر اور نائی
۴/۰۰ بی مینڈکی اور کوا
۲/۰۰ تاک دنا دن تا کے سے
۲/۰۰ پانچ بونے
۵/۰۰ پھر میں چگوں کیا خاک
۵/۰۰ پکڑا دم کبڑے کو
۳/۵۰ پان کھا کر طبلہ بجا کر ...
۳/۰۰ جادو کا گھر
۴/۵۰ چیونٹی رانی
۲/۰۰ ردی کس نے پکائی
۱/۵۰ لال مرغی
۳/۰۰ لومڑی کا گھر
۲/۰۰ مدو رانا پردیس چلے
۴/۰۰ ہپو جپو
۲/۵۰ بھیڑیے کے بچے
۴/۵۰ شیر خاں
۴/۵۰ لومڑی کے بچے
۲/۰۰ میاں ڈھینچوں کے بچے
۱/۲۰ ہرن کے بچے
۲/۵۰ بہادر
۶/۰۰ ایک کچوری تیل میں
۳/۰۰ تانبیل خاں
۵/۰۰ تین اناڑی
۴/۰۰ پہیلیاں
۷/۵۰ چھوٹا لڑکا

جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ ۲/۵۰
چوری کی عادت ۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر ۱/۵۰
چنبیلی ۱/۲۰
۴/۰۰ چٹانوں کی کہانی ۲/۵۰
۱/۵۰ بچوں کے اقبال (نظمیں) ۴/۵۰
۲/۵۰ دھنک (") ۳/۰۰
۱/۵۰ کھیل سنسار (") ۴/۵۰
۱/۵۰ شہزادہ اور ٹھگ ۲/۰۰
۱/۵۰ سندر چنار ۱/۵۰
۱/۵۰ گلابو چوہیا اور غبارے ۱/۵۰
۱/۵۰ گلابو چوہیا اور پری زاد ۲/۰۰
۱/۵۰ مکھی نگر کا راجا ۱/۲۵
۱/۵۰ میرا نیس ۲/۰۰
۱/۵۰ دادا نہرو ۵/۰۰
۱/۵۰ جلو مرغابی ۲/۰۰
۱/۵۰ خربوزے شہزادے کا سر بن گیا ۱/۵۰
۱/۵۰ دم کٹا سانپ ۱/۰۰
۱/۵۰ ریڈیو فیچر ۲/۲۵
۱/۵۰ سرکس ۱/۵۰
۱/۵۰ گاندھی بابا کی کہانی ۴/۰۰
۱/۵۰ ایک طالب علم کی کہانی ۲/۰۰
۱/۵۰ تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم) ۱/۵۰
۱/۵۰ تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم) ۱/۲۵
۱/۵۰ سماجی زندگی (سوم) ۱/۴۰
۲/۵۰ کہاوت اور کہانیاں ۶/۰۰
۱/۵۰ ہمارے محاورے ۴/۵
۱/۵۰ انوکھا عجائب خانہ (اول) ۰/۵۰
۳/۰۰ انوکھا عجائب خانہ (دوم) ۴۰..
۰/۸۰ انوکھا عجائب خانہ (چہارم) ۰/۵۰
۱/۵۰ مفید معلومات ۱/۵۰

ڈاکٹر زینت رشید

تارے کیوں چمکتے ہیں؟

بچو! تم نے بہت بار آسمان کو غور سے دیکھا ہوگا۔ دن میں یا رات میں آسمان پر محض نگاہ ڈالنے ہی سے بہت سی چیزیں اور آسمان میں ہونے والے بہت سے تغیرات نظر آسکتے ہیں۔ دن کے وقت ہم آسمان پر سورج اور رات میں ستارے اور سیارے دیکھ سکتے ہیں اور اگر کسی رات میں آسمان پر بادل اور دھول وغیرہ نہ ہو اور آسمان صاف وشفاف ہو تو کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ بغیر دوربین کی مدد کے ہم ۶۰۰۰ ستارے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ ان میں بہت زیادہ چمکنے والے ستارے بھی ہوتے ہیں اور بہت مدھم روشنی کے ستارے بھی لیکن کبھی تم لوگوں نے سوچا کہ ستارے اور چاند رات میں ہمیں اتنے صاف کیوں نظر آتے ہیں اور دن میں یہ سب ستارے آسمان پر سے کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ دراصل رات کے وقت جب سورج ڈوب جاتا ہے اور ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے تب ہم کو ستارے آسمان پر چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ ستارے چمکتے تو دن میں بھی ہیں لیکن سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے یہ دن کے وقت ہم کو نظر نہیں آتے۔ یہاں ہم ایک چھوٹی سی مثال دیتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ رات کے وقت سڑکوں اور گھروں کو روشن رکھنے کے لیے بلب جلائے جاتے ہیں لیکن جب سورج نکل آیا ہو تو کبھی کبھی پول پر جلنے والے بلب کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ پول پر جلنے والے بلب کی روشنی سورج کی روشنی کے مقابلے میں اتنی مدھم ہوتی ہے کہ وہ روشنی ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر پاتی۔ اچھا اب ایک بات بتاؤ سورج کیا ہے؟ مطلب یہ کہ یہ کوئی ستارہ ہے یا سیارہ کچھ بچوں کو تو ضرور معلوم ہوگا اور جن کو نہیں معلوم انھیں ہم بتاتے ہیں کہ سورج بھی ایک ستارہ ہے۔ لیکن چاند ستارہ نہیں ہے اس لیے کہ چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہوتی۔ یہ سورج کی روشنی سے چمکتا ہے اور یہی فرق ہے ستارے اور سیارے میں کہ ستارے خود اپنی روشنی سے چمکتے ہیں جب کہ سیارے سورج کی روشنی سے چمکتے ہیں۔ آسمان پر اتنے زیادہ ستارے ہیں کہ جن کی صحیح گنتی اب تک نہیں معلوم ہو سکی ہے۔ یہ سب ستارے ایک دوسرے سے جسامت اور تابانی یا روشنی میں مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ ستارے تو اتنے بڑے ہوتے ہیں جتنا بڑا آدھا نظام شمسی اور کچھ ستارے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں جیسے مشتری یا زمین۔ اچھا بچو! یہ بتانے سے پہلے کہ ستارے کیوں چمکتے ہیں تم کو ایک بات اور بتا دیں۔ وہ یہ کہ ستاروں کی روشنی مختلف رنگوں کی ہوتی ہے۔ مثلاً کچھ ستارے سرخ رنگ کی روشنی نکالتے ہیں، کچھ پیلی تو کچھ نارنجی اور کچھ ستاروں کی روشنی سفید اور نیلے رنگ کی بھی ہوتی ہے۔ جو ستارے بہت زیادہ بڑے ہوتے ہیں وہ سرخ رنگ کی روشنی نکالتے ہیں اور جو ستارے بہت زیادہ چھوٹے ہوتے ہیں وہ سفید، نیلی اور اودے رنگ کی روشنی پھینکتے ہیں۔ سورج سے زیادہ چمکنے والے

۲۴ پٹودی ہاؤس کیننگ روڈ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

ستارے بھی آسمان پر ہیں لیکن صرف سورج ہی ایسا ستارہ ہے جس کی روشنی سے پوری دنیا میں اُجالا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ستاروں کی روشنی جو ہم کو نظر آتی ہے اس کا براہِ راست تعلق اس فاصلے سے ہے جو چمکنے والے ستاروں اور ہم لوگوں کے درمیان ہے اس لیے اگر سب ستارے بالکل ایک ہی قسم کے ہوں اور چمک بھی برابر ہو تب بھی ہم کو ان کی روشنی میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔ کیوں کہ مختلف ستارے ہم سے مختلف دوریوں پر ہیں۔

ستاروں میں چمک یا روشنی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس میں موجود ہائیڈروجن گیس، ہیلیم (HELIUM) نام کے ایک دوسرے مادّے میں تبدیل ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی بالکل اس قسم کی ہوتی ہے جیسے ہائیڈروجن بم کے پھٹنے سے ایٹمی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ یا پھر دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہائیڈروجن گیس کے جلنے کی وجہ سے ستاروں کے مرکزی حصّے کا درجۂ حرارت بہت زیادہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ لاکھوں ڈگری فیرن ہائیٹ تک پہنچ جاتا ہے جس کی وجہ سے توانائی کی ایک بہت بڑی مقدار پیدا ہوتی ہے اور یہ توانائی جب فضا میں خارج ہوتی ہے تو ہم کو چمک یا روشنی کی شکل میں نظر آتی ہے۔ ستاروں سے روشنی کی شکل میں جو توانائی خارج ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ستاروں کی باہری سطح کا درجۂ حرارت ساڑھے پانچ ہزار ڈگری فیرن ہائیٹ اور مرکزی حصّے کا درجۂ حرارت پچپن (۵۵) ہزار ڈگری فیرن ہائیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ اندازاً ایک پاؤنڈ ہائیڈروجن کے جلنے سے ہیلیم بننے کے بعد جو توانائی خارج ہوتی ہے اس کی مقدار دس ہزار ٹن کوئلے کے جلنے سے پیدا ہونے والی توانائی کے برابر ہوتی ہے۔

فضا میں پائی جانے والی دھول اور مختلف گیسوں کی وجہ سے ستاروں کی چمک اور رنگ پر کافی اثر پڑتا ہے اور ہم ستاروں کی اصلی چمک نہیں دیکھ پاتے۔ بہت چھوٹے اور زیادہ فاصلے پر واقع ستارے اکثر فضا میں موجود ان رکاوٹوں کی وجہ سے ہمیں نظر ہی نہیں آتے۔ اس کے علاوہ ستاروں کے جھلملانے کی وجہ بھی فضا میں موجود پانی اور دھول کے ذرات ہیں۔ لیکن اگر ستاروں کا مشاہدہ چاند یا دوسرے سیاروں سے کیا جائے تو ہمیں ستارے نہ صرف یہ کہ زیادہ صاف و شفاف نظر آئیں گے بلکہ ان کی جھلملاہٹ بھی ختم ہو جائے گی۔

ماہرین نجوم نے ستاروں کی روشنی کو میگنی ٹیوڈ MAGNITUDE کا نام دیا ہے۔ میگنی ٹیوڈ کے پیمانے پر ایک میگنی ٹیوڈ کا ستارہ سب سے زیادہ روشن سمجھا جاتا ہے جب کہ دو میگنی ٹیوڈ کے ستارے کی روشنی نسبتاً کم مانی جاتی ہے اس طرح جیسے جیسے میگنی ٹیوڈ کا نمبر بڑھتا ہے نسبتاً کم روشنی کے ستارے آتے جاتے ہیں۔ آج کل ایسے TELESCOPE ایجاد ہو چکے ہیں جن سے ۲۳ میگنی ٹیوڈ تک کے ستاروں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ان ستاروں کی روشنی بے حد مدھم ہوتی ہے۔ نیلے رنگ کی روشنی پھینکنے والے ستارے کا میگنی ٹیوڈ سب سے کم ہوتا ہے۔ جب کہ نیلی روشنی کے ستارے سب سے زیادہ تیز چمکنے والے ستارے ہوتے ہیں۔ ان ستاروں کا درجۂ حرارت بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ لال روشنی پھینکنے والے ستارے بہت مدھم ہوتے ہیں اور ان کا درجۂ حرارت بھی بہت کم ہوتا ہے۔

کہکشاں ننھے ننھے کروڑوں ستاروں کی ایک چمکدار پٹی ہے، برسات کے موسم میں اگر آسمان کھلا ہو تو کہکشاں بے حد صاف و شفاف اور چمکدار نظر آتی ہے۔ آسمان میں چمکنے والے کچھ ستارے ہمیشہ گچھوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ یہ خاص قسم کے گچھے آسمان میں ہمیشہ ایک ساتھ حرکت کرتے رہتے ہیں، نتیجے کے طور پر حرکت کرنے کی صورت میں بھی ان کا نقشا نہیں بگڑتا۔ اسی طرح کے سات ستاروں کا گچھا کھٹولا یا بنات النعش کے نام سے جانا جاتا ہے

کبھی کبھی زمین کی کشش کے سبب سے کچھ ستارے دنیا کی طرف کھنچنے لگتے ہیں اور ہوا کی مزاحمت یا رگڑ سے اتنی گرمی پیدا ہوتی ہے کہ تارا پگھل کر گیس بن جاتا ہے اور بہت زیادہ درجۂ حرارت کی وجہ سے حرارتی توانائی روشنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سارے عمل کا مشاہدہ کرنے سے جو چیز ہمیں نظر آتی ہے اسے ہم ٹوٹا ہوا تارہ کہتے ہیں۔

قطب تارا ایک ایسا ستارہ ہے جو ہمیشہ اپنی جگہ پر

قائم رہتا ہے۔ دوسرے تاروں کے مقابلے میں اس تارے کی روشنی ہمیں زیادہ تیز نظر آتی ہے۔ اس تارے کے آس پاس والے بہت سے ستارے اپنی جگہ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تارا ہمیشہ سے ایک ہی جگہ چمکتا رہتا ہے۔

دم دار تارے بے نور یا بغیر روشنی کے ہوتے ہیں ان کی دُم جو ہم کو نظر آتی ہے وہ ان تاروں کے نزدیک پائی جانے والی دھول ہوتی ہے جو سورج کی روشنی کی وجہ سے چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

جاگو جگاؤ

سفر کرو	سُبک ساری کے ساتھ
عمل کرو	بے خوفی کے ساتھ
بحث کرو	دلیل کے ساتھ
کھاؤ	اعتدال کے ساتھ
نہاؤ	پابندی کے ساتھ
سانس لو	روانی کے ساتھ
آرام کرو	وقفوں کے ساتھ
جیو	حوصلے کے ساتھ
خرچ کرو	سمجھ کے ساتھ
سوچو	جذبۂ تعمیر کے ساتھ
پیو	آہستگی کے ساتھ
ورزش کرو	باقاعدگی کے ساتھ
کام کرو	خوش اسلوبی کے ساتھ
کھیلو	فرصت کے ساتھ
ہنسو	متانت کے ساتھ
چلو	اعتماد کے ساتھ
پڑھو	انتخاب کے ساتھ

شکریہ ہمدرد آٹوگراف بک کراچی

شاعرِ مشرق علامہ اقبال، زندگی کے آئینے میں

واقعات وکوائف	مقام	تاریخ
ولادت	سیالکوٹ	۹ر نومبر ۱۸۷۷ء مطابق [illegible]
مڈل پاس کیا	سیالکوٹ	۱۸۹۱ء
میٹرک پاس کیا	سیالکوٹ	۱۸۹۳ء
انٹرمیڈیٹ	سیالکوٹ اسکاچ مشن کالج	۱۸۹۵ء
بی اے	لاہور۔ گورنمنٹ کالج	۱۸۹۷ء
ایم اے	لاہور۔ گورنمنٹ کالج	۱۸۹۹ء
عرصۂ قیام	لاہور۔ بھاٹی دروازہ	۱۹۰۰ء تا [illegible]۰۵
اعلا تعلیم کے لیے انگلستان روانگی	انگلستان	۱۹۰۵ء
بار ایٹ لار	لندن	۱۹۰۸ء
پی۔ ایچ۔ ڈی	میونخ یونی ورسٹی، جرمنی	۱۹۰۸ء
وطن واپسی	لاہور	۱۹۰۸ء
بیرسٹری کا آغاز	لاہور	اکتوبر ۱۹۰۸ء
فلسفہ کے پروفیسر	گورنمنٹ کالج لاہور	۱۹۱۱ء
عرصۂ قیام	انارکلی لاہور	اکتوبر ۱۹۰۸ء تا [illegible]
عرصۂ قیام	میکلوڈ روڈ لاہور	[illegible] ۱۹۲۲
سر کا خطاب ملا	لاہور	جنوری ۱۹۲۳ء
پنجاب لجسلیٹو کونسل کے الیکشن میں کامیابی	لاہور	دسمبر ۱۹۲۶ء
عرصۂ رکنیت	لاہور	۱۹۲۶ء تا [illegible]
اسلامیات پر خطبات	مدراس	۱۹۲۸ء
سفر حیدر آباد دکن	حیدر آباد دکن	جنوری ۱۹۲۹ء
آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ الٰہ آباد کا تاریخی خطبۂ صدارت	الٰہ آباد	۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء
دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت	لندن	۷ر ستمبر تا یکم دسمبر [illegible]
تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت	لندن	۱۷ر نومبر تا ۲۴ر دسمبر [illegible]
سفر روم اور اسپین	روم، اسپین	۱۹۳۳ء
افغانستان کا سفر	افغانستان۔ کابل	اکتوبر ۱۹۳۳ء
علاج کے لیے بھوپال کا سفر اور سر راس مسعود کے ہاں قیام	بھوپال	[illegible] ۱۹۳۵
عرصۂ قیام	جاوید منزل لاہور	[illegible] ۱۹۳۵
وفات	لاہور	۲۱ر اپریل [illegible]

احمد جمال پاشا

چالاک زمیندار، چالاک ترین مزدور

کسی زمانے میں چین میں ایک زمیندار رہتا تھا جس کا نام چاؤ تھا۔ وہ اتنا کنجوس تھا کہ "پوپی" یعنی جونک کے نام سے مشہور ہو گیا۔ مزدور اس کے نام سے بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ اسے کھیت جوتنے کے لیے کوئی آدمی نہیں ملا۔

ایک دن پوپی نے ترکیب سوچی، اس نے گانو میں ہر جگہ اشتہار چسپاں کر دیا کہ جو بھی اس کے لیے کام کرے گا اس کو دوگنی مزدوری دی جائے گی۔

اس کے پڑوس میں ایک غریب مگر ایماندار آدمی رہتا تھا۔ جس کا نام تاہو تھا۔ وہ اس کے باوجود چاؤ کے کھیتوں میں کام کرنے گیا کہ اس کے بھائی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ زمیندار بھروسے کے قابل نہیں ہے۔

پوپی تاہو کو دوگنی مزدوری دینے پر تیار ہو گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ شرط بھی لگا دی کہ جب تاہو کو کوئی کام کرنے کے لیے دیا جائے گا اور وہ اسے نہ کر سکے گا تو اس کی مزدوری میں سے چاندی کے دس سکے کاٹ لیے جائیں گے۔

تاہو کھیتی کسانی میں بے حد ماہر تھا۔ اس لیے اس نے زمیندار کی یہ شرط مان لی۔

تاہو کی محنت سے چھ ماہ بعد چاؤ کے کھیت میں بہت زیادہ غلہ پیدا ہوا۔ وقت قریب آ گیا جب کہ تاہو اپنی مزدوری مانگتا۔ ایک دن زمیندار تاہو کو ایک کمرے میں لے گیا جہاں شیشے کے برتن رکھے ہوئے تھے یہاں اس نے ایک بہت بڑے برتن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تاہو اس کو سب سے چھوٹے برتن میں رکھ دے۔"

تاہو یہ کام نہ کر سکا۔ اس طرح اس کی مزدوری میں سے چاندی کے دس سکے کٹ گئے۔

دوسرے دن اس نے تاہو سے کہا کہ وہ غلے کے لیے گودام کا فرش دھوپ کے ذریعے سکھا دے۔ یہ بھی تاہو کے لیے ناممکن تھا۔ اس طرح وہ مزید چاندی کے دس سکوں سے محروم ہو گیا۔

آخر میں جس صبح تاہو کو جانا تھا۔ اس کے آقا نے ایک اور ناممکن کام اس سے کرنے کے لیے کہا۔ اس نے تاہو سے پوچھا "اس (چاؤ) کے سر کا وزن کتنا ہے؟" تاہو کے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی بقیہ مزدوری سے بھی محروم ہو گیا۔ اور خالی ہاتھ اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس نے اپنے بھائی ارہو کو بتایا کہ چاؤ نے اس کے ساتھ کتنی خراب چال چلی۔

جیسے ہی نئی فصل کے موقع پر گانو میں پھر زمیندار کے پوسٹر چسپاں نظر آئے۔ ارہو نے ان کے لیے درخواست دے دی کیوں کہ اس نے زمیندار کو سبق پڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے وہ شرط منظور کر لی جو اس کے بھائی کے سامنے بھی زمیندار نے رکھی تھی۔

جب موسم بہار میں فصل تیار ہو گئی تو چاؤ نے ارہو

نقاش: افزا اسیوان (بہار)

کو اس کمرے میں لے جا کر جس میں شیشے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ اس سے کہا "بڑے برتن کو چھوٹے برتن میں رکھ دو۔" ارہو نے جلدی سے بڑے برتن کو اٹھا کر زمین پر دے مارا برتن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس نے ان ٹکڑوں کو چھوٹے برتن میں رکھ دیا۔

زمیندار سمجھ گیا کہ وہ اس معاملے میں ارہو کو چکما نہ دے سکے گا پھر اسے اناج کے گودام میں لے گیا۔ اور اس سے کہا کہ اس کا فرش دھوپ سے سکھا دے۔ دوسری صبح اسے یہ دیکھ کر سخت صدمہ پہنچا کہ ارہو اناج کے گودام کی چھت کو کھود کر ایک بہت بڑا سوراخ بنا رہا ہے۔ جلدی سے اس نے ارہو سے کہا کہ وہ رک جائے کیونکہ وہ سوراخ گودام کی چھت میں ہونے کے بدلے بالکل ہی تباہ ہو جائے گا۔ اور سارا اناج یا تو سڑ جائے گا یا چڑیاں یا چوہے کھا جائیں گے............

زمیندار دوسری بار بھی بیوقوف بن گیا۔ جس دن ارہو کو واپس جانا تھا اس نے زمیندار سے مزدوری مانگی۔ زمیندار نے اس سے پوچھا:

"میرے سر کا کتنا وزن ہے؟"

ارہو نے کچھ بتا دیا۔ جسے زمیندار نے غلط قرار دیا۔ ارہو کمرے کے باہر چلا گیا اور ایک تلوار لے کر واپس آیا تاکہ وہ زمیندار کا سر کاٹ کر ترازو میں تول کر اس کا صحیح وزن بتا سکے۔

زمیندار کا ڈر کے مارے برا حال ہو گیا اور اس نے درخواست کی کہ وہ رک جائے۔ پھر اس نے جتنی مزدوری کا وعدہ کیا تھا وہ فوراً ادا کر دی جو عام مزدوری کی دوگنی تھی۔ پھر اس نے اپنے بھائی ناہو کی مزدوری بھی وصول کر لی اور ارہو جونک کو سبق پڑھا کر ہنسی خوشی اپنے گھر لوٹ آیا۔

فیض لدھیانوی

جسم بے زار ہے پسینے سے
روح اکتا گئی ہے جینے سے

پھر ڈھاتی ہے جون کی گرمی
خوف آتا ہے اس مہینے سے

پھر جگر کو جھلس دیا تو نے
پھر دھواں اٹھ رہا ہے سینے سے

بن کے سورج چمک دکھاتا ہے
ذرہ ذرہ عجب قرینے سے

ہم غریبوں کے واسطے یارب!
بھیج ٹھنڈی ہوا مدینے سے

فیض کو آج کل نہیں فرصت
رات دن شربتوں کے پینے سے
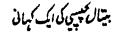
کسی زمانے میں ہندستان کے ایک شہر دھارانگر میں ایک راجا بکرم حکومت کرتا تھا۔ ایک دن اس راجا نے سوچا کہ اُس نے زندگی میں بہت سے ملکوں اور شہروں کے نام سُنے ہیں، لیکن انھیں دیکھا نہیں ہے۔ راجا بکرم کا دل چاہا کہ وہ دنیا کو گھوم پھر کر دیکھے۔ یہ سوچ کر راجا بکرم نے اپنے بھائی کو راجا بنا دیا اور خود تمام ملکوں کو دیکھنے کے لیے محل سے نکل گیا۔ بکرم کے بھائی کا نام بھرتری تھا۔ راجا بھرتری کو حکومت کرتے کچھ دن گزرے تو ایک دن ایک برہمن اس کے دربار میں آیا اور راجا کو ایک پھل دے کر کہا کہ جو کوئی اس پھل کو کھائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ اور جوان رہے گا۔ راجا بھرتری یہ پھل لے کر بہت خوش ہوا اور اس نے برہمن کو بہت سے روپے انعام میں دیے۔

برہمن کے جانے کے بعد جب دربار ختم ہوا تو راجا بھرتری اپنے محل میں گیا اور اپنی ایک رانی کو جسے وہ سب رانیوں سے زیادہ چاہتا تھا وہ پھل دے دیا۔ رانی نے اُس وقت تو وہ پھل راجا سے خوشی خوشی لے لیا، لیکن جب راجا کسی کام سے باہر چلا گیا تو رانی نے وہ پھل اپنے کوتوال کو دے دیا۔ کوتوال نے وہ پھل ایک اور عورت کو دے دیا۔ اس عورت نے سوچا کہ یہ پھل تو راجا کو کھانا چاہیے، کیوں کہ راجا بہت رحم دل ہے، ایسا پھل جس کے کھانے سے آدمی ہمیشہ زندہ رہے وہ پھل تو راجا کو ہی کھانا چاہیے۔ اگر وہ پھل میں کھاؤں گی تو کیا فائدہ ہوگا۔ میں تو ہمیشہ ہی غریب رہوں گی اور مفلسی کا شکار رہوں گی راجا کھائے گا تو ہم سب کا بھلا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ عورت اسے پھر راجا کے پاس لے آئی۔ راجا کو یہ پھل دیکھ کر بہت زیادہ حیرت ہوئی، اس نے کسی کو یہ بات نہیں بتائی، لیکن اُسے یہ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ رانی نے اس کا کہنا نہیں مانا اور خود پھل کھانے کے بجائے کسی اور کو دے دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ میری بیوی نے میرا دیا ہوا پھل نہ کھایا اور میری بات پر توجہ نہ دی۔ ایسی زندگی کا کیا فائدہ کہ بیوی تک کہنا نہ مانے۔ یہ سوچ کر راجا بھرتری کا دل دنیا سے اُچاٹ ہو گیا، اور ایک دن اچانک سادھو کا بھیس بنا کر محل سے نکل گیا۔

راجا بکرم کو جب یہ خبر ملی کہ راجا بھرتری نے حکومت چھوڑ دی ہے اور دھارانگر بغیر راجا کے رہ گیا تو وہ فوراً واپس ہوا تاکہ کسی بھی راجا کے نہ ہونے سے دھارانگر کے رہنے والوں کو کوئی پریشانی نہ ہو اور کوئی دشمن حملہ کر کے انھیں نقصان نہ پہنچائے۔ راجا بکرم جب واپس آ رہا تھا تو اس کو راستے میں ایک دیو ملا۔ اُس دیو نے راجا بکرم سے کہا کہ اگر تو سچ مچ راجا ہے تو پہلے مجھے لڑائی میں شکست دے۔ راجا بکرم تو راجا تھا ہی، وہ فوراً دیو سے لڑنے لگا اور اسے ہرا دیا۔ جب دیو زمین پر گرا تو اس نے راجا سے کہا:

"اے راجا! میری بات اچھی طرح سمجھ لے۔ کئی برس پہلے دنیا میں تین بچے ایک ہی وقت میں اور ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے۔ ایک بچہ راجا کے گھر پیدا ہوا تھا، وہ تم تھے۔ ایک بچہ

تیلی کے گھر پیدا ہوا تھا اور تیسرا بچہ ایک کمہار کے گھر پیدا ہوا تھا۔ جو بچہ کمہار کے گھر پیدا ہوا تھا اُس نے تیلی کے گھر پیدا ہونے والے بچے کو مار ڈالا۔ اب وہ تمھیں مارنے کی فکر میں ہے تاکہ تمھیں مار کر یہ حکومت حاصل کرلے۔ اس نے تیلی کو ایک بھوت بناکر ایک جگہ درخت پر اُلٹا لٹکا رکھا ہے۔ اگر تم اس کمہار کے بچے سے ہوشیار نہ رہے تو تمھاری حکومت ختم ہو جائے گی۔

راجا نے دیو کی یہ بات سن لی اور دھارا نگر آکر پھر حکومت کرنے لگا۔ ایک دن ایک سادھو اس کے دربار میں آیا اور اس نے راجا کو ایک پھل کھانے کے لیے دیا۔ راجا وہ پھل ہاتھ میں لے کر اُچھالنے لگا۔ اتفاق سے وہ پھل زمین پر گر کر ٹوٹ گیا اور اس میں سے ایک لعل نکل کر زمین پر لڑھک گیا۔ یہ دراصل لال رنگ کا ایک خوب صورت اور بڑا سا ہیرا تھا۔ راجا نے فقیر سے پوچھا:

"تم نے یہ قیمتی ہیرا مجھے کیوں دیا ہے؟"

سادھو نے جواب دیا، "میں ایک منتر پڑھنا چاہتا ہوں لیکن یہ منتر اُسی وقت پڑھ سکتا ہوں جب تم میرے پاس رہو۔ میں نے یہ قیمتی پتھر تمھیں اس لیے دیا ہے کہ راجاؤں کے سامنے درخواست پیش کرنے سے پہلے انھیں کوئی تحفہ دینا چاہیے تاکہ وہ خوش ہو کر درخواست قبول کرلیں۔"

سادھو کی بات سن کر راجا نے وعدہ کرلیا کہ جب وہ سادھو منتر پڑھے گا تو راجا اس کے پاس موجود رہے گا۔

کچھ دن بعد جب سادھو کے منتر پڑھنے کا وقت آیا، تو راجا بھی وعدے کے مطابق اس کے پاس پہنچ گیا۔ سادھو ایسی جگہ پر بیٹھا تھا جہاں ہندو اپنے مُردے جلاتے ہیں۔ اس جگہ کو مرگھٹ کہتے ہیں۔ راجا جب سادھو کے پاس پہنچا تو اس نے سادھو سے پوچھا، "تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟ اگر میرے لائق کوئی کام ہے تو بتاؤ۔"

سادھو نے کہا، "ہاں ایک کام ہے، تم یہاں سے جنوب کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ کافی دور تمھیں ایک اور مرگھٹ ملے گا، اس مرگھٹ میں ایک درخت پر ایک مردہ لٹکا ہوا ہے۔ اسے میرے پاس لے آؤ۔"

سادھو کے بتائے ہوئے پتے پر جب راجا پہنچا تو اس نے دیکھا کہ واقعی وہاں ایک مُردہ لٹکا ہوا ہے۔ راجا تلوار لے کر درخت پر چڑھا اور ایک وار سے وہ رسّی کاٹ دی جس سے مردہ بندھا ہوا تھا۔ مردہ جیسے ہی زمین پر گرا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ راجا درخت سے اُتر کر مُردے کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ یہ سنتے ہی مُردہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ اب تو راجا کو یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ وہی بھوت ہے جس کا ذکر ایک دیو نے کیا تھا اور دراصل یہ وہی تیلی ہے، جسے کمہار نے مار کر اور بھوت بنا کر درخت پر الٹا ٹانگ دیا تھا۔ اتنی دیر میں وہ مُردہ بھوت اُٹھ کر دوبارہ درخت پر لٹک گیا تھا۔ راجا دوبارہ درخت پر چڑھا اور مُردے کو اُتار کر اپنی چادر میں باندھ لیا۔ پھر یہ گٹھری کندھے پر رکھ کر سادھو کی طرف چل دیا۔

راستے میں مردہ بھوت نے جس کا نام بیتال تھا راجا سے پوچھا، "اے آدمی، تو کون ہے اور مجھے کہاں لے جا رہا ہے؟"

"میں راجا بکرم ہوں اور تجھے سادھو کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

بیتال نے کہا، "میں ایک شرط پر تمھارے ساتھ چل سکتا ہوں، وہ شرط یہ ہے کہ تو راستے میں بولے گا نہیں، اگر کچھ بولا تو میں وہیں سے واپس آجاؤں گا۔"

راجا نے یہ شرط مان لی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد بیتال نے کہا:

"عقل مند لوگ اپنے دن رات اچھی باتیں کرنے، علم حاصل کرنے اور اچھی باتیں سننے میں گزار دیتے ہیں اور بے وقوفوں کی زندگی سوتے سوتے گزر جاتی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہ لمبا راستہ اچھی باتیں کرنے میں کٹ جائے۔ اس لیے میں ایک کہانی سُناتا ہوں۔ تو اُسے سن:"

بیتال کے جواب میں راجا تو خاموش رہا، لیکن بیتال نے کہانی شروع کردی۔

ایک شہر بردوان میں روپ سین نام کا راجا حکومت کرتا تھا، ایک دن راجا اپنے محل میں ڈیوڑھی کے قریب بیٹھا تھا کہ اچانک محل کے بڑے دروازے کی طرف کچھ شور سنائی دیا۔ راجا نے اپنے ملازموں سے پوچھا کہ دروازے پر شور کیوں ہو رہا ہے، تو راجا کے ایک ملازم نے جواب دیا کہ راجاؤں کے

پاس تو لوگ روپے پیسے مانگنے کے لیے آتے ہی ہیں۔ ایسے ہی لوگ اس وقت بھی محل کے دروازے پر جمع ہیں اور وہی یہ شور مچا رہے ہیں۔ راجا اپنے ملازم کی یہ بات سُن کر خاموش ہو گیا۔
اتنے میں جنوب کی سمت واقع کسی شہر سے ایک شخص نوکری کرنے کے لیے راجا کے پاس پہنچا۔ اس شخص کا نام بیر بر تھا۔ راجا کے محل کے چوبدار نے اس آدمی کے متعلق تمام باتیں تفصیل سے پوچھیں اور پھر جا کر راجا کو بتایا کہ ایک راجپوت تمام ہتھیار سجائے نوکری کرنے کے لیے آیا ہے اور اپنا نام بیر بر بتاتا ہے۔ راجا نے بیر بر کو اپنے پاس بلا لیا اور پوچھا کہ اسے کتنی تنخواہ دی جائے۔
بیر بر نے جواب میں بتایا کہ اسے تنخواہ کے طور پر روزانہ ایک ہزار تولے سونا چاہیے۔ راجا نے پوچھا کہ اس کے ساتھ اس کے خاندان کے کتنے آدمی ہیں، تو بیر بر نے بتایا کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی، ایک لڑکی، اور ایک لڑکا ہے۔ اس طرح وہ کل چار آدمی ہیں۔ بیر بر کی یہ بات سن کر تمام درباری منہ پھیر پھیر کر ہنسنے لگے کہ دیکھو، کیسا عجیب آدمی ہے، جو صرف چار آدمیوں کے خاندان کی گزر بسر کے لیے روزانہ ایک ہزار تولے سونا مانگتا ہے، لیکن راجا سوچ رہا تھا کہ یہ آدمی اتنے چھوٹے سے خاندان کے لیے اتنی بڑی دولت کیوں مانگ رہا ہے؟ ہو نہ ہو اس آدمی میں کوئی ایسی خاص بات ضرور ہے، جس کی وجہ سے اس نے اتنی زیادہ تنخواہ مانگی ہے۔ اگر میں اس کی منہ مانگی تنخواہ دے دوں تو کسی نہ کسی روز یہ بھی میرے کام آئے گا۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے ایک وزیر کو حکم دیا کہ خزانے سے بیر بر کو روزانہ ایک ہزار تولے سونا دیا جائے۔
بیر بر کو پہلے دن کی تنخواہ اسی وقت دے دی گئی۔ جیسے ہی اسے اتنی بڑی رقم ملی، اس نے فوراً اس سونے کے دو حصّے کیے، ایک حصّہ مندر کے پجاریوں میں تقسیم کر دیا۔ آدھا حصّہ باقی بچا اس میں سے بھی اس نے دو حصّے کیے۔ ایک حصّہ اس نے سادھوؤں میں تقسیم کر دیا۔ اب جو حصّہ باقی بچ رہا تھا اس کا کھانا پکوایا اور شہر بھر کے بھکاریوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ جو کھانا بچ گیا وہ اس نے خود کھایا اور اپنے بیوی، بچوں کو کھلایا۔
بیر بر کو ہر روز تنخواہ میں جو سونا ملتا اسے وہ اسی طرح تقسیم کر دیتا۔ اپنے لیے اس دولت میں سے صرف اتنی ہی استعمال کرتا جس سے اس کا، اس کی بیوی اور اس کے بچوں کا پیٹ بھر جائے۔ البتہ شام ہوتے ہی وہ تلوار لے کر راجا کے پاس پہنچ جاتا اور رات بھر راجا کا پہرہ دیتا رہتا۔ اگر سوتے سوتے راجا کی آنکھ کھل جاتی اور کسی بھی کام کے لیے ملازم کو بلانا چاہتا تو بیر بر خود حاضر ہو جاتا۔

ایک روز کیا ہوا کہ مرگھٹ سے کسی عورت کے رونے کی آواز آئی۔ اس وقت کافی رات ہو چکی تھی۔ رونے کی آواز سے راجا کی آنکھ کھل گئی۔ راجا نے بیر بر کو حکم دیا کہ وہ مرگھٹ پر جا کر دیکھے کہ یہ عورت کیوں رو رہی ہے؟ بھیجنے کو تو راجا نے بیر بر کو بھیج دیا، لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ بیر بر سچ مچ مرگھٹ چلا ہی جائے گا۔ راجا کا خیال تھا کہ اتنی رات میں مرگھٹ جاتے ہوئے بیر بر کو ضرور ڈر لگے گا۔ اس لیے راجا نے سوچا کہ اس کا پیچھا کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بیر بر کتنا بہادر ہے۔ یہ سوچ کر وہ بھی کالے کپڑے پہن کر بیر بر کے پیچھے پیچھے محل سے نکلا۔ اس نے کالے کپڑے اس لیے پہنے تھے کہ اندھیری رات میں اگر بیر بر پلٹ کر بھی دیکھے تو اسے راجا کے پیچھے آنے کا پتا نہ چلے۔
بیر بر جب مرگھٹ پر پہنچا، تو اس نے دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت عورت سارے زیور پہنے ہوئے دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہے۔ وہ کبھی اچھلتی کودتی اور کبھی رونے لگتی ہے، لیکن

اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے۔ بس رونے کی سی آوازیں نکال کر شور مچا رہی ہے۔ بیر بر نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کیوں رو رہی ہے؟ تو اس عورت نے بتایا کہ میں راجا کے گھر کی لکشمی یعنی دولت ہوں اور اس لیے رو رہی ہوں کہ آج سے ایک مہینے بعد راجا مر جائے گا اور میں بھی اس کے گھر سے چلی جاؤں گی۔ پھر بیر بر نے اس سے پوچھا کہ اچھا، یہ بتا کوئی ایسی ترکیب بھی ہے جس سے راجا سو سال اور زندہ رہے۔

اس عورت نے جواب دیا:

"مشرق کی سمت ایک پہاڑی پر ایک مندر ہے، اگر تم وہاں جا کر اپنے بیٹے کی قربانی دو تو راجا کی عمر بڑھ جائے گی۔"

عورت کی یہ بات سن کر بیر بر اپنے گھر کی طرف چلا۔ راجا اب بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ گھر پہنچ کر بیر بر نے اپنی بیوی کو تمام واقعہ سنا دیا۔ بیوی نے تمام واقعہ سن کر بیٹے کو جگایا تو ساتھ بیٹی بھی جاگ گئی۔ بیٹے نے تمام باتیں سن کر کہا کہ اگر میرے جان دینے سے راجا کی جان بچ سکتی ہے، تو اس سے اچھی کیا بات ہے۔ پھر اس نے اپنی ماں سے کہا:

"اگر آپ حکم دیں، تو میں ابھی جا کر قربان ہونے کو تیار ہوں، کیوں کہ سب سے زیادہ اہم بات تو ماں کا حکم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زندگی ہمیں اس لیے دی گئی ہے کہ یہ دوسروں کے کام آئے۔ میرے خیال میں اب اس نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

بیٹے کی باتیں سن کر بیر بر اور اس کی بیوی بہت خوش ہوئے، پھر وہ چاروں عورت کے بتائے ہوئے مندر کی طرف چل دیے۔ یہ ہندوؤں کی ایک دیوی کا مندر تھا۔ وہاں اس کا بت رکھا ہوا تھا۔ مندر میں پہنچ کر بیر بر نے دعا مانگی کہ میرے لڑکے کی جان کے بدلے راجا کی عمر بڑھ جائے اور دعا مانگتے ہی اس نے تلوار سے اپنے بیٹے کا سر کاٹ دیا۔ بھائی کو مرتا ہوا دیکھ کر بہن نے ایک چاقو اپنے سینے میں گھونپ لیا۔ بیٹا اور بیٹی کو مردہ دیکھ کر بیر بر کی بیوی سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے بیر بر کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اپنی گردن پر پھیر لی۔ بیر بر نے جب اپنے بچوں اور بیوی کو مرا ہوا دیکھا تو اس نے سوچا کہ اب اس کے زندہ رہنے سے کیا فائدہ۔ اب وہ راجا سے سونا لے کر کسے دے گا، یہ سوچ کر اس نے بھی اپنا گلا کاٹ لیا۔ راجا تو بیر بر کے پیچھے پیچھے تھا ہی اس نے جب یہ منظر دیکھا، تو دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ ایسی حکومت کرنے سے کیا فائدہ جس میں راجاؤں کی خاطر اس کی رعیت کے آدمیوں کو جان دینی پڑے۔ دوسروں کا گلا کٹوا کر کھانا کھانا تو ایسے ہی ہے جیسے ہم سب جانور ہیں اور ہمیں کسی آدمی کے مرنے کا کوئی افسوس ہی نہیں۔ اس طرح زندہ رہنے اور حکومت کرنے سے تو مر جانا ہی اچھا ہے۔ یہ سوچ کر راجا اپنا گلا کاٹنے ہی والا تھا کہ مندر کی دیوی اصل شکل میں آ گئی اور راجا کا ہاتھ پکڑ کر بولی:

"اے راجا، میں تمھاری اور تمھارے نوکر کی قربانی سے بہت خوش ہوئی ہوں۔ اب تم مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو؟" راجا نے کہا مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے، لیکن آپ دینا ہی چاہتی ہیں تو ان چاروں کو زندہ کر دیں۔ دیوی نے ان چاروں کو زندہ کر دیا۔ راجا نے فوراً ہی اپنی آدھی حکومت بیر بر کو دے دی۔ اتنا کہہ کر بیتال نے راجا بکرم سے کہا کہ یوں تو سب نے اپنی اپنی جگہ نیک کام کیے تھے، لیکن مجھے تم سے پوچھنا ہے کہ ان پانچوں میں سے کس کا عمل سب سے زیادہ اچھا تھا؟

بیتال کی بات سن کر راجا بکرم نے کہا "راجا نے سب سے اچھا کام کیا تھا، کیوں کہ راجا کے واسطے رعایا تو قربانی دیتی ہی ہے، لیکن راجا نے اپنی رعایا میں سے ایک آدمی کے لیے

(باقی صفحہ ۱۸۱ پر)

سیف اللہ کمبوی

وعدے کا پکّا

حضرت فاروق اعظمؓ کے نام نامی سے تقریباً ہم سب ہی آشنا ہیں۔ آپ کے زمانے میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جو آپ کو بتاتا ہوں۔ ایک روز آپؓ عدل و انصاف فرما رہے تھے۔ آپ کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے صحابۂ کرام تشریف فرما تھے کہ اتنے میں دو آدمی روتے پیٹتے ایک نوجوان کو پکڑے ہوئے حاضر ہوئے اور فریاد کی "یا امیرالمومنین! اس نوجوان نے ہمارے بوڑھے باپ کو مار ڈالا ہمیں انصاف چاہیے۔" حضرت فاروق اعظمؓ نے اس نوجوان سے دریافت فرمایا "اے نوجوان کیا تم نے ایسا کیا؟"

پہلے تو وہ نوجوان خاموش رہا۔ پھر اس نے نہایت عاجزی سے کہا: "یا امیرالمومنین یہ جرم مجھ سے ضرور ہوا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں۔ میں نے غصّے میں اپنے آپے باہر ہو کر پتھر دے مارا۔ جس سے وہ پیر مرد ہلاک ہو گیا" مجرم نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کو بتایا "تجھے جان کے بدلے میں اپنی جان دینی پڑے گی جو کچھ تجھے اور کہنا کہہ لے۔" نوجوان نے عرض کیا: مجھے اپنے امیر کا حکم اور شریعت اسلام کا فیصلہ ماننے میں ذرا سا بھی انکار نہیں۔ لیکن ایک التجا ہے گر منظور ہو، میرا ایک کمسن بھائی ہے۔ والد مرحوم نے مرتے وقت کچھ سرمایہ چھوڑا تھا اور مجھے یہ وصیت کی تھی کہ میں بھائی کے بڑے ہونے پر وہ سرمایہ اس کو دے دوں۔ اگر اجازت ہو تو وہ سرمایہ اور اپنے کمسن بھائی کو چچا کے یہاں چھوڑ آؤں۔ مجھے صرف تین روز کی مہلت چاہیے۔"

حضرت فاروق اعظمؓ نے کچھ دیر خاموشی سے کچھ سوچا۔ پھر اس نوجوان سے دریافت فرمایا: "کیا کوئی تیری ضمانت دے سکتا ہے۔" نوجوان نے چاروں طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن ضمانت کے لیے کوئی ہاتھ نہیں اٹھا۔

نوجوان کی حالت دیکھ کر حضرت ابوذرؓ سے نہ رہا گیا۔ اور انھوں نے اپنی ضمانت دے دی۔ حضرت ابوذرؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ جو اس وقت وہاں موجود تھے حضرت فاروق اعظمؓ ان کی ضمانت پر راضی ہو گئے۔

نوجوان کو تین روز کی مہلت دے دی گئی لیکن نوجوان تیسرے روز ٹھیک وقت پر نہ آیا۔ لوگوں میں چاروں طرف چہ میگوئیاں ہونی شروع ہو گئیں۔ حضرت ابوذرؓ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔ "شام تک اور اس کا انتظار کیا جائے۔ اگر وہ شام تک نہیں آیا تو میں نوجوان کے بجائے مرنے کو تیار ہوں۔"

یہ الفاظ سنتے ہی تمام صحابہ میں سنسنی سی پھیل گئی۔

اچانک وہی نوجوان جس کی انھوں نے ضمانت دی تھی۔ پھٹے کپڑے پہنے۔ پسینا پسینا ہانپتا، کانپتا،

گرتا پڑتا حاضر ہوگیا۔ حضرت ابوذرؓ نے بڑی محبت سے اس سے دریافت کیا "بیٹا کہاں رہ گئے تھے۔ میں تو تمھارا انتظار کر رہا تھا۔" ابوذرؓ کے پوچھنے پر اس نے سارا واقعہ حضرت ابوذرؓ کو کہہ سنایا کہ اس نے کس طرح اپنے کمسن بھائی اور باپ کے چھوڑے ہوئے سامان کو چچا کے گھر پہنچایا۔ چچا نے اس کو واپس آنے سے کتنا منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ بہ مشکل تمام وہ اس وقت گرتا پڑتا یہاں آیا۔

مجرم کی اس سچائی اور ایفاء وعدہ سے حاضرین میں غیر معمولی ہمدردی اور جوش پیدا ہوگیا۔ دونوں مدعیان کی زبان سے بیساختہ یہ نکلا۔

"یا امیرالمومنین ہم نے اسے معاف کیا۔ ہمارا خدا بھی اسے معاف کرے۔ ہم اسے مردہ نہیں زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

فاروقِ اعظمؓ نے ان کے اس متفقہ فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔

آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان نے کتنا بڑا جرم کیا اور اس کو سزائے موت کا حکم ہوگیا۔ لیکن اس کی سچائی اور وعدے کی پختگی نے اس کو بچا لیا۔

بچو! تم کو بھی چاہیے کہ تم بھی سچ بولو۔ جس سے جو وعدہ کرو اسے ضرور پورا کرو۔

شفقا ملکہ بارہ بنکوی

پکنک

ایک (۱)، دو (۲)، تین (۳)
راجو جوزف اور متین

پکنک کا سامان سجا ہے
چیزوں کا ایک ڈھیر لگا ہے
چیکو، جامن اور کیلا ہے
اور سبزے کا ہے قالین
راجو جوزف اور متین

دو (۲)، تین (۳)، چار (۴)
چڑیوں کا بازار!

آؤ، چڑیا گھر کو دیکھیں
چیتے اور سانبھر کو دیکھیں
بن مانس بندر کو دیکھیں
اور پہنائیں ریچھ کو ہار
چڑیوں کا بازار!

پانچ (۵)، چھ (۶)، سات (۷)
سنو ہماری بات!

ہاتھی گھوڑے اور لنگور
ہم کو دیکھیں گھور گھور
کیوں ہیں یہ بچوں سے دور
ان سے لائیں گے ہم بات
سنو ہماری بات!

آٹھ (۸)، نو (۹)، دس (۱۰)
چل دی ہماری بس

ہاہا ہی ہی ہو ہو کرتے
شور مچاتے کچھ کچھ لڑتے
لیکن سب ٹیچر سے ڈرتے
ہو گئے اب بے بس
چل دی ہماری بس

جوائنٹ ایڈیٹر پندرہ روزہ لہریں جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

توتا

آغا شیدا کاشمیری

ہم بڑے باتونی ہوتے ہیں اور اپنی اسی خصوصیت کیلئے مشہور ہیں

لوگوں کی عام رائے ہے کہ میں ایک خوبصورت پرندہ ہوں، اس میں شک نہیں کہ مجھے دیکھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی سانچے میں ڈھل کر نکلا ہوں۔ گول چپٹا سر نکیلی اندر کو مڑی ہوئی چونچ۔ اگر کاٹ لوں تو بوٹی اتار لوں، گول گول رنگ بدلتی آنکھیں اگرچہ میرے حوالے سے "توتا چشمی" کو برائی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری آنکھیں میرے دل کی کیفیت کو صاف ظاہر کر دیتی ہیں۔ یعنی میرا ظاہر و باطن ایک ہی ہوتا ہے۔ میری دُم لمبی اور خوبصورت ہوتی ہے۔ پاؤں کی انگلیاں مضبوط اور تیز ناخنوں والی ہوتی ہیں۔ میں ہر چیز کو انگلیوں سے پکڑ کر چونچ سے کتر کتر کر کھاتا ہوں۔ چوہے کی طرح میرے کترنے کی عادت بہت مشہور ہے یعنی کھاتا کم ہوں کترتا زیادہ ہوں پھلوں سے لدے پھندے درختوں کا ستیاناس کر دیتا ہوں باغوں کے رکھوالے طرح طرح کی آوازیں نکال کر مجھے بھگانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن میں پھر بھی نہیں اڑتا۔ کسی قدر ڈھیٹ بھی ہوں دراصل میرا رنگ سبز ہوتا ہے لہذا خود کو آسانی سے سبز پتوں میں چھپا لیتا ہوں۔

میری بے شمار قسمیں ہیں۔ مختلف ممالک میں پایا جاتا ہوں۔ آسٹریلیا میں پایا جانے والا توتا قد میں ہندستانی توتے سے چھوٹا ہوتا ہے ویسے تمام توتوں کی بناوٹ ایک جیسی ہوتی ہے البتہ قد کاٹھ اور رنگوں کا فرق ہوتا ہے۔ آسٹریلیا کے توتے کئی رنگوں کے ہوتے ہیں یہ آسمانی، زرد اور کئی دوسرے رنگوں کے علاوہ سفید دھاری دار ہوتے ہیں اسی لیے اسے زیبرا توتا بھی کہتے ہیں۔ ویسے اس کا اصل نام "بجری گر" ہے افریقہ کا توتا خاصا بڑا ہوتا ہے اس کا رنگ سفید ہوتا ہے آواز بھی نسبتاً زیادہ بھاری اور بڑی ہوتی ہے زنجبار والے بھائی کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے سر پر کلغی ہوتی ہے

کبھی کبھی یہ کلغی زرد رنگ کی بھی ہوتی ہے قد کاٹھ میں سب سے بڑے توتے کا نام "مکاؤ" ہوتا ہے۔ جبکہ سب سے زیادہ صاف بولنے والے توتے "کاکتوا" کے نام مشہور ہوتے ہیں ویسے ہم سبھی بھائی بہن بڑے باتونی ہوتے ہیں اور ہماری یہی صفت ہمیں تمام پرندوں میں ممتاز بناتی ہے۔

ہندستانی توتے کا رنگ سبز ہوتا ہے، پہاڑی توتا قد میں بڑا ہوتا ہے میدانی درمیانی قد کا ہوتا ہے جب کہ سب سے چھوٹے قد کے توتے کو "ٹوئیاں" کہا جاتا ہے۔ ہاں تو ہمارے پروں کا رنگ سبز ہوتا ہے۔ جبکہ چونچ کا رنگ سُرخ ہوتا ہے جوان ہونے کے بعد نر توتے کے گلے میں ایک کنٹھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ جو نیچے گلے کی طرف سیاہ اور سر کی جانب بتدریج سُرخ ہو جاتی ہے۔ مادہ توتے کے کنٹھی نہیں ہوتی، "ٹوئیاں" نر کے گلے میں سُرخ اور مادہ کے گلے میں ہلکے نیلے رنگ کی کنٹھی ہوتی ہے زبان عام پرندوں کی نسبت زیادہ موٹی ہوتی ہے۔ بالکل تمھاری زبان کی طرح اسی لیے تمھاری طرح باتیں کر سکتا ہوں۔ پنجوں میں چار انگلیاں ہوتی ہیں دو آگے کی طرف اور دو پیچھے کی طرف۔ اسی لیے زمین پر آسانی سے چل نہیں سکتا، ہم عموماً گلے اور چھاتی کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پنجروں خوراک کی کٹوریوں کو صاف رکھا جائے۔ پنجرے بڑے ہوں تاکہ ہم آزادی سے گھوم پھر سکیں۔ گرمی اور سردی سے بھی بچانا چاہیے۔ اگر ہمیں زیادہ پیار محبت سے رکھا جائے۔ تو ہم بغیر پنجرے کے آزاد بھی رہ سکتے ہیں ایک ضروری بات یہ ہے کہ ہمیں چھیڑا نہ جائے اس سے ہم چڑچڑے ہو جاتے ہیں، ہم سے محبت کا سلوک کرنا چاہیے۔ آپ اسی طرح مجھے اپنا بنا سکتے ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں ہم ان کے حکم پر قسمت کا حال بھی بتا دیتے ہیں اور توپ بھی چلا دیتے ہیں۔ بس یہ ہے میری رام کہانی جسے آپ توتا کہانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہاں توتا کہانی سے یاد آیا۔ ہم نے اردو ادب میں بھی خاصا اضافہ کیا ہے کئی محاوروں کو جنم دیا ہے میرے بارے میں اتنا کچھ جان کر تو آپ کے ہاتھوں کے توتے بھی اڑ گئے ہوں گے۔

ہم گھونسلا بنا کر نہیں رہتے بلکہ کسی درخت کی "کھوہ" یا شکستہ عمارتوں کے موکھلوں میں جا دبکتے ہیں۔ گھر تک پہنچنے کا راستہ پہلے سیدھا جاتا ہے پھر ٹیڑھا ہو جاتا ہے اگر ایسا نہ کریں تو ہمیں پکڑنے والے لڑکوں کا ہاتھ آسانی سے میرے بچوں تک پہنچ جائے۔ ہم زیادہ تر جھنڈوں کی صورت میں رہتے ہیں اور خوراک کی تلاش میں بھی ایک ساتھ ہی نکلتے ہیں۔ اپریل اور مئی کے مہینوں میں آپ ہمارے جھنڈوں کو بڑی تعداد میں دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری خوراک کوئی خاص نہیں ہوتی ہر قسم کا پھل اور اناج کھا جاتے ہیں۔ ہری مرچ بھی بڑے مزے لے لے کر کھاتے ہیں پالتو توتوں کو بہتر غذا دینی چاہیے تاکہ وہ تم سے محبت کرنے لگیں۔ اگر پالتو توتوں کو امرود، کیلا، آم، انجیر، گولر بیر حتیٰ کہ روٹی اور بسکٹ وغیرہ بھی دیے جائیں تو وہ شوق سے کھاتے ہیں خاص طور پر سورج مکھی کے بیج ہر توتے کو اچھے لگتے ہیں۔ لیکن بادام کھلانا ہو تو اسے پہلے چکھ لینا چاہیے کیونکہ کڑوے بادام کھانے سے ہم مر جاتے ہیں اور ہاں ہمیں گوشت بھی نہیں کھلانا چاہیے۔ ●

(بہ شکریہ ہمدرد نونہال)

(بقیہ صفحہ ۱۳)

اپنی جان کو جان نہیں سمجھا یعنی اسے اپنے نوکروں تک سے بھی اتنی محبت تھی کہ وہ ان میں سے کسی کا مرنا پسند نہیں کرتا تھا اور ان کی خاطر اپنی جان بھی دے سکتا تھا۔ اسی لیے راجا ہی سب سے زیادہ تعریف کے قابل ہے؟ راجا بکرم کی زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ ادا ہوئے، بیتال راجا کے کندھے سے اتر کر پھر اسی درخت پر پہنچ گیا جہاں وہ پہلے لٹکا ہوا تھا۔ ●

(بہ شکریہ مشرق)

اسد علی چاندپوری

پتنگ کی کہانی

پتنگ کا نام سنتے ہی بچّوں کی آنکھوں میں چمک آجاتی ہے۔ آسمان میں اُڑتی ہوئی لال، نیلی، پیلی، ہری، کالی، کئی رنگوں کی پتنگیں انھیں بہت بھلی لگتی ہیں۔ شاید ہی کوئی بچّہ ایسا ہو جس نے کبھی پتنگ نہ اڑائی ہو۔ مشہور امریکی سائنس داں مائیکل فیراڈے نے بھی جون ۱۷۵۲ء میں پتنگ اڑائی تھی۔ اس وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھیگی ہوئی ڈور کے ایک سرے پر چابی باندھ کر یہ ثابت کیا کہ بادلوں کے آپس میں ٹکرانے سے جو چمک پیدا ہوتی ہے اس میں بجلی ہے۔

پتنگوں کی تاریخ بہت پرانی اور دلچسپ ہے۔ اودھ کے نواب واجد علی شاہ نے پتنگ کے کھیل کو بہت فروغ دیا۔ اُن کے زمانے میں پتنگ کے پیچ لڑانے پر بازیاں لگائی جاتی تھیں۔ جو شخص مقررہ تعداد سے زیادہ پتنگیں کاٹ دیتا تھا اُسے "نوشیر خاں" کا تمغا انعام میں ملتا تھا۔ لکھنؤ میں آج بھی خاص خاص موقعوں پر پتنگ بازی کے مقابلے ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ پتنگ کی ایجاد چین میں ہوئی۔ یہ پتنگیں چڑیا، مچھلی، اژدہے وغیرہ کی شکل میں ہوتی تھیں۔ چین میں "ہان" خاندان کے ایک بادشاہ کے مشیر "ہوان پتنگ" کے مشورہ پر پتنگوں کو جاہل دشمن فوج کے خلاف کام میں لایا جاتا تھا۔ سیٹی لگی ان پتنگوں کو اندھیری رات میں دشمنوں کے خیموں پر اڑا دیا جاتا۔ ہوا میں اڑنے پر پتنگوں سے عجیب عجیب آوازیں آنے لگتی تھیں اور ایسے دشمن فوجیں آسمانی بلا سمجھ کر خوفزدہ ہو جاتی تھیں۔

۵۵۰ء میں شہنشاہ چین "لیانگ" نے پتنگوں سے پیغام رسانی (خبریں بھیجنے) کا کام لیا۔ اس کے زمانے میں اس کے فوجی کھیتی کرتے تھے۔ انھیں ہدایت تھی کہ جیسے ہی وہ شاہی محل کے اوپر کوئی اونچی اُڑتی ہوئی پتنگ دیکھیں، فوراً کھیتی باڑی چھوڑ دیں اور لڑائی کے لیے تیار ہو کر محل میں پہنچ جائیں۔ چین میں اب بھی ہر سال ۹ ستمبر کو جگہ جگہ پتنگ میلے لگائے جاتے ہیں، جہاں پرندوں اور جانوروں کی شکل والی بڑی بڑی پتنگیں اُڑائی جاتی ہیں۔

قدیم چینی گھرانوں میں یہ دستور تھا کہ پہلا بیٹا جب سات سال کا ہو جاتا تھا تو ایک جشن منایا جاتا تھا۔ لڑکوں کے باپ کھلے میدان میں ایک لمبی ڈور والی پتنگ اڑاتے تھے اور ڈور ختم ہوتے ہی پتنگ کو چھوڑ دیا جاتا۔ چینی لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ایسا کرنے سے زندگی کی مشکلات بھی پتنگ کے ساتھ ہی اڑ جاتی ہیں۔ چین میں ڈریگن کو (ایک قسم کا اژدہا) بہت اہم اور اچھا مانا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ یہی عقیدہ جڑا ہوا ہے۔ کوریا کی ایک بہت پرانی کہانی ہے۔ ایک مرتبہ جنگ میں زیادہ طاقت ور دشمن کو دیکھ کر کوریائی فوجیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس وقت بادشاہ نے اپنی فوج

صفدر جنگ انکلیو، نئی دہلی ۲۹

کے خیموں پر ایسی پتنگیں اڑادیں جن میں قندیلیں روشن تھیں۔ دشمنوں نے آسمان میں روشنیاں اڑتی ہوئی دیکھیں تو ان کو بڑی حیرت ہوئی۔ ادھر یہ افواہ بھی پھیلادی گئی کہ کوئی آسمانی طاقت مدد کو آپہنچی ہے۔ دوسرے ہی دن دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔

جاپان میں تو پتنگ کے ساتھ آدمی بھی اڑائے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں "اشیکادا" نامی ایک مشہور ڈاکو نے پتنگ کے سہارے "ناگورا" دیوتا کے مندر سے سونے کی دو مورتیاں چرائی تھیں۔ یہ مورتیاں مچھلی کی شکل کی تھیں۔ ناگورا کا مندر ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ اس کی چھت پر خالص سونے کی دو مچھلیاں لگی ہوئی تھیں۔ اشیکادا نے مچھلیوں کو چرانے کے لیے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک بڑی پتنگ بنائی اور ایک طوفانی رات میں اس کے سہارے مندر کی چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

پتنگوں سے جاسوسی میں بھی مدد لی گئی ہے۔ جنگ بوئر کے دوران کیپٹن جی۔ ایف۔ ایس۔ بیڈن پاویل نے ایک کے پیچھے ایک چھ پتنگوں کو جوڑا۔ یہ آدمی کو سو فٹ اونچائی تک اوپر اڑالے جاتی تھیں۔ جس سے وہ دشمن کے خیموں کے حالات معلوم کرلیتا تھا۔

۱۸۲۵ء میں انگلینڈ کے ایک اسکول ماسٹر جارج پی کاک نے بڑی بڑی پتنگوں کی مدد سے بگھیاں کھینچنے کا کام لیا۔ آٹھ فٹ کی دو پتنگوں کو جوڑ کر "شبولا" نام کی بگھیاں کھینچی جاتی تھیں۔ فرانسیسی زبان میں "بولا" کا مطلب اڑنے والی اور "شا" کا مطلب "بگھی" ہوتا ہے اس طرح "شبولا" کے معنی ہوئے اڑنے والی بگھی۔ یہ بگھیاں آسمان میں تیز ہوا میں ۲۵ میل فی گھنٹے کی رفتار سے اڑتی تھیں۔ ان کو زمین میں ایک کھونٹا گاڑ کر روکا جاتا تھا۔

۱۸۸۳ء میں پتنگوں کے ساتھ ایک میٹر بھی لگا دیا گیا۔ انگلینڈ کے ڈگلس آرکی بیلڈ نے بارہ سو فٹ کی اونچائی پر ہوا کی رفتار معلوم کی تھی۔ ۱۸۸۷ء میں ڈگلس نے پتنگ میں کیمرہ باندھ کر کچھ فوٹو بھی کھینچے۔ ۱۸۹۴ء میں مارکونی نے پتنگ کے سہارے بحر اٹلانٹک کے پار ریڈیو سگنل بھیجے۔

اتنا ہی نہیں، ہوائی جہاز کی ایجاد کرنے کے لیے رائٹ برادرس کے سارے تجربات بھی پتنگ سے ہی شروع ہوئے تھے۔

اس طرح پتنگ جاگیرداری عہد میں جہاں تفریح، مقابلے اور ورزش کا سامان بنی رہی بڑے بڑے سائنس دانوں کی ایجادوں میں بھی مددگار ثابت ہوئی۔ ●●

(ہندی سے)

شہزادی نرگس

ملک روم میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کی آنکھیں نرگس کے پھول کے مانند تھیں، اسی وجہ سے اس کا نام نرگس رکھا گیا۔ اسی ملک میں ایک ظالم جادوگرنی بھی رہا کرتی تھی۔ اس کا ٹھکانا جنگل میں تھا۔ اس کا کام تھا جو کوئی جنگل سے گزرتا اس کو پکڑ کر اپنی قید میں ڈال دیتی، اس کا ایک لڑکا تھا جادوگرنی چاہتی تھی کہ اس کی شادی شہزادی نرگس کے ساتھ ہو اور بادشاہ کے مرنے کے بعد ساری سلطنت اس کے قبضے میں آجائے۔

بادشاہ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اسے بہت غصہ آیا اس نے کہا کہ میری لڑکی کی شادی جادوگرنی کے لڑکے کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔

جادوگرنی کو جب یہ پتا چلا تو اس نے انتقام لینے کا پکا ارادہ کر لیا۔ ایک صبح وہ بڑھیا کے بھیس میں محل میں پہنچی اس وقت شہزادی اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔ اس کے پاس کنیز نے جا کر کہا کہ ایک بڑھیا باہر کھڑی بہت رو رہی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ شہزادی رحم دل تھی اس نے بڑھیا کو بلا بھیجا۔

جادوگرنی نے اندر آ کر شہزادی سے اپنے بیٹے کے مرنے کا فرضی قصہ سنایا اور شہزادی سے مدد چاہی۔ شہزادی نے اس کو کچھ اشرفیاں دلوادیں۔ اس پر جادوگرنی نے کہا بیٹی خدا تم کو خوش رکھے، میں تمہارے لیے یہ سیب لائی ہوں ان کا ذائقہ بہت اچھا ہے۔ شہزادی نے جیسے ہی اس سیب کو چکھا، وہ ایک دم مورنی بن گئی۔ اس کے بعد جادوگرنی نے مورنی کو بغل میں دبایا اور جلدی سے محل سے باہر نکل گئی۔ جنگل میں آکر مورنی کو اپنے قید خانے میں ڈال دیا۔

ادھر جب کنیز شہزادی نرگس کے کمرے میں کسی کام سے آئی تو وہاں شہزادی کو نہ پاکر بہت پریشان ہوئی۔ اس نے بادشاہ سے جا کر کہا۔ بادشاہ نے اسی وقت سارے محل میں تلاش کرایا مگر شہزادی کا کہیں پتا نہ چلا۔ اسی مایوسی کے عالم میں وہ اپنے پلنگ پر لیٹ گیا۔ دن بھر کا تھکا ہوا تھا نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ اس سے کہہ رہے ہیں:

"اے بادشاہ تیری بیٹی فلاں ظالم جادوگرنی کی قید میں ہے۔ جادوگرنی نے اس کو مورنی کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے۔ شہزادی نرگس اس وقت تک اپنے اصلی روپ میں نہیں آسکتی جب تک وہ کسی سے شادی کے لیے رضامند نہ ہو جائے۔"

نیا بانس، سہارنپور

صبح کو جب بادشاہ اٹھا تو اس نے ملک میں یہ اعلان کرادیا۔ جو کوئی شہزادی کو ظالم جادوگرنی کی قید سے چھڑائے گا میں اس کی شادی شہزادی سے کردوں گا۔ یہ خبر پڑوسی ملک یونان میں بھی پہنچی۔ یونان کا شہزادہ بہت دلیر، نڈر اور بہادر تھا اور شہزادی سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ جب اس کو یہ خبر ملی تو وہ اپنے باپ سے اجازت لینے کے لیے گیا۔ بادشاہ اس ظالم جادوگرنی کو جانتا تھا۔ کیوں کہ ایک مرتبہ بادشاہ کے کچھ ساتھیوں کو جادوگرنی نے قید کرلیا تھا۔ جب شہزادے نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو پہلے تو بادشاہ نے اجازت نہیں دی مگر شہزادے کی ضد پر اس کو اجازت دے دی گئی اور جانے سے پہلے یہ کہا کہ بیٹا جادوگرنی کو جان سے مار کر آنا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کا کوئی طلسمی باغ ہے اگر انسان اس میں پہنچ جائے تو وہاں کی عجیب وغریب چیزیں دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتا ہے اور جیسے ہی وہ ڈرنے لگتا ہے جادوگرنی کا جادو اس پر کام کر جاتا ہے۔

پھر یا تو وہ مرجاتا ہے یا پھر جادوگرنی کا قیدی بن جاتا ہے اور اس باغ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جادوگرنی کی جان ایک چڑیا میں ہے، یہ چڑیا ایک پنجرے میں بند ہے اور پنجرہ اس کے باغ میں لٹک رہا ہے میں نے تمھیں یہ سب اس لیے بتادیا ہے کہ تم اس کے فریب میں نہ آجانا۔ میں دعا دیتا ہوں کہ خدا تمھیں اس ظالم کا خاتمہ کرنے میں مدد دے کیوں کہ وہ ظالم عورت انسانوں کو بہت ستاتی ہے۔

شہزادہ بادشاہ سے رخصت ہوا اور گھوڑے پر بیٹھ کر جنگل کی طرف چل دیا۔ جب وہ جادوگرنی کے جنگل میں پہنچا تو رات ہوچلی تھی۔ وہ ایک اچھی سی جگہ دیکھ کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا اور تھوڑی دیر میں اسے نیند آگئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے خوبصورت کمرے میں ہے۔

وہ بہت حیران ہوا۔ حیرت سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہا تھا۔ ایک بدصورت بڑھیا کمرے میں داخل ہوئی۔ شہزادے کو دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا۔ شہزادہ فیروز سمجھ گیا کہ یہ جادوگرنی ہے اور وہ جادوگرنی کی قید میں ہے۔ جادوگرنی نے اس سے کہا: "اے یونان کے شہزادے اب تو میری قید میں ہے اب تیرا باپ بھی نہیں بچ سکتا کیوں کہ وہ میرا دشمن ہے۔ خدا نے تجھ کو میرے پاس اسی لیے بھیجا ہے کہ میں تجھ سے تیرے باپ کا بدلہ لوں۔" پھر زور زور سے قہقہے لگانے لگی۔ شہزادہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوا اور بولا۔ "ظالم جادوگرنی، معلوم ہوتا ہے کہ اب تیری موت قریب ہے اور مجھے آواز دے رہی ہے،" جادوگرنی نے یہ سنا تو اس نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور یہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی کہ تم کو صبح تک معلوم ہو جائے گا کہ موت کس کو آواز دے رہی تھی۔

شہزادے نے سوچا کہ صبح تک کی مہلت ہے اس کے بعد خدا جانے کیا ہو، دروازے ہر طرف سے بند تھے۔ شہزادے نے بہت زور لگایا مگر کوئی دروازہ نہ کھل سکا آخرکار وہ ایک کونے میں آکر لیٹ گیا اور ترکیبیں سوچنے لگا کہ اس ظالم جادوگرنی کو کس طرح ٹھکانے لگا کر شہزادی کو آزاد کرایا جائے۔ اسی خیال میں اس کو نیند آگئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک نورانی صورت کے بزرگ اس سے کہہ رہے ہیں "اے شہزادے مایوس نہ ہو اور خدا سے امید نہ توڑ۔ آگے بڑھ اور سامنے والے دروازے پر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھ کر ہلکے سے دستک دے خدا تجھے کامیاب کرے گا۔"

شہزادے کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھا اور اس نے بسم اللہ کہہ کر دروازے پر تین مرتبہ ہلکے سے دستک دی۔ دروازہ سچ مچ کھل گیا۔ شہزادے نے باہر سے جھانکا تو اس نے دیکھا، ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی، وہ تھوڑا اور آگے بڑھا۔ سامنے ایک بند دروازہ تھا، اس میں سے کسی کے رونے کی آواز آرہی تھی۔

شہزادے نے اس دروازے پر تین دفعہ ہاتھ مارا دروازہ کھل گیا۔ اندر اس نے دیکھا کہ ایک مورنی سر جھکائے رو رہی ہے۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ یہ شہزادی نرگس ہے۔ وہ اس کے قریب گیا اور شہزادی سے بولا "میں یونان کا شہزادہ ہوں اور تم کو آزاد کرانے آیا ہوں" مورنی نے گھبرا کر کہا کہ اے شہزادے تو کسی طرح یہاں سے نکل جا۔ مجھے آزاد کرانا بہت مشکل ہے، ہر روز جادوگرنی کا لڑکا آتا ہے اور مجھ کو شادی پر مجبور کرتا ہے۔ وہ ابھی ابھی یہاں سے گیا ہے۔ مجھے تو زندگی بھر اس قید میں سڑنا ہے، مگر اے شہزادے تم اپنی زندگی کو برباد نہ کر۔ فیروز نے جواب دیا "اچھی شہزادی تم ایسی باتیں نہ کرو، مجھے صرف یہ بتادو کہ طلسمی باغ کس طرف ہے۔ اللہ نے میری مدد فرمائی تو ہم تم صبح تک آزاد ہوں گے" شہزادی بولی "وہ جگہ اور بھی خطرناک ہے، فیروز نے کہا "تم فکر نہ کرو مجھے اس کا راستہ بتادو" شہزادی نے کہا کہ اس برابر والی دیوار کے ساتھ ہی طلسمی باغ شروع ہو جاتا ہے۔

باغ کا دروازہ بند تھا۔ شہزادے نے بسم اللہ کہہ کر دستک دی دروازہ کھل گیا۔ وہ باغ میں داخل ہوا ہر طرف سے خوفناک آوازیں آرہی تھیں۔ شہزادہ دبے پاؤں جا رہا تھا، دراصل وہ چڑیا کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک بڑی روش کے پیڑ پر اس نے ایک پنجرہ دیکھا جس میں ایک موٹی سی چڑیا بند تھی لیکن وہاں کئی خوفناک چیزیں پہرہ دے رہی تھیں۔ شہزادہ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھا اور پیڑ پر چڑھنے لگا اس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے پیر نیچے کی طرف کھینچ رہا ہے لیکن شہزادہ ہمت نہیں ہارا اور برابر اوپر چڑھتا رہا۔ اس کے ہاتھ پنجرے تک پہنچ گئے۔ اس نے پنجرا کھول کر چڑیا کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔ چڑیا بہت پھڑپھڑائی۔ شہزادہ بھلا کب اسے چھوڑنے والا تھا اس نے اس کی گردن مروڑ دی۔ اس نے دیکھا کہ اسی وقت ظالم جادوگرنی بھی چیختی چلاتی ہوئی بھاگی چلی آرہی ہے، اور دور سے ہی چلا کر شہزادے سے کہہ رہی ہے "میری چڑیا کو چھوڑ دے میں اشرفیوں سے تیرا دامن بھر دوں گی۔ شہزادی نرگس کو بھی تیرے حوالے کردوں گی، اسے شہزادے زندگی بھر تیری غلامی کروں گی۔ لیکن شہزادے کے ہاتھ کی گرفت چڑیا کی گردن پر سخت ہوتی چلی گئی۔ جیسے ہی چڑیا کا دم نکلا ظالم بڑھیا بھی آخری بار چیخ مار کر دھڑام سے زمین پر گر پڑی۔ جادوگرنی کے گرنے کے ساتھ ہی اس کے جادو کا جال ٹوٹ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک مورنی اس کے گرد خوشی سے ناچ رہی ہے۔ جیسے ہی شہزادے نے اس کی طرف دیکھا شہزادی اصلی روپ میں آگئی۔ پھر کیا تھا۔ اِدھر اُدھر سے بھی کچھ لوگ جو اس ظالم جادوگرنی کی قید میں تھے اصل شکل پا کر شہزادے کی طرف دوڑے چلے آتے تھے تاکہ اپنے اس محسن کا شکریہ ادا کریں جس نے اپنی جان پر کھیل کر اب سب کو اس مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

وہ سب فیروز شہزادے سے مل کر بہت خوش ہوئے لیکن فیروز کو ابھی بڑھیا کے لڑکے کی تلاش تھی۔ شہزادے کو فکرمند پا کر شہزادی نرگس نے اسے بتایا کہ وہ ظالم بھی مر چکا ہے شہزادہ فیروز یہ سن کر بہت خوش ہوا اور ساتھیوں سے بولا کہ ہم سب کو اس ظالم چڑیل سے رہائی محض اللہ کی مدد سے ہوئی ہے ورنہ بے شمار اور لوگوں کی طرح ہم سب اس ظالم کی قید میں پڑے پڑے مر جاتے۔

اچھا، اب ہم سب کو اپنے اپنے وطن واپس جانا چاہیے تاکہ ہمارے ماں باپ بھی جو ہماری زندگی سے مایوس ہو گئے ہوں گے مل لیں۔ شہزادے کی اجازت پا کر وہ سب لوگ ہنسی خوشی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جب بادشاہ نے بیٹی کو زندہ سلامت پایا تو بہت خوش ہوا اور یہ معلوم کر کے بادشاہ کو اور بھی خوشی حاصل ہوئی کہ اسے ڈھونڈ کر لانے والا یونانی

کا بہادر شہزادہ ہے، اس نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر نہ صرف شہزادی کی جان بچائی ہے بلکہ اس ظالم جادوگرنی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر کے اور لوگوں کو بھی اس کے چنگل سے رہائی دلائی ہے۔ اس نے شہزادے کو گلے لگا لیا اور جب یونان کے بادشاہ کو اپنے بیٹے کی کامیابی کی خبر ملی تو وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ شہزادے کے استقبال کو آیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ چاند سی دلھن شہزادی نرگس کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔

سچ ہے اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ ●

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی کہانی جلد شائع ہو تو براہ کرم مختصر کہانی لکھیے۔ کہانی کے آخر میں اپنی عمر اور اسکول کا نام ضرور لکھیں۔ (ادارہ)

رحمٰن حمیدی

شرافت کا انعام

حامد اور ہاشم دونوں گانو کے رہنے والے تھے۔ ان کے گانو کا نام سوہن پور تھا۔ دونوں سوہن پور مڈل اسکول کے طالب علم تھے۔ دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے۔ دونوں ایک ساتھ ہی گلی ڈنڈا کھیلا کرتے تھے۔ حامد کا باپ کسان تھا اور ہاشم کا باپ ساہوکار۔ ہاشم اپنی دکان سے مٹھائیاں لاکر کھلاتا اور حامد اپنے کھیتوں سے ہرے ہرے چنے لاکر کھلاتا۔ دونوں ایک دوسرے کی چیزیں بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ سوہن پور میں دونوں کی دوستی مشہور تھی۔

حامد بے حد چنچل اور شریر لڑکا تھا۔ اس کی شرارتیں بھی نرالی ہوتی تھیں۔ بے زبان جانوروں اور بھکاریوں کو ستانے اور پریشان کرنے میں اسے بڑا مزا آتا تھا۔ کبھی وہ کتوں کی دُم میں ٹین کا خالی ڈبہ باندھ کر دوڑا دیتا اور تالیاں بجاتا ہوا ہاشم کے پاس آتا اور اسے ہنستے ہوئے دکھلاتا۔ اس کے ہاتھ میں ربر والی غلیل ہمیشہ رہتی تھی اور وہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو نشانہ بناتا رہتا تھا۔

سوہن پور میں ایک اندھا ہر جمعہ کے دن بھیک مانگنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ وہ بڈھا تھا اور لاٹھی کے سہارے چلتا تھا۔ وہ پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس رہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں المونیم کا ایک بڑا کٹورا رہتا تھا۔ گانو کے لوگ اناج یا پیسے اس کے کٹورے میں ڈال دیتے۔ جب کٹورا بھر جاتا تو وہ اناج تھیلی میں ڈال کر کاندھے پر لٹکا لیتا۔

حامد جمعہ کے دن اس کی تاک میں لگا رہتا۔ جب وہ گانو میں آجاتا تو وہ آہستہ سے اس کی لاٹھی کھینچ لیتا۔ اندھا بھکاری ڈگمگا کر زمین پر گر جاتا۔ حامد خوشی سے تالیاں بجانے لگتا۔ کبھی اس کے خالی کٹورے میں آہستہ سے چھوٹے چھوٹے پتھر ڈال دیتا۔ اندھا بھکاری پیسے سمجھ کر اسے ٹٹولتا تو اسے بڑی مایوسی ہوتی۔ اور حامد اس کی مایوسی پر بہت خوش ہوتا۔

ہاشم کو حامد کی یہ حرکت بالکل اچھی نہیں لگتی۔ وہ حامد کو سمجھاتا تو وہ ناراض ہو جاتا۔ ہاشم سے بات چیت بند کر دیتا۔ آخر کار ہاشم نے مجبور ہو کر اسے سمجھانا چھوڑ دیا بلکہ وہ اندھے بھکاری کی مدد کرنے لگا۔ اندھا بھکاری سوہن پور کے اندر داخل ہو جاتا تو وہ اس کے آس پاس رہتا۔ حامد اس کی لاٹھی گرانا چاہتا تو وہ تیزی سے بڑھ کر اندھے بھکاری کو سہارا دیتا اور اسے گرنے سے بچا لیتا۔ اس کے کٹورے میں حامد کنکر ڈال دیتا تو وہ اپنے ہاتھ سے اندھے فقیر کا کٹورا صاف کر دیتا۔ حامد کو ہاشم کی یہ بات بہت ناگوار گزرتی۔ اس نے ناراض ہو کر ہاشم سے دوستی ختم کر لی۔ ہاشم نے اس کی باتوں کی پروا نہ کی۔ وہ ہمیشہ اندھے بھکاری کی مدد کرتا رہا۔

ہاشم اندھے بھکاری کی مدد کرنے سے باز نہ آیا تو حامد اس کا دشمن ہو گیا۔ اس نے سوہن پور کے چند آوارہ

دبستان، چمٹر گودم۔ گوہ (بہار)

لڑکوں کی ٹولی بنائی اور ہر وقت ہاشم کا مذاق اڑانے لگا۔ ہاشم سب کچھ خاموشی سے برداشت کرتا رہا۔ اس نے حامد کی بدسلوکی بالکل نظرانداز کردی۔

ایک بار حامد نے اپنے دوستوں کی مدد سے اندھے بھکاری کی لاٹھی چھین کر ایسی جگہ چھپادی کہ وہ نہ مل سکی حالانکہ ہاشم نے اس لاٹھی کے لیے بڑی تگ و دو کی۔ لیکن وہ اندھے بھکاری کی لاٹھی کی جستجو میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے اپنے گھر سے نئی لاٹھی لاکر اندھے بھکاری کو دے دی۔ بھکاری نے اسے بہت ساری دعائیں دیں۔ فقیر کی لاٹھی تلاش کرنے میں بہت وقت لگ گیا اس لیے ہاشم کو مسجد جانے میں دیر ہوگئی۔ وہ آہستہ آہستہ اندھے بھکاری کو مسجد کے دروازے کے قریب لایا جہاں اور بھی بھکاری کھڑے تھے۔ اندھے بھکاری کو اطمینان سے بٹھا کر وہ مسجد کے اندر جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے چلا گیا۔

جمعہ کی نماز ختم ہوئی تو نمازی مسجد سے باہر آنے لگے۔ حامد بھی نمازیوں کے ساتھ باہر آیا اور چپکے سے چند کنکر اندھے بھکاری کے خالی کٹورے میں ڈال دیے۔ اندھا بھکاری کٹورے کو ٹٹول کر زور زور سے آواز دینے لگا۔ سارے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ اس بھیڑ میں ہاشم بھی کھڑا تھا۔ اندھے بھکاری نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اے لوگو! میں یہاں بھیک مانگنے نہیں آتا ہوں۔ میں صرف شریر اور شریف بچوں کو دیکھنے آتا ہوں۔ اس گاؤں کا سب سے زیادہ شریف لڑکا ہاشم ہے۔ میں اسے اس کی شرافت کا انعام دوں گا۔ اور سب سے زیادہ شریر لڑکا حامد ہے میں اس کو شرارت کی سزا دوں گا ـــــ!!"

اس نے انگلی کے اشارے سے ہاشم کو قریب بلایا اور سمجھایا "بیٹا! نیکی کی راہ پر چلنے سے پتھر بھی ہیرے ہو جاتے ہیں۔ حامد نے جتنے کنکر میرے کٹورے میں ڈالے ہیں وہ سب انمول ہیرے بن گئے ہیں۔ اسے اپنے پاس رکھو یہ تمھاری شرافت کا انعام ہے ـــــ!"

اس کے بعد وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا حامد کے پاس آیا اور کہا "تم مجھے اندھا بھکاری سمجھتے ہو لیکن میں اندھا نہیں ہوں، میری آنکھوں کی طرف غور سے دیکھو۔ لیکن اب تم سدا کے لیے اندھے ہو جاؤ گے کیوں کہ تم نے اندھے بھکاری کا مذاق اڑایا ہے یہی تمھاری سزا ہے ـــــ!!"

اتنا کہ کر اندھا بھکاری اچانک سبھی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اور حامد سچ مچ اندھا ہو گیا۔ اور ہاشم ہیرے فروخت کر کے سوہن پور گاؤں کا سب سے امیر آدمی بن گیا۔ ●●

- مصر کا قومی نشان کنول کا پھول ہے۔
- ترکی کا قومی نشان بھیڑیا ہے۔
- آسٹریلیا کا قومی نشان کانگرو ہے۔
- جرمنی کا قومی نشان بھٹا ہے۔
- ایران اور برطانیہ کا قومی نشان گلاب کا پھول ہے۔
- ہندستان کا قومی نشان کنول کا پھول ہے۔
- اسپین کا قومی نشان شاہین ہے۔
- جاپان کا قومی نشان گل وادی ہے۔
- ڈنمارک کا قومی نشان ساحل ہے۔
- پاکستان کا قومی نشان چاند ستارہ ہے۔
- نیویارک کو فلک بوس عمارتوں کا شہر کہتے ہیں۔
- تبت کو دنیا کی چھت کہتے ہیں۔
- دنیا کا سب سے خوبصورت شہر پیرس ہے۔
- دنیا میں سب سے زیادہ بندر ہندستان میں ملتے ہیں۔
- دنیا میں سب سے زیادہ ڈاکٹر روس میں ہیں۔
- دنیا میں سب سے زیادہ بڑی فوج روس کی ہے۔
- دنیا میں سب سے بڑی عمارت امریکہ میں دا ایمپائر اسٹیٹ ہے۔

معین عبدالاحد لوہیرے، بمبئی۔

گانو کے پیش امام صاحب ۔ نے جو نئے نئے آئے ہوئے تھے ایک لڑکے سے ڈاک خانے کا پتا پوچھا۔ لڑکے نے پتا بتا دیا تو تو وہ خوش ہو گئے انھوں نے کہا کبھی مسجد آنا تمھیں جنت کا راستہ بتا دوں گا۔

لڑکے نے کہا جب آپ ڈاک خانے کا پتا نہیں جانتے تو جنت کا راستہ کیسے بتائیں گے۔

ایم۔ آئی۔ شبنم۔
۱۰۰۳ نئی گلی، وانمباڑی ۱

گاہک: (قصاب سے) بھائی گوشت کا بھاؤ کیا ہے!
قصاب: دس روپے سیر۔
گاہک: اسے وہ سامنے والا قصاب تو نو روپے سیر دیتا ہے۔
قصاب: تو اس سے گوشت کیوں نہیں لیتے۔
گاہک: اس وقت اس کے پاس نہیں تھا۔
قصاب: اچھا تو جب میرے بھی نہ ہو گا تو نو روپے سیر دوں گا۔

مالک: (دھوبی سے) تم اتنے بری طرح کپڑے دھوتے ہو کہ ایک کے دو کر ڈالتے ہو۔
دھوبی: جناب میری شرافت تو دیکھیں کہ دھلائی بھی صرف ایک کپڑے کی لیتا ہوں۔

عبدالواحد شاد
حسن پورہ کلنی

(ایک دوست نے دوسرے دوست سے) "تم کس دن پیدا ہوئے تھے"؟
دوست نے جواب دیا: "جمعہ کے روز"!
دوسرا دوست "چل جھوٹے" جمعہ کے روز تو چھٹی ہوتی ہے۔

ضیاء العارفین اورنگ آباد

ایک آدمی کو کسی دوسرے آدمی نے رات کے ایک بجے ٹیلیفون کیا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟
دوسرے نے جواب دیا جہنم سے"
پہلا بولا: "بس میں یہی پوچھنا چاہتا تھا کہ تم جیسا بدتمیز شخص جہنم میں پہنچ گیا یا نہیں"

محمد اسلام

داروغہ جی۔ میرے گھر میں چوری ہو گئی ہے، برائے مہربانی رپورٹ لکھ لیں۔
"اس کی رپورٹ ابھی نہیں لکھی جا سکتی"۔
"کیوں"
کیونکہ رات تھانے میں بھی چوری ہو گئی تھی اور میں اس کی رپورٹ لکھوانے دوسرے تھانے میں جا رہا ہوں۔

عبدالعزیز سہارنپوری

مجسٹریٹ: اب تم ساتویں مرتبہ عدالت میں آئے ہو تم کو شرم آنی چاہیے۔
مجرم: حضور گستاخی معاف میری تو ساتویں بار ہے۔ آپ تو ہر روز ہی تشریف لاتے ہیں۔

محمد ساجد (ہردوان)

استاد: (شاگرد سے) مجاہد، پورے سال میں تمھیں کون سا موسم پسند ہے۔
شاگرد: جس موسم میں اسکول بند رہتا ہے

محمد ساجد (ہردوان)

ہم سب بھائی بہنوں کو پیام تعلیم بہت پسند ہے لیکن اس کی ایک حرکت بہت ناپسند ہے۔ یہ گھر میں داخل ہوتے ہی ہم سب کو لڑا دیتا ہے۔ پچھلے ماہ کا پیام تعلیم تو اسی چھین جھپٹ کی نذر ہو گیا۔

محمد خالد
بمبئی

"پیامی ادبی معما" بہت دلچسپ ہے۔ ہمارے شہر کے کئی لڑکے، لڑکیوں کو صحیح حل یا ایک غلطی پر انعام مل چکا ہے، لیکن مجھے ابھی تک نہیں ملا کوشش کر رہا ہوں۔ انعام تو لے کر رہوں گا۔ پیام تعلیم جاری رکھیے۔

سلیم احمد انصاری
مالیگاؤں

میں پیام تعلیم کا پابندی سے مطالعہ کرتا ہوں کیوں کہ اس کے سارے مضامین معیاری اور دلچسپ ہوتے ہیں خدا اسے روز افزوں ترقی دے۔

ظہیر الدین انصاری
سنگھ بھوم (بہار)

ہمارے ابا جان ہمارے لیے دوسرے رسالے بھی منگاتے ہیں لیکن ہم سب کی نظر پیام تعلیم پر رہتی ہے۔ بھائی جان تو معینہ تاریخ پر ڈاکیے سے پیام تعلیم لے کر پہلے پڑھتے ہیں پھر ہم کو دیتے ہیں اس کے دلچسپ مضامین اچھی نظمیں اور دل لبھانے والے ٹائٹل۔ مبارک باد قبول فرمائیں۔

فلوری عتیق
شنکر پور (کٹک)

نام: عبداللہ عرف آزاد — عمر: ۹ سال
مشغلہ: اسکول جانا، نماز پڑھنا، اور ماسٹر صاحب کا احترام کرنا۔
پتا: وکاس پوری میرٹھ۔

نام: اقبال — عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: رسالے پڑھنا، کرکٹ کھیلنا، اخبار پڑھنا۔
پتا: سہیل احمد، اقبال حسین۔
سیر پورہ مالاپورہ اکولہ ۴۴۴۴۰۲

نام: مصطفےٰ کبیر — عمر: ۱۱ سال
مشغلہ: پابندی سے اسکول جانا، ماں باپ کی خدمت کرنا۔ اچھی کہانیاں پڑھنا۔
پتا: مصطفےٰ کبیر، کیر آف، کبیر الدین، اسلام آباد، ضلع کٹک (اڑیسہ)

نام: عبدالمجید — عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: اسٹامپ جمع کرنا، کامنٹری سننا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: عبدالمجید، ہائی اسکول، بالاپور، ضلع اکولہ ۴۴۴۳۰۲

نام: انصاری مسعود حسین مرتضیٰ حسن — عمر: ۱۶ سال
مشغلہ: بہترین شادی کارڈ جمع کرنا، اخبار کا مطالعہ کرنا۔
پتا: انصاری مسعود حسین ۹۸/۳۴/۷۹۔ اسلام آباد، مالیگاؤں، ضلع ناسک۔

نام: سید محمد یزداں — عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: کہانیاں لکھنا پڑھنا، پابندی سے خطوں کا جواب دینا۔
پتا: سید محمد یزداں، ہاؤس نمبر 307 A اوکھلا جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

نام: عمران — عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، ہوم ورک کرنا، نماز پڑھنا۔
پتا: شفیع منزل، نوباڑہ باندرہ، فلیٹ بمبئی ۵۰

سیرت النبی مقابلے کے انعام

اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن آف شاد آدم شیخ پالی ٹیکنک بھیونڈی کی "بزم ادب" کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت النبی تحریری مقابلے میں مندرجہ ذیل طالبات کو انعامات کا مستحق قرار دیا گیا۔ سینئر گروپ۔ اول انعام۔ اسرار زادہ جاوید جعفری (شاد آدم شیخ پالی ٹیکنک بھیونڈی) دوم انعام۔ شیخ محمد اختر (شاد آدم شیخ پالی ٹیکنک بھیونڈی) سوم انعام۔ مجاور غوث محمد (شاد آدم شیخ پالی ٹیکنک بھیونڈی) حوصلہ افزائی کا انعام۔ حمزہ اسد اللہ (شاد آدم شیخ پالی ٹیکنک بھیونڈی) جونیر گروپ اول انعام۔ منیرہ اسحاق احمد حمودلے (آئیڈیل ہائی اسکول تھانہ) دوم انعام۔ جنید اسرار مومن (شاد آدم شیخ ٹیکنیکل ہائی اسکول سوم انعام عابدہ اسحق حمدولے (آئیڈیل ہائی اسکول تھانہ) حوصلہ افزائی انعام۔ یاسمین بانو شیخ عابد (شاد آدم شیخ ٹیکنیکل ہائی اسکول بھیونڈی)

شیخ محمد اختر سکریٹری
اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن آف ایس اے پالی ٹیکنک

معلومات عامہ پر پہلا انعام

ایل ایم سردار اردو ہائی اسکول دیو پورہ دھولیہ کی جماعت نہم الف کا طالب علم اور اسکول کی "بزم ادب" کے مدیر محمود حسین دمی اللہ کو ینگ بوائز ایجوکیشنل اینڈ انڈسٹریل سرکل دھولیہ کی جانب سے منعقدہ "آل ضلع دھولیہ امتحان معلومات عامہ (جنرل نالج) میں اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

مالیگاؤں ہائی اسکول میں مباحثہ

مالیگاؤں ہائی اسکول کی نئی عمارت میں "کل مہاراشٹر مجاہد ملت مرحوم الحاج مولانا عبدالحمید نعمانی تقریری مباحثہ منعقد کیا گیا۔ اس مباحثہ کی صدارت محمد اسحاق انصاری خضر صاحب نے فرمائی۔ جناب شفیق الزماں مولوی یحییٰ زبیر صاحب مہمان خصوصی تھے۔ جناب شبیر کلیم۔ محمد حسن دانش اور حسن فاروقی نے جج کے فرائض انجام دیے۔ اس تقریری مباحثے میں بمبئی پونہ پربھنی اور مقامی جونیئر کالج کی ٹیموں نے حصہ لیا۔ مباحثہ کا نتیجہ مندرجہ ذیل رہا۔

۱۔ طارق عابد (مہاراشٹر کالج بمبئی) I انفرادی انعام ۲۔ نجم السحر حکیم کریم احمد (مالیگاؤں اسکول جونیئر کالج) II انفرادی انعام ۳۔ فہیدہ شبیر احمد (مالیگاؤں ہائی اسکول و جونیر کالج) انفرادی انعام ۴۔ سجاد احمد عبدالواحد (اے۔ ٹی۔ ٹی ہائی اسکول) انفرادی انعام۔

مجاہد ملت شیلڈ مالیگاؤں ہائی اسکول و جونیئر کالج کی ٹیم کو دی گئی۔

مولانا آزاد ہائی اسکول کا سالانہ اسپورٹس

بمبئی ۱۷ر فروری مولانا آزاد ہائی اسکول کے سالانہ اسپورٹس کا فائنل ۲۴ر جنوری ۸۵ء کو وائی ایم سی اے میدان پر ہوا۔ جس میں "کے جی" سے دسویں جماعت کے طلباء و طالبات نے بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ طلبا کے فائنل کی صدارت عالی جناب عبدالعظیم صاحب منسٹر آف مہاراشٹر نے کی اور انعامات تقسیم کیے۔

دوپہر کے وقت عالی جناب ایم۔ ایل۔ اے شیخ فہیم احمد کی صدارت میں طالبات کا فائنل اسپورٹس ہوا اس وقت بڑی تعداد میں طالبات و بچوں کے والدین حاضر تھے شیخ فہیم احمد نے انعامات تقسیم کیے۔

پرنسپل انوار احمد صدیقی نے انتظامیہ اساتذہ نیز غیر تدریسی عملہ اور طلبہ و طالبات کی معاونت کو سراہتے ہوئے کہا یہ سب کچھ ان کی محنتوں کا صلہ ہے۔

بچوں کی کوششیں

کہانی مچھوے کی

بہت پُرانے زمانے کی بات ہے. جمنا ندی کے کنارے ایک مچھوا رہتا تھا. وہ بہت ہی غریب تھا. اس کے پاس کوئی ناو نہیں تھی. مگر ایک چھوٹا سا جال تھا. جس کے ذریعے وہ ندی سے مچھلیاں پکڑتا تھا. شام کو بازار میں بیچ کر جو کچھ کماتا اس سے اپنے گھر کا خرچ چلاتا تھا.

ایک صبح وہ مچھلیاں پکڑنے کے لیے ندی میں جال بچھا کر پیڑ کے سہارے لیٹ گیا اور مچھلی آنے کا انتظار کرنے لگا. اپنا وقت بتانے کے لیے وہ گیت گانے لگا.

"کاش میں ایک راجا ہوتا
اچھے اچھے کپڑے پہنتا
نرم نرم گدّوں پر سوتا
میرے آگے پیچھے نوکر ہوتے
بیٹھ آگے میرے پیر دھوتے
اچھے اچھے میں کھانے کھاتا
فوارے کے ٹھنڈے پانی میں نہاتا"

ٹھیک اسی وقت اس دیس کا راجا اپنے دوست اور دو نوکروں کے ساتھ ادھر سے گزر رہا تھا. راجا مذاق پسند تھا اس لیے اپنے دوست اور نوکروں سے کہا: "ادھر آؤ میں تم کو گانا سنواتا ہوں. چلو ایک دن کے لیے میں بھی مچھوا بن جاؤں." اور وہیں سب چھپ کر اس کا گانا سُننے لگے.

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی. گرمیوں کا موسم تھا. اس لیے مچھوا کچھ نیند میں ڈوب گیا. ٹھیک اُسی وقت راجا نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ مچھوے کو کسی طرح سے ایک دن کے لیے راجا بنایا جائے. راجا نے اپنی جیب سے ایک ہرے رنگ کی شیشی نکالی اور پھول پر چھڑکی اور اس مچھوے کو دھیرے سے سُنگھائی. مچھوا بہت گہری نیند میں ڈوب گیا. راجا کے حکم کے مطابق مچھوے کو راج محل میں لایا گیا. مچھوے کو ایک بڑے سے شاہی کمرے میں نرم بستر پر لیٹا دیا گیا. جہاں پر ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار پڑ رہی تھی.

تھوڑا وقت بیت جانے پر مچھوے کی آنکھ کھُل گئی. تبھی سامنے سے دو نوکر آتے ہوئے دکھا دیے. وہ بولا: "میں کہاں ہوں؟" نوکر بولا: راجا صاحب آپ کیا ہم مذاق کر رہے ہیں؟" مچھوا اپنے بادشاہی لباس کو دیکھ کر بولا: "سچ سچ!" نوکر نے ہنستے ہوئے جواب دیا. حضور کو آج کیا ہو گیا ہے! اس کے بعد نوکروں نے راجا کو یعنی مچھوے کو اچھا اچھا کھانا کھلایا اور دوسرے کمرے میں چل کر مچھوے کو موسیقی سنائی گئی. تھوڑی دیر سُننے کے بعد اسے پھر سے نیند آنے لگی. راجا کے دوبارہ پھول سُنگھانے کے حکم سے نوکروں نے وہی جڑی لے کر مچھوے کو

سنگھاڑے اور اسی پیڑ کے نیچے چھوڑ کر آئے جہاں سے
اسے اُٹھا کر لائے تھے۔ راجا نے بھوے کی ایمانداری
پرکھنے کے لیے اس کی جیب میں ایک انگوٹھی ڈال دی۔
جو بہت قیمتی تھی۔ اور جس پر راجا کا نام لکھا تھا۔

کچھ دیر بعد بھوے کی آنکھ کھل گئی۔ وہ حیران تھا۔
یہ کیا؟ وہ سوچنے لگا۔ ابھی تو وہ راجا تھا۔ کیا یہ ایک
سپنا تھا؟ مگر اس نے تو کھانا بھی کھایا تھا۔ اور وہی
جال ندی میں پڑا ہے۔ بھوے نے جال نکالا اور گھر
چل دیا۔ آج وہ خالی ہاتھ تھا۔ گھر گیا تو بیوی نے ڈانٹا
کہ آج کیا خاک کھایا جائے گا۔ بھوے نے ساری بات
بیوی سے بتائی اور اس کی جیب سے ایک بیش قیمتی
انگوٹھی بھی نکلی۔

بھوا اس کو دیکھ کر فوراً سمجھ گیا کہ یہ راجا کی ہے
اس لیے اس نے اگلے روز محل جا کر انگوٹھی واپس
کرنے کا ارادا کیا۔ مگر بیوی نے بیچ میں ہی کہا "تمھارا
دماغ خراب ہوگیا ہے۔ کیوں نہ ہم اسے بیچ کر عیش
کی زندگی بتائیں"۔ اس کے من میں لالچ بھر آیا۔ لیکن
بھوا ایماندار تھا بولا: "ہم غریب بھلے ہی ہوں مگر بے ایمان
چور، دھوکے باز نہیں ہو سکتے"۔

اگلے دن سورج نکلتے ہی بھوا محل پر جا پہنچا اور
راجا سے ملنا چاہا، راجا سمجھ گیا کہ یہ بھوا ہی ہے۔
راجا نے حکم دیا کہ اسے یہاں لایا جائے۔ بھوا، راجا کے
سامنے حاضر ہوا اور بھوے نے راجا کو وہ انگوٹھی بھی
دی۔ راجا غصے میں بولا "تمھارے پاس یہ کہاں سے
آئی ہے؟" بھوا ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ راجا یہ سب
دیکھ کر زور سے ہنسا اور کل صبح کا سارا قصہ بھوے کو
بتایا۔ "تم بہت ایماندار ہو۔ اس لیے میں تم سے خوش
ہوں" راجا بولا۔ بھوے کو انعام میں بہت سے پیسے
دیے گئے اور ایک مچھلیاں پکڑنے کی کشتی بھی۔

ایم ذاکر انصاری
معرفت قدرت اللہ ولد سیر ہیبل پوسٹ آفس بدھودون

ایک متقی اور پاکٹ مار

کسی گانو میں ایک متقی رہتا تھا۔ وہ بہت غریب
تھا۔ اس کے پاس کچھ زمین تھی جس سے اس کی گزر
اوقات ہوتی تھی۔ قحط سے عاجز آکر ایک دن اس نے
سوچا کہ زمین کو بیچ کر کوئی کام کیا جائے۔ اور اس طرح
اس نے ایک دن ساری زمین بیچ دی۔

کام کے لیے شہر "کلکتہ" کو چنا۔ لیکن اس کے
دماغ میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ وہاں پاکٹ مار اور
اچکّے بہت ہوتے ہیں۔ اس لیے اس نے روپے کو کمر
میں باندھ لیا اور اللہ کا نام لے کر گھر سے روانہ ہوگیا۔

جب کلکتہ کے اسٹیشن پر پہنچا تو ایک بار ہاتھ
پھیر کر روپے کو دیکھ لیا۔ روپے ٹھیک پاکر اس نے
دل میں کہا کہ بالکل افواہ تھی کہ کلکتہ شہر میں روپے لے کر
چلنا مشکل ہے۔ جب ٹرام سے ٹلک بازار پہنچا تو متقی
نے پھر اپنی رقم کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ ابھی روپیا صحیح وسالم
تھا۔ دوسری طرف شکاری شکار کے تاک میں تھا یعنی کچھ
پاکٹ مار اس کے پیچھے لگ گئے اور آگے بڑھ کر ایک
نے سلام کیا اور گانو اور گھر کی خیریت پوچھی۔ دوسرے
نے پیچھے سے گوبر کی چھینٹ لگا دی۔ تیسرے نے کہا
چچا پیچھے کرتا میں گوبر لگ گیا ہے۔ آپ کو غسل کر لینا
ضروری ہے کیونکہ اس طرح نماز نہیں ہوگی۔ پھر کیا تھا
ایک نے بڑھ کر لنگی دی اور دوسرے نے صابن اور
کہا اس نل پر آپ غسل کر لیں اور اپنا سامان وغیرہ ایک
جگہ وہیں رکھ دیں۔ بیچارا بھولا بھالا متقی مجبوراً غسل
کے لیے بیٹھ گیا۔ لیکن آنکھ جھپکتے ہی اس کا سامان اور
پاکٹ مار سب کے سب غائب تھے۔ وہ روتا دھوتا اسی
حال میں اپنے گانو کے خاں صاحب کے ہوٹل میں گیا۔
خاں صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو اس نے خیریت
پوچھی۔ معلوم ہونے پر خاں صاحب نے پاکٹ مار کے
سردار کو بلایا۔ اُدھر بیچارا متقی کپڑے بدل کر سجدہ ریز
ہوگیا۔ اور رو رو کر خدا سے دعا کی اللہ تو ہم پر رحم فرما

اور میری رقم واپس دلادے۔ زندگی کی کل پونجی یہی ہے۔ ورنہ میں لٹ جاؤں گا۔

سردار نے جھٹ پتا لگا کر متقی کی رقم واپس کرا دی اور اس طرح متقی کی دعا قبول ہوگئی اور خوش خوش رہنے لگا۔

شکیل الرحمان
آزاد سوپ فیکٹری، گیا ۱

راغب اور ثاقب

کسی گانو میں دو دوست رہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ سب کام مل جل کر کرتے تھے۔ لیکن دونوں بیچارے مصیبت زدہ تھے۔ ایک اندھا تھا، ایک لنگڑا تھا۔

راغب اندھا تھا اور ثاقب لنگڑا تھا۔

ایک دن کی بات ہے۔ گانو سے کچھ دور ایک میلا لگا۔ میلے میں طرح طرح کی چیزیں آئی تھیں۔ دونوں دوست میلے میں جانا چاہتے تھے۔ لیکن راغب آنکھ سے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ثاقب چل نہیں سکتا تھا۔ اب وہ میلے میں کیسے جائیں؟

دونوں نے ایک ترکیب کی۔ راغب نے ثاقب سے کہا، دوست! تم میرے کندھے پر بیٹھ جاؤ۔ میں اپنے پیروں سے چلوں گا اور تم مجھے راستہ دکھانا۔

ثاقب، راغب کے کندھے پر بیٹھ گیا۔ ثاقب راستہ بتاتا تھا۔ اور راغب چلتا تھا۔ اس طرح دونوں دوست میلے میں پہنچ گئے۔

بچو! ہمیں بھی سب کام اسی طرح مل جل کر کرنا چاہیے۔

عطیہ صدیقی
ڈی ۳۴۰ گورنمنٹ ہاؤسنگ کالونی۔ گونڈہ

شرارت سے توبہ

کسی گانو میں دو دوست رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا رحیم اور دوسرے کا نام تھا کریم۔ رحیم گانو کے زمیندار کا بیٹا تھا۔ اور کریم اسکول کے ہیڈ ماسٹر کا بھتیجا۔ کریم کے ماں باپ نہیں تھے اس لیے وہ اپنے چچا کے پاس رہتا تھا۔ دونوں ایک ہی اسکول میں ششم جماعت میں پڑھتے تھے۔ اس اسکول کے سب استاد دونوں کو بہت چاہتے تھے۔ دونوں پڑھنے میں تیز ہونے کے ساتھ ساتھ شریر بھی بہت تھے۔ استاد ان دونوں کی شرارت کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔

ایک دن دونوں نے ایک اسکیم بنائی۔ کیوں نہ ماسٹر جی سے مار کھائی جائے۔ سب لڑکے ہم دونوں کے اوپر فقرے کستے ہیں کہ تم دونوں کو تو ماسٹر جی مارتے ہی نہیں۔ اور نہ کبھی کچھ کہتے ہیں۔ وہ تمھارے والدین سے ڈرتے ہیں۔ دونوں کو ایک شرارت سوجھی جب کلاس شروع ہوئی اور سب لڑکے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا ماسٹر جی نے رحیم کو کھڑا کیا اور پوچھا بولو رحیم "دکن کہاں ہے"؟ رحیم نے جھٹ جواب دیا جی دکن کو بخار ہے اس لیے نہیں آیا: کریم اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور بولا جی ماسٹر جی یہ جھوٹ بولتا ہے دکن تو باہر کھیل رہا تھا۔ ماسٹر جی کو غصہ بھی بہت آیا۔ لیکن وہ غصہ پی گئے اور دونوں کو سمجھایا کہ اچھے بچے شرارت نہیں کرتے ہیں۔

دونوں نے سوچا اب بھی ماسٹر جی نے ہمیں کچھ نہیں کہا۔ چلو کچھ دوسری ترکیب سوچتے ہیں۔ دوسرے دن دونوں اسکول شروع ہونے سے دو گھنٹے پہلے کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ گئے اور حساب کے ماسٹر جی کا کارٹون بنا کر اُن کے بارے میں غلط غلط باتیں لکھ دیں اور چپ چاپ باہر آگئے۔ جب اسکول شروع ہوا۔ اور سب لوگ آنے لگے تو دیکھا کہ ماسٹر جی کا کارٹون بنا ہوا ہے۔ سب لوگ دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگے۔ دوسرے ٹیچر بھی دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگے۔ جب حساب کے ماسٹر نے دیکھا تو بہت غصہ ہوئے اور سیدھے ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس گئے لیکن اُن دونوں کو تو کسی نے دیکھا نہیں تھا اس لیے سب حیرت میں پڑ گئے کہ یہ کس کی شرارت ہوسکتی ہے۔

دوسرے دن یہ لوگ پھر نئی شرارت کے ساتھ اندر آنے لگے تو چوکیدار نے دونوں کو دیکھ لیا۔ اور پکڑ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کے

پاس لے گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے دونوں کو بہت ڈانٹا اور پندرہ دن اسکول کے باہر کھڑا رکھا۔ دونوں اپنی اس نادانی پر بہت شرمندہ ہوئے اور دونوں نے ماسٹر جی سے معافی مانگ لی اور ہمیشہ شرارت نہ کرنے کا عہد کر لیا۔

طلعت پروین محمد ولی خاں
عمر: ۱۴ سال۔
انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول، بمبئی۔

ان سے ملیے

ان سے ملیے: یہ ہیں خرّم صاحب۔ شرارت کے پتلے۔ لڑائی، مار کٹائی میں نمبر اوّل۔ محلّے اور گلی کے بچّوں کی مرمّت کرنا ان کا معمول ہے۔ روزانہ نت نئی شرارتیں کرتے ہیں۔ امّی ابّو ان سے نالاں ہیں۔ روزانہ پٹائی ہوتی ہے لیکن خرّم صاحب کے حوصلے کی داد دینی چاہیے کہ اتنی پٹائی کے بعد بھی ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ سیکڑوں جوئیں ان کے سر میں روزانہ رینگتی رہتی ہیں۔ خدا کرے کوئی بھولی بھٹکی جوں ان کے کان پر بھی رینگ جائے۔

پہلے تو یہ صرف گلی محلّے کے لڑکوں کی مرمّت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ لیکن ادھر کچھ دنوں سے انھوں نے جوش کی بجائے ہوش سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ ہوش سے کام کرنے سے انھیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچنے لگا تھا۔ ورنہ جوش نے تو انھیں نقصان ہی پہنچایا تھا۔

ان کے ہوش سے کام کرنے کی ایک دلچسپ کہانی محلّے کے بچّے بچّے کی زبان پر آگئی تھی۔ کیا آپ بھی وہ دلچسپ کہانی سننا پسند کریں گے؟ لیجیے سنیے۔

یوں تو خرّم صاحب امّی ابّو کی نظروں سے بچ بچا کر کھانے پینے کی چیزیں صاف کر دیا کرتے تھے لیکن اگر والدہ صاحبہ کو معلوم پڑ جائے کہ یہ شرارت جناب خرّم صاحب کی ہے تو بس سمجھیے خرّم صاحب گھر سے اس طرح غائب ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور وہ گھر میں اس وقت قدم رکھتے جب ان کی نظر میں امّی کا غصّہ کافور ہو جاتا اور وہ پھر سے "میرا بیٹا ـــــ میرا لال ـــــ" کہہ کر نہ پکارتیں۔

ایک دن انھوں نے سوچا کیوں نہ آج مٹھائی کھائی جائے لیکن وہ مٹھائی کھائیں گے کہاں سے۔ ان کے پاس پیسے بھی تو نہیں تھے۔ مٹھائی کے لیے پیسوں کا بھی انتظام کرنا تھا۔ اگر انھوں نے امّی سے پیسے مانگے تو بجائے پیسوں کے ان کی پٹائی ہی نہ ہو جائے۔ ان کا آج مٹھائی کھانے کو خاص طور پر برفی کھانے کو صبح سے ہی دل چاہ رہا تھا۔ وہ دماغ لڑاتے رہے۔ آخر ایک ترکیب ان کی سمجھ میں آ ہی گئی۔ انھوں نے محلّے کے بوڑھوں اور بچّوں سے جنّوں بھوتوں کی کئی طرح کی کہانیاں سن رکھی تھیں۔ اپنی کہانیوں میں سے ایک کو انھوں نے عملی جامہ پہنانے کی سوچ لی تاکہ مٹھائی کھا سکیں۔

وہ جھٹ سے گھر پہنچے۔ اور اپنی ترکیب کے مطابق دروازے پر ٹھوکر کھائی اور گر پڑے۔ آنکھیں اس انداز میں بند کر لیں جیسے بے ہوش ہو گئے ہوں۔ امّی لپک کر ان کی طرف آئیں۔ خرّم صاحب اسی طرح آنکھیں موندے پڑے رہے۔ "میرے بیٹے ـــ میرے پیارے، لک ـــ کیا ہوا تجھے۔ تو بولتا نہیں۔ تو نے آنکھیں کیوں بند کر رکھی ہیں۔" لیکن خرّم صاحب اسی طرح پڑے رہے۔ اب تو امّی پریشان ہو گئیں۔ چیخ چیخ کر سارے محلّہ اکٹھا کر لیا۔ لوگ آئے۔ انھوں نے خرّم صاحب کو اٹھا کر چارپائی پر لٹا دیا۔ خرّم صاحب کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے گئے۔ انھوں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھیں ویران ویران سی نظر آ رہی تھیں۔ چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ اور خالی خالی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ اچانک ان کے جسم میں حرکت ہونے لگی۔ وہ کبھی دائیں ہوتے تو کبھی بائیں۔ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے گردش کرنے لگے۔ اور سر تیزی سے دائرے کی شکل میں گھومنے لگا۔ اس وقت وہ دنیا کی بہترین اداکاری کر رہے تھے۔ انھوں نے اس اداکاری کو حقیقت بنا دیا تھا۔

ان کی آواز میں تبدیلی رونما ہوئی۔ ان کی آواز کسی آدمی کی آواز سے ملتی تھی۔ ان کے منہ سے "حق ـ حق ـ انصاف چاہیے۔" جیسے الفاظ نکلنے لگے۔

لوگ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے۔ امّی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں
نوجوان اس کو ماننے کو تیار نہیں تھے کہ خرّم صاحب پر اس وقت

کوئی جن سوار ہے ایک بیس بائیس سال کا نوجوان آگے بڑھا اور کہا" مسخرا ہے۔ کچھ دیر بعد یہ اپنے آپ شانت ہو جائے گا۔

"بس ــ بدتمیز ــ تو ہماری طاقت کو نہیں پہچانتا ــ ہم اگر چاہیں تو اس محلے کو اس مکان کو غرق کر سکتے ہیں۔ سمجھا۔ حق ــ حق" وہ نوجوان گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ ایک سفید درویش معمر شخص آگے بڑھا اور کہا" اسے کسی سیانے کو دکھایا جانا چاہئے تبھی ٹھیک ہو سکتا ہے:

"میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اس کا علاج کر سکتا ہے" چودھری مہر دین نے کہا۔ اسی وقت چودھری کو اس شخص کو لینے بھیج دیا گیا۔ دس منٹ بعد چودھری صاحب ایک بوڑھے شخص کو ساتھ لے کر آئے آنے والے شخص نے کہا کہ میں اس کا علاج ایک ایسے کمرے میں کرنا چاہتا ہوں جہاں میرے اور اس کے سوا کوئی نہ ہو۔ اس کمرے کے دروازے کھڑکیاں بند ہونی چاہئیں۔

اب خرم صاحب نے سر ہلانا اور جسم ہلانا بند کر دیا تھا اب وہ زیر لب کچھ بڑبڑانے میں مصروف تھے۔ خرم صاحب اور ان صاحب کو ایک کمرے میں اکیلا چھوڑ کر لوگ باہر کھڑے ہو گئے۔

جیسے ہی ان صاحب نے دروازہ بند کیا خرم اپنی جگہ سے اچھلے اور ان صاحب کے سر پر پہنچ گئے اب ان کے منہ سے نکلنے والی آوازیں اور تھیں۔ ان صاحب نے جھٹ سے اپنا ڈنڈا درست کیا۔ آستینیں چڑھالیں اور میدان میں آگئے۔

"کون ہو تم ــ بتاؤ کون ہو ــ"

"ہا۔ ہا۔ ہم۔ بابا بودے شاہ ہیں۔"

"اس لڑکے کی روح کو کیوں پریشان کیا جا رہا ہے؟"

"اس کی وجہ ہے ــ اس کی وجہ ہے۔"

"کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"یہ گستاخ ہے ــ ہم نے اس پر جرمانہ کیا ہے ــ ہم اسے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک یہ ہمیں ایک کلو مٹھائی عطا نہیں کرتا۔ یہی نہیں ہر جمعرات کو شام کے ساڑھے پانچ بجے ہماری درگاہ پر ایک چراغ بھی جلائے گا ــ اور ــ ایک کلو مٹھائی کا ڈبا وہاں پر غریبوں میں اور ہمارے مریدوں کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا ہم نہیں چھوڑیں گے۔ کبھی نہیں"

"ٹھیک ہے!"

یہ کہہ کر جناب سیانے صاحب نے چٹخنی کھولی اور باہر آکر خرم صاحب کی والدہ سے ایک کلو مٹھائی کا ڈبا لانے کو کہا ــ انھوں نے جھٹ سے ڈبا منگوادیا۔ ڈبے کو دیکھ کر خرم صاحب کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ انھوں نے جھٹ سے ڈبا کھولا اور مٹھائی پر ٹوٹ پڑے۔ اور اتنی تیزی سے کھانے لگے جیسے کوئی ان کے پیچھے ان کے تعاقب میں آرہا ہو ــ پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔ جب مٹھائی کا خالی ڈبا جناب سیانے صاحب کا منہ چڑا رہا تھا۔

اب چونکہ خرم صاحب کی محنت رنگ لائی تھی۔ انھوں نے آنکھیں بند کیں اور اسی کمرے میں پڑی چارپائی پر لیٹ گئے۔ وہ اس انداز سے خراٹے لے رہے تھے جیسے گہری نیند میں ہوں۔

جب خرم صاحب کے والد صاحب کو یہ ماجرا معلوم ہوا تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے اسی دن سے قسم کھائی کہ خرم صاحب کو آئندہ کچھ نہ کہیں گے۔ اور ہر جمعرات کو خود خرم ہی کو بابا بودے شاہ کے مزار پر جاکر چراغ جلانے اور مٹھائی دینے بھیج دیا کریں گے۔

خرم صاحب نے کہا، اندھا کیا چاہتا دو آنکھیں۔ آج ہمارے ملک میں ایک دو نہیں ایسے ہزاروں خرم ہیں جن کی آمدنی کا سلسلہ یہی ہے۔

محمد شکیل راوت
مکان نمبر ۷/۴۹۳ محلہ کچہ کوٹ، مالیر کوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

پیامی ادبی معمّہ ۱۲ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱- قاعدے، ہمارا دین اوّل ص۶۳ ۲- گہرا، ہمارا دین اوّل ص۴۸ ۳- مدت، میرا نیس ص۵۹ ۴- باغ، رنگوں کی بستی ص۴۳ ۵- قلعے، مسلمان بیبیاں ص۵۱ ۶- ماما، مسلمان بیبیاں ص۷۶ ۷- جواہرات، پہاڑ کی چوٹی پر ص۶۸ ۸- پتھر، ہمارے رسول ص۶۶

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۱۱ خوش نصیب

فی کس ۹ روپے تقسیم کیے گئے

۱- ایم ایس سلمان اختر۔ ایم اے قاسمی مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج ۸۲۴۱۲۵
۲- ایس ایس جاوید " "
۳- محمد سلیم اللہ شریف ۱۸۲/۴-۲-۱۹ رسنت پورہ حیدرآباد
۴- محمد خلیل اللہ شریف " " "
۵- محمد رحیم اللہ شریف " " "
۶- محمد کریم اللہ شریف " " "
۷- عقیلہ نسرین " " "
۸- خلیق احمد کمرہ ۴۳۹ اے ڈنگ منسٹری آف لا نئی دہلی ۱
۹- رانا خلیل ۳۵ پہاڑی املی مٹیا محل دہلی ۶
۱۰- عاصمہ خاتون " " "
۱۱- ارشد عرف گڈو " " "

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۵ خوش نصیب

فی کس دس ۱۰ روپے تقسیم کیے گئے

۱- کے۔ ایف ظہرہ۔ رفیع گنج
۲- نثار احمد۔ احمد آباد
۳- شکیل راوت۔ مالیر کوٹلہ
۴- ریحان احمد۔ کٹیہار (بہار)
۵- عبدالمجید۔ اُنیکل (بنگلور)

پیامی ادبی معمّا نمبر 16

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۵ مئی ۸۵ء

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ **دوسرا انعام:** ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اسے ہی نمبروار لکھیے۔

1. جیسے ہی میں ــــــ کر گردن پر پہنچا، میں نے ماں کا کان منہ میں بھر لیا۔ (اُچھل/گود)
2. رات گئے تک کام کرنے کے باوجود وہ ہر ــــــ بہت جلد اٹھتی تھیں۔ (روز/صبح)
3. اور میری ــــــ کے پائے تو ایسے لال لال خوب صورت ہیں۔ (کرسی/[illegible])
4. ہم نے ــــــ دھویا، کپڑے بدلے۔ (منہ ہاتھ/ہاتھ، منہ)
5. علامہ اقبال نے تم ــــــ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے بھی علم و حکمت کے کیسے کیسے خزانے لٹائے ہیں۔ (ایسے/جیسے)
6. یعنی پورا پیش نہیں پڑھا جائے گا بلکہ پیش کی طرف ــــــ کیا جائے گا۔ (اشارہ/رجوع)
7. ــــــ کروڑ زبانوں سے "انگریزو! ہند چھوڑ دو" کی پکار سارے دیس میں گونج اٹھی۔ (پچاس/چالیس/ساٹھ)
8. اس کا قد عام طور پر چار، ساڑھے چار ــــــ ہوتا ہے۔ (فٹ/گز)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۳۵ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمے کے متعلق تمام معاملات میں ایڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی معمّا نمبر 16 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 Apıal, 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دلی ۲

یام تعلیم

ماہنامہ
پیامِ تعلیم
نئی دہلی ۲۵

مئی ۱۹۸۵ء | جلد ۲۲ | شمارہ ۵

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰
سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

رمضان کا مبارک مہینا آرہا ہے خدا ہمیں توفیق دے کہ اس مہینے کا خیر مقدم اس طرح کریں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

اس شمارے کے پہنچنے تک آپ امتحانوں سے فراغت حاصل کر چکے ہوں گے۔ اب بے چینی سے نتیجوں کا انتظار ہو رہا ہوگا۔ ہماری دعا ہے کہ کامیابی آپ کے قدم چومے۔ آمین۔

رسالے کے رجسٹریشن نمبر کی تجدید کا معاملہ ڈاک کے محکمے کی عنایت سے ابھی تک کھٹائی میں پڑا ہوا ہے روزانہ دفتروں کے چکر لگ رہے ہیں۔ ابھی تک ہمیں یہ معلوم کرنے میں بھی کامیابی نہیں ہوئی کہ ہمارا نمبر منسوخ کر دیا ہے یا کسی اور وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے۔ سبب معلوم ہو تو اس کی روشنی میں کارروائی کی جائے۔ مگر وہاں تو ایک خاموشی ہے اور بس۔ یہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ شاید ابھی کچھ دن اور وقت کی پابندی کے ساتھ پرچہ نہ ملنے میں رکاوٹیں جاری رہیں۔

اس شمارے میں تقریباً تمام چیزیں آپ کی دلچسپی کی ہیں خصوصی طور پر ڈاکٹر مظفر حنفی کا مضمون "گرودیو" احمد جمال پاشا کا "ہاتھی کے پیٹ میں لومڑی" اور ثریا حجاب پٹھان صاحبہ کی کہانی "ہمدانی" آپ کو ضرور پسند آئے گی۔

چودھری وجاہت علی سندیلوی کی نظم "اردو کا ترانہ" پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی نگارش "لکھنے کا شوق" نہ صرف غور سے پڑھنے کی چیز ہے بلکہ اس پر عمل کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے اگر آپ اس پر آج سے عمل شروع کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ کل آپ کا شمار اچھے ادیبوں میں نہ ہونے لگے ہمیں امید ہے کہ آپ پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کی طرف بھی توجہ دیں گے۔ بچوں کی کوششیں کے صفحات آپ ہی کے لیے ہیں۔

کاغذ کی قیمتیں آئے دن بڑھتی جا رہی ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمیں سالانہ چندے میں اضافہ نہ کرنا پڑے تو اپنے احباب میں پیام تعلیم کا تعارف کرائیے اور زیادہ سے زیادہ خریدار بنائیے۔ اگر آپ کے علاقے میں پیام تعلیم کا کوئی ایجنٹ نہ ہو تو وہاں ایجنسی قائم کرنے کی کوشش کیجیے۔ مقصد بہرحال یہ ہے کہ اس کی اشاعت میں ترقی ہو تاکہ ہم اسے اور اچھا بنا سکیں۔

یہ خبر تو پہلے ہی دینی چاہیے تھی لیکن اب بھی آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ مکتبہ پیام تعلیم کو عمدہ بچوں کا ادب پیش کرنے پر اتر پردیش اردو اکیڈمی نے ایک ہزار روپے کا انعام عطا کیا ہے۔ ہماری طرف سے آپ سب کو مبارک باد۔

چاچا نہرو جو ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو ہم سے جدا ہو گئے۔ لیکن ان کی یاد آج بھی ہمارے دلوں میں باقی ہے۔

وجاہت علی سندیلوی

اُردو کا ترانہ

اُردو زباں پیاری زباں اپنی زباں

تو گود سے ماں کی رہی اپنی زباں
تو نے سکھایا بولنا ہم کو یہاں
اِمرت ترا ہے خون میں اپنی رواں
اُردو زباں پیاری زباں اپنی زباں

تو اتحادِ قوم کی ہے داستاں
سب سے اُلفت اور محبت کا نشاں
تو ملک کی تہذیب کی ہے پاسباں
اُردو زباں پیاری زباں اپنی زباں

ہر لفظ تیرا پھول ہے تو گلستاں
خوشبو سے تیرے ہے مہکتا کل جہاں
تیرے چمن میں آ نہیں سکتی خزاں
اُردو زباں پیاری زباں اپنی زباں

تجھ سے ہماری شان ہے پہچان ہے
تجھ پر ہماری جان بھی قربان ہے
بس تو پھلے پھولے یہی ارمان ہے
اُردو زباں پیاری زباں اپنی زباں

تجھ سے منور ہیں زمین و آسماں
صدقے ہیں تجھ پر چاند، تارے، کہکشاں
تجھ کو سلام اے نازشِ ہندوستاں
اُردو زباں پیاری زباں اپنی زباں

باطل شکن ہے حق کی تو آواز ہے
شانِ وطن ہے قوم کا اعزاز ہے
ہم فخر کرتے ہیں تجھی پر ناز ہے
اُردو زباں پیاری زباں اپنی زباں

نصرت منزل۔ سندیلہ۔ یوپی

بچوں کے لیے نئی اور دلچسپ کتابیں

				جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
				چوری کی عادت	۲/۰۰
				چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
				چنبیلی	۱/۲۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰	ہار کی تلاش	۴/۰۰	چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
ننھا جبرو	۲/۵۰	بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰	بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰	بندر اور نائی	۲/۵۰	دھنک (")	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰	بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰	کھیل سنسار (")	۴/۵۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰	تاک دنا دن تا کے سے	۱/۵۰	شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
بابا نامع	۲/۰۰	پانچ بونے	۱/۵۰	سندر چنار	۱/۵۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰	پتھر میں جونک کیا خاک	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰	پکڑ دم کٹے کو	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰	پان کھا کر طبلہ بجا کر...	۱/۵۰	میگھ نگر کا راجا	۱/۲۵
سرخ جوتے	۳/۰۰	جادو کا گھر	۱/۵۰	میرانیس	۲/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰	چیونٹی رانی	۱/۵۰	دادا نہرو	۵/۰۰
شرارت	۲/۰۰	ردلی کس نے پکائی	۱/۵۰	جلوہ غابی	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰	لال مرغی	۱/۵۰	خربوزے شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰	لومڑی کا گھر	۱/۵۰	دم کٹا سانپ	۱/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰	مدو دانا پردیس چلے	۱/۵۰	ریڈیو فیچر	۲/۲۵
جدید پہیلیاں	۶/۰۰	ہیو جیو	۱/۵۰	سرکس	۱/۵۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰	بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰	گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰	شیر خاں	۱/۵۰	ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰	لومڑی کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)	۱/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰	میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)	۱/۲۵
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰	ہرن کے بچے	۱/۵۰	سماجی زندگی (سوم)	۱/۴۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰	بہادر	۲/۵۰	کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰	ایک کچوری تیل میں	۱/۵۰	ہمارے محاورے	۷/۵۰
جوہر قابل	۳/۰۰	تابیل خاں	۱/۵۰	انوکھا عجائب خانہ (اول)	-/۵۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰	تین اناڑی	۳/۰۰	انوکھا عجائب خانہ (دوم)	۴/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰	پہیلیاں	-/۸۰	انوکھا عجائب خانہ (چہارم)	-/۵۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰	جھوٹا لڑکا	۱/۵۰	مفید معلومات	۱/۵۰

لکھنے کا شوق

بہت سے نونہالوں کو اپنا نام چھپوانے کا شوق ہوتا ہے۔ یہ شوق اچھا ہے۔ شوق تو ہے ہی اچھی چیز شوق ہی کی وجہ سے آدمی بہت سے مشکل اور خطرناک کام کر لیتا ہے۔ لیکن ایک اور لفظ بھی یاد رکھیے، وہ ہے سلیقہ۔ شوق کے ساتھ سلیقے کو ملانے سے بڑا مزے دار مربا تیار ہوتا ہے جس کو کہنا چاہیے۔ کیا کہنا چاہیے، میرے خیال میں کامیابی کہہ لیجیے۔ شوق کے ساتھ ایک اور چیز بھی شامل ہو جاتی ہے اور وہ ہے محنت۔ شوق ہو تو آدمی محنت ضرور کرتا ہے۔ کوئی محنت نہ کرے تو سمجھو کہ اس کا شوق ادھورا ہے لیکن شوق کے ساتھ سلیقہ بھی چاہیے۔ خاص طور پر نام پیدا کرنے کے لیے تو سلیقہ بہت ہی ضروری ہے۔ نام کے لفظ سے پہلے اکثر دو لفظ اور لگتے ہیں، مگر اکٹھے نہیں آتے۔ کبھی ایک لفظ آتا ہے اور کبھی دوسرا۔ وہ کیا لفظ ہیں؟ ایک لفظ ہے "نیک" اور ایک لفظ ہے "بد" آپ نے یہ دونوں لفظ اس طرح بھی سنے اور پڑھے ہوں گے۔ "نیک نام" اور "بدنام"۔ کو شہرت کے شوقینوں کو یہ دونوں لفظ ضرور یاد رکھنے چاہییں، شوق کے ساتھ سلیقہ شامل ہو تو نیک نام ورنہ بدنام۔ سلیقے کی پہلی بات یہ ہے کہ "نام" کام سے حاصل ہوتا ہے۔ کام کے بغیر کوئی بھی نام نہیں کما سکتا۔ جس طرح پیسہ کمانے کے لیے محنت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح نام کمانے کے لیے بھی کوشش ضروری ہے۔ اچھے کاموں سے اچھا نام ملتا ہے اور بڑے کاموں سے بڑا نام۔

جو نونہال ادیب بننے کا شوق رکھتے ہیں وہ تعریف کے قابل ہیں، لیکن شوق جتنا اچھا ہے اتنا آسان نہیں ہے۔ ہر رستہ جو شہرت، عزت، دولت یا حکومت تک پہنچاتا ہے لمبا ہوتا ہے اور دشوار بھی۔ جو لوگ راستے کی مشکلوں سے گھبرا جاتے ہیں اور دل چھوٹا کر لیتے ہیں وہ جلدی تھک جاتے ہیں اور راستے ہی میں بیٹھ جاتے ہیں یا واپس اپنی جگہ آجاتے ہیں۔ بڑے کاموں کے لیے لمبا سفر کرنا ہی پڑتا ہے۔ سفر کی تکلیفوں کو شوق آسان بنا دیتا ہے اور مسافر کو تھکنے نہیں دیتا۔

ادب کی منزل بھی آسان نہیں ہوتی اور ادیب بننے کے لیے جس راہ پر چلنا پڑتا ہے اس میں اتار چڑھاؤ بھی آتے ہیں، اس لیے احتیاط سے چلنا پڑتا ہے۔ ورنہ گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بعض وقت شوق جلدی سے تیزی کا تقاضا کرتا ہے کہ بھاگ کر شہرت کی منزل پر پہنچ جائیں لیکن اس بھاگ دوڑ میں ٹھوکر بھی لگ جاتی ہے اور آدمی جلدی پہنچنے کے

بجائے اور دیر سے پہنچتا ہے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ آدمی دیر سویر منزل پر پہنچ تو جائے لیکن اس سے زیادہ نقصان کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسافر راستہ بھٹک جاتے ہیں اور غلط راہ پر چل پڑتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل منزل گم ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ اِدھر اُدھر بھٹکتے رہتے ہیں۔

جن نونہالوں کو لکھنے کا شوق ہوتا ہے ان کا پہلا اوزار کیا ہے؟ قلم؟ نہیں کتاب ان کو سب سے پہلے پڑھنے کا شوق پیدا کرنا چاہیے۔ اگر آپ بڑھئی کا کام سیکھنا چاہیں تو آری بسولا ہاتھ میں پکڑنے سے پہلے بڑھئی کا کام دیکھیں گے۔ اس کی بنائی ہوئی میز، کرسی، الماری وغیرہ پر غور کریں گے۔ لکھنا ہے تو لکھا ہوا دیکھیں، خوب پڑھیں۔ پڑھنے سے معلومات بھی بڑھے گی اور یہ بھی سمجھ میں آئے گا کہ معلومات اور خیالات کو لفظوں کا لباس کس طرح پہنایا جاتا ہے جو تحریر اچھی لگے اس کو نقل کرلیں۔ نقل کرتے کرتے آپ کو بھی اپنی بات کہنے کا ڈھنگ آ جائے گا۔

جو کچھ لکھنا ہو اس کو سادہ اور آسان لفظوں میں لکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک تو سادگی بڑی خوبی ہے، دوسرے شروع میں مشکل الفاظ لکھنے سے غلطیاں زیادہ ہوں گی۔ اس لیے آسان سے آسان زبان میں اپنا خیال ادا کرنا چاہیے۔

پچھلے بزرگ کہتے تھے کہ اپنا لکھا چھپوانے کی جلدی نہ کرو۔ دنیا کا کوئی ادنا سے ادنا کام بھی پہلے دن یا پہلی بار اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کی نمایش کی جائے۔ بعض نونہال چاہتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا پہلا مضمون یا پہلی کہانی یا پہلی نظم ہی چھپ جائے لیکن اس سے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ مشق کے بعد ہی مہارت حاصل ہوتی ہے۔ ابتدائی تحریر چھپ بھی گئی تو مزہ نہیں آئے گا۔ ابتدا میں کسی سے اصلاح لینا ضروری ہے۔ اصلاح لینے سے غلطیاں اور خامیاں آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہیں اور آدمی جلد ترقی کرتا ہے۔ استاد کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن وقت زیادہ لگتا ہے۔

کسی نونہال کی دس کہانیاں چھپیں اور ایک بھی پسند نہ کی جائے یہ اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ صرف ایک کہانی شائع ہو اور بہت لوگ اس کی تعریف کریں۔

ہر کام کے شروع میں جو وقت اور محنت ہوتی ہے وہ بعد میں نہیں ہوتی۔ آہستہ آہستہ کام آسان ہو جاتا ہے اور اس میں صفائی اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی حال مضمون نگاری کا ہے۔ جو نونہال صبر اور سلیقے سے کام لیں گے ان کا شوق ان کو بہت اچھا نام کما کر دے گا۔ (بشکریہ نونہال)

احمد جمال پاشا

ہاتھی کے پیٹ میں لومڑی

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا وہ ایک ہاتھی کو بہت پسند کرتا تھا۔ اور خاص موقع پر ہی اس پر سوار ہوکر نکلتا تھا۔ ایک دن ہاتھی کی طبیعت خراب ہوئی اور ہر ممکن دوا علاج کے باوجود وہ مر گیا۔ بادشاہ کا دل ٹوٹ گیا اور اتنے اچھے ہاتھی کی موت پر درباریوں کو بھی بہت افسوس ہوا۔

مردہ ہاتھی کو محفوظ رکھنے کی کوئی صورت نہیں تھی اس لیے بادشاہ نے اپنے آدمیوں سے اس کی لاش پھینکنے کے لیے کہا۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لیے بہت مضبوط رسّوں اور شاہی اصطبل سے بہت دور ایک بڑے چشمے تک مردہ ہاتھی کو کھینچنے کے لیے ۵ سو آدمیوں کی ضرورت پڑی۔

ایسا ہوا کہ چشمے کے نزدیک ایک لومڑی رہتی تھی بہت دن سے اسے ٹھیک سے کھانا نہیں ملا تھا۔ اور وہ بہت بھوکی تھی۔ مردہ ہاتھی کو دیکھ کر اسے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اور اس نے اسے کھانا شروع کردیا۔ کھاتے کھاتے وہ اس کے پیٹ کے اندر پہنچ گئی۔ اور اس کی آنتیں تک کھالیں۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ پورے دو دن سے وہ ہاتھی کے پیٹ میں ہے۔ کھا رہی ہے اور آرام کر رہی ہے۔

یہاں تک کہ وہ ہاتھی کا سارا گوشت کھا گئی۔ اس نے اپنے گھر واپس جانا چاہا لیکن اسے یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی۔ کہ جدھر سے وہ پیٹ پھاڑ کر گھسی ہوئی ہاتھی کے جسم کے اندر گھسی تھی وہ راستہ اتنا سکڑ گیا ہے کہ اب وہ ہاتھی کے پیٹ میں پھنس گئی ہے اور باہر نہیں نکل سکتی۔

چالاک لومڑی تھک کر بیٹھ گئی اور باہر نکلنے کی ترکیب سوچنے لگی یہاں تک کہ اس نے لوگوں کے قدموں کی چاپ سنی۔ اور ان کی باتیں سنیں اس کے بعد وہ فوراً اندر سے چلائی۔

”میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ اس کا پیارا ہاتھی جس کو وہ سمجھتا ہے کہ مر چکا ہے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر بڑی مقدار میں گھی ہاتھی کے پیٹ میں ملا جائے تو وہ پھر زندہ ہوجائے گا۔“

تین کسانوں نے یہ بات سنی اور وہ بھاگتے ہوئے بادشاہ کے پاس ہاتھی کی بات بتانے پہنچے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ پچاس من گھی مردہ ہاتھی کے پیٹ پر ملا جائے۔

سات دن تک سیکڑوں آدمی ہاتھی کے پیٹ پر گھی ملتے رہے اور جیسے ہی کھال دوبارہ ملائم ہوگئی تو لومڑی نے سوچا کہ اب وہ ہاتھی کے پیٹ سے نکل سکتی ہے۔ لیکن وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ اسے ان سب آدمیوں

کوٹھی نشاط افزا، سیوان (بہار)

کو پہلے ہٹا دینا ہوگا۔ ورنہ جب وہ اسے ہاتھی کے پیٹ سے باہر نکلتے دیکھیں گے تو مار ہی ڈالیں گے۔ اس لیے وہ ہاتھی کے پیٹ میں سے پھر چلائی۔

" دوستو میں اب کھڑا ہونے والا ہوں لیکن میں تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ مجھ سے دور فاصلے پر کھڑے ہو جاؤ تاکہ اگر کھڑے ہونے میں مجھے چکر آ جائے اور میں گر پڑوں تو تم میں سے کچھ لوگ میرے بوجھ سے کچل کر مر نہ جائیں۔"

جیسے ہی لوگوں نے یہ سنا اُن میں فوراً بھگدڑ مچ گئی کیونکہ کوئی بھی ہاتھی کے نیچے کچل کر نہیں مرنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ اتنا تیز دوڑے جتنا کہ دوڑ سکتے تھے۔ لومڑی نے موقع غنیمت جانا۔ جلدی سے وہ ہاتھی کے پیٹ سے باہر نکل کر جنگل کو بھاگ گئی۔ اور اس افراتفری میں کسی نے اُسے بھاگتے ہوئے نہ دیکھا●

موتی

سعدیؒ شیرازی کو بچپن میں باپ نے ایک انگوٹھی خرید کر دی، سعدیؒ کہیں اکیلے جا رہے تھے کہ کسی اُچکے نے مٹھائی کا لالچ دے کر انگوٹھی اتار لی۔

باپ نے سُنا تو کہا " بیٹا بیس روپے کی انگوٹھی ایک دھیلے کی مٹھائی کے بدلے میں کھو آئے ہو۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ مگر ایک بات یاد رکھو۔ جس طرح میں نے تمھیں انگوٹھی دی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک موتی دیا ہے۔ اس موتی کا نام " انسانیت" ہے۔ دنیا کی چھوٹی چھوٹی لذتیں مٹھائی کی طرح ہیں جو شیطان ایک ماہر اُچکے کی طرح تمھارے پیچھے لیے پھرتا ہے" تاکہ وہ موتی تم سے ٹھگ لے۔ مگر خبردار یہ انمول موتی نہ گنوا بیٹھنا۔

دلاور فگار

تم جب جوان ہو

ہمدرد فاؤنڈیشن نے یونیسکو پروگرام کی تائید اور مطابقت میں ۲۱ مارچ ۱۹۸۴ء کو بچوں کی شاعری کا عالمی دن منایا اور تیرہ سال سے کم عمر بچوں کا ایک مشاعرہ بہ عنوان "آؤ، ایک بے خوف دنیا تعمیر کریں" منعقد کیا۔ یہ "بچہ مشاعرہ" اپنی مثال آپ تھا۔ تیرہ سال سے کم عمر بچوں کے لیے یہ نظم لکھی ہے جسے ایک سو تیرہ سال تک کے بچے پڑھ سکتے ہیں۔

بچو! مری دعا ہے کہ تم جب جوان ہو
انسان کا جہاں میں نہ یوں امتحان ہو
دنیا تمھاری خوفِ تصادم سے دور ہو
ہاں، اک خدا کا خوف دلوں میں ضرور ہو
اللہ تم کو جوہرِ شعری ضرور دے
تم وہ غزل لکھو جو دلوں کو سرور دے
اس وقت اس جہاں میں جو بھڑکی ہوئی ہے آگ
تم جب جوان ہو تو نہ ہو وقت کا یہ راگ
تم جب جواں ہو چاروں طرف یہ دھواں نہ ہو
یعنی تمھارے دور میں "آتش" جواں نہ ہو
تم جب جواں ہو امن کی آواز ہو بلند
دنیا کے ہر علاقے میں ہو جائے جنگ بند
دنیا سلامتی کے نئے مرحلے میں ہو!
راکٹ نہ ہوں فضاؤں میں، لاکٹ گلے میں ہو
حملوں کی بو نہ آئے سیاسی بیان میں
یہ اسلحہ کی دوڑ نہ ہو اس جہان میں
درپے ہیں وقت تم کو مسائل نہ دے کے جائے
یہ اسلحہ، یہ بم، یہ میزائل نہ دے کے جائے
ہم اسلحہ کے سایے میں پل کر جواں ہوئے
پڑھ لکھ کے سوئے منزلِ پیری رواں ہوئے
ہم کو تو محفلوں میں بھی تنہائیاں ملیں
چہروں کی آرزو تھی، سو پرچھائیاں ملیں
جو فلم ہم نے دیکھی ہے دنیا کے ہال میں
تم بھول کے بھی دیکھو نہ خواب و خیال میں
تم سے ادا ہو رسمِ کہن باقیات کی
تم واقعی مثال ہو اخلاقیات کی
"ہمدرد" بھی یہی ہو، "یونیسکو" بھی ہو یہی
لیکن تمھاری زیست کی اقدار ہوں نئی
گزریں فضائے امن و اماں میں تمھارے دن
بچو تمھاری نسل ہو اک نسلِ مطمئن
ہم نے مشاعرے پڑھے تیغوں کے سائے میں
تم شعر یوں نہ پڑھنا غزل کی سرائے میں
زندہ ہیں ہم ہراسِ مسلسل کے درمیاں
تم جب جوان ہو جینے کے لائق ہو یہ جہاں
آئے خوشی تمھارے قدم چومتی ہوئی
تم کو حیاتِ تازہ ملے جھومتی ہوئی

(بہ شکریہ ہمدرد نونہال)

گرودیو ٹیگور

ڈاکٹر مظفر حنفی

تمھیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ہمارا قومی ترانہ رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا تھا جس طرح پیارے گاندھی جی کو باپو اور پنڈت نہرو کو چاچا کہتے ہیں اسی طرح عقیدت سے رابندر ناتھ ٹیگور کو گرودیو کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

کلکتے میں مذہبی خیالات کے ایک نیک طبیعت اور علم دوست انسان تھے جن کا نام دویندر ناتھ ٹیگور تھا وہ بنگال کے ایک دولت مند ٹھاکر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دنیا کے عیش و آرام اور شان و شوکت کے مقابلے میں علم اور مذہب کو زیادہ قیمتی سمجھا اور اپنے خاندانی لقب "راجا" کو چھوڑ کر خود کو مہارشی کہلانے لگے۔ ان کا خاندانی نام ٹھاکر انگریزی میں بگڑ کر ٹیگور ہو گیا اور پھر سب ہی کی زبان پر یہی نام چڑھ گیا۔ گرودیو، انھیں مہارشی دیویندر ناتھ ٹیگور کے بیٹے تھے۔ مہارشی دیویندر ناتھ کے سات بیٹے تھے جن میں رابندر ناتھ سب سے چھوٹے تھے۔ رابندر ناتھ ٹیگور ۶ر مئی ۱۸۶۱ء کو کلکتے میں پیدا ہوئے تھے۔ چودہ برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کی ماں کی تپ دق کی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات ہو گئی۔

ماں کی موت کا رابندر ناتھ کے دل پر گہرا اثر رہا۔ ان کی پرورش ملازموں نے کی۔ بچپن ہی سے رابندر ناتھ ادب اور موسیقی میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر پر اتالیقوں سے اور پرائیویٹ اسکول میں حاصل کی۔ ۱۸۷۸ء میں جب رابندر ناتھ ٹیگور کی عمر سترہ برس کی تھی، ان کے بڑے بھائی نے انھیں اپنے پاس انگلینڈ بلا لیا اور اب ٹیگور لندن میں ہی رہنے لگے لیکن وہاں بھی اپنا ہندستانی لباس ہی پہنتے تھے۔ انگلینڈ میں انھوں نے یونی ورسٹی کالج (لندن) میں داخلہ لے لیا اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ لیکن وطن پرست رابندر ناتھ ٹیگور کا جی زیادہ دنوں تک انگلستان میں نہیں لگا اور وہ ہندستان واپس لوٹ آئے۔ اس دوران انھوں نے انگریزوں کے رہن سہن کو بہت غور سے دیکھا۔ ۱۸۸۳ء میں وہ دوبارہ انگلینڈ جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اسی سال ان کی شادی مرنالنی دیوی کے ساتھ ہو گئی اور انھوں نے پردیس جانے کا خیال دل سے نکال دیا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے یہاں دو بچے ہوئے ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔

ٹیگور کا مزاج لڑکپن ہی سے شاعرانہ تھا اور انھیں مناظر فطرت سے بڑی انسیت تھی۔ وہ غریبوں کے بیچ سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند کرتے تھے۔ انھوں نے آٹھ برس کی عمر سے ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ ہندستان کی پرانی مذہبی کتابیں انھیں بہت متاثر کرتی تھیں۔ بہاری لال چکرورتی، ودیاپتی، رام پرساد اور کبیر داس جیسے صوفی شاعروں سے انھوں نے بہت کچھ سیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں اور دوسری تحریروں میں بے پناہ تاثیر ہے۔ انھوں نے نظمیں، ڈرامے، ناول مضمون اور افسانے بھی لکھے۔ ان کی نظمیں بنگال کی روزمرہ کی زندگی کا ایک حصہ

شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دہلی ۲۵

بن چکی ہیں اور کہانیاں بھی دنیا بھر میں مقبول ہیں۔ اُن کے
ناولوں میں "گورا" اور شاعری کے مجموعوں میں "گیتا نجلی" کو
عالمگیر شہرت ملی۔ یہ چیزیں بنگالی میں لکھی گئیں "گیتا نجلی" کو
ٹیگور نے خود انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ یہ کتاب
یورپ میں بہت زیادہ پسند کی گئی اور ۱۹۱۳ء میں اسی پر
ٹیگور کو ادب کا نوبیل انعام دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

نوبیل انعام دنیا کا سب سے بڑا انعام سمجھا جاتا ہے اور
پانچ موضوعات پر دنیا بھر میں سب سے اچھے کارنامے
انجام دینے والوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور
ہندستان ہی کے نہیں، ایشیا کے سب سے پہلے شاعر تھے
جنھیں نوبیل انعام عطا کیا گیا۔ اسی طرح ڈاکٹر سی وی رمن
پہلے ہندستانی اور ایشیائی ہیں جنھیں ۱۹۳۰ء میں سائنس کے
نوبیل انعام کا حق دار سمجھا گیا۔ ان جیسے لوگوں کی وجہ سے
ہی ہندستان کا سر دنیا بھر میں اونچا ہوا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری اور دوسری تحریروں میں
مذہب، انسان دوستی، غریبوں سے محبت، فطرت پرستی
اور امن پسندی اور ذات پات کا فرق مٹا دینے کا جذبہ پایا
جاتا ہے۔ "گیتا نجلی" گرودیو کی آخری تصنیف ہے۔ اس میں
اعلیٰ جذبات نگاری، خیال کی پاکیزگی، خلوص اور ایثار
کا جذبہ شامل ہے۔

۱۹۱۵ء میں حکومت برطانیہ نے انھیں "سر" کا خطاب
عطا کیا (یہ خطاب اردو کے شاعر علامہ اقبال کو بھی دیا گیا تھا)
جلیان والا باغ میں ہندستانیوں پر انگریزوں کے ظلم و ستم
کی وجہ سے ٹیگور نے ۱۹۱۹ء میں یہ خطاب واپس کر دیا تھا۔ اس
کے چند سال بعد انھیں یہ خطاب پھر استعمال کرنے کی اجازت
دی گئی۔ دنیا کی کئی یونی ورسٹیوں نے انھیں ڈاکٹریٹ کی
اعزازی ڈگریاں عطا کیں۔ ٹیگور نے انگلینڈ کے علاوہ دنیا
کئی اور ملکوں کا سفر بھی کیا جن میں ڈنمارک،
روس، امریکا، جاپان اور ایران وغیرہ شامل ہیں۔ گرودیو
رابندر ناتھ ٹیگور ہی نے ۱۹۱۶ء میں گاندھی جی کو "مہاتما"
کا خطاب دیا تھا۔

جس طرح مولانا محمد علی جوہر اور اُن کے ساتھیوں نے
جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تھی اسی طرح ۱۹۰۱ء میں ٹیگور نے
بنگال میں بولپور کے قریب شانتی نکیتن میں "وشو بھارتی"
کے نام سے ایک تعلیمی ادارے کی ابتدا کی جو اب قومی یونی ورسٹی
کا درجہ رکھتا ہے۔ ٹیگور اس ادارے کے ذریعے ہندستان
کی پرانی تہذیب اور روایات کو نئی زندگی بخشنا چاہتے تھے۔
'وشو بھارتی' میں پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی
حاصل ہوتی ہے۔ یہ تعلیم، آرٹ، ڈرائنگ اور مصوری کا
مرکز سمجھا جاتا ہے۔ ٹیگور اس اسکول میں خود بھی پڑھاتے
تھے۔ اس اسکول کے پُرسکون ماحول کو دیکھ کر مہاتما گاندھی
بے حد متاثر ہوئے تھے اور انھوں نے پہلے پہل رابندر ناتھ
ٹیگور کو 'گرودیو' کے نام سے یاد کیا تھا۔ جب کبھی گاندھی جی
کو ذہنی سکون کی ضرورت ہوتی تھی وہ شانتی نکیتن کے
پُرسکون ماحول میں پناہ لیتے تھے۔

رابندر ناتھ ٹیگور فلسفیانہ مزاج رکھتے تھے اور پوری
دنیا کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ انھیں مشرق اور مغرب کی خوبیوں
کا مجموعہ سمجھنا چاہیے۔ اس عظیم ہندستانی نے ۷ اگست ۱۹۴۱ء
کو وفات پائی لیکن ان کا نام زندہ ہے اور ہمیں سکون و امن
کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہنے اور ذات پات، اونچ نیچ
کی تفریق مٹا کر زندگی بسر کرنے کا پیام دیتا ہے۔ ●●

یوں سمجھیے کہ

ہم نے ایک ماہ کے لیے آپ کو پیام تعلیم کا اِڈیٹر بنا دیا ـــــ اب بتائیے کہ آپ اسے کس طرح ترتیب دیں گے، کون کون سی نئی چیزیں شامل کریں گے، کون سی چیزیں ہمیشہ کے لیے نکال دیں گے۔

اپنی رائے دس سطروں میں لکھ کر بھیجیے شائع کی جائیں گی۔

ناہید صدیقی

روزہ ڈھال ہے

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "روزہ ڈھال ہے" جس طرح ڈھال سپاہی کو میدان جنگ میں دشمنوں کے وار سے بچاتی ہے، اسی طرح روزہ ہمیں شیطان کے وار یعنی برائیوں سے بچاتا ہے۔ روزہ لالچ، جھوٹ، چوری، غیبت اور اسی جیسی تمام برائیوں کو ہمارے پاس نہیں آنے دیتا۔ ضروری نہیں کہ ہم میدان میں ہی جنگ لڑیں۔ جنگ جس طرح بیرونی دشمنوں سے لڑی جاتی ہے، اسی طرح اندرونی دشمن یعنی خود اپنے نفس سے بھی لڑی جاتی ہے اور لڑنی چاہیے اور یہ کام ہم گھر بیٹھے بھی کرسکتے ہیں۔ شیطان کو پچھاڑنا کوئی مشکل کام نہیں، تھوڑی سی نیکی بھی شیطان کو جلاکر خاک کردیتی ہے اور پھر وہ نیکی کرنے والے کی طرف رُخ کرنے سے ڈرتا ہے، لیکن وہ خاموشی سے ہماری نیت اور ہمت کو دیکھتا رہتا ہے کہ کب ہم ہمت ہاریں اور وہ ہم پر حاوی ہوجائے۔

روزہ ہم کو بہادر اور باہمت بنا دیتا ہے۔ جب ہم خدا کے حکم کے مطابق کھانے پینے سے گریز کرتے ہیں تو گویا ہم اپنے صبر کا امتحان دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ بہت حوصلے کا کام ہے۔ یہ حوصلہ بھی ہم کو خدا ہی دیتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہم شیطان سے لڑتے ہیں اور جس طرح اچھے سپاہی میدان سے باہر بھی اچھے کام انجام دیتے ہیں بالکل اسی طرح روزے دار سپاہی بھی بھوک پیاس کا مقابلہ کرنے کے علاوہ دوسرے اچھے کام بھی کرتا ہے۔ مثلاً اپنے اندر غریبوں اور ناداروں کی بھوک پیاس کا احساس پیدا کرنا اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنا، ان کی حالت کو سمجھنا اہمیت کو جاننا۔

ہم روزانہ مزے دار چیزیں مثلاً بریانی، مرغی، دال روٹی، دودھ، شربت اور پھل وغیرہ کھاتے ہیں، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر یہ چیزیں ہمیں میسر نہ ہوں تو پھر کیا ہوگا۔ یہ نکتے غور کرنے کے ہیں اور روزہ ہم کو سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔ پھر روزہ رکھنے کے بعد ایک ایک مسلمان کی زبان پر شکر ہی شکر کے الفاظ ہوتے ہیں آپ گرم گرم بریانی سے پلیٹ اور ساتھ میں ٹھنڈے پانی کا گلاس عام دنوں میں نوش کیجیے اور پھر یہی چیزیں روزہ رکھنے کے بعد افطار پر کھائیے۔ کھانا تو وہی ہوگا، لیکن ان دونوں لمحوں کے احساسات کا فرق آپ کو صاف معلوم ہوجائے گا۔ چنانچہ روزے دار کی زندگی کے یہ لمحات نہایت پُرلطف اور ولولہ انگیز ہوتے ہیں۔ وہ چاند تاروں کے نور سے پُر صبح کو اٹھتا ہے۔ ایسی صبح خوش نصیبوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔ ایسے سہانے لمحوں میں روزے دار کھانے پینے کی اس طرح تیاری

کرتا ہے جس طرح ایک مستعد سپاہی سوتے سے جاگ کر اپنی کمر باندھتا ہے تھوڑی دیر کے بعد اللہ اکبر کی آواز ماحول کو اور بھی خوب صورت بنا دیتی ہے۔ اذان سنتے ہی کھانا پینا بند کرکے روزے دار نماز پڑھتے ہیں۔

بس! اب ہم طاقت ور مومن بن جاتے ہیں، خدا کی مہربانیاں ہمارے ہتھیار اور روزہ ہماری ڈھال ہوتا ہے، کیونکہ جب ہمیں خیال آتا ہے کہ ہم روزے سے ہیں اور روزے میں کوئی بھی بری بات کرنا بہت بڑا گناہ ہے تو یہ سوچتے ہی ہم برائی سے اپنے قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں اور اچھائی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ روزے دار کے قدموں کی آواز دشمن کو ہلا دیتی ہے۔ بزرگوں کے قول کے مطابق "نیکی کرنے والے کے قدم شیطان کے سینے پر ہوتے ہیں"۔

دن ڈھلنے کے بعد وہ وقت بھی آ جاتا ہے جب ہم روزہ کھولتے ہیں اور اللہ میاں کی عنایتیں رزق کی صورت میں ہمارے لیے تحفے بن کر آتی ہیں۔ وہ لمحہ اتنا خوش گوار ہوتا ہے کہ ہمارے پاس اس کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ اس خوشی اور فرحت کا اندازہ صرف ایک روزے دار ہی کرسکتا ہے، چاہے اس کے سامنے ایک سوکھی روٹی ہی کیوں نہ ہو۔

یہ خوشی ان لوگوں کو کہاں حاصل جو روزہ نہیں رکھتے۔ یہ نعمت اور سعادت تو روزے دار ہی کے لیے وقف ہے۔

خیال کے پھول

- **حضور اکرمؐ**

جو دوسروں پہ رحم نہیں کرتا خدا بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔

مرسلہ: پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

- **حضرت علیؓ**

سچ بات سن کر سچ کہنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

مرسلہ: راؤ مصور علی

- **حضرت امام مالکؒ**

انسان کا سب سے بڑا بوجھ غصہ ہے۔

مرسلہ: فصیحہ فاطمہ

- **مولانا رومیؒ**

حقیقی کامیابی لگاتار محنت سے حاصل ہوتی ہے۔

مرسلہ: عظمیٰ فاطمہ

- **شیخ سعدیؒ**

جو دوسروں کے غم سے بے غم ہے آدمی کہلانے کا مستحق نہیں۔

- **علامہ اقبالؒ**

جدوجہد ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔

مرسلہ: مامون اکبر کنڈی

- **جالینوس**

نیک لوگوں کو دشمنوں سے بھی نفع حاصل ہوتا ہے۔

- **خلیفہ مامون رشید**

شیریں کلام اور خوش خلق کے ساتھ محبت واجب ہوتی ہے۔

مرسلہ: صدف حنیف

- **جنید بغدادی**

اللہ کے نزدیک سب سے پیاری بات والدین کی اطاعت ہے۔

مرسلہ: عبداللہ آزاد

- **افلاطون**

ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل و فراست رکھتا ہے لیکن ہر شخص عقل و فراست سے کام لینا نہیں جانتا۔

مرسلہ: نجم الحسن نیازی

پہلا چڑیا گھر کون سا تھا

تقریباً تین ہزار سال قبل ایک چینی بادشاہ نے مختلف جانوروں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اس جگہ کا نام "جزوِ ذہانت" رکھا۔ اگر اس بادشاہ نے ان جانوروں کو اس لیے زندہ رکھا کہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور ان کی عادات کے بارے میں کچھ سمجھا جائے تو پھر یہ شاید دنیا کا سب سے پہلا چڑیا گھر تھا، کیوں کہ موجودہ چڑیا گھر اسی طرح کا ہوتا ہے، یعنی ایک بڑے سے علاقے میں جنگلی جانوروں، چڑیوں اور سانپوں کو رکھا جاتا ہے تاکہ لوگ انھیں آکر دیکھ سکیں اور سائنس داں ان کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔

سیکڑوں برس پہلے یہ رواج ہو گیا تھا کہ لوگ اپنے گھروں پر جانوروں کو رکھنے لگے تھے۔ پھر جتنا جتنا وقت گزرتا گیا اور دیہات اور شہر بڑھنے لگے تو پھر کچھ لوگوں نے جنگلی جانوروں کو اپنے علاقے میں ایک احاطے کے اندر رکھنا شروع کر دیا اس طرح سے انھیں شکار کھیلنے میں آسانی ہو گئی۔ اس کے علاوہ لوگوں کی تفریح کے لیے جانوروں کو طرح طرح کی حرکتیں کرنا بھی سکھایا گیا، لیکن بعض لوگ اکثر جنگلی جانوروں کو اس لیے اکٹھا کرتے تھے کہ وہ دوسروں کو یہ دکھا سکیں کہ وہ کتنے دولت مند اور طاقت ور ہیں۔ کبھی کبھی وہ مقبولیت حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو اپنے جانوروں کو دیکھنے کی اجازت بھی دے دیا کرتے تھے یورپ میں چڑیا گھر انیسویں صدی میں بھی موجود تھے۔ پھر آیندہ سات آٹھ سو برسوں میں مختلف بڑے بڑے شہروں میں چڑیا گھر بنا لیے گئے۔ کسی چڑیا گھر کی شہرت اور بڑائی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس میں کتنی قسموں کے جانور موجود ہیں۔ دنیا میں صرف چار چڑیا گھر ایسے ہیں جن میں ایک ہزار سے زائد قسموں کے جانور ہیں۔ ان میں سب سے بڑا چڑیا گھر سین ڈیگو زو (SAN DIEGO ZOO) ہے۔ یہ کیلی فورنیا (امریکا) میں ہے۔ اس کے بعد ہے مغربی جرمنی کا چڑیا گھر۔ پھر ہے نیویارک کا برانکس زو BRONX ZOO اور اس کے بعد ہے بلجیم کا اینٹ ورپ زو ANTWERP ZOO اکثر اوقات چڑیا گھروں کے لیے جانور خریدے جاتے ہیں۔ بہت سے بڑے جانور بے حد قیمتی ہوتے ہیں۔

دنیا میں سب سے پہلے حجّام کون تھے؟

حجّام (باربر) دنیا میں اتنے پرانے زمانے سے چلے آرہے ہیں کہ یہ کہنا بڑا دشوار بلکہ ناممکن ہے کہ کون شخص دنیا کا پہلا حجّام تھا۔ تاریخ میں سب سے پہلے مصر میں حجّاموں کا تذکرہ ملتا ہے، بعد میں پھر قدیم یونان اور روم میں حجّاموں کی دکانوں پر لوگوں کے جمع ہونے اور حالاتِ حاضرہ پر گفت گو کرنے کے حوالے ملتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

ڈاکٹر ایم۔ آئی ساجد

اتنا دکھ تو شنکر کو اس وقت بھی نہیں ہوا تھا جب سانپ کے کاٹنے سے رامو مالی مر گیا تھا۔ دکھ اس لیے نہیں ہوا تھا کہ رامو مالی نے شنکر اور اس کے دوستوں کو باغ میں کبھی گھسنے نہیں دیا۔ وہ امرود، آم، پھول اور پھل نہیں توڑنے دیتا تھا۔ اگر چوری چھپے یہ لوگ کسی طرح باغ میں گھس بھی گئے تو بڑا سا ڈنڈا لے کر ان کے پیچھے دوڑتا اور ان کے والدین سے شکایت الگ کرتا۔ لیکن اس وقت تو شنکر دکھ اور درد کی سورت بن گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، چہرہ مرجھا گیا تھا اور سب کچھ اسے اداس اداس سا لگ رہا تھا۔

دراصل بات یہ تھی کہ آج صبح شنکر کا وفادار اور اچھے دنوں کا ساتھی ٹامی مر گیا تھا۔ وہ شنکر کا چہیتا تھا اور سایے کی طرح اس کے ساتھ رہتا تھا۔ شنکر جہاں کہیں بھی جاتا وہ اپنی دم ہلاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلتا۔ ایک ہی آواز پر دوڑتا چلا آتا۔ جہاں بیٹھنے کو کہو بیٹھ جاتا۔ جیسا کہو ویسا کرتا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے بڑی گہری انسیت تھی۔ پھر ایسے اچھے ساتھی کے مرنے پر شنکر بھلا کیسے دکھی نہ ہوتا۔

ٹامی آج سے پانچ برس پہلے شنکر کو ایک چوراہے پر ملا تھا۔ ننھا سا بھورا بھورا ٹامی ہر آنے جانے والے کو چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے دیکھ کر "کاؤں.... کاؤں... کاؤں" کرتا تھا مگر بمبئی جیسے مشینی شہر میں بھلا اتنا وقت کس کے پاس کہ وہ بچارے ٹامی کی بات سن سکے یا اس کی مزاج پرسی کرے کہ کہو میاں ننھے کیسے ہو؟ اسکول سے واپسی پر شنکر کو بھی اس نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ ننھا سا گول مٹول بھورا بھورا پیارا سا ٹامی شنکر کو بہت پسند آیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا اور اس کا پورا خیال رکھنے لگا۔ اسے ٹامی جیسا پیارا پیارا نام دیا۔ چند ہی دنوں میں ٹامی شنکر اور اس کے گھر والوں سے ہل مل گیا۔ وہ شنکر کے دوستوں کو بھی پہچاننے لگا تھا۔ شنکر کے ساتھ اسکول جاتا اور اس کے ساتھ واپس آتا۔ راستے میں کھیلتا، کودتا، اچھلتا اور پیاری پیاری شرارتیں کرتا۔ آواز دینے پر فوراً آ جاتا۔ سودا وغیرہ لاتے وقت بھی وہ شنکر کے ساتھ ہی رہتا۔ اس کے علاوہ رات میں گھر کی رکھوالی کرتا۔ کوئی شنکر کو چھیڑتا تو ٹامی اس پر شیر کی طرح جھپٹ پڑتا۔ شنکر اور اس کے دوستوں کے ساتھ کھیلتا غرض ٹامی جہاں گھر بھر کا کھلونا وہیں شنکر کا بہت اچھا اور تنہائی کا ساتھی بھی تھا۔

آج صبح ہی صبح ایک نیا کتا جانے کہاں سے آ گیا۔ ٹامی نے اسے دو مرتبہ مار بھگایا لیکن جب تیسری بار

نزد کچی مسجد، کھام گانو (مہاراشٹر)

... کو ... ٹرک ... کا فقرہ آیا اس نے بھوں ...
بھوں ... کی زوردار آواز کے ساتھ ننھے کتے کا
... اور ٹامی بھاگم بھاگ میں ٹامی عین سڑک کے درمیان
... رفتار ٹرک کے نیچے آکر وہیں مرگیا۔ شنکر ٹامی کی اس
... موت پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا مگر اب رونے
... ہو سکتا تھا۔ اپنے آپ پر جبر کر کے شنکر نے اپنے دوستوں
... سے ٹامی کی ارتھی تیار کی اس پر لٹایا اور اس کے مردہ
... پر پھولوں کا بڑا سا ہار ڈالا اور سنسان جگہ پے جاکر ٹامی
... کو آگ لگا دی اس وفادار ساتھی کے چھوٹ جانے پر
... کے دوست اسے تسلی دے رہے تھے لیکن تھے سب
... اداس۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۱ کا)

پرانے زمانے میں ڈاکٹر صاحبان جراحی سے کوئی تعلق
نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ جن مریضوں کو عمل جراحی کی حاجت ہوتی
تھی وہ حجاموں کے پاس جاتے تھے اور حجام ہی نصد بھی کھولتے
تھے یعنی خراب خون کو جسم سے خارج کرتے تھے اور یہی لوگ زخموں
کا بھی علاج کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض حجام دانت بھی اکھاڑتے
تھے۔ انگلستان میں حجاموں کی پہلی انجمن ۱۴۶۲ء میں قائم ہوئی تھی۔
پھر ۱۵۴۰ء میں یہ انجمن ڈاکٹروں کی انجمن کے ساتھ ملادی گئی، مگر
اسی زمانے میں انگلستان کے بادشاہ نے ان حجاموں کو عمل جراحی
سے روک دیا جو لوگوں کے بال کاٹتے تھے اور داڑھی مونڈتے
تھے۔ اس کے بعد اگلے دو سو برسوں میں حجاموں اور ڈاکٹروں کے
کام رفتہ رفتہ علاحدہ ہوتے گئے اور حجاموں کا کام صرف بال
سنوارنا رہ گیا۔ برسبیلِ تذکرہ یہ بھی بتاتے چلیں کہ لفظ باربر
Barber لاطینی زبان کے لفظ باربا Barba سے نکلا ہے
جس کے معنی ہیں "داڑھی"، لہٰذا پرانے زمانے کے حجاموں کے
لیے بال کاٹنے کے بجائے داڑھی تراشنا زیادہ اہم کام رہا ہوگا۔

طالب حسین طالب

ننھّا چلا ہے مدرسے

بستہ بغل کے درمیاں اور ہاتھ میں تختی لیے
نکلا ہے گھر سے علم کی دل میں لگن سچی لیے
ننھا چلا ہے مدرسے

اپنے کھلنڈرے دوستوں سے سارے رشتے توڑ کے
تعلیم پانے کے لیے یہ کھیل سے منہ موڑ کے
ننھا چلا ہے مدرسے

آنکھوں میں اس کی دیکھیے کیسی خوشی کی ہے چمک
دل میں لگن ہے علم کی، چہرے پہ کیسی ہے دمک
ننھا چلا ہے مدرسے

اپنے شفیق اُستاد سے، سیکھے گا یہ علم و ادب
بولے گا یہ تہذیب سے اچھا کہیں گے اس کو سب
ننھا چلا ہے مدرسے

ملتے ہی چھٹی لوٹ کر اسکول سے جب آئے گا
اس کو کریں گے پیار سب، انعام بھی یہ پائے گا
ننھا چلا ہے مدرسے

فاضل بنے گا ایک دن جب علم یہ پڑھ جائے گا
تعلیم کی برکت سے یہ دنیا میں عزت پائے گا
ننھا چلا ہے مدرسے

لالچ

سلطان آزاد

جب انگریزوں کی حکومت ختم ہوگئی تو اسی کے ساتھ زمینداری بھی ختم ہوگئی۔ اس وقت جتنے بھی چالاک اور سمجھ دار قسم کے زمیندار تھے، ان سبھوں نے اپنی بہتری کے لیے اپنی دولت کو تجارت میں لگا دیا۔ دلاور خاں بھی اس وقت کا ایک بہت بڑا زمیندار تھا۔ اس نے بھی اپنی ساری دولت کو تجارت میں لگا دیا۔ اس طرح کچھ ہی برسوں میں اس کا شمار ملک کے چند بڑے اور مشہور تاجروں میں ہونے لگا۔ اس کے پاس کئی کارخانے، کمپنیاں اور کئی رہائشی مکانات ہوگئے۔ اس کے تینوں بیٹے اکرام، اکرم اور مکرم اسی کی طرح چالاک اور چست تھے۔ اکرم اور مکرم زیرِ تعلیم ہونے کے باعث دوسرے شہروں میں مقیم تھے اور اکرم چونکہ بڑا لڑکا تھا، اس لیے باپ کے ساتھ تجارت میں پیش پیش رہتا۔

عمر کے آخری دور میں دلاور خاں کو ایک فکر لگ گئی۔ وہ یہ کہ میرے تینوں بیٹوں میں یکسانیت نہیں ہے۔ تینوں کے تین طرح کے سوچنے کا انداز ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد مرنے کے میرے، ان تینوں بیٹوں کے آپسی جھگڑوں میں میری ساری دولت اور تجارت فنا ہو جائے۔ اور پھر سبھی کے سبھی معاش کی خاطر ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ اس سوچ و فکر میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ تینوں کو ایک جگہ بٹھا کر سمجھائے اور تینوں کے حصے ان کے حوالے کر دے۔ اس نے اپنے بیٹے اکرم اور مکرم کو خبر دی کہ وہ جلد از جلد گھر آ جائیں ضروری کام ہے۔ والد کی خبر پاکر اکرم اور مکرم گھر پہنچ گئے۔ تب دلاور خاں نے رات کے وقت تمام کاموں سے فراغت پاکر ایک جگہ اپنے بیٹوں کو بٹھا کر سمجھاتے ہوئے کہا:

"میں اپنی عمر کی آخری منزل پر آ پہنچا ہوں، پتا نہیں کب چل بسوں۔ اس لیے اپنی تمام دولت، کارخانے، اور کمپنیوں کو برابر تین حصّوں میں تقسیم کرکے تمھارے حوالے کر رہا ہوں۔ تم تینوں تجارت میں الگ الگ ڈھنگ سے اس میں مزید ترقی کرکے اپنی اولاد کے لیے اضافہ کرو، جیسا کہ میں نے کیا۔"

اکرام، جو دلاور خاں کا بڑا لڑکا تھا۔ وہ رات بھر سوچتا رہا کہ کل میں ایک بڑی دولت کا مالک بن جاؤں گا۔ وہ خواب جو کئی برسوں سے دیکھ رہا ہوں، ایک پل میں پورا ہو چکا ہے۔ اب میں کسی کا اسیر نہیں ہوں۔ بذاتِ خود کئی کارخانے اور ایک بڑی دولت کا مالک بن چکا ہوں۔ وہ رات بھر اس طرح کی خوش فہمیوں میں مبتلا رہا۔

دوسرے دن اکرام علی الصبح اُٹھا، کیوں کہ وہ رات بھر جاگتا رہا تھا نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ لیکن بقیہ سبھی لوگ اب بھی نیند کے آغوش میں تھے۔ اکرام کو اب بالکل یقین ہوگیا کہ وہ اب واقعی ہر صورت سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے۔ کیوں کہ اس کے علاوہ سبھی لوگ ابدی نیند سو چکے تھے۔

دن جیوں جیوں گزرتا گیا یہ بات ایک گھر سے دوسرے گھر تک پہنچتی گئی کہ سیٹھ دلاور خاں، اس کی بیوی اور اس کے دونوں

پنولین، گلزار باغ، پٹنہ ۸۰۰۰۰۷ (بہار)

سے موئے کے سوئے رہ گئے۔ صرف اکرام زندہ بچ گیا۔ پھر لوگوں کی چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں اکرام نے تو سب لوگوں کو بہ ایک وقت زہر دے دیا ہے۔ یہ بات محکمۂ پولیس تک جا پہنچی اور پھر معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔
کئی مہینوں کے مقدمے اور تفتیش کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ اکرام نے اس رات کو جس رات اس کے باپ نے اپنی تمام جایداد کو تقسیم کر دیا تھا، سبھی لوگوں کے کھانے میں چپکے سے زہر ملا دیا تھا تاکہ جایداد کا پورا حصہ صرف اسی کے ہاتھ لگے بالآخر، عدالت نے اکرام کو قتل کے جرم میں سزا ے عمر قید سنادی۔ اور یہ بھی حکم جاری کیا کہ دلاور خاں کی تمام جایداد سرکار کی ملکیت سمجھی جائے۔ اس طرح اکرام کے ایک بڑے جرم کی ایک بڑی سزا اس کے حصے میں آئی جو اس کا اصل حصہ ہوتا وہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

راجا رشید محمود

پیار کی باتیں

پیارے پیارے نبی ہمارے ہم کو اپنی جان سے پیارے

وہ آئے تو ہوا سویرا | دُور ہوا دنیا کا اندھیرا
کیں بچّوں سے پیار کی باتیں | شفقت اور اُلفت کی باتیں

میرے آقا، میرے مولا سب دُکھیوں کے دل کا سہارا

ان کا سیدھا روشن رستہ | جو بھولے گا، وہ بھٹکے گا
ان کی راہ پہ چلنے والا | ہم سب کی آنکھوں کا تارا
ان کے حکم کو افضل مانو | اُستادوں کا کہنا مانو
چاہتے ہو گر اچھی قسمت | کرلو ماں اور باپ کی عزّت
اپنے پڑوسی سے بھی اُلفت | یہ ہے اُن کا درس محبّت
پڑھنا لکھنا لازم سب کو | آقا کا ارشاد ہے بچو!
حضرتؐ نے یہ راز بتایا | ایک خدا ہے خالق اپنا

اپنے دین پر آنچ نہ آئے
چاہے جان چلی ہی جائے

ڈاکٹر کا کلینک بھی کیا چیز ہے۔ نام سنتے ہی لگتا ہے جیسے سدا سے بیمار ہوں۔ کلینک بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں مثلاً سدا بہار یا خزاں رسیدہ۔ خزاں رسیدہ جہاں مکھیاں مارتا ہوا ڈاکٹر سوچتا ہے کہ شاید یہ مکھیاں ہی اپنی کوئی شکایت مجھ تک لے کر آئیں لیکن وہ تو بہ دستور ڈاکٹر کی ناک پر بیٹھ بیٹھ کر اسے ہی شکایت کا موقع دیتی ہیں۔

سدا بہار کلینک میں ڈاکٹر صاحب کو بالکل فرصت نہیں ہوتی وہ آپ سے اتنی زور سے ڈانٹ کر بات کریں گے کہ اگر آپ کسی اور خیال میں ہوں تو دو فٹ اوپر اچھل سکتے ہیں خیر خدا خدا کر کے وہ آپ کا کچھ حال سنتے ہیں لیکن زیادہ تر اپنے دوافروش ایجنٹوں سے باتیں کرتے ہیں یا اپنے کسی دوست سے اپنی کار کی خرابی یا اپنے بچے کو اسکول میں داخل کرانے کے مسئلے کو لے کر باتیں کرتے ہیں (ذاتی تجربہ) غریب مریض کچھ اور بولنا چاہتا ہے تو یہ منہ میں تھرمامیٹر ٹھوس دیتے ہیں اور اس طرح بھاری فیس دے کر بچارا مریض بے نیل و مرام بھاگتا ہے۔

کچھ ڈاکٹروں کے کلینک جو سدا ہی خالی رہتے ہیں، جب ان کے پاس کوئی مریض آتا ہے تو ڈاکٹر صاحب معائنے کے دوران کچھ اس طرح بار بار گھڑی دیکھتے ہیں جیسے وہ مریض کو جتانا چاہتے ہوں کہ وہ کتنے مصروف ہیں۔ چاہے گھڑی کے دھندلے شیشے کے پار انھیں کچھ بھی نظر نہ آتا ہو۔

ڈاکٹر کئی طرح کے ہوتے ہیں جیسے دانتوں کے ڈاکٹر، آنکھوں کے ڈاکٹر، کانوں کے ڈاکٹر اور بھی ہزاروں طرح کے

ایک بار ہم ایک دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس پہنچے ویسے ماشاءاللہ ہمارے دانت بالکل صحت مند ہیں۔ ہم تو اپنی بہن کے ساتھ وہاں گئے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ جگہ جگہ بتیسیوں اور جو بتیسیوں کی تصاویر چپاں ہیں اور لکھا ہے ''اپنے دانتوں کی حفاظت کیجیے۔ لیکن شاید ڈاکٹر صاحب نے اس پر عمل بالکل نہیں کیا تھا اور اگر کیا ہوتا تو بچارے کو اپنے یہاں بنے ہوئے مصنوعی دانتوں کی مضبوطی آزمانے کا موقع کیسے ملتا۔ جہاں دراصل ڈاکٹر صاحب کے دانتوں کا سیٹ سامنے میز پر رکھا تھا۔ ہمارے جاتے ہی ڈاکٹر صاحب نے دانتوں کا سیٹ لگا لیا اور دانت چمکا کر بولے "کہیے کیا بات ہے" میں نے اپنی بہن کی طرف اشارہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کرسی کی طرف اشارہ کیا غرض اس طرح یہ مرحلہ اشاروں میں طے پا گیا اور میری بہن کرسی پر بیٹھ گئی اور ڈاکٹر صاحب نے ایک خوفناک اوزار اٹھایا اور بولے "فکر کی کوئی بات نہیں" (حالانکہ اس وقت بے حد فکر کی ضرورت تھی) پھر انھوں نے بہن سے منہ کھولنے کو کہا لیکن ہماری بہن کا منہ تو پہلے ہی یہ خوفناک اوزار دیکھ کر کھل گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بغیر کچھ پوچھے جھٹکے سے وہ اوزار بہن کے منہ میں ڈالا اور ایک دانت کھینچ لیا۔ اور بہن زور سے چلائی۔ "ارے یہ نہیں دوسرا ہے" خیر دو

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

۱۳۵۰ پہاڑی املی، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶

سچی شہزادہ

شہزادی پردے کے پیچھے بیٹھی تھی۔ بادشاہ نے حاتم کو ایک تخت پر بٹھایا اور واپس چلا آیا۔ شہزادی نے حاتم کو دیکھا تو اپنی ایک خاص کنیز سے بولی: "افسوس یہ نوجوان نہایت نیک اور باوقار نظر آتا ہے۔ صبح ہوتے ہی سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ میں بھی کتنی بدبخت ہوں، کیسے کیسے خوبصورت شہزادے اور امیرزادے میری وجہ سے ہلاک ہوئے۔ کاش مجھے موت آجائے۔ یہ کہتے ہوئے وہ رونے لگی۔

حاتم پردے کے پیچھے بیٹھا یہ گفتگو سن رہا تھا بولا "آخر وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے اتنے لوگ مارے گئے"۔

"میں نہیں جانتی رات کو مجھے کیا ہو جاتا ہے، شاید میں دیوانی ہو جاتی ہوں اور میرے منہ سے اس شخص کے لیے جو رات کو میرے اس محل میں موجود ہوتا ہے کیا حکم ملتا ہے کہ میرے سپاہی اسے سولی پر چڑھا دیتے ہیں اگر سپاہی اس وقت میرا حکم نہ بھی مانیں تب بھی وہ شخص زندہ نہیں بچتا اور یہاں مردہ حالت میں پایا جاتا ہے"۔

کنیز حاتم کے لیے کھانا لائی تو اس نے موت سے بے خبر کھانا سیر ہو کر کھایا اور پھر رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

کوئی آدھی رات کا وقت ہوگا کہ ایک کھڑکی کھٹاک سے کھلی اور ہوا کا ایک سرد جھونکا کمرے میں داخل ہوا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ حاتم کے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی اور لمحہ بھر کو تو حاتم انجانے خوف سے کانپ اٹھا۔ اسی لمحے وہ پردہ جو حاتم اور شہزادی کے درمیان حائل تھا ہٹ گیا۔ حاتم نے دیکھا شہزادی کا چہرہ نہایت غضبناک ہو رہا تھا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگی تھی، بال بکھر کر شانوں پر پھیل گئے تھے اور پھر وہ نہایت ڈراؤنی آواز میں بولی۔

"اے شخص میرے تین سوالوں کا جواب دو ورنہ ابھی

تمہیں ہلاک کیے دیتا ہوں۔" حاتم سمجھ گیا کہ شہزادی کے اوپر کسی خبیث جن کا سایہ ہے وہ ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا اور بولا "ہاں ہاں میں تمھارے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں، بتاؤ وہ کیا سوال ہے؟"

"بتاؤ روح کیا ہے؟" اُس جن نے سوال کیا۔

"روح حکم ربی ہے۔" حاتم نے جواب دیا۔ اس نے فوراً ہی دوسرا سوال کر دیا۔ "وہ کون سا میوہ ہے جو سب میووں سے شیریں ہے؟"

حاتم نے بھی فوراً ہی جواب دیا۔ "وہ میوہ اولاد ہے۔" اب اس نے تیسرا سوال کیا "وہ کونسی چیز ہے جو سب کو کھاتی ہے؟" حاتم نے جواب دیا "وہ موت ہے جو کسی کو نہیں چھوڑتی۔"

حاتم کا اتنا کہنا تھا کہ شہزادی فرش پر گر کر بیہوش ہو گئی اور اُس کے پہلو سے ایک سانپ نکل کر حاتم پر حملہ آور ہوا۔ لیکن اُس کے کاٹنے کا حاتم پر کوئی اثر نہ ہوا کیوں کہ ریچھوں کی شہزادی کا مہرہ حاتم کے پاس تھا اس سے پہلے کہ سانپ بھاگتا حاتم نے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ لیکن وہ بھنورا بن کر اڑ گیا۔ کچھ دیر بعد شہزادی کو ہوش آیا تو وہ اپنے سامنے حاتم کو دیکھ کر بڑی حیران ہوئی اور پھر جھٹ پردے کے پیچھے چلی گئی۔ سپاہی جو شہزادی کے کمرے کے باہر کھڑے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ ابھی شہزادی انھیں بلا کر حکم دے گی کمرے میں موجود نوجوان کو سولی پر چڑھا دیں۔ انتظار کرتے کرتے حیران ہو رہے تھے۔ آخر صبح ہوگئی اور بادشاہ شہزادی کے کمرے میں داخل ہوا وہ بہت افسردہ تھا لیکن جیسے ہی اُس کی نظر حاتم پر پڑی تو خوشی سے چونک پڑا اور پھر بادشاہ نے دوسری طرف جا کر اپنی بیٹی سے اس کا حال معلوم کیا جس سے وہ بولی۔

"ابا حضور! آج میں خود کو بہت ہلکا ہلکا محسوس کر رہی ہوں۔" بادشاہ نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر پردے کے اس طرف آکر حاتم سے مخاطب ہوا۔

"اے بادشاہ دراصل شہزادی کے سر پر ایک جن کا سایہ تھا جب وہ آتا تو تمھاری بیٹی اپنے ہوش کھو دیتی۔ اور جن کسی غیر شخص کو دیکھ کر سوال کرتا اگر اُس کے سوالوں کے جواب صحیح نہ دیے جاتے تو وہ سپاہیوں کو بلا کر حکم دیتا کہ اس شخص کو ہلاک کر دو۔ سپاہی شہزادی کا حکم سمجھتے ہوئے اُس شخص کو سولی چڑھا دیتے اگر وہ شخص جن کے سوالوں کے صحیح جواب دے دیتا تو وہ ایک سانپ کا روپ دھار کر اس شخص کو ڈس لیتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے میں نے اُس کے سوالوں کے صحیح جواب دے دیے۔ اور پھر جب اس نے سانپ بن کر مجھے ڈسا تو اس کے زہر کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ میرے پاس ایک ایسا مہرہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی زہر کا اثر نہیں ہوتا اس طرح وہ جن ناکام ہو کر بھاگ گیا اور اب وہ کبھی بھی شہزادی کے سر پر نہیں آئے گا۔"

حاتم کی یہ بات سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور پھر اس نے کئی دنوں تک حاتم کو اپنا مہمان رکھا۔

آخر ایک دن حاتم بادشاہ سے اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوا اور سفر کرتا ہوا چین کی سرحد میں داخل ہوا اور پتا پوچھتا پوچھتا اس قصبے میں پہنچ گیا، جہاں کبھی یوسف سوداگر رہا کرتا تھا۔ حاتم نے اس کی اولاد کا پتا کیا اور اُن سے ملا۔ اور یوسف سوداگر سے ملاقات کا بتایا جسے سن کر وہ لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے کہ اُن کے دادا کو مرے ہوئے تو سو سال گزر چکے ہیں۔

جب یہ بات پھیلتے پھیلتے بادشاہ تک پہنچی تو اس نے سپاہیوں کو بھیج کر حاتم کو اپنے حضور حاضر کیا اور حاتم سے اس بارے میں پوچھا:

حاتم نے بادشاہ کو بھی یہی بتایا کہ اس کی یوسف سوداگر سے ملاقات ہوئی ہے۔ بادشاہ سمجھا واقعی یہ شخص دیوانہ ہے جو اس طرح کی بات کرتا ہے بھلا کسی شخص کو مرے سو برس گزر چکے ہیں اور وہ ایک زندہ انسان سے کیسے ملاقات کر سکتا ہے اس نے بھی حاتم کا تمسخر اڑایا۔ اس پر حاتم بولا۔

"اے بادشاہ! میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔ اگر اعتبار نہیں آتا تو اس مقام کو کھدوا کر دیکھو اگر وہاں خزانہ موجود ہو تو میں سچا ورنہ جھوٹا سمجھتے ہوئے جو جی چاہے سزا دینا۔"

بادشاہ خود اپنے سپاہیوں کے ساتھ یوسف سوداگر کی حویلی گیا اور حاتم کی بتائی ہوئی جگہ کو کھدوایا تو واقعی وہاں سے خزانہ دستیاب ہوا۔ بادشاہ نے حاتم کے بتانے پر اس خزانے کے چار حصے کیے۔ تین حصے محتاجوں اور یتیموں میں تقسیم کر دیے گئے۔ ایک حصہ سوداگر کی اولاد کو بانٹ دیا گیا جس سے ان کی غربت دور ہوئی اور وہ لوگ سکھ اور چین کی زندگی بسر کرنے لگے۔

یہاں سے فارغ ہو کر حاتم واپس ہوا اور کئی دن کے سفر کے بعد اس جنگل میں داخل ہوا اور اس قبرستان کے قریب پہنچ کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔

آدھی رات ہوئی اور قبروں میں سے لوگ نکل کر اپنے اپنے تختوں پر بیٹھے تھے۔ ان میں یوسف سوداگر بھی تھا۔ آج اس کی حالت پہلے جیسی نہ تھی۔ وہ بھی ہشاش بشاش نظر آرہا تھا وہ بھی ایک تخت پر بیٹھا تو اس کے سامنے بھی خوان ظاہر ہوئے۔ اس نے حاتم کی طرف دیکھا اور اسے اپنے قریب بلایا۔ حاتم جب قریب پہنچا تو اس نے حاتم کا شکریہ ادا کیا اور بولا:

" اے رحم دل اور سخی نوجوان تمہاری وجہ سے مجھ پر سے عذاب ختم ہوا اور میرے ساتھ بھی وہی سلوک ہونے لگا جو ان لوگوں پر ہوتا تھا۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک پیالہ حاتم کی طرف بڑھا دیا حاتم نے خوش ہو کر کھایا اور جب رات ڈھلنے لگی تو وہ سب لوگ اپنی اپنی قبروں میں اتر گئے اور حاتم وہاں سے چل دیا۔ ابھی وہ کچھ دور ہی چلا ہوگا کہ جنگل سے سات نوجوان نمودار ہوئے اور انھوں نے حاتم کے پاس جو کچھ تھا چھین لیا اور حاتم کو ایک کنوئیں میں دھکا دے دیا۔

(بشکریہ، بچوں کا باغ)

جوابات:

تواریخ: ۱ (ب) ۲ (ج) ۳ (ب) ۴ (ج)

جغرافیہ: ۱ (ج) ۲ (ب) ۳ (الف) ۴ (ج ۲۸۱۹۱ فٹ بلند)

سائنس: ۱ (ج) ۲ (ب) ۳ (الف) ۴ (د)

(بقیہ صفحہ ۱۹ کا)

سہی" کہہ کر انھوں نے دوسرا دانت (جو کہ خدا کے شکر سے تندرست تھا) شہید کر دیا۔ مگر خراب دانت کو جوں کا توں چھوڑ کر انھوں نے ایک بھاری رقم بطور فیس مانگی۔ خیر اس معاملے میں ہم کافی شریف واقع ہوئے ہیں۔ ایک سرد آہ بھر کر معاوضہ ادا کر دیا اور وہاں سے دُم دبا کر بھاگے۔

میری بہن کسی طرح ہائے وائے کرتی گھر پہنچی اور آیندہ کے لیے توبہ کر لی کہ دانتوں کا علاج بھی ہمیشہ دانتوں کے ڈاکٹر کے بجائے دل یا دماغ کے ڈاکٹر سے کروائے گی تاکہ کم از کم پوپلی ہونے سے تو بچ جائے۔

ہمارے ایک ڈاکٹر دوست ہیں وہ ایک دن ہمارے گھر آئے اور باتیں کرنے لگے۔ گھر کے سبھی افراد موجود تھے ہمیں شرارت سوجھی اور ہم نے ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹروں کے لطیفے سنانے شروع کر دیے۔ ڈاکٹر صاحب کچھ دیر تو سنتے رہے اور شاید کھسیانی ہنسی ہنستے رہے لیکن پھر ان کی ناک کی نوک سرخ ہونی شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد غصہ بالکل ہی آوٹ آف کنٹرول ہوگیا۔ بولے" اماں یہ کیا بکواس چھیڑ دی"۔ گھر والوں کو سکتہ سا ہوگیا کیونکہ انھوں نے آج تک ہمیشہ ڈاکٹر صاحب کو ہنستے ہوئے ہی دیکھا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ آیندہ اگر تم نے ایسے لطیفے سنائے تو میں تمہارے گھر نہیں آؤں گا

لیکن ہم نے مارے تکلف کے کہا " معاف کیجیے گا آپ تو خفا ہوگئے آیندہ ایسا نہ ہوگا"۔ وہ بیٹھ تو گئے لیکن کچھ اکھڑے اکھڑے سے پھر بولے" سنو یار مجھ سے بڑے تو یہ وکیل ہیں رشوت لیتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں"۔ مجھ سے نہ رہا گیا بول ہی پڑا لیکن جناب وہ وقت سے پہلے انسان کو خدا کے پاس نہیں بھیجتے۔ یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کا پارہ ۱۰۶ تک چڑھ گیا کچھ کہے سنے بغیر اٹھ کر چل دیے میں پیچھے دوڑا ارے سنو تو لیکن وہ فل اسپیڈ پر اپنی گاڑی کو بھگائے گئے جاتے جاتے کہہ گئے" آیندہ مجھے اس گھر کا پانی حرام ہے میں نے چیخ کر کہا" لیکن یار کل کے کھانے پر تو آرہے ہو نہ" انھوں نے جل کر مجھے گھونسا دکھایا اور نظر سے اوجھل ہوگئے۔

بعد میں ہم نے انھیں منالیا۔

ہمدانی

ثریا حجاب پٹھان

کسی زمانے میں افریقہ کے ایک گاؤں میں ہمدانی نامی ایک نوجوان رہتا تھا۔ اس دنیا میں اس کا کوئی نہ تھا۔ نہ ماں باپ اور نہ بھائی بہن۔ اس کا تنہا ساتھی بس ایک ہرن تھا۔ ہر صبح ہمدانی اپنے ہرن کو لے کر باہر نکل جاتا اور جو کچھ بھی مل جاتا اس سے دونوں اپنا گزارا کر لیتے۔

ایک دن جنگل میں ایک درخت کے نیچے ہمدانی اور اس کا ہرن دونوں بیٹھے تھے۔ وہ دونوں ہی اس دن بھوکے تھے۔ ہمدانی نے ہرن کی طرف دیکھا اور بولا، ”دوست میں بہت غریب ہوں اس لیے تمھیں پیٹ بھر کھلا بھی نہیں سکتا۔ بہتر ہے تم جنگل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا کر رہنے لگو۔“ یہ بات ہمدانی نے بہت دکھی ہو کر کہی تھی۔ ہرن نے اپنا سر اٹھایا اور اپنی خوب صورت آنکھوں سے ہمدانی کو دیکھتا ہوا بولا، ”میرے آقا اتنے دکھی مت ہو۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرام سے جینے کے بجائے تمھارے ساتھ بھوکا رہنا پسند کروں گا۔“ ہمدانی کو ہرن کی بات سن کر بہت عجب ہوا کیونکہ اس سے پہلے اس نے ہرن کو بولتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اس نے سوچا شاید میرے کانوں کو دھوکا ہوا ہے۔ اس نے ہرن کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا، ”دوست مجھے ایسا لگا جیسے تو بول رہا ہے۔“ ”ہاں میں بول رہا ہوں“ ہرن نے جواب دیا۔ ہمدانی پر حیرت چھا گئی۔ ہرن نے آگے کہا، ”آقا تم مجھ پر ہمیشہ مہربان رہے ہو اب میری باری ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ کروں۔ اگلی صبح میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی کھانے کو ملے وہ تمھارا ہی حصّہ ہوگا۔“

دوسری صبح ہرن نے ہمدانی کو خدا حافظ کہا اور روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ اسے ہری ہری میٹھی گھاس نظر آئی۔ ہرن جلدی جلدی گھاس چرنے لگا۔ لیکن جب وہ گھاس چر رہا تھا تو اسے مٹّی میں دبی ہوئی ایک چمک دار چیز دکھائی دی۔ ہرن نے اپنے کھروں سے مٹّی ہٹائی تو ایک بہت ہی خوب صورت بڑا سا چمک دار پتھر مٹّی سے باہر نکل آیا۔ ہرن فوراً سمجھ گیا کہ یہ چمک دار پتھر قیمتی ہیرا ہے۔ ہیرے کو منہ میں دبائے وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس نے سوچا یہ ہیرا لے کر اگر وہ ہمدانی کے پاس گیا تو ہمدانی اسے بازار میں بیچنے جائے گا اور چونکہ سب لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ہمدانی بہت غریب ہے لہٰذا لوگ اسے پکڑ کر راجا کے پاس لے جائیں گے اور چوری کا الزام لگا کر جیل میں بند کر دیں گے۔ یہ سوچ کر وہ چھلانگیں بھرتا ہوا

دست رجب میونسپل کوارٹرس بہرام پورہ (احمد آباد)

شہر کی طرف روانہ ہوا۔

شہر پہنچتے ہی اس نے زور زور سے بولنا شروع کیا۔ ہٹو۔ ہٹو مجھے بہت ضروری کام ہے۔ بادشاہ کے پاس جانا ہے۔ یہ سن کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ اور جلدی سے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ ہرن سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا اور منہ میں دبا ہوا ہیرا اس کے قدموں میں رکھتے ہوئے بولا "حضور یہ نذرانہ ہمارے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔" بادشاہ کو ہرن کی بات پر بہت حیرت ہوئی۔ اور اس نے پوچھا "تمھارا بادشاہ کون ہے؟ اور اس نے کیوں ہمیں یہ نذرانہ بھیجا ہے" ہرن نے کہا "حضور ہمارے بادشاہ آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور اسی لیے آپ کو یہ تحفہ بھیجا ہے۔"

بادشاہ نے ہیرا ہاتھ میں لے کر دیکھا، وہ بہت بڑا اور قیمتی تھا۔ اتنا قیمتی ہیرا بادشاہ کے خزانے میں بھی نہیں تھا۔ بادشاہ نے فوراً رشتہ منظور کرلیا۔ اور پوچھا "تمھارے بادشاہ کی سلطنت یہاں سے کتنی دور پر ہے؟" "حضور یہاں سے تین روز کی مسافت ہے۔" ہرن نے جواب دیا۔

"جاؤ اپنے بادشاہ سے کہو کہ ہمیں یہ شادی منظور ہے۔ وہ ساتویں دن برات لے کر یہاں آجائیں ہم بھی آج ہی سے شادی کی تیاریاں شروع کرتے ہیں۔" بادشاہ نے ہرن سے کہا۔

یہ سن کر ہرن چھلانگیں بھرتا ہوا دور گھنے جنگلوں میں غائب ہوگیا۔ شام کو ہرن ہمدانی کے پاس پہنچا۔ ہمدانی ایک درخت کے نیچے اکیلا اداس بیٹھا تھا۔ ہرن کو دیکھ کر ہمدانی خوش ہوگیا۔ اور اس نے پوچھا۔ "کہو دوست کیسے آنا ہوا؟" "میں تمھارے لیے ایک خوش خبری لے کر آیا ہوں اور وہ یہ کہ سات دن میں تمھاری شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہونا طے پائی ہے۔" ہرن نے جواب دیا۔

ہمدانی یہ سن کر بہت ہنسا۔ اس نے سوچا اس کا دوست مذاق کر رہا ہے لیکن جب اس نے ہرن کو سنجیدگی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان چھے دنوں کے درمیان میں جیسے کہوں تم ویسے ہی کرتے جاؤ۔ تو ہمدانی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے ہرن کی بات مان لی۔

دوسرے روز ہرن ہمدانی کو لے کر نکلا اور پہاڑوں میں ایک غار کے اندر اس کو چھپا دیا۔ چھے روز تک ہمدانی برابر وہاں چھپا رہا۔ ہرن روزانہ جنگلی پھل پھول لاتا جسے کھا کر دونوں اپنا گزارا کرتے۔

ہمدانی نے ویسے ہی کیا۔ ساتویں دن ہرن ہمدانی کو ایک ندی کے کنارے لے گیا اور اس سے بولا "آقا۔ اپنے تمام کپڑے اتار دیں۔ پھر اس نے اپنے کھروں سے ہمدانی کی پیٹھ لہولہان کردی اور اسے ندی کے قریب ایک غار میں چھپا کر چوکڑیاں بھرتا ہوا بادشاہ کے محل میں پہنچا۔ بادشاہ کے محل میں شادی کی سب تیاریاں ہو چکی تھیں۔ بس دولھا کا انتظار ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے ہرن کو تنہا دیکھ کر فکرمند لہجے میں پوچھا، "کیوں خیریت تو ہے تمھارے بادشاہ کیوں نہیں آئے؟"

روہانسا ہو کر ہرن نے کہا "حضور ہماری پوری برات لٹیروں نے لوٹ لی اور براتیوں کو قیدی بنا کر لے گئے۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے بادشاہ کی جان بچائی۔ اور دوڑتا ہوا آپ کو خبر دینے یہاں پہنچا ہوں۔ حضور ان لٹیروں نے ہمارے بادشاہ کے تمام زیورات اور کپڑے بھی لوٹ لیے ہیں۔ اب آپ مجھے ایک جوڑا اچھے کپڑے دیں تاکہ وہ یہاں آسکیں۔"

بادشاہ یہ سن کر بہت فکرمند ہوا۔ اور بیش قیمت کپڑے اور نوکر ہرن کے ہمراہ کر دیے۔ ہرن چھلانگیں بھرتا ہوا وہاں پہنچا جہاں اس نے ہمدانی کو چھپا رکھا تھا۔ بادشاہ کے آدمیوں کو بھی ہمدانی کی حالت دیکھ کر بے حد افسوس ہوا۔ ہمدانی نے جلدی جلدی

کپڑے پہنے اور گھوڑے پر بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہوا۔
شہر کے تمام لوگ اور خود بادشاہ ہمدانی کا منتظر
تھا۔ ہمدانی کے محل میں پہنچتے ہی شادی کی رسمیں شروع
ہوگئیں۔ شادی کی رسمیں پوری ہوتے ہی اچانک ہرن
کہیں غائب ہوگیا مگر وہ چپکے سے ہمدانی کے کان میں
کہ گیا تھا کہ میں جلد ہی واپس آؤں گا۔ تم پریشان
مت ہونا۔

ہرن گھنے جنگلوں کو پار کرتا ہوا ایک چھوٹے
سے گاؤں میں پہنچا۔ وہاں سب مکان کچے بنے ہوئے
تھے اور ان کے درمیان ایک محل نما مکان بنا ہوا
تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ ہرن نے دروازے پر دستک
دی۔ ایک شان دار بوڑھی عورت نے باہر آکر جھانکا
ہرن نے بوڑھی عورت سے کہا کہ وہ گھر کے مالک
سے ملنا چاہتا ہے۔ ہرن کی بات سن کر بڑھیا نے
پوچھا کیا تو جانتا ہے اس گھر کا مالک کون ہے؟"
ہرن نے کہا، "نہیں میں اس کے لیے اپنے
بادشاہ کے پاس سے کچھ ضروری پیغام لایا ہوں۔
مجھے اندر آنے دو۔"

"بے وقوف! وہ پانچ سروں والا ہیبت ناک
اژدہا ہے۔ تجھے دیکھتے ہی چٹ کر جائے گا۔" اس
وقت گھر جا۔ تو فوراً یہاں سے چلا جا۔" بڑھیا نے ہرن
سے کہا۔

"نہیں میں اس سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"
مجھے اندر آنے دے ورنہ میں اس سے تیری شکایت
کردوں گا۔" ہرن نے بڑھیا سے کہا۔
یہ سن کر بڑھیا سٹپٹا گئی اور فوراً اس کے لیے
راستہ چھوڑ دیا۔ ہرن محل نما عمارت میں داخل ہوا اور
پانچ سروں والے اژدہے کا انتظار کرنے لگا۔
جب شام ڈھلنے لگی تو باہر دروازے پر زور
کی پھنکار سنائی دی۔ اور ساتھ ہی شوں شوں کی زوردار
آواز بھی۔ بوڑھی عورت نے سہم کر بولی "دیکھ پانچ سروں

والا اژدہا آگیا ہے۔ اب تو، تو بے موت مارا
گا۔" ہرن نے کمرے میں رکھی ہوئی تلوار اٹھائی
دروازے کی طرف بڑھا۔
پانچ سروں والے اژدہے نے درواز
اندر پہلے ایک سر ڈالا۔ ہرن نے جلدی سے آگے
اس کا سر تلوار سے کاٹ دیا۔ اژدہے نے
دوسرا سر ڈالا تو ہرن نے اسے بھی قلم کر دیا
نے جب تیسرا سر ڈالا تو ہرن نے اسے بھی کا
پھینکا۔ اسی طرح چوتھے اور پانچویں کو بھی۔ پا
سر کٹتے ہی اژدہا مردہ ہوکر دروازے کے با
گر پڑا۔ یہ دیکھ کر بڑھیا اور اژدہے کے دوسر
غلام بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ہرن سے
"اب تم اپنے بادشاہ کو اس محل میں لے آؤ۔"
ہرن چھلانگیں بھرتا ہوا وہاں سے غائب
بادشاہ کے محل میں پانچ روز تک تو شادی
جشن ہوتا رہا۔ لہذا اتنے دنوں تک ہمدانی مط
رہا۔ لیکن پانچویں روز اسے فکر ہونے لگی۔ وہ
فکر میں بیٹھا تھا کہ ہرن محل میں داخل ہوا۔ اور ہمدا
سے بولا۔ "حضور چلیے اب ہم اپنے ملک جائیں گے"
ہمدانی نے بادشاہ سے اجازت لی۔ اور شہزا
کو ساتھ لے کر وہ اور ہرن روانہ ہوگئے۔
راستہ میں ہرن نے ہمدانی کو سارا واقعہ بتا
جسے سن کر ہمدانی بہت خوش ہوا۔ تیسرے روز
لوگ اسی محل نما عمارت میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں
ہمدانی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا اور پانچ سروں وا
اژدہے سے چھٹکارا دلانے پر ہرن کو مبارکباد دی
ہمدانی اور شہزادی دونوں خوشی سے محل میں رہنے
ادھر ہرن کو جنگل کے جانوروں نے اپنا بادشاہ
اس لیے وہ ان سب کے ساتھ جنگل میں رہنے

دلچسپ خبریں
حیرت انگیز

نوح کی کشتی ترکی میں کوہِ ارارات پر ۳۷ غیر ملکی ماہرین کوہِ پیمائی کے لیے تیار

انقرہ ۱۴ راپریل (یو، این، آئی) مشرقی ترکی میں واقع کوہِ ارارات پر جانے کا موسم جیسے جیسے قریب آرہا ہے کوہ پیماؤں اور سیاحوں میں حضرت نوح کی کشتی (سفینۂ نوح) کی تلاش و جستجو کا اشتیاق بڑھتا جارہا ہے۔

اس سال ۳۷، غیر ملکی کوہِ پیماؤں نے ترکی حکومت سے جبلِ ارارات پر جانے کی اجازت طلب کی ہے جن میں ۱۶۸ امریکی شامل ہیں یہ سبھی افراد حضرت نوح کی کشتی کا پتا لگانا چاہتے ہیں۔ مذہبی روایات کے مطابق یہ کشتی طوفانِ نوح کے بعد کوہِ ارارات پر جاکر رک گئی تھی۔

یہ پہاڑ سال میں نو ماہ تک برف سے ڈھکا رہتا ہے اس لیے اس پر جانے کی مدت بہت مختصر ہوتی ہے اور کوہستانی سیاح عام طور سے جولائی اور اگست میں اس پہاڑ پر جانا پسند کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں امریکی ماہر مسٹر رون دیاٹ نے کہا ہے کہ انھیں یقین ہے کہ سفینۂ نوح کوہِ ارارات کے ۳ میل جنوب مغرب میں ۶۳۰۰ فٹ کی بلندی پر موجود ہے۔

مسٹر دیاٹ نے کہا وہ اس مقام کو مئی میں کھودنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

امریکی ماہر نے ایک انٹرویو میں کہا کہ یہ محض ایک قیاس نہیں بلکہ حقیقت ہے اور نوح کے سفینہ کے متعلق ہر بات بالکل درست ہے۔ پچھلے موسم گرما میں مسٹر دیاٹ نے اس پہاڑ سے کچھ نمونے لیے تھے انھوں نے بتایا کہ انھیں آلات کی مدد سے یہ معلوم ہوا کہ نوح کی کشتی کے چاروں طرف دھات اور پوری کشتی میں ہر نو فٹ پر شہتیر لگے ہوئے ہیں۔ مسٹر دیاٹ نے یہ دعوا کیا کہ کشتی کی شکل اور اس کا طول و عرض ہو بہو اسی پیمائش کے مطابق ہے جو توریت میں بیان کی گئی ہے۔

امریکی ماہر نے اس سلسلے میں یہ بھی کہا کہ توریت کے مطابق یہ کشتی ۳۰۰ ہاتھ لمبی ۵۰ ہاتھ چوڑی اور ۳۰ ہاتھ کے برابر اونچی ہے۔ چیزوں کی پیمائش کا یہ قدیم پیمانہ ہے جو ۱۸ سے ۲۲ انچ تک ہوتا ہے اس اعتبار سے نوح کی کشتی کی لمبائی ۴۵۰ فٹ ہوتی ہے۔

مسٹر دیاٹ نے کہا کہ نمونوں کا تجزیہ یونیورسٹی آف جارجیا اور گلبرتھ لیبوریٹری میں کیا گیا جس سے یہ ظاہر ہوا کہ کشتی کی لکڑی گلی ہوئی اور بوسیدہ ہے۔

امریکی ماہر نے یہ بھی دعوا کیا کہ علم طبیعیات کے ایک تحقیق کار نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ نمونے ۵۵۰۰ سال پرانے ہیں۔

دہکتے چولھے میں قرآنِ پاک محفوظ رہا

سجاول، سجاول میں ایک پاگل شخص نے قرآن پاک کا ایک نسخہ بس سٹینڈ روڈ پر واقع عبداللہ کے ہوٹل کے کوئلوں سے دہکتے ہوئے چولھے میں ڈال دیا۔ جب ہوٹل کے مالک کے ایک بچے نے دیکھا تو اس نے اپنے باپ کو بتایا۔ عبداللہ دوڑتا ہوا چولھے کے پاس پہنچا اور اس نے جلدی سے قرآن پاک کو چولھے سے بحفاظت نکال لیا۔ قرآن پاک کا غلاف آگ سے جھلس گیا مگر قرآن پاک کو اللہ تعالےٰ نے آگ سے محفوظ رکھا جسے فوری طور پر جامع مسجد غوثیہ سجاول کے پیش امام کے حوالے کر دیا گیا۔

ماں: بیٹے آج تو تم نے اسکول میں کوئی شرارت نہیں کی:
بیٹا: جی نہیں، میں تو تمام دن کلاس کے ایک کونے میں کھڑا رہا

•

اڈیٹر: (اپنے بیٹے سے) پڑھنے میں جی لگاؤ اور عام معلومات بڑھاؤ تاکہ تم بھی اچھے اڈیٹر بن سکو
لڑکا: جی ہاں ضرور۔
اڈیٹر: مثال کے طور پر بتاؤ کہ اگر تمھارے اخبار میں بہت سی غلطیاں ہوں تو تم کیا کروگے؟
لڑکا: آپ ہی کی طرح میں سارا الزام کاتب پر ڈال دوں گا۔

واثقہ ولی

•

اسکول میں انسپکٹر صاحب آنے والے تھے ایک لڑکے کو جو بہت تیز تھا، ماسٹر صاحب نے سکھایا کہ جب تم سے پوچھا جائے کہ تمھیں کس نے بنایا تو جواب دینا کہ خدا نے۔
انسپکٹر صاحب آئے تو لڑکوں سے پوچھا، بتاؤ تمھیں کس نے بنایا؟
سب لڑکے خاموش رہے۔ اس لیے کہ وہ لڑکا غیر حاضر تھا۔
انسپکٹر صاحب نے پھر سوال کیا تو ایک بچے نے جواب دیا۔ "سر، جس لڑکے کو خدا نے بنایا تھا وہ آج اسکول نہیں آیا۔

•

ایک شخص افریقہ کے کسی وحشی قبیلے میں گیا۔ اس نے اس قبیلے کے سردار سے پوچھا:
'کیا اب بھی آپ کے یہاں آدم خور لوگ موجود ہیں؟'
'نہیں تو، اب ہمارے یہاں ایک بھی آدم خور انسان نہیں۔ ابھی کل ہی ہم نے آخری آدم خور انسان کو ہڑپ کر لیا تھا۔' قبیلے کے سردار نے بڑے فخر سے کہا۔

•

اسلم اور اکرم دو دوست تھے۔ ایک دن وہ باغ میں کھیل رہے تھے کہ ایک پرندہ آکر ایک درخت کی شاخ پر بیٹھ گیا۔
اسلم نے اکرم سے کہا۔" کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ پرندہ کبوتر ہے یا کبوتری۔
اکرم کہنے لگا: لو! یہ بھی کوئی مشکل بات ہے؟ اس کو دانہ ڈالو، اگر یہ کھائے گا تو کبوتر ہوگا۔ اور اگر کھائے گی تو کبوتری ہوگی۔"

•

ڈراما انچارج (باتوں کے درمیان بچوں سے) کہتے ہیں ۲۴ گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا بھی ہوتا ہے جب کہ خدا اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔
ایک بچہ: تو جناب میں اس ڈرامے میں کام نہیں کروں گا۔
ڈراما انچارج: کیوں؟
بچہ: کیوں کہ ڈرامے کے درمیان اسٹیج پر مجھے ماسٹر جی کی زندگی کے لیے دعا مانگنی ہے۔

•

ایک جاگیردار نے موٹر خریدی ان کے صاحبزادے کو موٹر میں لمبے سفر کا شوق ہوا چلتے وقت اس نے باپ سے کہا دعا کیجیے کہ میں سلامت واپس آجاؤں اور کوئی حادثہ نہ پیش آئے۔
باپ نے کہا، میں دعا کرتا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری دعا ۲۵ میل فی گھنٹے کی رفتار کا ساتھ دیتی ہے زیادہ کا نہیں۔

مارچ کا پیام تعلیم اپریل میں ملا تو کیا اپریل کا پیام تعلیم مئی میں ملے گا۔ یہ آپ لوگوں کا قصور ہے یا ڈاک والوں کا۔ براہ کرم پیام تعلیم پابندی سے نکالیے پڑھنے کے لیے سب بے چین رہتے ہیں۔

رابعہ خاتون
ناگپور

مارچ کا پیام تعلیم ہمارے یہاں ہی نہیں ہمارے کسی دوست کے یہاں بھی نہیں آیا بلکہ بھائی جان کہ رہے تھے کہ ایجنٹ کے پاس بھی نہیں آیا۔ چکر کیا ہے؟

دلاور حسین
پٹنہ

پیام تعلیم کا انتظار کرتے کرتے آنکھیں تھک گئیں مگر پیام تعلیم کا کہیں پتا نہیں۔

شائستہ بیگم
حیدرآباد

پیام تعلیم نہ تو مارچ کا ملا اور نہ اپریل کا غصے کے عالم میں سبزی باغ گیا۔ ایجنٹ سے معلوم کیا اس نے بتایا کہ ڈاک خانے والوں نے ابھی تک نیا رجسٹریشن نمبر نہیں دیا اس لیے پیام تعلیم پوسٹ نہیں ہو سکا۔ ویسے چھپ تو گیا ہے۔ اللہ ڈاک والوں کو خوش رکھے۔ کسی کو بد دعا دینا بری بات ہے نا!

سلیم احمد
پٹنہ

براہ کرم "آدھی ملاقات" کے خط علاحدہ کاغذ پر لکھیں۔

نام: فیضان اختر ولد عبدالخالق
عمر: ۱۵ سال۔
مشغلہ: اچھی اچھی کتابیں پڑھنا۔ فٹ بال کھیلنا، نماز پڑھنا اور قلمی دوستی کرنا۔
پتا: عبدالخالق ہنڈی والے گجری بازار، کامٹی۔

نام: محمد خالد اختر خان۔
عمر: ۱۳ سال۔
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا، سبھوں کے خط کا جواب دینا۔
پتا: معرفت ریاض الدین خاں، پنچھاٹھی، بہٹا، ضلع پٹنہ، بہار

نام: بدر عالم
عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، دوستوں کے خطوط کا جواب دینا۔
پتا: جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگانو، ناسک، پوسٹ بکس ۱۴۴

نام: خالد گلزار صدیقی۔
مشغلہ: قلمی دوستی، فوٹو گرافی، کراٹے، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا کرکٹ کھیلنا وغیرہ وغیرہ۔
پتا: بذریعہ ڈاکٹر ام اے صدیقی، پوسٹ آفس، بارا بھایا، چاکند، ضلع گیا (بہار) ۸۰۴۴۰۴

نام: محمد مظہر نعمانی۔
عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، پیام تعلیم پابندی سے پڑھنا، وقت پر مدرسہ جانا۔
پتا: محلہ مہراج گنج، ڈاکخانہ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد بہار

مُرتبہ: موثق الدین

اِدھر اُدھر سے

نوجوان مصوّر شکیل اعجاز کو اعزاز

پیاری بھائیوں کے جانے پہچانے آرٹسٹ شکیل اعجاز (اکولہ) کی فنکارانہ صلاحیتوں کا اعتراف ودربھ ساہتیہ کلا پریشد کی جانب سے پچھلے دنوں ناگپور میں کیا گیا۔ ہم تمام پیامیوں کی طرف سے اور ادارہ پیام تعلیم کی طرف سے شکیل اعجاز صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انھیں اتنی ترقی دے، اتنی ترقی دے کر وہ ہندستان کے ممتاز ترین آرٹسٹوں میں شامل کیے جائیں۔

تقریری مقابلے میں انعام

۱۲ ربیع الاول بروز جمعرات کو ناندورہ عنایت ہائی اسکول میں ایک تقریری جلسہ منعقد ہوا۔ بعنوان سیرتِ پاک ۔ جس میں کملا نہرو اردو ڈی ایڈ کالج کے ایک طالب علم اسلم خاں نے تقریری مقابلے میں اوّل نمبر حاصل کیا۔ انھیں ایک چاندی کی شیلڈ انعام میں ملی میں انھیں دلی مبارکباد دیتا ہوں۔

سائنسی نمائش میں شاندار کامیابی

ای وارڈ کی سائنسی نمائش میں امسال مدن پورہ نائٹ ہائی اسکول نے بھی اپنے ایک پروجیکٹ کے ساتھ شرکت کی۔

اس نمائش میں ۴۵ ہائی اسکولوں نے حصّہ لیا ہے۔ ججوں کے فیصلے کے مطابق (۱) محمد حنیف خاں بشارت علی (۲) جلیل قادری۔ (۳) محمد طارق (۴) زین العابدین محمد عمر کا تیار کردہ پروجیکٹ انعام کا مستحق قرار پایا۔

ینگ مسلم پروگریسیو ایسوسی ایشن وروڑ کی جانب سے

وروڑ تعلقہ کی اردو مڈل اور ہائی اسکولوں کے طلبہ و طالبات کے لیے تحریری مقابلوں کا انعقاد کیا گیا۔ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۸۵ء کی شب ایک مباحثہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب زیڈ۔ اے باسط پرنسپل بھارتیہ مہاودیالیہ مورسی نے فرمائی۔ تین کامیاب طلبہ و طالبات کو اسی جلسے میں جناب ستیش برانچ منیجر یونین بینک آف انڈیا برانچ روڈ کے ہاتھوں انعامات دیے گئے۔

مندرجہ ذیل طلبہ و طالبات اوّل انعام کے مستحق قرار دیے گئے۔

ا۔ صالحہ کوثر | میونسپل اردو اسکول مباحثہ۔
ب۔ عبدالکلیم |

ناہید تبسم و جاوید حسین اردو ہائی اسکول وروڈ
(مضمون نویسی)

ترنم یاسمین، رخسانہ بانو اردو ہائی اسکول وروڈ
(خوش نویسی)

آخر میں شہر کے معزز حضرات کی جانب سے بھی حوصلہ افزائی کے انعامات دیے گئے۔

سیندور مہاگھاٹ، آفیسر اور وروڈ کے اسکولوں کے طلبا نے حصّہ لیا جلسے کی نظامت جمیل خاں نے فرمائی۔

معذور مگر ہونہار طالب علم

فاروق ستار احمد عمر بھائی ہائی اسکول برائے طلبہ (جوگیشوری، بمبئی) کا یہ معذور، مگر ہونہار طالب علم تمام کامیاب طلبہ میں اوّل نمبر پر آیا۔ رئیس احمد عبدالرشید خاں کا پیدائش سے ایک ہاتھ ہے اس کے باوجود جماعت اول سے دہم تک (ایس ایس سی) کا شاندار تعلیمی ریکارڈ رہا۔ ہمیشہ ہر کلاس میں اوّل دوم پوزیشن سے کامیاب ہوا۔ سارے کام ایک ہاتھ سے کرتا ہے۔ کھیل سے بھی دلچسپی ہے کرکٹ اس کا پسندیدہ کھیل ہے۔ ایک ہی ہاتھ سے باؤلنگ، بیٹنگ کرتا ہے۔ اس پُرعزم طالب علم کی آرزو ہے انجینئر بننے کی۔ خداوند کریم اس کے ان ارمانوں کو پورا کرے۔ (آمین)

بچوں کی کوششیں

استاد کی نصیحت

ذاکر اور محمود دونوں ایک جماعت میں پڑھتے تھے۔ دونوں کے گھر پاس پاس تھے۔ اور چھٹی کے دن ایک دوسرے کے ہاں جاتے اور مٹھائیاں کھاتے کھلاتے تھے۔ اور اُن کے بھائی بہن امّی ابا بھی ایک دوسرے کے یہاں جاتے اور انھیں اپنے یہاں بلاتے تھے۔ مدرسے کا کام بھی اکھٹے بیٹھ کر کرتے تھے۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ ایک دن دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے ذاکر نے کہا "محمود! مجھے آج گھر سے انعام میں چار پیسے ملے ہیں۔ بتاؤ انھیں کہاں خرچ کریں" محمود نے کہا "چلو خربوزہ کھائیں۔" ذاکر بولا "خربوزے تو چچا جان کے کھیت میں بہت ہیں وہاں سے مفت کھائیں گے" محمود نے کہا "اچھا چلو بھائی مٹھائی کھائیں۔" دونوں دوست دکان کی طرف چل دیے۔ چلتے چلتے راستے میں ایک اندھا فقیر جا رہا تھا۔ بچارے کو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ لکڑی سے ٹٹول ٹٹول کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ دونوں دوست اُسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ محمود نے کہا "ذاکر آؤ اس اندھے کے راستے میں دو اینٹیں رکھ دیں۔ یہ ٹھوکر کھا کر گر جائے گا تو بڑا لطف آئے گا"۔ ذاکر بچہ تو تھا ہی جھٹ مان گیا۔ پاس ہی ایک کھنڈر تھا۔ دونوں جا کر وہاں سے ایک ایک اینٹ اٹھا لائے۔ اور اندھے کی طرف چلے سامنے سے استاد آ رہے تھے۔ اُن کو دیکھ کر دونوں دوست رک گئے۔

استاد صاحب نے پوچھا "بچو کہاں جا رہے ہو؟ اور یہ اینٹیں کیوں اٹھا رکھی ہیں"۔ دونوں ڈر کے مارے چپ ہو گئے۔ استاد سمجھ گئے۔ انھوں نے پھر پوچھا "یہ اینٹیں کیوں اٹھائی ہیں"؟ ذاکر نے ڈرتے ڈرتے کہا "جناب ہم اس اندھے کا تماشا دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اینٹیں اس کے راستے میں ڈال دیں گے وہ گر جائے گا۔"

استاد نے پیار بھرے انداز میں کہا "بیٹا ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اندھا بچارا محتاج ہے۔ تمھیں خدا نے آنکھیں دی ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ اس کی مدد کرو اُسے راستہ بتاؤ۔ نہ یہ کہ اُسے تکلیف پہنچاؤ"۔ اتنا سُن کر دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دونوں نے آنسو پوچھتے پوچھتے کہا "جناب ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ اب ہم کبھی ایسا نہ کریں گے۔ اس سے پہلے بھی ہم نے کبھی ایسا نہیں کیا" استاد نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اندھے کے پاس لے گئے محمود نے اندھے کی لاٹھی پکڑی اور پوچھا "بابا! کہاں جاؤ گے۔" اندھا دعائیں دینے لگا اور پتا بتایا۔ دونوں دوست اُسے لے کر چلے جب اندھے کا گھر آیا۔ تو ذاکر نے چار پیسے جیب سے نکالے اور اندھے کو دے دیے۔ اندھے نے ہزاروں دعائیں دیں استاد نے دوبارہ دونوں کو پیار کیا۔ دونوں دوست ہنسی خوشی گھر لوٹے

محمد عارف جامیر
درجہ ہشتم، اینگلو اردو ہائی اسکول، ڈسٹرکٹ جل گانو

چالاک کسان

ایک گانو میں ایک منشی جی رہتے تھے۔ وہ تھے تو بیوقوف مگر اپنے آپ کو عقل مند کہتے تھے۔

اسی گانو میں ایک کسان رہتا تھا۔ وہ بہت چالاک تھا۔ ایک دن کسان منشی جی کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا منشی جی آپ اپنی

زمین میں سے ایک بیگھہ مجھے بٹائی پر دے دیں۔ میں اس میں اناج بوؤں گا۔ اور جب فصل تیار ہو جائے گی تو اس میں سے آدھا میں لوں گا اور آدھا آپ لیں گے۔ منشی جی نے جواب دیا" میں زمین بٹائی پر دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔ بولو منظور ہے؟" کسان نے کہا" منشی جی! مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔" منشی جی نے کہا " وہ شرط یہ ہے کہ جو بھی فصل ہو گی میں اس کی پھنگی لوں گا اور تم جڑ لو گے۔" کسان نے کہا" ٹھیک ہے" اور گھر روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے سوچا کہ کونسی فصل بوئی جائے۔ اگر میں گیہوں دھان بوؤں گا تو منشی جی پورا اناج لے لیں گے اور مجھے صرف جڑ ملے گی میں جڑ لے کر کیا کروں گا۔ کسان انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا گھر پہنچا۔ سوچتے سوچتے اس کو ایک ترکیب سوجھ گئی اور اس نے منشی جی کے کھیت میں آلو بو دیا۔ جب فصل تیار ہو گئی تو کسان اسے کاٹنے کے لیے کھیت پہنچا۔ اور جڑ یعنی آلو نکال کر لے آیا۔ منشی جی کا نوکر جو پھنگی لینے آیا تھا اوپر کا حصہ لے گیا۔ منشی جی نے اپنے نوکر سے کہا تم یہ کیا لے آئے۔ نوکر نے کہا آپ نے ہی تو اس سے شرط لگائی تھی کہ میں پھنگی لوں گا اور تم جڑ لو گے۔ منشی جی کو اپنا کہا یاد آ گیا اور دل میں کہا کسان چالاک نکلا اگلی بار اسے بتاؤں گا۔

دوسرے سال پھر کسان منشی جی کے پاس گیا اور زمین بٹائی کرنے کے لیے مانگی تو منشی جی نے پھر شرط لگائی اور کہا۔ اس بار میں جڑ لوں گا اور تم پھنگی لو گے کسان تیار ہو گیا اور کچھ سوچ کر گیہوں بو دیا۔ جب گیہوں تیار ہو گیا تو کسان کھیت گیا اور اوپر کا حصہ یعنی گیہوں کاٹ کر گھر لے آیا۔ اور منشی جی کے نوکر کو جڑ کا حصہ دے دیا۔ جب نوکر جڑ لے کر منشی جی کے پاس گیا تو منشی جی پوری بات سمجھ گئے اور دل میں کہا کہ کسان اس بار بھی چالاکی کر گیا۔ اگلی بار اس کسان کے بچے کو بتاؤں گا۔

تیسرے سال پھر کسان منشی جی کے پاس گیا اور زمین بٹائی کرنے کے لیے مانگی تو منشی جی نے پھر شرط والی بات کی کسان پھر تیار ہو گیا۔ منشی جی نے کہا میں اس بار پھنگی اور جڑ دونوں لوں گا اور تم بیچ کا حصہ لو گے۔ اس بار اس نے منشی جی کے کھیت میں مکئی بو دی جب فصل تیار ہو گئی تو جڑ اور پھنگی منشی جی کے حصے میں آئی اور مکئی کی بالیں چونکہ تنے کے بیچ میں لگتی ہیں اس لیے وہ کسان کے حصے میں آئیں۔ منشی جی اس بار بھی کسان کی چالاکی سے مات [illegible]

عمران لطیف
معرفت ڈاکٹر زیڈ۔ ایم۔ جیلانی، [illegible]

کسی کی تفریح، کسی کی موت

ایک تالاب میں بہت سے مینڈک رہتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ بعض لڑکے تالاب کے پاس آئے اور کھیلنے لگے انھوں نے وہاں مینڈکوں کو دیکھا اور نشانہ باندھ کر پتھر [illegible] انھیں مارنے لگے۔ جب کسی مینڈک پر نشانہ ٹھیک بیٹھتا اور وہ مر جاتا تو وہ خوشی سے چیخ پڑتے اور تالیاں بجاتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے مینڈک مر گئے۔ ایک مینڈک سے رہا نہ گیا اس نے لڑکوں سے عاجزی کے ساتھ کہا" بچو! پتھروں سے مار کر اس طرح ہماری جان نہ لو" ایک لڑکے نے کہا" ہمارا مقصد تو کھیل تفریح ہے تمھیں مارنا نہیں۔ ہم صرف کھیل رہے ہیں" مینڈک نے کہا" ہو سکتا ہے یہ تمھارے لیے کھیل اور تفریح ہو مگر ہمارے لیے تو موت ہے۔"

ثمیرا اسد
۱۹، طاہر صاحب اسٹریٹ، مدراس [illegible]

چھٹی

رم جھم کی شروعات کا موسم
آیا ہے برسات کا موسم

سب بچوں کو جلدی ہے
اسکول میں بھی اب چھٹی ہے

سڑکیں بھیگی بھیگی ہیں
شامیں مہکی مہکی ہیں

...سب کے کھیل رہے ہیں
... کھیل رہے ہیں

فردوسی نے ناؤ بنائی
ناؤ پانی میں تیرائی

پڑھنے کی ہے کس کو فرصت
لیکن چھٹی ہو گئی رخصت
اب اسکول ہے کھلنے والا
سب کو نتیجہ ملنے والا

کون ہے فیل اور کون ہے پاس
کس کو چھٹی آئی راس

شہنواز اختر

(... امتیاز الرحمٰن، مہاجن ٹولی نمبر ۲، آرہ، بھوجپور)

کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

تاریخ

(۱) بکسر کی لڑائی کب ہوئی تھی؟
(الف) ۱۷۴۶ء
(ب) ۱۷۶۴ء
(ج) ۱۷۴۸ء

(۲) ٹیپو سلطان کب شہید ہوئے؟
(الف) ۱۸۰۰ء
(ب) ۱۷۸۹ء
(ج) ۱۷۹۹ء

(۳) پلاسی کی جنگ کس کس کے درمیان لڑی گئی؟
(الف) احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان۔
(ب) نواب سراج الدولہ اور انگریزوں کے درمیان۔
(ج) نواب میر قاسم اور انگریزوں کے درمیان

(۴) پال خاندان کا بانی کون تھا؟
(الف) دھرم پال
(ب) دیوپال
(ج) گوپال

جغرافیہ

(۱) دنیا کا سب سے بڑا شہر کون سا ہے۔
(الف) لندن
(ب) کلکتہ
(ج) نیویارک
(د) ٹوکیو

(۲) دنیا کی سب سے لمبی ندی کا نام بتائیے۔
(الف) دریائے نیل
(ب) می سی سیپی
(ج) امیزن

(۳) دنیا کے سب سے بڑے ریگستان کا نام بتائیے
(الف) صحارا
(ب) کالاہاری
(ج) گوبی

(۴) مندرجہ ذیل میں سے بلند ترین چوٹی کا نام بتائیے۔
(الف) دھولاگری
(ب) کنچن جنگا
(ج) گاڈون آسٹن

سائنس

(۱) ٹیلی فون کے موجد کا نام بتائیے۔
(الف) ایڈیسن
(ب) جی مارکونی
(ج) گراہم بیل

(۲) انسانی جسم میں کل کتنی ہڈیاں ہوتی ہیں؟
(الف) ۲۰۶

(ب) ۲۰۶
(ج) ۲۰۵
(۳) زمین سے سب سے نزدیک کون سا سیارہ ہے۔
(الف) مریخ
(ب) عطارد
(ج) زحل
(۴) کس وٹامن کی کمی سے سوکھاپن کی بیمار ہوتی ہے؟
(الف) A
(ب) B
(ج) C
(د) D

(جواب کسی دوسرے صفحے پر)

جاوید کمال حشمی

قیمت

ایک بھکاری نانبائی کی دکان کے پاس سے گزر رہا تھا۔ قسم قسم کے کھانوں کی لپٹیں جو اس کے دماغ میں پہنچ رہی تھی تو اس کے منہ میں پانی آگیا۔ اس نے نانبائی سے تھوڑا سا سالن مانگا۔ نانبائی نے دھتکار دیا۔ بھکاری نے اپنے تھیلے سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نکالے اور انھیں تھوڑی دیر تک بھاپ پر رکھ کر کھانے لگا۔ نانبائی اس کی یہ حرکت حیرت سے دیکھتا رہا۔ بھکاری جب جانے لگا۔ تو نانبائی نے اسے روکا اور کہا۔ "ارے سالن کے دام تو دیتے جاؤ۔" بھکاری بولا: "سالن تو دیا نہیں اور پیسا بھی مانگ رہے ہو۔" نانبائی نے کہا کہ بھاپ بھی تو سالن کا حصہ ہے۔

یہ جھگڑا چل ہی رہا تھا کہ ملا نصیرالدین اس طرف آنکلے۔ دونوں نے ملا کو فیصلہ کرنے کے لیے کہا۔ ساری بات سن کر ملا نے چند سکے اپنی جیب سے نکالے اور سڑک پر دے مارے۔ نانبائی سکہ کے لیے لپکا۔ ملا نے کہا: "سکہ نہیں اس کی آواز لے لو۔" نانبائی نے حیرت سے کہا، یہ بھلا کیسے دام ہیں۔ ملا نے جواب دیا "جیسے بھاپ کے۔"

ریحان احمد
درگاپور، کٹھار، بہار

بنی اسرائیل کی ایک عقلمند بی بی کا قصہ

بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا عالم اور عابد تھا اس کو اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی، بیوی کے انتقال پر اس عالم کی حالت دیکھ کر دکھ ہوتا تھا کہ وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا اور سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ بنی اسرائیل میں ایک عورت نے یہ قصہ سنا تو وہ اس عالم سے ملنے اس کے گھر گئی۔

اس نے وہاں کسی سے کہا کہ مجھکو عالم صاحب سے ایک بہت ضروری مسئلہ پوچھنا ہے۔ اور وہ مسئلہ زبانی ہی پوچھ سکتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ عورت دروازے پر جم کر بیٹھ گئی۔ عالم کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس عورت کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔

عورت اندر داخل ہوئی اور عالم سے کہا کہ ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے — اجازت مل گئی۔

مسئلہ یہ ہے کہ میں نے پڑوسن سے کچھ زیور وقتی طور پر مانگ لیے تھے۔ اور مدت تک پہنتی رہی۔ پھر پڑوسن نے وہ زیور لینے کے لیے میرے پاس آدمی بھیجا ہے۔ تو کیا میں اس کے زیور واپس کردوں؟ عالم نے کہا "بیشک اس کے زیور اس کے حوالے کردو۔" وہ عورت بولی۔ وہ زیور تو میرے پاس اتنی مدت سے ہیں مجھے لگاؤ ہو گیا ہے میں اب وہ زیور کیسے دے دوں۔ عالم نے کہا تب تو اور بھی خوشی سے دے دو۔ کیوں کہ اس نے اتنی مدت تک زیور نہیں مانگے یہ اس کا احسان ہے۔

تب عورت نے کہا خدا تمھارا بھلا کرے۔ پھر تم کیوں اتنے غم میں مبتلا ہو۔ خدا تعالیٰ نے عارضی طور پر ایک رفیق حیات عطا کی تھی۔ وہ اس کی امانت تھی۔ واپس لے لی۔ یہ سن کر اس عالم کی آنکھیں کھل گئیں اور اس بات سے اس کے ذہن کو سکون ملا۔ غم کا اثر جاتا رہا۔

ایم سیف الدین انصاری
معرفت: شمع بک اسٹال، چوک گھنٹہ گھر، الہ آباد۔

آدم خور فقیر

پرانے زمانے کی بات ہے کسی گانو میں ایک آدم خور رہتا تھا۔ وہ فقیروں جیسا بھیس بناکر گھر گھر بھیک مانگنے جاتا تھا جیسے ہی اس کی نگاہ کسی بچے پر پڑتی وہ جادو سے اسے چڑیا بنا دیتا اور پھر اس چڑیا کو پکڑ کر بھون کر کھا لیتا اس گانو کے لوگ بہت پریشان تھے کہ ہمارے بچے کیا ہو جاتے ہیں کافی دنوں تک اس راز کا کسی کو پتا نہ چلا اسی گانو میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ اس کے ایک ہی بیٹا تھا اس کا نام اقبال تھا ایک دن اقبال کھیلتے کھیلتے بہت دور نکل گیا۔ اور گھر کا راستہ بھول گیا وہ روتے روتے ایک غار کے پاس پہنچا اس غار میں روشنی نظر آئی اس نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ ایک بابا تسبیح پڑھ رہے ہیں اس نے بابا کو سلام کیا اور کہنے لگا بابا میں اپنے گھر کا راستہ بھول گیا ہوں مجھے راستہ بتا دیجیے بابا نے کہا بیٹا! میں راستہ تو نہیں بتا سکتا ہاں یہ انگوٹھی تم پہن لو اور سیدھے چلے جاؤ اقبال نے کہا راستہ میں جنگل پڑے گا تو مجھے جنگلی جانور کھالیں گے بابا نے کہا کہ جب جنگل پڑے گا تو اس انگوٹھی کو منہ میں رکھ لینا تو تمھیں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور تم سب کو دیکھ لوگے یہ سن کر اقبال بہت خوش ہوا۔ راستہ میں اس کا دوست گڈو رہتا تھا۔ اقبال نے سوچا کہ ہم اپنے دوست گڈو سے ملاقات کرتے چلیں وہ گڈو کے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کی ماں زار و قطار رو رہی ہے اس نے پوچھا کہ میرا دوست کہاں ہے
اس کی ماں روتے ہوئے بولی بیٹا! ابھی گڈو یہیں کھیل رہا تھا ابھی ابھی ایک فقیر آیا اس کے گلے میں موتیوں کا ہار تھا اس نے اپنے ہار کو پکڑا اور کچھ پڑھ کر پھونکا بس گڈو ایک چڑیا بن کر فقیر کے سر پر بیٹھ گیا۔ اور جب تک میں چلائی وہ پچھم کی طرف چلا گیا اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ سن کر اقبال فوراً پچھم کی طرف چل دیا اور کافی دور چلنے کے بعد وہ تھک گیا اور انگوٹھی منہ میں رکھ لی اور آرام کرنے لگا۔
تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد وہ پھر گڈو کو ڈھونڈنے کے لیے میں چل دیا۔ چلتے چلتے اسے ایک برگد کا پیڑ دکھائی دیا اس پیڑ کے نیچے روشنی ہو رہی تھی اقبال روڈ کراس کر کے پیڑ کے پاس پہنچا اس نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہے جس کے گلے میں موتیوں کا ہار ہے اور اس کے سر پر ایک چڑیا بیٹھی ہے اقبال سمجھ گیا کہ یہ وہی فقیر ہے اس نے جلدی سے وہ ہار اتار لیا اب فقیر کو کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا وہ چیخنے اور چلانے لگا تب اقبال نے اپنے منہ سے انگوٹھی نکال کر ہاتھ میں پہن لی اور فقیر کو مارنا شروع کیا اور پوچھنے لگا بتا میرا دوست کہاں ہے جب تک تو نہیں بتائے گا تب تک میں تجھے مارتا رہوں گا فقیر نے کہا کہ یہ چڑیا جو میرے سر پر بیٹھی ہے آج میں نے اس کو پکڑا ہے شاید یہی تیرا دوست ہے تیرے پاس جو ہار ہے وہ اس چڑیا کو دکھا دے چڑیا جیسے ہی اس ہار کو دیکھے گی وہ آدمی کی شکل اختیار کرے گی اقبال نے جلدی سے ہار اس چڑیا کو دکھا دیا چڑیا گڈو بن گئی۔ اقبال گڈو کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور پھر فقیر سے پوچھنے لگا بتا تو نے کتنے بچوں کی جان لی فقیر نے کہا میں نے انگنت بچے کھا چکا ہوں اس ہار میں میری جان ہے یہ ہار مجھے دے دے اقبال نے کہا اچھا! یہ ہار میں تجھے اس لیے دے دوں کہ تو اور بچوں کو کھائے یہ کہتے ہوئے اقبال نے وہ ہار زمین میں پھینک دیا۔ ہار کے گرتے ہی فقیر نے ایک زور کی چیخ ماری اور اسی جگہ ختم ہو گیا۔ اقبال اور گڈو دونوں گھر لوٹ آئے گڈو کی ماں گڈو کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اقبال کو گلے سے لگا لیا اور کہنے لگی بیٹا تو نے میرے بیٹے کی جان بچائی خدا تمھیں اچھا رکھے۔

عائشہ بانو
نیاز احمد جگر منزل جگر روڈ، گونڈہ

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی کہانی جلد شائع ہو تو براہ کرم مختصر کہانی لکھیے۔ کہانی کے آخر میں اپنی عمر اور اسکول کا نام ضرور لکھیں۔ (ادارہ)

پیامی ادبی معمّا ۱۴ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱. بار، شفیع الدین نیر ص۱۱ ۔ ۲. آداب، شفیع الدین نیر ص۹ ، ۳. دوست، سندر چنار ص۲۵ ۔ ۴. آگ / پانی، ریڈیو فیچر ص۲۱ ۔ ۵. ہلکے / پھلکے چڑیاں ص۲۳ ۔ ۶. پاجی، تین اناڑی ص۹ ۔ ۷. بونا بیں، ایک طالب علم کی کہانی ص۱۳ ۔ ۸. سیکھا / بجھا ہمارا دین اوّل ص۱۰ ۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۷ خوش نصیب

فی کس ۱۶/۵۰ روپے تقسیم کیے گئے

۱. خلیق احمد، کمرہ نمبر ۹۳۴، ۸ دینگ منسٹری آف لا نئی دہلی نمبر ۱
۲. عاصم خاتون۔ ۱۳۵۰، پہاڑی املی، مٹیا محل، دہلی
۳. شائستہ خلیل ۱۳۵۰ " " " "
۴. سیدہ عشرت فاطمہ " " " "
۵. محمد مظہر نعمانی۔ معرفت اجمل صاحب، مہراج گنج، ڈاک خانہ رفیع گنج، ضلع اورنگ آباد، بہار۔
۶. محمد یزداں۔ ۸/۳۰۷، اوکھلا، جامعہ نگر نئی دہلی نمبر ۲۵
۷. مسعود سعید سلمان۔ معرفت۔ اے۔ ایم۔ تابشی، مدرسہ اسلامیہ، ڈاک خانہ رفیع گنج، ضلع اورنگ آباد (بہار)

ایک غلطی والا کوئی حل موصول نہیں ہوا

دو غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۴ خوش نصیب

فی کس ۱۲ روپے کی کتابیں دی گئیں

۱. سید شعیب الرحمن۔ دہلی نمبر ۶
۲. نوید احمد عمران آئینگلا۔
۳. وحیدہ محمد یوسف، مالیگاؤں
۴. ابرار علی خاں، پٹنہ۔ ۸۔

اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں

پیامی ادبی معمّا نمبر ۱۷ کا صحیح جواب

ذیل کی کتابوں میں بھی ملے گا۔

کتاب	مصنف	قیمت
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	زہرہ مشیر	۴/۰۰
ننھا جھبرو	ریحان احمد عباسی	۲/۵۰
پلاک نہ پارہ	یوسف ناظم	۳/۰۰
مرغی کی چار ٹانگیں	"	۳/۰۰
ریڈیو فیچر	جگن ناتھ آزاد	۲/۲۵
گاندھی بابا کی کہانی	قدسیہ زیدی	۲/-
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	یوسف ناظم	۲/۰۰
نبیوں کے قصے	خواجہ عبدالحئی فاروقی	۴/۵۰
تین اناڑی	عصمت چغتائی	۳/-
چڑیاں	سلطانہ آصف فیضی	۳/۰۰
رسول پاک	عبدالواحد سندھی	۲/۰۰
سندر چنار	بیگم صالحہ عابد حسین	۱/۵۰
پہاڑ کی چوٹی پر	مرزا ادیب	۵/۰۰
اندرا گاندھی	شمیم حنفی	۴/۵۰
بچوں کے اقبال	جگن ناتھ آزاد	۴/۵۰
آں حضرت	الیاس احمد مجیبی	۳/۰۰
سرکار کا دربار	"	۴/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	عبدالغفار مدھولی	۲/۰۰
دنیا کے جانور	قدسیہ زیدی	۲/۵۰
ہمارا دین (اوّل تا سوم)	شہاب الدین دسنوی۔ فی حصہ	۱/۰۰
جن حسن عبدالرحمن (اوّل، دوم)	مترجم: قرۃ العین حیدر	۵/-

کتابیں حاصل کرنے کے پتے:

۱. مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
۲. مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶
۳. مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
۴. مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۱

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 17

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۵ مئی ۸۵ء

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

150 روپے کے نقد انعامات

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اسے ھی نمبر وار لکھیے۔

1. ــــــ کا سمندر سامنے آگیا۔ (روشنی / برف / بادلوں)
2. میں بھی ان ــــــ کا مالک ہوں۔ (تمام / سب)
3. گاندھی جی نے ــــــ روزہ شروع کیا تھا۔ (خاموش / چپ)
4. نہرو جی کی ــــــ بھی پہلی جیسی نہیں رہی۔ (صحت / تندرستی)
5. یہ سب تو ہمارے ــــــ ہیں۔ (مہربان / دوست / ہمدرد)
6. اگر وہ کسی دن کہ دیں کہ ان کی ــــــ میں سب کچھ ہے تو بھی ان کو جھٹلانے کی ہمت نہ پڑے گی۔ (جیب / ہاتھ / مٹھی / کوٹ)
7. روزے کی ــــــ سے امیر آدمیوں کو مفلس اور نادار لوگوں کی بھوک پیاس کا اندازہ ہوتا ہے۔ (تکلیف / بھوک / پیاس)
8. آپ نے اکثر ــــــ اور بچوں کو بھی سلام کیا ہے۔ (چھوٹوں / بڑوں)

اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۳۵ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا کوپن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ چھوٹے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمّے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابل قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

پیامی ادبی معمّا کا کوپن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 17 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

Regd. with R.N.I. at No. 10537/64

Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage

Regd. No. D(SE)-043 May, 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

بچوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
ہمارا دین (اول، دوم، سوم)	سید شہاب الدین دسنوی (فی حصہ)	۶/۰۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول دوم)	عبدالواحد سندھی (فی حصہ)	۴/۰۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	〃 〃	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ (اول دوم)	〃 〃 (فی حصہ)	۴/۵۰
قرآن پاک کیا ہے؟	〃 〃	۳/۰۰
اسلام کیسے شروع ہوا؟	〃 〃	۴/۵۰
رسولِ پاک	〃 〃	۳/۵۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۳/۰
رسولِ پاک کے اخلاق	〃 〃	۳/
اللہ کے خلیل	〃 〃	۲/۵۰
تحسین القرآن	تالیف: خدیجہ سید ناطاہر سیف الدین	۴/۵۰
مصباح القرآن	〃 〃	۴/۵۰
ارکانِ اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۱/۵۰
عقائدِ اسلام	〃 〃	۱/۵۰
چار یار	الیاس احمد مجیبی	۴/۵۰
آں حضرت	〃 〃	۱/۵۰
صحابۂ کرام	خواجہ عبدالحی فاروقی	۲/۷۵
نبیوں کے قصے	〃 〃	۲/۲۵
ہمارے رسول	〃 〃	۲/۰۰
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۲/۰۰
ہمارے نبی	سید نواب علی	۱/۵۰
سرکارِ دو عالم	محمد حسین حسّان	۱۲/۰۰

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دہلی ۲

پیام تعلیم

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دلی ۲۵

جون ۱۹۸۵ء　جلد ۲۳　شمارہ ۶

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰　سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچّوں سے باتیں

پیامی بہن بھائیوں کو عید مُبارک

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام مسلمانوں کے روزوں کو قبول فرمائے جنھوں نے مئی اور جون کی سخت گرمی میں بھی بھوک اور پیاس کی شدّت محض رضائے الٰہی کی خاطر ہنسی خوشی برداشت کی۔ سچ پوچھیے تو عید کی سعادتوں کے وہی حقدار ہیں۔

سالانہ امتحان کے نتیجے تو آگئے۔ جنھیں کامیابی نصیب ہوئی وہ ہماری مبارکباد قبول کریں۔ جو بچّے کامیاب نہ ہوسکے ان سے ہمیں ہمدردی ہے۔ انھیں چاہیے کہ اس ناکامی کو عارضی سمجھیں، اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالیں، انھیں دور کریں اور اس عزم کے ساتھ ایک بار پھر محنت کریں کہ آیندہ کامیابی ان کے قدم چومنے پر مجبور ہو جائے۔

پچھلے مہینے ہم نے بتایا تھا کہ مکتبہ پیام تعلیم کو اترپردیش اُردو اکیڈمی نے ایک ہزار روپے کا انعام دیا تھا۔ اس مرتبہ یہ سنیے کہ دلّی اردو اکیڈمی نے دو ہزار روپے کے انعام سے نوازا ہے۔ ہم اس عنایت کے لیے دلّی اردو اکیڈمی اور اترپردیش اردو اکیڈمی کے مشکور ہیں۔

۲ مئی کو ذاکر صاحب کی سولھویں برسی روایتی وقار اور سادگی کے ساتھ منائی گئی۔ اس شمارے میں اُن کے ایک شاگرد کا مضمون پڑھیے۔ کچھ نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ جناب امان اللہ خاں شیروانی پہلی مرتبہ پیام تعلیم کی بزم میں شریک ہوئے ہیں ان کا مضمون "بسنتی آپا" پڑھنے کے قابل ہے — ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے ہفتے ہمارے پرانے ساتھی فاروق جمال صاحب کا حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے امیر (چانسلر) کے عہدے کے لیے اس مرتبہ خورشید عالم خاں صاحب (وزیرِ مملکت برائے امورِ خارجہ) کا انتخاب عمل میں آیا۔ ہم اپنی اور آپ سب کی طرف سے ان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

[illegible]

کتاب	قیمت
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جبرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابانا صبح	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/-
مچھرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰

کتاب	قیمت
رسول پاکؐ	۶/۰۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول)	۴/۰۰
" " (دوم)	۴/۰۰
ہار کی تلاش	۴/-
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تا کے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
پھر میں چگوں کیا خاک	۱/۵۰
پکڑ دم کٹے کو	۱/۵۰
پان کھا کر طبلہ بجا کر...	۱/۵۰
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
ردلی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو جپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰
میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰
ایک کچوری تیل میں	۱/۵۰
تانبیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/-
پہیلیاں	-/۸۰
چھوٹا لڑکا	۱/۵۰

کتاب	قیمت
جون حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
سندر چنار	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
میگھ نگر کا راجا	۱/۲۵
میر انیس	۲/۰۰
دادا نہرو	۵/۰۰
جلو مرغابی	۲/۰۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
دم کٹا سانپ	۱/۰۰
ریڈیو فیچر	۲/۲۵
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)	۱/۲۵
سماجی زندگی (سوم)	۱/۴۰
کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارے محاورے	۷/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (اول)	-/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (دوم)	-/۴۰
انوکھا عجائب خانہ (چہارم)	-/۵۰
مفید معلومات	۱/۵۰

حافظ باقوی رائیچوٹی ایم-اے

عید کی خوشیاں خوب منائیں

صبح سویرے اُٹھ کے نہائیں — تن کو نئے جوڑے سے سجائیں
کھیر سویاں ڈٹ کر کھائیں — اپنوں کو، غیروں کو کھلائیں
بچھڑے ساتھی گھر میں آئیں
عید کی خوشیاں خوب منائیں

ابّا اور امّی سے کہیں گے — عیدی اب کے بڑھ کر لیں گے
بھائی، بھابی اور ممانی — ہم نہ کسی کو بھی چھوڑیں گے
اچھی خاصی عیدی پائیں
عید کی خوشیاں خوب منائیں

پُر رونق بازار ہیں کتنے — چیزوں کے انبار ہیں کتنے
نئے نئے خوش رنگ کھلونے — خوشیوں سے سرشار ہیں کتنے
کچھ تو آخر گھر لے جائیں
عید کی خوشیاں خوب منائیں

عید ملن کی بزم سجا کر — روٹھے ہوئے لوگوں کو منا کر
نفرت کی دیوار گرا کر — الفت کی اک جوت جگا کر
دھرتی کو فردوس بنائیں
عید کی خوشیاں خوب منائیں

۱۴/۳ جمیل آباد میل وشارم ۶۳۲۵۰۹

احسان الحق (مرحوم)

اور یہ تھے ہمارے ذاکر صاحب

بہت دنوں کی بات نہیں ہے۔ ایک چھوٹا سا لال اینٹوں کا گھر تھا۔ گھر کی دیواروں پر سفید حاشیہ تھا۔ سامنے کے حصّے میں لمبی لمبی کھڑکیاں تھیں۔ جن کے بیچ میں ایک پیارا سا صاف ستھرا برآمدہ تھا۔ جہاں سے کوئی تین سیڑھیاں اتر کر لال لال بجری کی لہراتی ہوئی سڑک شروع ہو جاتی تھی اور اس سڑک کے ارد گرد ہری بھری گھاس مخمل کے قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ اس گھاس پر چھوٹے چھوٹے پتھروں سے چھوٹے چھوٹے جاپانی پہاڑ بنے ہوئے تھے۔

تصویر کی طرح خوبصورت اس مکان کی ہر اینٹ کے پیچھے ایک شخصیت تھی۔ ایک مہان آدمی کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ ایک ایسا آدمی جس نے ایک معمولی استاد سے لے کر راشٹرپتی بھون تک راستہ طے کیا تھا۔

اور یہ تھے ہمارے ذاکر صاحب۔

رات کا وقت ہے، دور دور تک اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ اکّا دکّا لالٹین ٹمٹما رہی ہیں۔ اتنے میں ان جاپانی پہاڑوں کے پاس ایک چیخ سنائی دیتی ہے۔ "سانپ سانپ" کوئی بے تحاشا بھاگ رہا ہے۔ کوئی چلا رہا ہے۔ کوئی لالٹین لاؤ۔ لالٹین لاؤ کی آوازیں لگا رہا ہے۔

ذاکر صاحب نکل آئے۔ سانپ بل میں گھس کر غائب ہو چکا تھا۔ لیکن ایک خوف، ایک ڈر، ایک دہشت اب بھی پھیلی ہوئی تھی۔ دوسرے دن جامعہ کے ایک استاد ابوالکلام صاحب سے انھوں نے پوچھا: "بھئی یہ سانپ پہاڑوں پر بل کیوں بناتے ہیں؟" کلام صاحب نے ڈینگ ماری "پہاڑ ذرا اونچے ہوتے ہیں نا۔ وہاں سانپوں کے بل میں پانی نہیں جاسکتا۔"

بات آئی گئی ہوگئی۔ کوئی چھ مہینے بعد ایک دفعہ پھر کلام صاحب سامنے آگئے۔ ذاکر صاحب نے ان کو روک کر پوچھا: "وہ آپ نے سانپ کے بل کے بارے میں کیا بتایا تھا۔"

بیچارے کلام صاحب نے ایک دفعہ پھر وہی سب باتیں دہرا دیں۔ انھوں نے سوچا کہ ذاکر صاحب سانپ کے بارے میں کیا جانیں۔ بس اُڑا دو۔ ذاکر صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر کہنے لگے "آپ کی ساری معلومات غلط! میں اس دوران کئی کتابیں پڑھ چکا ہوں۔ کئی لوگوں سے بات کر چکا ہوں بلکہ کا زو بھی دیکھ آیا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ سانپ اپنا بل کبھی نہیں بناتا۔ وہ چوہوں کے بل پر قبضہ کرتا ہے۔ اور چوہے کھاتا ہے۔ آپ چوہوں کو بھگا دیجیے تو سانپ بھی بھاگ جاتا ہے۔"

تو بھئی یہ تھے ہمارے ذاکر صاحب۔ جو لاعلمی اور بے خبری کو گناہ سمجھتے تھے۔ معمولی سے معمولی باتوں کے بارے میں بھی اتنی چھان بین کرتے تھے جیسے سانپ کا بل نہ ہوا کوئی انتر راشٹریہ مسئلہ ہوگیا۔ ذاکر صاحب بیکار چیزوں میں کبھی اپنا وقت

ضائع نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کتابیں پڑھتے وقت بھی
ان کی رفتار اتنی تیز ہوتی تھی کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے
تھے جیسے انھوں نے کتاب پڑھے بغیر رکھ دی ہو۔ لیکن
حقیقت یہ تھی کہ وہ موٹی سے موٹی کتاب، کم سے کم
وقت میں، زیادہ سے زیادہ اپنے دماغ میں سمیٹ لیتے
تھے۔ امتحان کے زمانے میں بھی وہ کتابوں سے زیادہ
اپنے دماغ سے کام لیتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی جو ان
کے سوالوں کے جواب میں بھی ایک نیاپن ہوتا تھا،
ایک ایسا نیاپن جو خود امتحان لینے والے کے لیے بھی
مفید ہوتا تھا۔

علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے۔
ٹیچروں کے گروپ بنے ہوئے تھے۔ آپس کے لڑائی جھگڑے
زوروں پر تھے۔ ایک دن اپنے باغ میں گلابوں کی
دیکھ بھال کر رہے تھے۔ کچھ سوکھے ہوئے پودوں
کو دیکھ کر، ساتھ میں جو پروفیسر تھے کہنے لگے: "ان
خراب پودوں کو نکال کر دوسرے پودے لگوا دیجیے"
ہنستے ہوئے بولے: "بھئی مجھ سے یہاں کے ٹیچروں
کے بارے میں بھی لوگ یہی کہتے ہیں۔ لیکن میں ان سے
کہتا ہوں کہ جو ہیں ان کو رہنے دو، اگر ان سے اچھے
ملیں، تو ان کو بھی جگہ دو"

تو بھئی زندگی کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے
والے یہ تھے ہمارے ذاکر صاحب۔

آصفہ مجیب نے ایک جگہ لکھا ہے: "ہمارے
گھر میں ایک بڑھیا نوکر تھی۔ جو ذاکر صاحب کو
بہت چاہتی تھی۔ جب بھی وہ گھر آتے۔ بڑھیا لکڑی
ٹیکتی ہوئی میرے پاس آتی اور کہنے لگتی "تنک دیکھ
لین جائے کے۔ معلوم نہیں پھر دیکھے کا ملے یا نہ ملے"
بڑھیا کی یہ محبت بے وجہ نہ تھی۔ ذاکر صاحب کی شخصیت میں
ایک عجیب اعتماد، بھروسا اور اپناپن تھا۔ جو دیکھتا
دل میں کہتا: "یہ تو ہمارے ہیں"
پھر وہی بڑھیا ایک دفعہ بیمار ہو کر پلنگ سے
لگ گئی۔ ایک دن میں اس کی کوٹھری کی طرف نکلی تو دیکھتی
کیا ہوں کہ ذاکر صاحب اس کے پینتانے بیٹھے ہوئے مزے
مزے کی باتیں کر رہے ہیں"

ذاکر صاحب کی اس بات میں کوئی دکھاوا نہیں
تھا۔ انسانی ہمدردی کے جذبے نے انھیں چپکے سے
بڑھیا کی کوٹھری میں پہنچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تو یہ تھے دل کے راستے سے ہو کر دل تک پہنچنے
والے ہمارے ذاکر صاحب۔

آج کل اچھے آدمیوں کا بڑا کال پڑا ہوا ہے۔ اگر
کوئی آدمی اندر سے اچھا ہو تو ترسے ہوئے لوگ
خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔ ذاکر صاحب
کبھی کسی کی برائی نہیں کرتے تھے۔ چاہے وہ انسان ہو،
چاہے راج نیتک پارٹی ہو اور چاہے دھرم ہو۔
شاید یہی وجہ تھی کہ جو لوگ انکی نظروں سے گر جاتے
تھے۔ یا جنھیں وہ پسند نہیں کرتے تھے، ان کی قسمت
کھل جاتی تھی۔ کیوں کہ وہ ایسے لوگوں کو ترقی دے
کر کسی بڑے عہدے پر لگا دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا
کہ آدمی کام کا ضرور تھا لیکن ان کے کام کا نہیں تھا۔

ذاکر صاحب نے چھوٹوں کے لیے، بڑوں کے لیے
بڑوں سے بڑوں کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔
ایک دفعہ انھوں نے اپنی کلاس کے لڑکوں کو ایک
مضمون لکھنے کو دیا۔ سبجکٹ مشکل تھا۔ ECONOMIC
دوسرے دن لڑکے ٹیڑھے بیڑے مضمون لکھ کر لائے
ایک صاحب کا مضمون بہت اچھا تھا بلکہ یوں کہنا
چاہیے کہ کچھ زیادہ ہی اچھا تھا۔

ذاکر صاحب نے اس مضمون کو ذرا غور سے پڑھا
پھر مسکرائے۔ بات کیا تھی؟ وہ لڑکا خود ذاکر صاحب
کی کتاب سے پورا مضمون نقل کر کے لے آیا تھا۔ ذاکر
صاحب نے لڑکے سے پوچھا: "تم اس کو سمجھے بھی۔
لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے میری کتاب
پڑھنے کی تکلیف تو اٹھائی۔ دوسرے تو اتنا بھی نہیں

کرتے ہیں۔

تو بھئی یہ تھے وہ جو اپنی ہر بات کو سنہری لفظوں میں لکھنے کے لائق بنا دیتے ہیں۔

انھوں نے جامعہ ملیہ کو عوام سے چندہ مانگ مانگ کر چلایا۔ وہ ایک آدرش کے لیے کام کر رہے تھے۔ اپنے کو سچا اور ایماندار سمجھتے تھے۔ اس لیے نڈر رہتے تھے۔ چندہ مانگتے وقت وہ چندہ دینے والوں سے کہتے تھے۔ جامعہ کے لوگوں کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ چندہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھائیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ چندہ دینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائیں۔ جو قوم اپنے قربانیاں دینے والے ساتھیوں کی قدر نہیں کرتی پھر اس قوم میں اس قسم کا کام کرنے والے پیدا نہیں ہوتے۔"

"وہ ساری زندگی لوگوں سے کہتے رہے کہ اچھے ہندستانی بناؤ تو اچھا ہندستان خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ اس میں بڑا مزہ ہے کہ آدمی آدمیوں کے متعلق اچھا سے اچھا گمان رکھے۔ اور چاہے روز فریب کھائے، ہر روز نئے سرے سے آدمیوں کی نیک دلی پر یقین کرے۔"

یہ اتنی اونچی باتیں ہیں کہ اگر کوئی ان باتوں کو اپنی شخصیت کا ایک حصہ بنا لے تو اس کے لیے چاہے سورگ ہو چاہے جنّت، دونوں ہی کے دروازے کھل جائیں گے۔

پیار و محبّت لٹانے میں ان کے لیے جانور، درخت پودے، پھول اور آدمیوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ خود ان کے گھر میں طرح طرح کے جانور اور چڑیاں پلی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ ان کی بکری تسلے میں گھاس کھا رہی تھی۔ ادھر سے گزرے تو بیگم کو پکارا: "آپ بکری کو کھانا اس طرح کھلاتی ہیں۔ دیکھیے گھاس باہر بکھری ہوئی ہے۔ بھئی کھانا کھلانے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ پہلے لوٹے میں پانی لاکر اس کا منہ ہاتھ دھلا یئے تولیہ سے منہ ہاتھ پونچھیے۔ اس کے بعد ایک خوبصورت سی چٹائی بچھا کر اسے بٹھائیے۔ ایک صاف ستھری سینی میں کھانا سجا کر اس کے سامنے رکھیے۔ ایک برتن میں گھاس ہو، ایک بڑے سے پیالہ میں صاف ستھرا ٹھنڈا پانی ہو، تب کہیں جاکر کھانا کھانا ہوتا ہے۔"

بات تو مذاق میں کہہ رہے تھے۔ لیکن یہ مذاق بھی وہی آدمی کر سکتا ہے جس کے دل میں ہر چیز کے لیے پیار اور محبّت ہو۔

ایک دفعہ ذاکر صاحب کے بمبئی آنے کی خبر تھی۔ میں اور سوشلسٹ لیڈر معین الدین حارث صاحب انھیں لینے کے لیے ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ ساری گاڑی چھان ماری کہیں نظر نہ آئے۔ پلیٹ فارم تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ لیکن ایک ڈبّے سے پودے اور پھولوں کے گملے ابھی تک اتر رہے تھے۔ اتنے میں ذاکر صاحب بھی دکھائی دیے۔ حارث صاحب نے لپک کر پوچھا آپ کہاں چھپ گئے تھے ہم تو سمجھے ارادہ پھر ملتوی ہو گیا۔ کہنے لگے: "بھئی جس ڈبّے سے درخت اور پودے اتر رہے ہوں تمھیں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ میں بھی ان کے آس پاس کہیں مل جاؤں گا۔"

ذاکر صاحب کو پروفیسر مجیب ۱۹۲۲ء سے جانتے تھے۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے۔ "ان کو (یعنی ذاکر صاحب کو) مجھ سے ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ میں ان سے ملتا نہیں ہوں۔ مگر کیا کرتا۔ تصویر کو بہت قریب سے نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ ہمیشہ کچھ پیچھے ہٹ کر اور اس طرح کہ روشنی تصویر پر پڑے آنکھوں پر نہ پڑے۔ شخصیت کو بھی ایسے ہی۔ کچھ دور رہ کر، کچھ پیچھے ہٹ کر دیکھنا چاہیے۔"

لیکن بچو! ہم لوگ کچھ اتنے پیچھے ہٹ گئے ہیں کہ اب تصویر بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ایک بات بتا دوں۔ اگر تم یاد رکھو تو ـــــ بڑے لوگوں کے بارے میں، ان

(باقی صفحہ ۹ پر)

حیرت انگیز لوپی

پیکا اپنے باپ کے ساتھ فن لینڈ کے ایک چھوٹے سے گانو میں رہتا تھا۔ ان کی جھونپڑی میں دو گائیں تھیں اور ان کے پاس تھوڑی سی زمین تھی۔ ایک سال فصل خراب ہوگئی۔ ان کے ساتھ گائیں بھی بھوکوں مرنے لگیں تو انھوں نے سوچا کہ ایک گائے بیچ کر دوسری گائے کے چارے کا انتظام کر دیا جائے۔

پیکا اس کے بعد اپنی بوڑھی گائے لے کر منڈی چلا۔ منڈی کے نزدیک اسے دو شریر لڑکے ملے جنھوں نے اسے سیدھا سادا سمجھ کر اس کی گائے اینٹھنے کی کوشش کی اور وہ چلائے" اے! تم یہ مریل بکری کہاں لے جا رہے ہو۔؟" "اے! تم اس بکری کے کیا دام لوگے؟"

پیکا نے لاکھ کہا" ارے بھائی یہ بکری نہیں گائے ہے۔" مگر ہر بار انھوں نے جواب دیا۔" ہر ایک تو اسے بکری کہہ رہا ہے ہم کیسے پھر اسے گائے مان لیں۔" آخر پیکا کی کچھ سمجھ میں نہ آیا اور وہ اسے بکری کی قیمت دے کر گائے لے کر چلتے بنے۔ اس کے جانے کے بعد پیکا نے سوچا۔" اچھا یہ مجھے بے وقوف بنا کر بکری کے بھاؤ گائے لے گئے۔ تاکہ منڈی میں اسے بیچ کر زیادہ پیسے کمائیں۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کیا کرتے ہیں پیکا نے ان کا پیچھا کیا۔

اس نے منڈی میں چھپ کر دیکھا کہ دونوں نے بہت اچھے داموں گائے بیچ دی۔ اسے بہت غصہ آیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ اپنا سارا روپیا ان سے وصول کر کے رہے گا۔

پیکا ایک ہوٹل پہنچا اور ہوٹل والے سے کہا۔ میں اپنے دو دوستوں کے ساتھ کھانا کھاؤں گا

کوشش نشاط افزا سیوان (بہار)

کھانے کے پیسے یہ پیشگی لو۔ لیکن جب میں کھانا کھاکر چلنے لگوں اور اپنی ٹوپی اتار کر پوچھوں" کیا کھانے کے دام ادا ہو گئے ؟ ـــــ تو تم جواب دینا۔ جی ہاں"
ہوٹل والے نے جواب دیا:" بھلا مجھے پیسے مل گئے ہیں تو میں ہاں کیوں نہیں کہوں گا:" اس کے بعد وہ ایک چائے خانے میں گیا اور تین آدمیوں کے پیسے جمع کرائے یہی کہا۔ اس نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر وہ ایک بیئر کے اسٹال پر گیا اور یہی کہہ کر پیسے جمع کرائے۔ اس نے بھی یہی جواب دیا۔ اس کے بعد وہ دوڑتا ہوا دونوں لڑکوں کے پاس پہنچا اور بولا:" آپ نے مجھے بکری کے بہت اچھے پیسے دیے تھے اس لیے اب میرے ساتھ چلیے میں آپ کی کچھ خاطر کرنا چاہتا ہوں،" دونوں اسے بے وقوف سمجھ کر اس کے ساتھ چل دیے۔ تینوں بیئر کی دکان پر پہنچے دونوں نے ڈٹ کر بیئر پی۔ باہر نکلتے وقت پیکا نے سر سے ٹوپی اتار کر اسٹال والے سے پوچھا "کیا ہم نے جو کچھ پیا اس کے دام ادا کر دیے؟" اسٹال والے نے کہا "جی ہاں!" وہ اسٹال کے باہر آگئے۔ دونوں لڑکوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ پیکا نے کہا:" آئیے اب کچھ ناشتہ کیا جائے" وہ ایک چائے خانے میں چلے گئے اور خوب ناشتہ کیا۔
باہر نکلتے وقت پیکا نے ٹوپی اتار کر پوچھا۔"کیا میں نے جو کچھ کھایا اس کے دام ادا کر دیے؟" چائے والے نے جواب دیا"جی ہاں:" جب وہ باہر نکلے تو دونوں لڑکوں سے نہ رہا گیا۔ انھوں نے پوچھا۔
"آخر یہ کیا جادو ہے؟ کہ تم بلا پیسے دیے جہاں جتنا چاہتے ہو کھا لیتے ہو؟" پیکا نے اپنی ٹوپی انھیں دکھاتے ہوئے کہا۔" یہ سب اس جادو کی ٹوپی کا کمال ہے یہ مجھے ایک باشتیے نے دی تھی۔ جب بھی میں کہیں بھی کوئی بھی چیز خریدنے کے بعد ٹوپی اتار کر دکاندار سے پوچھوں گا کہ کیا تمھارے دام مل گئے؟ تو وہ ہمیشہ یہی جواب دے گا کہ پیسے اسے مل چکے ہیں۔ اور یہی اسے یاد بھی رہے گا۔" انھوں نے پوچھا یہ ٹوپی تم کتنے میں بیچو گے؟
پیکا نے کہا کہ" میں تو اس سے اپنا پیٹ پالتا ہوں۔ میں بھلا اسے کیسے بیچ سکتا ہوں:" دونوں نے بے تابی سے کہا "ہم اپنا سارا روپیا تمھیں دے دیں گے۔"
پیکا نے سنی ان سنی کر دی۔ اور وہ انھیں لے کر ہوٹل میں چلا گیا۔ جہاں خوب پیٹ بھر کے سب نے دعوت اڑائی۔ نکلتے وقت پیکا نے ٹوپی اتار کر پوچھا۔" کیا کھانے کے دام ادا ہو گئے؟" دکاندار نے کہا "جی ہاں!"
اور وہ ہوٹل سے نکل آئے۔ اب تو دونوں لڑکے پیکا کے ہاتھ پیر جوڑنے لگے۔ انھوں نے ٹوپی کے بدلے اپنا سارا روپیا، گھڑیاں، سونے کے بٹن۔ تمام اچھے کپڑے اور اپنی دونوں ٹوپیاں پیکا کو دے دیں۔ جنھیں لے کر پیکا فوراً وہاں سے غائب ہو کر ہنستا ہوا اپنے گھر لدا پھندا پہنچ گیا۔

پیکا کے جانے کے بعد دونوں خراب لڑکوں نے جادو کی ٹوپی ملنے کی خوشی میں شراب پینے کا فیصلہ کیا اور ایک شراب خانے میں جاکر خوب شراب پی۔ اور باہر نکل کر ایک لڑکے نے پیکا کی میلی اور پھٹی ہوئی ٹوپی اپنے سر سے اتارتے ہوئے شراب خانے کے بدمعاش مالک سے پوچھا:

"کیا جو کچھ ہم نے پیا اس کے دام ادا کر دیے؟"
شراب خانے کے مالک نے آنکھیں نکال کر کہا:
"بالکل نہیں!"

یہ سن کر دوسرے لڑکے نے گھبرا کر جلدی سے ٹوپی پہلے لڑکے سے لے کر بہت احتیاط سے پہنی. پھر اس کو اتار کر شراب خانے کے مالک کے سامنے گرتے ہوئے زور سے پوچھا:

"جناب والا! کیا جو کچھ ہم نے پیا ہے اس کے دام آپ کو مل گئے؟"

دوبارہ یہی بات سننے کے بعد شراب خانے کے مالک کا پارہ بہت ہائی ہو گیا۔ اس نے ٹوپی چھین کر پھاڑ ڈالی اور ایک ڈنڈا اٹھا کر مارتے مارتے ان کا بھرکس نکال دیا۔ اس کے بعد ان کی شرٹ اتروا کر ٹھوکریں مار کر دکان سے باہر کیا۔

●●

بقیہ صفحہ ۱۹ کا

کی زندگی کے بارے میں پڑھنے کی عادت ڈالو ورنہ بڑے ہو کر تم اتنے چھوٹے آدمی بن جاؤ گے کہ تمھیں خود اپنے آپ سے شرم آنے لگے گی۔

جانتے ہو ایک موقع پر ذاکر صاحب کی بیٹی سعیدہ خورشید عالم نے ان کی شخصیت کی ایک تصویر دکھاتی تھی۔ بچوں سے بے پناہ محبت کا ذکر کرتے ہوتے انھوں نے لکھا تھا:

"گھر میں سب لوگ ذاکر صاحب کو میاں کہتے تھے. ایک دفعہ میری لڑکی کہنے لگی کہ امی جب میں سوچتی ہوں کہ اللہ میاں کیسے ہوں گے تو مجھے لگتا ہے وہ بالکل میاں جیسے ہوں گے۔"

تو بھئی یہ تھے ہمارے ذاکر صاحب!

خیال کے پھول

● **حضرت علی**:۔ ستارے آسمان کی زینت ہیں اور تعلیم یافتہ انسان زمین کا زیور ہے۔

● **حکیم لقمان**:۔ امید زندگی کا لنگر ہے۔

● **ٹیگور**:۔ فکر ہی سے فکر دور ہوتی ہے۔

● **سقراط**:۔ اپنا وقت دوسروں کی تحریروں کے مطالعے سے اپنی لیاقت بڑھانے میں صرف کرو۔ اس طرح تم ان چیزوں کو نہایت آسانی سے حاصل کر سکو گے جن کو حاصل کرنے میں دوسروں کو محنت شاقہ برداشت کرنی پڑی۔

● **مارکونی**:۔ جتنی دل لگا کے محنت کرو گے، اس کا پھل اتنا ہی زیادہ ملے گا۔

● **شیکسپیئر**:۔ نہ قرض خواہ بنو نہ مقروض کیوں کہ قرض اکثر خود بھی ضائع ہو جاتا ہے اور دوستوں کو بھی جدا کر دیتا ہے۔

● **والٹیر**:۔ کام کرنے سے تین برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اکتاہٹ گناہ اور غربت۔

● **ہومر**:۔ مسکراہٹ محبت کی زبان ہے۔

● **کنفیوشس**:۔ محتاط لوگ عموماً کم غلطیاں کرتے ہیں۔

● **حکیم بوعلی سینا**:۔ اگر دل سیاہ ہو تو چمکیلی آنکھیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔

● **ہٹلر**:۔ لگن اور اعتماد انسان کو کامیابی سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔

● **گاندھی جی**:۔ کتابوں کی قیمت جواہرات سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ جواہرات ظاہری چمک دمک دکھاتے ہیں، جب کہ کتابیں باطن کو منور کرتی ہیں۔

● **حکیم محمد سعید**:۔ سچے جذبے، محنت اور لگن سے ہر چیز حاصل کی جا سکتی ہے۔

(بہ شکریہ ہمدرد نونہال)

م - ندیم (علیگ)

سات شیخی باز

ایک گانو میں سات بھائی رہتے تھے۔ ساتوں جوان اور تگڑے تھے۔ لیکن تھے غریب۔ محنت مزدوری کر کے پیٹ بھرتے تھے۔ کسی نے انھیں مشورہ دیا کہ اگر وہ لوگ شہر چلے جائیں تو وہاں ان کو مزدوری زیادہ ملے گی اور وہاں سے وہ روپیا پیسا کما کر لا سکیں گے۔ ساتوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور دوسرے دن ہی وہ شہر کی جانب چل پڑے۔ کئی روز تک وہ پیدل چل کر شہر جا پہنچے۔ واقعی شہر میں ان کو گانو کے مقابلے میں مزدوری کہیں زیادہ ملی۔ ساتوں بھائی خوب محنت کرتے رہے اور روکھی سوکھی کھا کر زیادہ سے زیادہ پیسا بچاتے رہے۔ جب ان کے پاس معقول رقم اکٹھی ہوگئی تو اپنے گانو کو واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

شہر سے گانو تک کا راستہ کئی دنوں کا تھا۔ راستے میں جنگل بھی پڑتا تھا جہاں چوروں اور لیٹروں کا خوف تھا۔ ساتوں بھائیوں نے اکٹھی کی ہوئی رقم کا سونا خرید لیا۔ کھانے پینے کا سامان بھی راستے کے لیے خرید لیا۔ ساتوں کے پاس حفاظت کے لیے تلواریں بھی تھیں اور وہ ساتوں جوان اور ہٹے کٹے بھی تھے، لیکن تھے وہ نرے شیخی باز اور ڈرپوک۔

"اگر راستے میں ہمیں ڈاکو مل گئے تو ہم ساتوں مل کر ان پر حملہ کر کے ان کی تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔" بڑا بھائی بولا۔

"ارے بھیا دس کے لیے تو میں ایک اکیلا ہی کافی ہوں۔" دوسرے نے کہا۔

"ڈاکو تو ہم ساتوں کی صورت دیکھ کر ہی بھاگ جائیں گے۔" تیسرے نے شیخی ماری۔

اسی طرح وہ راستے بھر شیخیاں مارتے ہوئے چلتے رہے اور کمائی ہوئی رقم سے اپنے گانو میں

زمین، بیل، بھینس وغیرہ خریدنے اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی باتیں کرتے ہوئے سفر طے کرتے رہے۔

ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ تین ٹھگ ان کے پیچھے لگ گئے ہیں اور ان کی ساری گفتگو سن رہے ہیں۔ وہ ٹھگ بہت چالاک تھے۔ انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ ساتوں بہت بزدل ہیں۔ اس لیے ان سے مال چھیننا مشکل کام نہیں ہے۔ جب وہ ساتوں بھائی ایک گھنے جنگل میں پہنچے تو وہ تینوں ٹھگ سامنے آگئے اور للکار کر بولے:

"تم لوگ کون ہو؟ ہماری اجازت کے بغیر ادھر کیسے آئے۔ جانتے نہیں ہو کہ ہم یہاں کے مالک ہیں؟"

یہ سنتے ہی ساتوں بھائیوں کے ہوش اڑ گئے، وہ ڈر کے مارے کانپنے لگے اور گھگھیا کر بولے:

"ہمیں معاف کر دو، ہم پردیسی ہیں۔ پانچ سال تک پردیس میں کمائی کرتے رہے اب سونا اکٹھا کر کے اپنے گانو جا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم کو معاف کر دیں گے، لیکن تم دونوں چیزیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ ایک چیز تم کو چھوڑنا ہو گی۔ یا سونا یا جان یہ ہمارے ہاں کا دستور ہے۔"

یہ سن کر ساتوں نے سونا ان کو دے دیا۔ اور اپنی جان بچالی۔ یہی نہیں ان ٹھگوں نے ان سے تلواریں اور ڈھالیں بھی رکھوا لیں۔ وہ ساتوں بھائی اپنی اپنی جان بچ جانے پر مطمئن تھے۔ جب وہ ساتوں خالی ہاتھ اپنے گانو پہنچے تو گانو والوں نے ان سے دریافت کیا کہ پانچ سال تک انھوں نے کتنی کمائی کی اور وہ کہاں ہے۔ بڑے بھائی نے سارا ماجرا بیان کیا کہ کس طرح تین آدمیوں نے ان کا سارا سونا تلواریں اور ڈھالیں ان سے چھین لیں۔

"تو تم لوگوں نے ان کا مقابلہ کیوں نہیں کیا؟" ایک آدمی نے ان سے پوچھا۔ بڑے بھائی نے جواب دیا۔

"واہ آپ نے بھی خوب کہی۔ بھلا ہم ان کا مقابلہ کیسے کرتے۔ ہم ایک ماں کے جائے بے چارے صرف سات بھائی تھے اور وہ خوں خوار، اونچے، لمبے تگڑے پہاڑ جیسے پورے تین نہتے ڈاکوؤں کی فوج تھی۔ وہ ہماری جان کے دشمن، خون کے پیاسے ہمیں ان تینوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا جنگل بیابان، آدم نہ آدم زاد۔ اگر ہم ان سے لڑتے اور کہیں زخمی ہوتے تو کوئی پانی دینے والا وہاں نہیں۔ کوئی مرہم پٹی کرنے والا بھی نہیں۔ بھاگتے تو کہاں جاتے، راستہ انجان، کیا کرتے۔ مجبوراً ان کو دو سیر سونا دے کر جان بچائی۔ اور ڈھال تلواریں بھی دے دیں۔"

"تو تم لوگوں نے کچھ بھی نہیں کیا؟" دوسرے آدمی نے حیرت سے کہا۔ تیسرے بھائی نے کہا۔

"نہیں جی! ہم نے اپنے مقدور بھر بہت کچھ کیا۔ ہم راستے بھر ان کو جی بھر کر کوستے رہے اور بد دعائیں دیتے رہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری بد دعائیں ان کو لگ جائیں گی۔"

ضروری اعلان: پیامی ادبی معما نمبر ۱۴ میں اوّل انعام پانے والے مندرجہ ذیل پیامیوں کے نام کسی غلطی کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ ہمیں اس کا افسوس ہے انعام کی رقم ۱۶/۵۰ کے بجائے ۸/۳۰ روپے تقسیم کی گئی۔

۱۔ محمد سلیم اللہ شریف۔ ۲۔ محمد خلیل اللہ شریف۔
۳۔ محمد کریم اللہ شریف۔ ۴۔ محمد رحیم اللہ شریف۔
۵۔ عقیلہ نسرین۔ (حیدر آباد)

آسمان صاف ہو تو رات کو چمک دار تارے عجب بہار دکھاتے ہیں ۔ یہ تارے یا ستارے اپنی اپنی جگہ بہت بڑے سورج ہیں ۔ ہم اپنے سورج کے پابند ہیں ۔ ہماری زمین اس کا ایک سیارہ ہے ۔ ہم زمین پر رہتے ہوئے آسمان کی سیر کرتے ہیں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے کوئی تارا ٹوٹا اور ہماری طرف آتے آتے ختم ہوگیا ۔ یہ اصل میں تارا نہیں ہوتا بلکہ آسمانی آوارہ جسم ہوتا ہے جو ہماری زمین کی کشش کے دائرے میں آکر تیزی سے اس کی طرف گرتا ہے اور ہوا سے رگڑ کھا کر جل بھن کر راکھ ہو جاتا ہے ۔ اُسے شہاب کہتے ہیں ۔

کبھی کبھی برسوں بعد زمین سے ایک اور تارا آسمان پر حرکت کرتا نظر آتا ہے ، اس کا سر موٹا ہوتا ہے اور پیچھے ایک لمبی چمک دار دُم ہوتی ہے ۔ اسی لیے اسے دُم دار تارا کہتے ہیں ۔ یہ بھی اصل میں تارا نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک بڑا جسم ہوتا ہے جس کے سر میں چٹانوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے اور طرح طرح کے ذرّات بھرے ہوتے ہیں ۔ اس کے پیچھے گیس کی ایک نہایت طویل دھار ہوتی ہے جو اس کی دُم کہلاتی ہے ۔

دُم دار تارا بھی ہماری زمین کی طرح سورج کا سیارہ ہوتا ہے یعنی جس طرح ہماری زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے ، اسی طرح دُم دار تارا بھی سورج کے چاروں طرف گردش کرتا ہے اور برسوں بعد زمین سے ایک بار نظر آتا ہے اور اس کے نظر آنے کے دو وقت ہیں ـــ شام ہونے کے بعد مغرب کی طرف دکھائی دیتا ہے یا پھر صبح ہونے سے پہلے مشرق کی طرف ۔ یہ صورت چند دن رہتی ہے ۔ اس کے بعد دُم دار تارا نظر سے غائب ہو جاتا ہے ۔ اس کی چمک اپنی نہیں ہوتی بلکہ وہ سورج کی روشنی کو منعکس کر کے یا واپس کر کے اسی طرح چمکتا نظر آتا ہے جیسے چاند چمکتا ہے ۔

سورج کے چاروں طرف دُم دار تارا بالکل گول راستے پر نہیں گھومتا بلکہ اس کا راستہ یا مدار نہایت بیضوی (انڈے کی طرح) ہوتا ہے ۔ کبھی وہ سورج کے قریب آجاتا ہے اور کبھی اُس سے بہت دُور نکل جاتا ہے ۔ جب وہ سورج کے قریب پہنچتا ہے تو زبردست گرمی کی وجہ سے اُس کے سر سے بھاپ اور گیس اٹھنے لگتی ہیں جن کے ساتھ بہت سے ذرّات بھی حرکت میں آجاتے ہیں ۔ ان گیسوں اور ذرّوں کو سورج کی شعاعیں زور سے پیچھے کی طرف دھکیل دیتی ہیں اور ان کی یہ دھار ایک جھاڑو کی شکل میں ہمیں نظر آتی ہے ۔ ہم اسے اس تارے کی دُم کہتے ہیں اور یوں وہ دُم دار تارا کہلاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ دُم ہمیشہ سورج سے مخالف

سمت میں پھیلی ہوتی ہے۔

ہیلے کا دُمدار تارا بہت مشہور ہے اسے ہیلے نامی ایک ماہر فلکیات نے دریافت کیا تھا، اس لیے اسی کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ ایسے اتفاق ہی کہیے کہ کوئی دُمدار تارا کبھی نظر آیا اور کسی ملک پر جنگ، سیلاب، قحط یا ایسی ہی کوئی آفت آ گئی تو وہاں کے لوگ دُم دار تارے کو منحوس سمجھنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ دُم دار تارے ہوں، شہاب ہوں، ستارے ہوں یا سیّارے ہوں انھیں کسی ملک کی حالت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کسی ملک یا قوم پر مصیبت نہیں لاتے، وہ تو بے جان اجسام ہیں۔ خدا کی اس وسیع کائنات میں ایک قانون کے تحت ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں۔ انھیں کسی سے کیا غرض۔ یہ محض اتفاق ہے کہ کسی ملک یا انسان پر کوئی آفت آئی اور اس نے اسے کسی سیّارے یا ستارے کا اثر یا نتیجہ سمجھ لیا، لیکن اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ محض وہم ہے۔

پتھر

شاعر لکھنوی

کھا رہا ہے ہر ایک کی ٹھوکر
راہ میں یہ پڑا ہوا پتھر

جسم پر اس کے سیکڑوں ہیں داغ
کس قبیلے کا ہے یہ چشم و چراغ

کون سے آپ کے خاندان سے ہے
سلسلہ اس کا کس چٹان سے ہے

کس طلب نے اُسے ستایا ہے
اِس طرف کس غرض سے آیا ہے

گرچہ اِک عمر سے ہے گرد آلود
آدمی سے بڑا ہے اِس کا وجود

لاکھ اپنی جگہ یہ بھاری ہے
اس کی فطرت میں خاکساری ہے

اپنی گردش کا خود کفیل ہے یہ
اپنی راہوں کا سنگِ میل ہے یہ

سختیوں کی تو اِس کو عادت ہے
سخت دل ہو کے نرم طینت ہے

حادثوں سے بھی یہ نہیں ڈرتا
ٹھوکروں پر بھی اُف نہیں کرتا

اس نے دیکھی ہے وقت کی ہر راہ
آدمی کی رَوِش سے ہے آگاہ

لمحہ لمحہ ہے اس کا یہ اعلان
راستہ "دیکھ کر" چلے اِنسان

(بہ شکریہ۔ نونہال کراچی)

جناب مولوی الیاس احمد مجیبی (مرحوم)

اچھی کہانی

کبھی تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ کبھی پڑھا یا سنا ہے؟ ہم مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی زبان میں "احسن القصص" میں شمار کیا جاتا ہے اس میں بڑی اچھی اچھی باتیں ہیں۔ ہمارے سب کے سیکھنے سمجھنے اور دنیا میں ہر ایک کے کام آنے والی ہیں۔ اچھا تو آج ہم تمھیں یہ اچھی کہانی سنا دیں۔ اور اس میں جو گُر اور پتے کی باتیں ہیں وہ بھی تمھیں سمجھاتے جائیں۔

حضرت عیسیٰ مسیحؑ سے کوئی دو ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ ہمارے سرکار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں خدا کے ایک اور نبی یا پیغمبر گزرے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ یا انھیں کے بیٹے حضرت یوسفؑ تھے۔ (علیہم السلام)

حضرت یعقوبؑ، کنعان نامی ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ کنعان اس علاقے میں ہے جو فلسطین کہلاتا ہے اور دوں کی طرح ان کے گھرانے کی بھی بس دیہات کی سی زندگی تھی۔ وہ سب مویشی چراتے تھے۔ گوشت اور دودھ ان کا کھانا پینا اور اون ان کا اوڑھنا بچھونا۔

یہاں سے تھوڑی ہی دور مصر کا فرعونی راج تھا جہاں بڑے بڑے عالم و فاضل تھے۔ اور جہاں لوگ بہت ہی شان و شوکت سے رہتے تھے۔ وہ اپنے آگے کسی کو دھیان میں نہ لاتے تھے۔ خاص کر کنعانیوں کی تو ان کے آگے کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ مصر والے انھیں چرواہا کہہ کر پکارتے اور اپنے برابر کیا انھیں اپنی محفلوں میں گھسنے نہ دیتے، یہاں تک کہ مصر دیہاتیوں کو بھی اپنی آبادیوں میں ان کا رہنا بسنا نہ بھاتا۔

حضرت یعقوبؑ کی کئی بیویاں تھیں۔ اور ان کے بارہ بیٹے تھے۔ سب سے زیادہ حضرت یوسفؑ کو چاہتے تھے۔ خدا کو تو آگے چل کر حضرت یوسفؑ کو بھی اپنا نبی بنانا تھا۔ اسی لیے حضرت یعقوبؑ کے دل میں ان کی محبت اوروں سے زیادہ تھی۔ مگر ان کے دوسرے بیٹوں کو اپنی نادانی سے یہ بات کھلتی تھی اور وہ آپ سے خواہ مخواہ جلا کرتے تھے۔ جسے حضرت یعقوبؑ خوب سمجھتے تھے۔

حضرت یوسفؑ ابھی سترہ برس ہی کے تھے کہ انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور چاند اور سورج، جو سب انھیں سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے جب یہ خواب سنا تو آپ سے فرمایا "دیکھو بیٹا! کہیں یہ خواب تم اپنے سوتیلے بھائیوں سے نہ کہدینا۔ تم جانو شیطان تو ہر آدمی کا کھلا دشمن ہے ہی کہیں وہ تمہارے خلاف منصوبے نہ باندھیں۔"

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا کینہ دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ ایک دفعہ تو انھوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ (توبہ توبہ) ان کا کام ہی تمام کر دیا جائے۔ یہ بات ٹھان، حضرت یعقوبؑ سے کہنے لگے کہ ابا جان! بھلا آپ یوسفؑ کے بارے میں ہمارا اعتبار کیوں نہیں کرتے؟

ہمارے ساتھ اسے بھی جنگل میں جانے دیجیے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھیلے کو دے اور کھائے پیے۔ ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے۔"

حضرت یعقوبؑ ڈرتے ڈرتے حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں کے ساتھ کر دیا پر ان نادانوں نے وہی کیا جس کا ڈر تھا۔ سب نے صلاح کر کے آپ کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا۔ شام کو جب گھر گئے تو روتے پیٹتے باپ سے بیان کیا کہ یوسفؑ کو تو بھیڑیا لے گیا۔ یقین دلانے کو حضرت یوسفؑ کے کرتے میں جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے۔ جسے دیکھ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا "یہ تمھاری باتیں ہی باتیں ہیں، پر میرے لیے اب صبر ہی کرنا ٹھیک ہے۔ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر میں بس اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔"

اولاد کا داغ خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر دکھ اور صدمے کی اور کوئی بات نہیں۔ ایسے موقع پر ادبدا کے آدمی کے منہ سے تک بے تک باتیں نکل جاتی ہیں۔ جن سے خدا کی شکایت پائی جاتی ہے۔ پر دیکھو حضرت یعقوبؑ نے بس صبر سے کام لیا۔ اور کیا مجال کہ زبان سے کچھ ایسی ویسی باتیں نکلی ہوں۔

خدا کا کرنا، وہ کنواں اندھا تھا جس کے پاس کچھ مسافر آکر ٹھہرے۔ سقے نے جو پانی بھرنے کو ڈول کنوئیں میں ڈالا تو اس میں حضرت یوسفؑ بیٹھ گئے سمجھے بھائیوں نے مجھ پر ترس کھایا اور میرے نکالنے کی تدبیر کی ہے اب سقا کیا دیکھتا ہے کہ ڈول میں پانی کی جگہ ایک نہایت خوبصورت لڑکا بیٹھا ہے تو مارے خوشی کے اچھل ہی تو پڑا۔ اور قافلے والوں نے چپ چاپ انھیں چھپا لیا اور مصر جاکر معمولی سے داموں پر مصر کے بادشاہ عزیز کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

خدا کی شان، خدا کا نبی اب غلام بن کر رہنے لگا۔ زبان پر شکایت کا ایک بول نہ آیا بلکہ اس طرح اپنے آقا کی خدمت میں لگ گئے کہ عزیز اور اس کا گھر بھر دل سے چاہنے لگا۔ خاص کر اس کی بیوی زلیخا تو ایسی ریجھی کہ اس نے آپ کو بہکانے کے سب سب جتن کیے۔ پر آپ آگے اور پیچھے ہمیشہ اپنے آقا کے وفادار رہے اور شیطان کی چالوں سے بچے رہے، آپ نے فرمایا تیرا شوہر تو میرا آقا ہے۔

اب اس بات سے زلیخا نے جل کر ایسی ایسی مکاری اور فریب کی باتیں اور ترکیبیں کیں کہ عزیز نے حضرت یوسفؑ کو قید خانے میں ڈال دیا۔ مگر تم جانو اچھوں کے ساتھ کوئی کیسی ہی برائی کرے پر ان کی نیکی اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ اب جو حضرت یوسفؑ قیدخانے گئے تو وہاں کا داروغہ آپ پر ایسا مہربان ہوا کہ اس نے سارا انتظام آپ کے ہاتھ میں دے دیا۔

انھی دنوں شاہی مجرموں میں دو آدمی وہاں اور تھے۔ دونوں نے ایک ایک خواب دیکھا سمجھ میں نہ آیا تو پریشان ہو کر حضرت یوسفؑ سے تعبیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا تم میں سے ایک قید خانے سے چھوٹ کر پھر اپنے آقا کے پاس پہنچ جائے گا اور دوسرا سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ خواب کی یہ تعبیریں پوری اتریں۔

خدا کا کرنا کوئی سات برس بعد خود بادشاہ نے ایک نرالا خواب دیکھا اور سب درباریوں کو اکٹھا کر کے بیان کیا میں نے دیکھا ہے کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی۔ انھیں سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سوکھی۔ بتاؤ اس کا مطلب کیا ہے؟" دربار کے بڑے بڑے عالم کسی طرح خواب کی تعبیر نہ بتا سکے اور جھوٹ موٹ کی باتیں بنا کر رہ گئے۔ مگر وہ آدمی جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا بادشاہ کی پریشانی اور خواب کا ماجرا سن کر

بول اٹھا کہ میں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔ مجھے ایک جگہ جانے دو۔ اسے ایک دم آپ کا خیال آگیا اور سیدھے قید خانے پہنچ حضرت یوسفؑ سے کہنے لگا "اے سچائی کے دیوتا! بتا تو سہی اس خواب کا مطلب کیا ہے کیا عجب کہ اور لوگ مجھے پہچان جائیں"۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ سات برس تک تمھارے کھیتوں میں خوب پیداوار ہوگی مگر جو کچھ کاٹو اسے بالوں میں ہی رہنے دو کہ اناج سڑنے لگے نہیں۔ بس اتنا الگ کر لیا کرو جو تمھارے کھانے کو بس کرے۔ پھر سات برس خشکی اور مصیبت کے آئیں گے ان میں تمھارا بچا ہوا کام دے سکتا ہے۔

اب جو بادشاہ نے یہ تعبیر سنی اور معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ نے بتائی ہے تو بولا یوسفؑ کو میرے پاس لے آؤ۔ اب لوگ آپ کو قید سے چھڑانے آئے پر آپ نے فرمایا پہلے میرا معاملہ صاف ہونا چاہیے اگر میں سچ مچ مجرم ہوں تو مجھے قید خانے میں ہی رکھنا چاہیے۔ اب پھر سے آپ کے معاملے کی تحقیقات ہوئی تو خود زلیخا اور دوسری عورتوں نے بھرے دربار میں صاف صاف اقرار کیا کہ سارا قصور میرا تھا۔ وہ تو بالکل ہی بے قصور اور سچا ہے اس کی خبر آپ کو دی گئی تو آپ راضی ہوئے۔ بادشاہ نے بڑی آؤ بھگت سے لیا اور کہنے لگا "میں تمھیں حکومت دیتا ہوں تم ہی آنے والی مصیبت کا علاج کر سکتے ہو"۔

آخر سرکاری خزانوں کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں آگئیں اور اب یہ دیہاتی نوجوان جو غلام بن کے بکا تھا اور بدنام ہو کر قید میں بھی پڑ چکا تھا۔ مصر کا بادشاہ ہو گیا۔ اس چرواہے نے ملک کا وہ انتظام کیا جو شہریوں سے بھی نہ بن پڑا۔ سچ ہے کہ نیکی کا بیج کبھی مارا نہیں جاتا ضرور پھل لاتا ہے۔

جب کال پڑا تو دنیا چیخ اٹھی اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ لیکن حضرت یوسفؑ نے پہلے ہی سے سب ٹھیک کر رکھا تھا کہ اپنے دیش والوں کے سوا دور دور کے لوگ آتے اور یوسفی دربار سے خوش خوش جاتے۔

ایک دفعہ خود آپ کے بھائی آئے۔ آپ نے انھیں پہچان بھی لیا۔ اور ان کے ساتھ بڑا سلوک کیا۔

آخر ہوتے ہوتے کچھ ایسے سامان پیدا ہوگئے کہ برسوں کے بچھڑے کا ملاپ ہو گیا۔ بھائیوں نے بھی آپ کو پہچان لیا۔ اپنی نادانی اور کرتوت پر پچھتائے اور معافی چاہی۔ آپ نے سب کو کھلے دل سے معاف کر دیا۔ حضرت یوسفؑ نے اب اپنے ماں باپ کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ اور انھیں بڑی عزت سے رکھا۔ اور اب یہ سارا کنبہ مصر کا مالک و مختار بن گیا۔ کوئی بیس برس پیچھے حضرت یعقوبؑ کا صبر بھی کام آکے رہا اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

یہ سب آدمی کی نیک اور پاکیزہ عادتوں اور اچھے کاموں کا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔ دنیا کی ساری رکاوٹیں ایسے آدمیوں کے راہ سے ہٹ کر رہتی ہیں۔ آدمی خود اپنی جگہ پاک اور صاف و سادہ ہو۔ پھر دیکھو دوسرے بھی آپ کے ساتھ اس سے صاف ہو جاتے ہیں۔ چاہے کوئی کیسی ہی دشمنی رکھے۔ اور مکاری، دغا بازی کرے پر ایک نہ ایک دن کھرا اور کھوٹا الگ نظر آکے رہتا ہے۔ دیر سویر میں بھی خدا کی حکمت چھپی ہوتی ہے مگر سچے لوگ ضرور کامیاب ہوکے رہتے ہیں اور ہمیشہ عزت پاتے ہیں۔

امان اللہ خاں شیروانی

بسنتی آپا

پچاس برس پہلے ایک بڑی بوڑھی تھیں۔ اُن کا نام بسنتی آپا تھا۔ آپا میری کھلائی تھیں۔ مجھے ہی نہیں میرے ابا کو اور میرے سب بہن بھائیوں کو بھی انھوں نے کھلایا تھا۔ ہم سب کا بچپن ان کی گود میں گزرا۔ جب بھی اماں یا ابا کسی بات پر ناراض ہو جاتے تو ہم لوگ سیدھے بھاگ کر آپا کی گود میں چھپ جاتے تھے۔ آپا بڑے پیار سے چپٹا لیتی تھیں اور اپنے دوپٹے کے کونے میں بندھی ہوئی کھانے کی چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ ضرور دیا کرتی تھیں۔ دوپٹے کے کونے میں مختلف قسم کی چیزیں بندھی رہتی تھیں جیسے مونگ پھلی، چنے، ریوڑیاں، گڑ اور بتاشے وغیرہ۔

پرنسپل اسلامیہ کالج۔ اٹاوہ

بسنتی آپا شکل صورت میں ذرا بھی اچھی نہیں تھیں۔ ٹیڑھی میڑھی ہڈیوں کا ڈھانچا سکڑی ہوئی کھال، توے جیسا رنگ، سر پر چڑیا کا گھونسلا، چہرے پر گوشت کا نام نہیں ہاں آنکھیں ضرور اُجلی اُجلی تھیں۔ ان میں بچوں کے لیے محبت بھری رہتی تھی۔ وہ ہر وقت مسکراتی رہتی تھیں۔ وہ میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن ان کی گود میں منہ چھپا کر بڑی فرحت ملتی تھی۔ وہ خوشبو آج تک یاد آتی ہے۔ بڑے لوگ کہتے تھے کہ بسنتی بڑی گندی رہتی ہے۔ اس کے بدن سے بدبو آتی ہے۔

ایک عجیب بات تھی۔ آپا خود تو میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن صاف ستھرے بچوں کو زیادہ پسند کرتی تھیں اور ایسے بچوں کو زیادہ پیار کرتی تھیں۔ وہ ایک کہانی سنایا کرتی تھیں: "ان راتوں میں جب چندا ماما پورے جوان ہو جاتے ہیں۔ پریاں اُن سے ملنے اس دنیا میں آتی ہیں۔ پھر وہ سب بچوں کے پاس بھی جاتی ہیں اور جو بچے صاف ستھرے ہوتے ہیں انھیں پیار کرتی ہیں اور سیر کرانے اپنے دیس لے جاتی ہیں۔ لیکن میلے کچیلے بچوں سے دور دور رہتی ہیں"۔ گندے بچے یہ بات سُن کر فوراً کپڑے بدلنے اور منہ دھلوانے اپنی ماؤں کے پاس دوڑ جاتے تھے۔

ایک بات آپا میں اور عجیب سی تھی۔ وہ کپڑے کی گڑیا سے بہت ڈرتی تھیں۔ نہ معلوم کس نے یہ بات کھوج نکالی تھی۔ جب بھی بچوں یا بڑوں کو لطف لینا ہوتا تھا ایک کپڑے کی گڑیا آپا کی گود میں ڈال دیتے بس پھر کیا تھا۔ آپا ناچی ناچی پھرتی تھیں طرح طرح کی آوازیں نکالیتں۔ مگر بُرا کسی کو نہیں کہتی تھیں۔ بس کونوں میں چھپتی پھرتیں۔ بچے پیچھے پیچھے گڑیا لیے ہوئے انھیں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

بچوں کے علاوہ انھیں جانوروں سے بھی بہت پیار تھا۔ کتے بلی، مرغیاں، بکریاں اور شاید چو

بک ان کے دوست تھے۔ ان دوستوں کو وہ اپنے کھانے میں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتی تھیں اور چپکے چپکے باتیں بھی کرتی تھیں۔ جس طرح بچے انھیں گھیرے رہتے تھے جانور بھی انھیں گھیرے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ گھر کا توتا کسی طرح پنجرے سے نکل کر اڑ گیا۔ بسنتی آپا کو معلوم ہوا تو بہت روئیں کھانا تک نہیں کھایا۔ ہر وقت "میاں مٹھو، میاں مٹھو" پکارا کرتیں۔ دو تین دن بعد وہ توتا ان کے سر پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر نہ پوچھو کتنی خوش ہوئی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی قریبی عزیز کھو گیا تھا اور پھر مل گیا ہے۔

آپا محنتی بھی بہت تھیں ہر وقت کاموں میں لگی رہتی تھیں۔ کبھی نچلی تو بیٹھتی ہی نہ تھیں۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد معلوم ہوتا تھا کام۔ کام کے علاوہ نہ کوئی دکھ اور نہ کوئی درد، نہ کوئی خواہش اور نہ کسی بات سے بیزاری۔ چکی پیس رہی ہیں اور آپ ہی آپ مسکرا رہی ہیں۔ کبھی کبھی خود سے باتیں بھی کرتی جاتی تھیں۔ جھاڑو دیتی جا رہی ہیں اور کوئی گیت گنگناتی جا رہی ہیں۔ برتن مانجھنے میں ان کی چمک دمک دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں۔ مسکرا رہی ہیں اور اپنی شکل ان میں دیکھتی جا رہی ہیں۔ غرض کہ کام ہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ کام ہی ان کی منزل۔ اتفاق سے ذرا سی دیر کے لیے فرصت مل جاتی تو ڈیوڑھی پر جا بیٹھتیں اور خود ہی اپنے ہاتھ پیر دبانے لگتی تھیں۔ کسی نے پوچھا "بسنتی کیا ہوا - ؟" ان کا جواب ہوتا تھا "ہاتھ پانو ٹوٹ رہے ہیں"

پھر کوئی کام مل گیا بس ہاتھ پانو ٹھیک ہو گئے بدن میں پھرتی آگئی اور چہرے پر مسکراہٹ۔ کچھ تو کام ان کے سپرد تھے ہی اور کچھ وہ خود نکال لیا کرتی تھیں۔ کچھ نہیں تو تالاب کے کنارے سے مٹی لاکر چولھا چکی توڑ توڑ کر پھر بناتی تھیں۔ گھر میں کوئی بھی واقعہ ہو جائے انھیں کچھ خبر نہیں ہوتی تھی۔ انھیں تو بس کام سے مطلب رہتا تھا۔ کام ہی ان کی تفریح تھی اور کام ہی ان کا ساتھی۔ اس لیے سب کی ہمدرد اور سب کے لیے قابل احترام۔ آج بھی جب انھیں اللہ میاں کے یہاں گئے ہوئے پچاس برس کے قریب ہو گئے قصبہ میں پرانے لوگ ان کا نام بڑے ادب سے لیتے ہیں۔ ایسی بی بیاں اب اس دنیا میں کہاں۔

تصحیح: پیامی ادبی معمانمبر ۷ کی آخری تاریخ بجائے ۲۵ جون کے ۲۵ مئی چھپ گئی ہے۔ اس کا ادارے کو افسوس ہے۔

ہمارے قومی تیوہار

محمد شریف خاں

ہمارے وطن کا نام بھارت ہے۔ اس میں قریب [illegible] کروڑ لوگ رہتے ہیں۔ ہمارے وطن میں بہت سے مذہبوں کے ماننے والے رہتے ہیں اور وہ اپنے اپنے مذہب کے تیوہار مناتے ہیں۔ مسلمان عید اور بقرعید مناتے ہیں۔ ہندو بھائی ہولی، دیوالی اور دسہرہ مناتے ہیں، سکھوں میں گرو گوبند ڈے اور گرونانک ڈے منائے جاتے ہیں۔ عیسائی لوگ کرسمس اور ایسٹر کے تیوہار مناتے ہیں۔ یہ سب تیوہار مذہبی تیوہار کہلاتے ہیں ان موقعوں پر ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذہب کے لوگوں کے گھر جاتے ہیں ان کے تیوہار میں شریک ہوتے ہیں اور ان کو اس کی مبارک باد دیتے ہیں۔

ان تیوہاروں کے علاوہ کچھ قومی تیوہار بھی ہیں جن کو بھارت میں رہنے والے سب لوگ مناتے ہیں چاہے ان کا مذہب کوئی بھی ہو۔ بھارت کے رہنے والے اگر کسی دوسرے ملک میں رہ رہے ہوں وہاں بھی وہ ان تیوہاروں کو مناتے ہیں۔ آج ہم آپ کو ان قومی تیوہاروں کے بارے میں بتائیں گے۔

ہمارا پہلا قومی تیوہار یوم آزادی ہے وہ ہر سال پندرہ اگست کو منایا جاتا ہے۔ اسی دن ۱۹۴۷ء میں ہمارا وطن آزاد ہوا تھا۔ ہمارے پہلے وزیر اعظم آنجہانی جواہر لال نہرو نے اسی دن دلی کے لال قلعہ پر قومی جھنڈا لہرایا تھا۔ اب بھی ہم ہر سال اس تاریخ کو قومی جھنڈا لہرا

ریڈر شعبۂ تعلیم، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ہیں اور اس کو سلامی دیتے ہیں۔ اس موقع پر سب لوگ قومی گیت گاتے ہیں اس دن اسکول کالج اور دفتر بند رہتے ہیں ملک کے تمام باشندے اپنی اپنی جگہوں پر یومِ آزادی کو شان دار طریقے سے مناتے ہیں۔

ہمارا دوسرا قومی تیوہار یومِ جمہوریت ہے وہ ہر سال ۲۶ جنوری کو منایا جاتا ہے اسی دن ۱۹۵۰ء میں ہمارا وطن ایک جمہوری مملکت بنا اور ہمارا دستور اسی دن نافذ کیا گیا تھا۔ ہمارا دستور آزادی کے بعد سے بننا شروع ہوا اور نومبر ۱۹۴۹ء کو مکمل ہوگیا۔ ہر ملک کے دستور میں یہ لکھا جاتا ہے کہ حکومتیں کس طرح بنائی جائیں گی۔ ملک کا انتظام کس طرح چلایا جائے گا ہمارے دستور میں ہمارے بنیادی حقوق اور فرائض بھی لکھ دیے گئے ہیں اس دن بھی قومی جھنڈا لہرایا جاتا ہے اسکول کالج اور دفتر اس دن بھی بند رہتے ہیں۔ دلّی اور ریاستوں کی راجدھانیوں میں شاندار پریڈ ہوتی ہیں اور مختلف قسم کی جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں، ملک کے تمام لوگ اس قومی تیوہار کو شاندار طریقے سے مناتے ہیں۔

ہمارا تیسرا قومی تیوہار گاندھی جی کا یوم پیدائش ہے یہ ہر سال ۲ اکتوبر کو منایا جاتا ہے اسی دن ۱۸۶۹ء میں گاندھی جی پور بندر (گجرات) میں پیدا ہوئے تھے۔ اسکول، کالج اور دفتر اس دن بھی بند رہتے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے ملک کو آزادی دلانے کے لیے بڑی کوشش کی تھی اور انگریزوں کے ذریعے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں اسی لیے ہم ان کا یوم پیدائش ہر سال شاندار طریقے سے مناتے ہیں۔

ہمارے قومی تیوہار ہم کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ ہم سب بھارت کے باشندے ہیں ہمارا ایک قومی جھنڈا ہے ایک قومی گیت ہے ایک قومی زبان ہے ہم سب ایک ہیں اور ہمارے وطن کی ترقی میں ہم سب کی ترقی ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۶

جو اسی وقت ڈاکیہ ان کو دے کر گیا تھا۔ وہ پیکٹ پاکر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس میں تین بہت موٹے موٹے سالنامے جو ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۸ء اور نئے سال ۱۹۶۹ء کے تھے۔ اس میں حسان صاحب کا ایک خط بھی رکھا ہوا تھا اس میں انھوں نے اپنے واعدے کے مطابق دو پرانے سالنامے بطور تحفہ بھیجنے کے بارے میں لکھا تھا۔ مجھے ان کے خط سے معلوم ہوا کہ یہ پیکٹ تو انھوں نے دسمبر کی آخری تاریخوں میں ہی سپردِ ڈاک کر دیا تھا۔ لیکن محکمہ ڈاک کی لاپرواہی کی وجہ سے مجھے پیکٹ وقت پر نہ مل سکا۔ ادھر حسان صاحب کو میرے تین خط مل چکے تھے اور انھوں نے ازراہِ مہربانی نئے سال کا سالنامہ دوبارہ بھیج دیا اسی میں انھوں نے خط بھی لکھا تھا جس میں تحریر تھا کہ وہ اس سے قبل تین رسالے بھیج چکے ہیں جس میں دو بطور تحفہ تھے۔

چونکہ مجھے میرا تحفہ اور سالنامہ مل چکا تھا۔ اس لیے میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ تم یہ سالنامہ واپس کر دو کیوں کہ انھوں نے (حسان صاحب) تمھاری بات کا اعتبار کرکے اور سچ مان کر دوبارہ سالنامہ بھیجا ہے اس لیے تم بھی اپنی ایمانداری کا ثبوت دو اور یہ سالنامہ واپس بھیج دو۔ خیر اس طرح میں نے اس رسالے کو اپنے چچازاد بڑے بھائی سے اچھی طرح پیک کرایا اور اس کو رجسٹرڈ ڈاک سے پیام تعلیم کے آفس ارسال کر دیا۔

کچھ روز کے بعد مجھے حسان صاحب کا بھیجا ہوا ایک اور چھوٹا سا پیکٹ ملا جس میں پانچ چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں تھیں جن کے مجھے اس وقت نام یاد نہیں۔ اسی میں حسان صاحب کا خط بھی موجود تھا جس میں انھوں نے میری بہت تعریف کی تھی اور میرے اس فعل کو بڑا سراہا تھا۔ اور مجھے اسی طرح ہمیشہ ایمانداری اور سچائی پر چلنے کی تلقین کی تھی۔

ایک بادشاہ تھا۔ وہ بہت بد مزاج، بد کردار، تنگ دل، ظالم اور حاسد بادشاہ تھا۔ وہ اپنی رعایا میں، جب کبھی کسی کو ذرا بھی ہردل عزیز اور خوشحال دیکھتا تو اس سے حسد کرنے لگتا اور کسی نہ کسی بہانے اس کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا۔

ایک روز بادشاہ کے جاسوسوں نے آ سے خبر دی کہ ایک سردار عوام میں روز بروز مقبول ہوتا جارہا ہے اور اس کی انصاف پسندی و خدا پرستی کا ہر جگہ چرچا ہے۔

یہ سُننا تھا کہ بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ: سردار کو بادولت کے سامنے آج ہی اور اسی وقت پیش کیا جائے۔

وزیرِ اعظم نے حکم کی تعمیل کی اور سردار کو اس کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

ریڈنگ لین، تال کٹورہ اسٹیڈیم، نئی دہلی

بادشاہ نے سردار سے اپنی گرجدار آواز میں پوچھا:

"کیا یہ سچ ہے کہ تم عوام میں مجھ سے زیادہ باعزت اور مقبول ہو؟ کیا یہ سچ ہے کہ تم مجھ سے زیادہ خوش حال ہو؟ — اگر ایسا ہے تبھی تو کیوں ہے؟ مجھے ایمانداری سے پوری بات بتائی جائے۔ بادولت تمھاری طرف سے فکر مند ہیں۔"

سردار نے بڑی عاجزی سے جواب دیا۔

"جہاں پناہ! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے — بھلا میں آپ سے زیادہ مشہور اور مقبول کیسے ہو سکتا ہوں!۔

آپ اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ آقا ہیں۔ مالک ہیں۔ ہر روز آپ ہزاروں لوگوں کو اپنی مہربانیوں سے نوازتے ہیں۔ ظاہر ہے آپ کے مقابلے میں اس حقیر کی کیا بساط!

بندہ معافی چاہتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

" تو گویا جہاں پناہ جھوٹ بول رہے ہیں ۔۔۔؟" دشاہ کی بڑی بڑی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

" اگر جان کی امان پاؤں تو عرض ہے کہ میں نے تو ایسا عرض نہیں کیا، عالی جاہ"۔ سردار نے بڑے ادب سے کہا۔

"نہیں! ۔ تم گستاخ ہی نہیں، بے ادب بھی ہو۔ تم کو سزا ملنی چاہیئے ۔" اور بادشاہ نے اُس بے گناہ کو سزا دینے کا فیصلہ سنا دیا۔

فیصلہ سن کر سارے دربار میں سناٹا چھا گیا کیوں کہ سارے درباری اچھی طرح جانتے تھے کہ سردار بے قصور ہے۔

ایک ہنس مکھ درباری نے کورنش بجالاتے ہوئے بڑے ادب واحترام سے بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنے کی ہمت کی۔

"جہاں پناہ! جہاں تک میرا خیال ہے، سردار بالکل بے گناہ ہے۔ یہ تو آپ کا خادم ہے۔"

"اچھا! تم کہتے ہو تو میں اس کو معاف کردوں گا۔ مگر ایک شرط ہے۔ یہ میرے تین سوالوں کے جواب دے گا۔" بادشاہ نے تیور بدلتے ہوئے سردار کے سامنے اپنے تین سوال رکھے۔

"میرا پہلا سوال یہ ہے کہ میری 'قیمت' کیا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ میں کتنے دنوں میں گھوڑے پر سوار ہوکر پوری دنیا کا چکر کاٹ سکتا ہوں؟

تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوں؟"

مرتا کیا نہ کرتا۔ بے چارہ سردار ان سوالوں کا جواب دینے پر رضا مند ہوگیا۔ لیکن اُس نے بادشاہ سے درخواست کی۔

"عالی جاہ! مجھے ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے چند دن کی مہلت عطا فرمائی جائے۔"

بادشاہ نے اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔

" میں تمھیں دو ہفتے کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر تم نے دو ہفتے میں میرے سوالوں کے جواب نہ دیے تو تمھیں پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔"

ایک ایک کر کے دن گزرتے گئے۔ جب مہلت پوری ہونے میں صرف دو دن رہ گئے تو سردار نے سوچا کہ، پرسوں میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ کیوں نہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کا آخری دیدار کرآؤں۔

چنانچہ وہ لوگوں سے آخری ملاقات کے لیے گھر سے چل دیا۔

راستے میں اُسے ایک چرواہا ملا۔ اس نے سردار کو سلام کیا۔ سردار وعلیکم کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

چرواہے نے سردار کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا اس کو تشویش ہوئی کہ کیا معاملہ ہے؟ ۔۔۔ اس نے سردار سے دریافت کیا۔

"مالک! کیا بات ہے؟۔ آج آپ بہت دکھی دکھائی دیتے ہیں؟" ۔۔۔ "نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔" سردار نے اسے مختصر سا جواب دے کر ٹالنے کی کوشش کی۔

لیکن چرواہے نے سارا قصّہ معلوم کر کے ہی دم لیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد چرواہے نے سردار کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر سردار بہت خوش ہوا اور وہ اپنے گھر واپس آگیا۔

مقررہ دن آیا۔ سردار بڑے اعتماد سے دربار میں حاضر ہوا۔ لیکن اُس نے ایک خاص قسم کی ٹوپی پہن رکھی تھی جس سے اس کا چہرہ تقریباً چھپا ہوا تھا۔

"کیا تم میرے تینوں سوالوں کے جواب دینے کے لیے تیار ہو؟" بادشاہ نے کڑک کر سوال کیا۔

"جی عالی جاہ! یہ غلام حاضر ہے" سردار نے جواباً عرض کیا۔

"تو بتاؤ میری قیمت کیا ہے؟ — بادشاہ نے اپنے سوالوں کی ابتدا کی۔

"ظلِ سبحانی! ہمارے ملک میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے ہمارا اپنا سکّہ۔ لہٰذا آپ کا مقابلہ اسی سے ہونا چاہیئے۔"

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنا دوسرا سوال کیا:

"میں گھوڑے پر سوار ہو کر کتنی دیر میں پوری دنیا کا چکر لگا سکتا ہوں؟"

"سرکار! آپ اگر سورج نکلتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر سورج کی رفتار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھیں تو آپ چوبیس گھنٹے میں پوری دنیا کا چکر لگا سکتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب" بادشاہ نے بے اختیار داد دی۔

"اب میں تم سے اپنا تیسرا اور آخری سوال پوچھتا ہوں۔ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا کیوں کہ اس سوال کے جواب پر تمہاری جاں بخشی کا دار و مدار ہے۔ ہاں تو بتاؤ — میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوں؟"

"بادشاہ سلامت! اس وقت آپ سوچ رہے ہیں کہ کیا میں وہی سردار ہوں جسے آپ نے سزا کا حکم سنایا تھا" سردار نے پر اعتماد آواز میں جواب دیا۔

اس پر بادشاہ چونکا اور قدرے گھبراتے ہوئے بولا۔

"تو پھر آخر تم کون ہو؟"

"میرے آقا! میں ایک چرواہا ہوں" — اس نے اپنے سر سے ٹوپی اتارتے ہوئے کہا۔

اس انکشاف پر بادشاہ اور سارے درباری حیرت میں پڑ گئے۔ پھر بادشاہ نے لال پیلے ہوتے ہوئے کہا۔

"تم سردار کے بدلے کیوں آئے؟"

"جہاں پناہ! خدا آپ کا سایہ ہم سب پر ہمیشہ رکھے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ معصوم اور بے گناہ انسان پھانسی کے تختے پر نہ چڑھا دیا جائے۔"

"تو کیا تم کو معاف کر دیا جائے گا" بادشاہ غرّایا۔

"عالی جاہ! میں اگر اس دنیا سے چلا جاؤں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن سردار جیسے خدا ترس، ایماندار، انصاف پرست اور نیک انسان کی اس ملک کو بھی بہت سخت ضرورت ہے۔"

بادشاہ کی خود بینی، خود پسندی، خود ستائشی، خود غرضی، غرور، حسد، جلن اور حیوانیت نے چرواہے کی شکل میں انسانیت کا بے غرض اور پاک چہرہ دیکھا جس سے اس کی روح اور اس کا ضمیر جاگ اٹھا۔

اس نے دونوں کو معاف کر دیا — اور سردار جیسی ہر دل عزیز زندگی اپنانے کا فیصلہ کیا۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو اردو سروس دہلی)

محمد معراج عظیم

اور جب دیر ہوگئی تو .....

آج جب اپنے چھوٹے بھائی کو میں نے "پیام تعلیم"
ـھتے دیکھا تو اچانک آج سے پندرہ سال پہلے گزرے
ـوے بچپن کی یادوں کے نقوش میرے ذہن کے کسی
ـشے میں اُبھرنے لگے اور مجھے بے چین کرنے لگے کہ
ـش ایک بار پھر میں بچپن کی پُر فضا وادیوں میں
ـٹ جاؤں. ابھی شاید آپ کی سمجھ میں میری یہ
ـت نہیں آئے گی لیکن جب آپ میری طرح بڑے
ـ جائیں گے تب آپ کو معلوم ہوگا کہ میں بچپن میں
ـں لوٹ جانا چاہتا تھا. جی ہاں میرے پیامی بھائیو
ـ بہنو! بچپن ہے ہی ایسی چیز. کسی بات کی فکر،
ـی بات کا احساس، ہر وقت ایک نئی امنگ نئی ترنگ
ـوقت کھیلنا کودنا، ہنسنا ہنسانا. غرض یہ کہ ہر وقت
ـی میں کٹتی ہے.

جس طرح آپ "پیام تعلیم" کے شوقین ہیں. اسی
ـح میں بھی شوقین تھا. جی ہاں میں بھی آپ کی طرح
ایک پرانا پیامی ہوں. جس طرح سے آج میرا بھائی
اتنے انہماک سے پیام تعلیم پڑھ رہا ہے اسی طرح سے
میں بھی پیام تعلیم کا شیدائی تھا. ادھر ڈاکیے نے
پیام تعلیم لاکر دیا اور ادھر میں نے پڑھنا شروع کیا
اور جو ایک بار پڑھنا شروع کیا تو جب تک پورا ختم
نہیں کر لیا چھوڑتا نہیں تھا. آج آپ سے اپنے
بچپن کی باتیں کرتے کرتے میں واقعی اپنے بچپن
میں لوٹ گیا ہوں. اور آج میں آپ کو اسی بچپن کا
ایک واقعہ سُناتا ہوں.

یہ میرے بچپن کا سچّا واقعہ ہے، بات اس وقت
کی ہے جب میں نیا نیا پیام تعلیم کی برادری میں شامل
ہوا تھا اور نیا نیا پیامی بنا تھا. یہ واقعہ میری زندگی
کا ایسا واقعہ ہے جو زندگی بھر میرے لیے مشعل راہ
رہے گا. بچپن میں ہر بچّے کی فطرت تجسس آمیز ہوتی
ہے مطلب یہ کہ ہر نئی بات کے بارے میں

حسین حسان صاحب مرحوم (سابق اڈیٹر پیام تعلیم) کی برسی پر خراج عقیدت کے طور پر.

۲۲۷/۱، ٹیلر ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

جاننے کا شوق ہوتا ہے، پڑھنے کا شوق ہوتا ہے، کھیلنے کا شوق ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر بچّہ اپنی فطرت کے مطابق اپنے شوق میں دلچسپی لیتا ہے مثلاً کوئی کتابیں پڑھتا ہے کوئی سکّے یا ٹکٹ جمع کرتا ہے یا کوئی پینٹنگ یا ڈرائنگ بناتا ہے۔ میرا شوق تھا پڑھنا، نئی نئی کہانیوں کی کتابیں طرح طرح کے رسالے۔ چاہے اردو کے ہوں یا ہندی کے یا پھر انگلش کے غرض یہ کہ بچپن میں فرصت کے وقت ایک ہی کام تھا اور وہ تھا پڑھنا اور صرف پڑھنا۔

ان دنوں میرے والد صاحب مدھیہ پردیش کے ایک چھوٹے سے گانو اچھاور میں انگلش کے استاد تھے۔ ہم لوگ اپنے آبائی وطن بریلی میں اپنے دادا کے پاس رہتے تھے۔ ساتھ میں میرے تایا زاد چچازاد بہن بھائی بھی رہتے تھے۔ میری طرح میرے چچازاد بڑے بھائی کو بھی پڑھنے کا شوق تھا اور وہ پڑھنے کے لیے چھوٹی چھوٹی اردو ہندی کی کہانیوں کی کتابیں لاتے تھے جنھیں میں بھی پڑھتا تھا۔ انھیں میں سے کسی کتاب میں، میں نے "پیام تعلیم" کا اشتہار پڑھا اس وقت غالبًا "پیام تعلیم" کا چندہ چھے روپے تھا۔ بہرحال جب میرے والد صاحب دیوالی کی چھٹیوں میں گھر آئے تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے "پیام تعلیم" لگوا دیجیے۔ میرے والد صاحب نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے "پیام تعلیم" کا چندہ بھیج کر میرے پیام تعلیم پڑھنے کے شوق کی تکمیل کی۔ اس طرح میں بھی غالبًا ۱۹۶۰ء میں "پیام تعلیم" کی برادری کا ایک رکن بن گیا۔ اس وقت میری عمر نو دس سال کی تھی اور میں غالبًا چوتھے کلاس کا طالب علم تھا۔

اس وقت پیام تعلیم کے اڈیٹر محترم حسین حسان صاحب ہوا کرتے تھے۔ مجھے پیام تعلیم باقاعدگی سے ملنا شروع ہو گیا۔ اسی سال دسمبر میں عید ہوئی اور میں نے محترم حسان صاحب کو عید کی مبارک باد کا کارڈ بھیجا۔ حسان صاحب بہت خوش ہوئے۔ مجھے شکریہ کا خط بھیجا اور نئے سال پر تحفہ بھیجنے کے بارے میں وعدہ فرمایا۔ چونکہ چھوٹا تھا اس لیے نئے سال کی آمد کا منتظر رہنے لگا۔

نئے سال کی آمد آمد تھی اور میرا تجسس بڑھتا جاتا تھا۔ اس کی دو وجہیں تھیں ایک تو یہ کہ مجھے حسان صاحب کی طرف سے تحفہ ملنے والا تھا دوسرے یہ کہ پیام تعلیم کا سالنامہ بھی کافی ضخیم ہوتا تھا نئے سال کے شروع میں ہی نکلتا تھا۔ جس میں ڈھیروں کہانیاں، نظمیں، آپ بیتیاں، سائنسی معلومات پر مضامین اور اِدھر اُدھر کی بہت سی باتیں چھپتی تھیں جو مجھ جیسے چھوٹے سے بچّے کے لیے ایک بہت ہی قیمتی چیز تھی۔

میرا انتظار انتظار ہی رہا اور نیا سال پندرہ دن پرانا ہو گیا۔ مجھے نہ تو تحفہ ملا اور نا ہی سالنامہ۔ میں روز اپنے ڈاکیے سے پوچھتا اور منہ لٹکا لیتا۔ میرے دادا مجھے روز ہی دیکھتے تھے کہ میں ڈاکیے سے کسی چیز کے لیے پوچھتا ہوں انھوں نے مجھ سے ایک روز بلا کر پوچھا کہ میں ڈاکیے سے روز کیا دریافت کرتا ہوں میں نے ان کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انھوں نے اسی روز ڈاکیے کو تاکید کی کہ رسالہ اِدھر اُدھر نہ کر دے۔ ڈاکیے نے بھی دادا کو تسلی دی کہ سیٹھ جی جب بھی چھوٹے بابو کا رسالہ آئے گا میں ان کو دے دوں گا۔ لیکن بچّے والی بات مجھے اطمینان نہیں ہوا اور میں نے حسان صاحب سے شکایت کے دو خط لکھ دیے۔ جب ان کا بھی جواب نہیں آیا تو میں یہ سمجھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ان پر پتا وغیرہ لکھا تھا اس وجہ سے خط نہیں ملے۔ اب میں نے تیسرا خط جس پر میں نے اپنے استاد سے پتا اور خط کا مضمون لکھوایا (خط کا مضمون انھوں نے مجھے الگ سے لکھ کر دے دیا اور کہا تم اپنے ہاتھ سے خط پر اسے نقل کر دو) وہ ڈالا۔

اِدھر میں نے گھر کے نوکر سے خط ڈلوایا اور اُدھر مجھے دادا میاں نے گھر میں ایک پیکیٹ لا کر دیا۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

استاد: (شاگرد سے) اتفاق کو فقرے میں استعمال کرو۔
شاگرد: اتفاق سے میرے والدین کی شادی ایک ہی دن ہوئی۔

ایک شاعر ایک امیر کے قریب ایک ہاتھ کے فرق سے جا بیٹھا۔ امیر نے خفا ہو کر کہا اے بد تمیز تجھ میں اور گدھے میں کیا فرق ہے۔ شاعر نے جواب دیا صرف ایک ہاتھ کا۔

استاد: کیا یہ تمھاری کاپی ہے۔
شاگرد: جی نہیں یہ کاغذ کی کاپی ہے۔

ایک دفعہ ایک بے وقوف کا گزر قبرستان سے ہوا اس نے ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا، جس پر لکھا تھا: "ایک وکیل اور دیانت دار آدمی"۔ اس نے کئی مرتبہ کتبے کو پڑھا اور سر کھجا کر بولا: "تعجب ہے کہ کس طرح دو شخص ایک قبر میں دفن کر دیے گئے"۔

انیس الرحمان

محمود: کیوں ناصر آج تم ڈاکٹر صاحب سے ملے تھے۔
ناصر: ہاں، انھوں نے کہا کہ پڑھتے وقت سگریٹ مت پیا کرو۔
محمود: تو کیا تم نے سگریٹ چھوڑ دیا ہے۔
ناصر: نہیں، میں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔

استانی نے بچّی سے پوچھا: آٹھ آنے چھے پائی کا گھی دو آنے کے آلو، ایک آنے تین پائی کی پیاز اور چھے پائی کی مرچیں بتاؤ کیا ہوا۔
بچّی نے جواب دیا: "آلو کا بھرتہ"

گنوار: (اسٹیشن ماسٹر سے) بابو جی گجرات کا ٹکٹ دینا (تھوڑی دیر بعد) مجھ کو ایک ٹکٹ رام داس کا بھی دے دو۔
بابو جی نے تمام الماری دیکھی۔ فہرست دیکھی، مگر رام داس کا نام نہ ملا۔ کہنے لگے بھائی رام داس ہے کہاں؟ اور کس لائن پر ہے؟
گنوار: جناب ابھی میرے پاس کھڑا تھا۔ اب شاید کہیں چلا گیا ہوگا۔

باپ: (بیٹے سے) میں نے سنا ہے کہ تم ہمیشہ دیر سے اسکول پہنچتے ہو۔
احمد: ابّا جان یہ تو چپراسی کا قصور ہے۔ وہ میرے اسکول پہنچنے سے پہلے ہی گھنٹہ بجا دیتا ہے۔

پہلا دوست: میرے پاس تمام دنیا سے خطوط آتے ہیں۔ مگر میں پڑھتا تک نہیں۔
دوسرا دوست: (حیرت سے) وہ کیوں؟
پہلا دوست: اس لیے کہ میں پوسٹ مین ہوں۔

ایس۔ اے۔ افضل زیدی
دہلی

شمارہ اپریل کا تمام مضامین بے حد پسند آئے میری طرف سے تمام قلم کار کو مبارک باد۔
گلزار بستوی

ہمارا پیام، تمھارا پیام، سارے جگ کا پیام، پیام تعلیم کتنا اچھا ہے۔ اس میں کہانیاں ہوتی ہیں، پیاری پیاری نظمیں، انمول گیت ہوتے ہیں جو ہم سب کو بہت پسند آتے ہیں مگر ایک چھوٹی سی شکایت ہے کہ پیام تعلیم میں کتابت کی غلطیاں بہت ہوتی ہیں آخر کیوں؟

ابرار ٹیلر
مقام: پوسٹ السنہ تعلقہ شے گانو بلڈانہ

پیام تعلیم مارچ اور اپریل کا تو تاخیر سے ملا، وجہ معقول ہے اس لیے ہم آپ کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے۔ اب چھٹی ہونے والی ہے براے کرم پیام تعلیم تاخیر کر کے ہماری چھٹی برباد نہ کیجیے گا۔ کیوں کہ ہم پیام تعلیم کے ذریعے گھر بیٹھے ساری دنیا کی سیر کر لیتے ہیں۔
ایس اے افضل زیدی دہلی۔

پیام تعلیم ہمارا پرانا ساتھی ہے ہم محکمہ ڈاک سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھی کو جدا کر کے ہمیں تکلیف نہ دے نوازش ہوگی۔
دردانہ تسنیم
(بمبئی)

نام: عبدالحسیب عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: نماز پڑھنا، دین کو پھیلانا، سب کاموں میں دلچسپی رکھنا، اور باعزت زندگی گزارنا۔
پتا: ۱۱/۱۳ الہلال بلڈنگ باندرہ ریکلیمیشن ویسٹ، بمبئی ۵۰

نام: محمد اسعد انصاری عمر: ۱۱ سال
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، ہمدرد نونہال ماہنامہ، ہلال، نور رسالے پڑھنا، نماز پڑھنا، اسکول پابندی سے جانا اور تقریری مقابلوں میں حصہ لینا۔
پتا: محمد اسعد ابن ڈاکٹر منظور احمد انصاری ۔ بنگالپورہ سوناپور، مسجد کی چال، بھیونڈی (تھانہ) مہاراشٹر

نام: عبیداللہ عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: پیام تعلیم، نونہال، نور، ہلال رسالوں کا ہر ماہ مطالعہ کرنا، نماز پڑھنا، کھیل کود میں حصہ لینا۔
پتا: عبیداللہ ابن فقیر محمد انصاری، سلیمان بلڈنگ بھیونڈی، ضلع تھانہ، مہاراشٹر۔

نام: زاہدہ خاتون عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: کہانیوں کی کتابیں پڑھنا، پابندی سے اسکول جانا، بیڈمنٹن کھیلنا۔
پتا: محلہ مہراج گنج ڈاک خانہ رفیع گنج، ضلع اورنگ آباد

نام: شبنم اوگانوی عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: پیام تعلیم ہر ماہ پڑھنا، بڑوں کی عزت کرنا، نماز پڑھنا۔
پتا: ساحل اوگانوی، عالم منزل، مقام و پوسٹ اوگانواں، ضلع، نالندہ۔

دہلی اردو اکادمی کی جانب سے طلبہ وطالبات کو وظائف

نئی دہلی ۷ رمئی اردو اکادمی دہلی کی جانب سے جلسۂ تقسیم وظائف کل شام ساڑھے پانچ بجے ایوان غالب ماتا سندری لین نئی دہلی میں منعقد ہوا اس جلسے میں مہمان خصوصی کے طور پر عالی جناب ایم سی ورما (آئی اے ایس) دہلی انتظامیہ نے شرکت کی اور صدارت کے فرائض عالی جناب کرنل بشیر حسین زیدی نے انجام دیے اردو کی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے اسکولوں میں چھٹی جماعت میں اوّل پوزیشن سے کامیاب ہر اردو اسکول کے طالب علم کو ۴۸۰ روپے. آٹھویں جماعت میں فرسٹ پوزیشن سے کامیاب ہر اردو اسکول کے طالب علم کو ۶۰۰ روپے اور دسویں جماعت میں فرسٹ پوزیشن سے کامیاب ہر اردو اسکول کے طالب علم کو ۷۲۰ روپے ایک ایک سال کے وظیفے کے طور پر دیے گئے. دہلی کے اردو اسکولوں سے چھٹی جماعت میں فرسٹ پوزیشن سے کامیاب ۲۵ طلبہ کے نام آٹھویں جماعت میں ۲۷ طالب علموں کے نام اور دسویں جماعت میں ۱۲ طالب علموں یعنی کل ملا کر ۶۴ طالب علموں طالبات کے نام موصول ہوئے تھے. ان سب کو یہ وظائف مذکورہ تفصیل کے مطابق دیے گئے.

تقسیم وظائف کے بعد مہمان خصوصی عالی جناب ایم سی ورما (آئی اے ایس) نے تمام وظیفہ حاصل کرنے والے طالب علموں کو مبارکباد دی. اور اردو اکادمی کے اس اقدام کو قابل ستایش قرار دیا جناب کرنل بشیر حسین زیدی نے صدارتی خطبے میں فرمایا کہ دہلی اردو اکادمی کی جانب سے اردو کی ترقی اور ترویج کے لیے بے حد اچھے منصوبے بنائے جا رہے ہیں انھوں نے اکادمی کی تینوں کمیٹیوں کی بہترین کارکردگی کے لیے ان کے چیرمین صاحبان اور سکریٹری اردو اکادمی جناب سید شریف الحسن نقوی کی رہنمائی میں چلائے جانے والے قابل تحسین پروگراموں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ مستقبل میں بھی اکادمی اور اچھے پروگرام پیش کر سکے گی. ڈاکٹر شریف احمد ممبر اکادمی نے شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

سیرت پر تقریر

اسمٰعیل بیگ محمد ہائی اسکول بمبئی کے طالب علم ماسٹر ندیم نے سینیئر گروپ میں بہترین تقریر پر ۵۰ روپے نقد، دستی گھڑی کتابیں اور سرٹیفکٹ حاصل کیا۔

مسلم سینئر سیکنڈری اسکول اولڈ بوائے ایسوسی ایشن کا قیام

دہلی ۱۰ رمئی فتحپوری مسلم سینئر سیکنڈری اسکول دہلی کے کچھ پرانے طلبہ نے اتفاق رائے سے ایک کمیٹی "اولڈ بوائے" ایسوسی ایشن قائم کی ہے اور مندرجہ ذیل عہدے داران کا انتخاب انتخاب ہوا۔

سرپرست حاجی زین العابدین (پرنسپل) شمیم احمد صدیقی (ایم پی) سید حامد حسین خضر (کونسلر) محمد الیاس دہلوی. سبط منور عباسی، ریاض عمر، محمد عتیق صدیقی، محمد ہارون جاپان والے ممبر منتخب ہوئے۔

صدر: محمد عیسیٰ شفیق، نائب صدر: شاہ فیصل۔

غنی غازی کو انعام

انجمن خیر الاسلام اردو بوائز ہائی اسکول بمبئی ۸ کے مدرس جناب غنی غازی کو امسال مہاراشٹر اردو اکیڈمی بمبئی نے ان کی بچوں کی کہانیوں پر مشتمل کتاب "شبنم کے موتی" کو ترغیبی انعام سے نوازا ہے۔

نیویارک ٹائمز

امریکہ کے ممتاز اخبار نیو یارک ٹائمز کی ۲۰ اگست ۱۹۴۰ء کی اشاعت ۸۰۶ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس کا وزن تین سیر تھا۔ اب تک دنیا کا کوئی روز نامہ اتنا ضخیم نمبر نہیں شائع کرسکا۔

عجیب و غریب مچھلی

گرم پانی کے سمندروں میں ایک عجیب و غریب مچھلی پائی جاتی ہے جسے سورج مچھلی کہا جاتا ہے۔ یہ دھڑ اور دم کے بغیر ہوتی ہے اور ایک بڑے پہیے کی مانند ہوتی ہے جس کا قطر آٹھ میٹر تک ہوتا ہے۔ اس کا وزن چھ یا سات موٹے تازے آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔

سینگوں والا آدمی

افریقہ کی ریاست اتلہ حملہ میں دل وزیر کھویا نامی کے سر پر دو سینگ ہیں جن کی لمبائی دو دو انچ ہے۔ یہ سینگ اس کے پیدائشی نہیں ہیں بلکہ جب دو سال کا تھا تب نکلے ہیں۔

چہیتی بلی

برطانیہ میں ایک مالدار عورت نے مرتے وقت اپنی ساری جایداد اپنی چہیتی بلی کے نام کردی۔ اب بلی بیگم شہزادیوں کی طرح خوب صورت بنگلے میں رہتی ہے اور تین ملازم اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں کہ کب وہ میاؤں کرے اور اس کا حکم بجا لائے۔

پیامی ادبی معمہ نمبر ۱۵ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل:

(۱) زور۔ چڑیاں۔ صفحہ ۴۱ (۲) چین۔ دنیا کے جانور۔ صفحہ ۶۰ (۳) دیمک۔ ننھا جھرو۔ صفحہ ۱۸ (۴) سمے۔ سندر چنار۔ صفحہ ۱۰ (۵) دس۔ دہلی کی چند تاریخی عمارتیں۔ صفحہ ۴۸ (۶) محاورے۔ پلک نہ مارو۔ صفحہ ۵۶ (۷) یارو۔ رسول پاک۔ صفحہ ۱۰۶ (۸) سخت۔ آں حضرت۔ صفحہ ۴۵۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۱۶ خوش نصیب

فی کس ۶/۳۰ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ محمد سلیم اللہ شریف ۲/۱۶ ۱۸۔۲۔۱۹۔ رحمت پورہ (حیدرآباد) ۲۔ محمد خلیل اللہ شریف ۳۔ محمد کریم اللہ شریف۔ ۴۔ محمد رحیم اللہ شریف۔ ۵۔ عقیلہ نسرین (ان سب کا پتا وہی ہے جو محمد سلیم اللہ شریف کا ہے) ۶۔ سعید سلیم جاوید، مدرسہ اسلامیہ، رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار) ۷۔ کنیز فاطمہ۔ ۸۔ مسعود سعد سلمان۔ ۹۔ غزالہ فاطمہ زہرہ۔ ۱۰۔ نور فاطمہ زہرہ (ان سب کا پتا وہی ہے جو سعید سلیم جاوید کا ہے) ۱۱۔ ارشاد عالم خاں، فلادر کالج، باغ پاتو، پٹنہ ۵۔ ۱۲۔ عاصمہ خاتون ہاؤس نمبر ۱۳۵ پہاڑی املی، مٹیا محل، دہلی ۶۔ ۱۳۔ عشرت فاطمہ۔ ۱۴۔ شائستہ خلیل (ان سب کا پتا وہی ہے جو عاصمہ خاتون کا ہے۔ ۱۵۔ خلیق احمد روم نمبر ۶۲۳۹۰۸، منسٹری آف لا، شاستری بھون نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱۔ ۱۶۔ محمد طاہر خاں نیو اسٹار بوٹ ہاؤس سرائے حکیم علی گڑھ۔

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب

فی کس ۵ روپے کی کتابیں دی گئیں

۱۔ محمد شبیر الاسلام محلہ مہراج گنج، رفیع گنج اورنگ آباد (بہار) ۲۔ صنوبر جہاں فلادر کالج باغ پاتو، پٹنہ ۵۔ ۳۔ مظہر نعمان، مہراج گنج اورنگ آباد (بہار) ۴۔ شمیم فاطمہ مکان نمبر ۲۴، نفوذ نگر، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ ۵۔ نصب النساء گورنمنٹ اردو لوئر پرائمری اسکول ہیڈ سپیٹ آنیکل بنگلور۔ ۶۔ سعید احمد رضوان بک ٹیانک روڈ آنیکل بنگلور ۷۔ اشرف علی روم نمبر ۱۱ افریقی منزل جدید دیوبند سہارنپور، یوپی۔ ۸۔ مصطفے کبیر اسلام آباد چار ننگل کٹک (اڑیسہ) ۹۔ ایس۔ اے۔ افضل زیدی ہاؤس ۸/۳۰، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ ۱۰۔ غفران احمد، مدرسہ فرقانیہ بالو بیشی کٹک (اڑیسہ)

مرضی مولا از ہمہ اولیٰ

R.H.

ایک بزرگ کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں ے ایک بار اپنے دل میں یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ میں انسانوں کو کھلاتا پلاتا ہوں۔ میں تو بب جانوں کہ وہ مجھے کل کھیر کھلا دے۔ یہ سوچنے کے بعد انھوں نے طے کر لیا کہ کل کسی بھی صورت میں کھیر نہیں کھائیں گے۔

وہ بزرگ دوسرے ہی دن صبح سے بغیر کچھ کھائے پیے جنگل میں ایک پیڑ کے نیچے جاکر بیٹھ گئے اور ٹھان لی کہ آج کچھ نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے دیکھا ان کی طرف ایک قافلہ آرہا ہے۔ جس میں مرد، عورتیں، بچے اور جانور شامل ہیں۔ وہ قافلے سے چھپنے کے لیے پیڑ پر چڑھ کر ایسی جگہ بیٹھ گئے کہ کسی کو دکھائی نہ دیں۔ قافلہ اس پیڑ کے نیچے ٹھہر گیا، سب لوگ آرام کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بچوں نے جب کھانا مانگا تو ان لوگوں نے جانوروں کا دودھ دوہا، لکڑی جمع کی، آگ جلائی، چاول دودھ میں ڈالے اور کھیر پکنے کے لیے چولھے پر چڑھادی۔ ابھی کھیر پکنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک طرف سے ڈاکوؤں کا گروہ آتا دکھائی دیا۔ قافلے والوں نے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹا اور دوسری طرف کو جان بچاکر بھاگ گئے لیکن جلدی میں کھیر پکتے ہوئے پیڑ کے نیچے چھوڑ گئے۔ جب ڈاکوؤں کا گروہ اس پیڑ کے نیچے پہنچا اور اس نے پکی پکائی کھیر دیکھی تو اس کو کھانا چاہا۔ لیکن ان کے سردار نے ان کو کھانے سے روک دیا اور کہا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ اس میں زہر ملا ہو اور ہم لوگ کھاکر مر جائیں۔ مجھ کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ زہر ملاکر یہیں کہیں آس پاس چھپ گئے ہیں اس لیے تم سب لوگ چاروں طرف دیکھو ضرور کوئی نہ کوئی چھپا ہوا ملے گا۔ چنانچہ چاروں طرف ڈاکوؤں نے ڈھونڈنا شروع کیا اور شام تک ڈھونڈتے رہے کوئی نہ ملا۔ آخر تھک ہار کر سب زمین پر بیٹھ کر سستانے لگے۔ اتفاق سے سردار نے جو اپنا سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھا تو پیڑ پر وہ بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور بڑے فخر سے کہا کہ میں کہتا تھا کہ ضرور کوئی نہ کوئی آس پاس چھپا ہوگا اور انگلی سے

ان بزرگ کی جانب اشارہ کیا کہ دیکھو وہ کون بیٹھا ہے۔ اس نے ان سے نیچے اترنے کو کہا۔ جب وہ نہ اترے تو ان کو زبردستی پیڑ سے نیچے اتارا گیا۔ کھیر کھانے کو کہا۔ بزرگ نے اپنا تعارف کرایا گذشتہ روز کی جو بات انھوں نے طے کی تھی اس کا حال بیان کیا۔ اور کہا کہ اس لیے میں یہ کھیر کھانے سے مجبور ہوں۔ یہ کھیر ایک قافلہ کی ہے وہ لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ کھیر لے جانا بھول گئے۔ اس میں زہر نہیں ملا ہے تم لوگ کھا سکتے ہو۔ ان ڈاکوؤں نے پہلے ان بزرگ سے کھیر کھانے کی ضد کی تاکہ ان کا شبہہ دور ہو سکے جب انھوں نے کھانے سے انکار کیا تو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا اور زبردستی کھیر کھلا دی۔ اللہ کی مرضی یہی تھی۔

عظمیٰ عارف

درجہ نہم بی، گورنمنٹ ممتاز انٹر کالج کدورہ، باونی سٹیٹ ضلع (جالون)

آپ بیتی

امتحانات ختم ہو چکے تھے ہم نے چھٹیاں اپنے گاؤں میں گزارنے کا پروگرام بنایا۔ ایک بس کا ریزرویشن کرا لیا۔ ہم لوگ ۱۴ر اپریل کو بس اسٹینڈ پہنچ گئے۔ بس لگ چکی تھی اور سب اپنی اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ رہے تھے۔ ہم لوگ بھی اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر میں بس اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد بس بمبئی کی سرحد پار کر چکی تھی۔ پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ گھاٹیاں، اتار چڑھاؤ، نئے منظر سامنے آرہے تھے۔ بس دھیمی رفتار سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے خوشنما منظر دیکھنے میں ہم لوگ مشغول ہو گئے۔ کچھ بچے کھڑکی کی طرف جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر ان کے ماں باپ انھیں روک رہے تھے۔

بس اسی طرح آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سامنے چڑھاؤ تھا۔ بس اور بھی دھیمی دھیمی چل رہی تھی۔ سب مسافر فطرت کے حسین مناظر دیکھنے میں محو تھے۔ انھیں اپنے اطراف کی ذرا بھی خبر نہیں تھی کہ اچانک بس کا بریک لگا۔ تب جا کر مسافر ڈرائیور کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ سامنے سے ایک ٹرک طوفان کی رفتار سے چلا آرہا ہے۔ ٹرک کا ڈرائیور شاید نشے میں تھا۔ سڑک کی دونوں جانب گہری کھائیاں تھیں۔ اور راستہ بھی تنگ تھا۔ ٹرک ڈرائیور نے بھی بریک لگانے کی ناکام کوشش کی۔ اب ٹرک اس کے قابو سے باہر ہو گیا۔ ٹرک بالکل ہماری بس سے ٹکرانے ہی والا تھا کہ ہمارے ڈرائیور نے تھوڑا سا دائیں جانب بس کو موڑ دیا۔ لیکن پھر بھی ٹرک سے ہماری بس کو ایک زوردار دھکا لگا جس کی وجہ سے ہماری بس کھائی کی جانب جھکنے لگی۔ ہم لوگوں کے حواس باختہ سے ہو گئے۔ میں نے فوراً اپنی آنکھیں ڈر کر بند کر لیں اب مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے اخبار کی سرخی نظر آنے لگی کہ "بس اور ٹرک کا تصادم، ۲۰ افراد لقمۂ اجل اور ۲۰ افراد زخمی" یہ سوچ کر ہماری روح کانپ اٹھی۔ اتنے میں ہمارے بھائی جان نے ہمیں جھنجھوڑا اور کہا ذرا جلدی کیجیے اور بس میں سے اتریے ہماری بس ایک چٹان کے سہارے رک گئی تھی۔ میں فوراً بس میں سے اترا۔ تب ہی ہمیں ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ ہم لوگوں نے سڑک پر چڑھ کر دیکھا تو دوسری جانب ہمیں ٹرک کھائی میں

گرتا ہوا نظر آیا اور کچھ ہی دیر بعد شعلوں نے اسے اپنی
لپیٹ میں لے لیا۔ ہم نے سوچا کہ ڈرائیور کا کیا حال ہوا
ہو گا اسی وقت کسی کے کراہنے کی آواز نے سب کو
چونکا دیا۔ آواز کی سمت جانے پر پتا چلا کہ ٹرک ڈرائیور
بُری طرح زخمی تھا۔ ہم نے اسے ایک لاری کے ذریعے
شہر کے ایک اسپتال روانہ کر دیا۔ اور ہم لوگوں نے
خدا کا شکر ادا کیا کہ آج اس نے ہمیں ڈرامائی انداز سے
اتنے بڑے حادثے سے بچا لیا۔ ڈرائیور اور کنڈکٹر نے دوسری
بس سے تمام مسافروں کا انتظام کیا اور اس طرح ہم اپنی
منزل پر پہنچ گئے۔

طفیل احمد
۲/۴۳ ٹیچرس کالونی باندرہ (ایسٹ) بمبئی ۵۱

چیونٹی کی چال

چڑیا بی اپنی بیٹی کے عقیقے کی دعوت دینے نکلیں۔
پہلے وہ کوّے بھائی کے گھر گئی۔ کوّی بھابی سو رہی تھی
چڑیا بی نے اسے جگایا اور کہا "بھابی کل میری بیٹی کا
عقیقہ ہے۔ آپ بھائی اور بچّے ضرور آئیے۔" کوّی بھابی
نے کہا "ان شاء اللہ ضرور آئیں گے۔" چڑیا بی بولی "اچھا تو
اب میں چلوں بہت کام ہے خدا حافظ۔"

اب وہ مینا آپا کے پاس گئی پھر توتے ماموں کے
پاس۔ اس طرح اپنے سارے دوستوں اور ساتھیوں
کو دعوت دے آئی۔ تبھی اسے یاد آیا کہ اس نے ننھی
چیونٹی کو تو بلایا ہی نہیں۔ وہ چیونٹی کے گھر گئی۔ چیونٹی
کھانا کھا رہی تھی۔ بولی "آؤ آپا کھانا کھاؤ۔" چڑیا بی بولی
"نہیں میں ذرا جلدی میں ہوں۔ کل میری بیٹی کا عقیقہ
ہے تم ضرور آنا۔" چیونٹی نے کہا "آپا میں ضرور آؤں گی۔"

دوسرے دن ننھی چیونٹی خوب تیاری کر کے
گھر سے نکلی۔ بہت دور کا سفر تھا۔ وہ دھیرے
دھیرے چلتے چلتے آخر چڑیا بی کے گھر پہنچ ہی گئی۔ اس
نے دیکھا چڑیا بی کے گھر میں خوب رونق ہے۔ ہر طرف
خوشی چھائی ہوئی ہے۔ سارے پرندے جمع ہیں۔
کویل گا رہی ہے۔ مور کے ساتھ سب ناچ رہے ہیں۔
چڑیا بی سب سے زیادہ خوش نظر آ رہی ہے۔ تبھی
چیونٹی اس کے قریب گئی اور بولی "آداب آپا دیکھو میں
عقیقے کے ٹھیک وقت پر پہنچ گئی۔" چڑیا بی حیرت سے
بولی "ارے کس کا عقیقہ؟ آج تو میری بیٹی کی شادی
ہے۔ کچھ ہی دیر میں برات آنے والی ہے۔"

تبھی توتے ماموں نے کہا "یہ خوب رہی۔ اسے
کہتے ہیں چیونٹی کی چال۔"

منیزہ خاں
کارٹر روڈ باندرہ بمبئی ۴۰۰۰۵۰

عقلمند بھائی

بہت زمانے کی بات ہے، انگلستان میں ایک
بوڑھا سوداگر تھا۔ اس نے زندگی بھر بڑی محنت
سے اپنا کاروبار چلایا اور بہت دولت کمائی۔
بڑھاپا آنے پر اس نے محسوس کیا کہ اس کو
اب اور زیادہ دن زندہ نہیں رہنا ہے۔ وہ
سوچنے لگا کہ اپنی دولت کا وہ کیا کرے۔؟ اس
کے دو بیٹے تھے۔ اس نے طے کیا کہ دونوں بیٹوں میں
دولت بانٹنا ٹھیک نہیں۔ پوری دولت چالاک
بیٹے کو دینی چاہیے۔ اب یہ پتا لگانا تھا کہ ان
میں کون زیادہ چالاک ہے۔ اس سوداگر نے [illegible]
کا امتحان لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے دونوں بیٹوں کو بلا کر

کہا" یہ دو روپے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں ایک ایک روپیا لے کر بازار سے کوئی ایسی چیز خرید لاؤ جس سے پورا گھر بھر جائے۔ لیکن کسی صورت میں ایک روپے سے زیادہ خرچ نہ کرنا۔" دونوں بیٹوں نے اپنے باپ کی طرف غور سے دیکھا۔ جیسے وہ بے عقلی کی بات کر رہا ہو۔ انھوں نے سوچا کہ بھلا ایک روپے میں کون سی ایسی چیز خریدی جا سکتی ہے جس سے پورا گھر بھر جائے وہ روپیا اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن باپ نے حکم دیا" جلدی جاؤ اور اس کام میں زیادہ وقت نہ لگانا میں تمھاری واپسی کی دو تین روز میں اُمید کرتا ہوں"۔

بہر حال وہ دونوں ایک ایک روپیا لے کر باہر چلے گئے۔ پہلا لڑکا بازار میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ لیکن اُسے کوئی چیز نہ مل سکی۔ وہ بے فکر ہو گیا کہ اس کے باپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے۔ مایوس ہو کر جا رہا تھا کہ اُس نے سوکھی گھاس ایک بیل گاڑی میں دیکھی۔ اس نے سوچا کہ اس ایک روپے میں اسے کتنی گھاس مل سکتی ہے۔ وہ گاڑی چلانے والے کے پاس گیا۔ اور سوکھی گھاس کے دام پوچھنے کے بعد پوری گاڑی ایک روپے میں خرید لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب روپے کی بہت قیمت ہوتی تھی۔ اب اس لڑکے نے گھاس سے لدی ہوئی بیل گاڑی اپنے گھر پہنچا دی اس نے بڑی اُمید کے ساتھ ڈھیر لگایا۔ لیکن ساری گھاس پورے گھر کو نہ بھر سکی۔ تو سخت مایوس ہوا۔

اب سنیے : دوسرا لڑکا روپیا لے کر باہر گیا تو بازار کا رُخ نہیں کیا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ ایسی کون سی چیز خریدے جس سے پورا گھر بھر جائے دن بھر سوچتے سوچتے شام کے وقت اس کے دماغ میں ایک نیا خیال آیا وہ اپنا روپیا لے کر جلدی سے بازار گیا۔ اور ایک موم بتی کی دُکان پر جا کر رُک گیا۔ اس نے پورے ایک روپے کی موم بتیاں خرید لیں۔ اور وہ سب موم بتیاں لے کر اپنے گھر واپس آیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے اپنے بھائی کو پھیلی ہوئی گھاس پر بیٹھا دیکھا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ لڑکے نے دو تین موم بتیاں ہر کمرے میں جلا دیں جس سے پورا گھر روشنی سے بھر گیا۔ باپ نے اپنے بیٹے سے کہا" میرے بچے! تم نے بہت عقلمندی کا ثبوت دیا۔ میں تمھیں اپنی ساری دولت دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم اپنی عقل سے اس دولت کا صحیح استعمال کر سکتے ہو"۔ اس نے کہا" میرے بچّو دنیا میں کسی کے پاس کم اور کسی کے پاس زیادہ روپیا ہوتا ہے۔ اب آدمی کی عقل پر منحصر ہے کہ وہ کیسے اپنے روپے کا بہتر استعمال کر کے اندھیرے میں روشنی پھیلا سکتا ہے۔

عارف احمد جامنیر

سچّا دوست

بہت دنوں کی بات ہے۔ کسی جنگل میں چیکو اور میکو نام کے دو دوست رہتے تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ وہ دونوں ہر وقت ساتھ رہتے تھے اور ہر کام ساتھ ساتھ کرتے تھے۔

ایک دن وہ جنگل میں گھوم رہے تھے کہ اچانک وہ شکاری کے بچھے جال سے ٹکرا گئے۔ چیکو تو بچ گیا مگر میکو جال میں پھنس گیا۔ وہ زور زور سے چلا کر چیکو سے کہنے لگا۔" چیکو میرے دوست میری جان بچا لو نہیں تو شکاری مجھے پکڑ کر لے جائے گا۔ اور پھر ہم دونوں کبھی بھی ساتھ نہیں گھوم پائیں گے"۔

"تم فکر مت کرو۔ چاہے کچھ بھی ہو میں تمھیں بچا کر ہی رہوں گا"۔ یہ کہہ کر چیکو وہاں سے چل دیا۔

راستہ میں اُسے ایک بندر بیٹھا نظر آیا وہ اس کے پاس گیا اور اس سے بولا" بندر ماما۔ میرے دوست کی جان بچا لو وہ شکاری کے جال میں پھنس گیا ہے

تمھارے دانت بہت تیز ہیں۔ تم اپنے دانتوں سے جال کاٹ دو۔"

بندر بولا میں جال کاٹوں گا اور ضرور کاٹوں گا مگر مجھے پہلے کچھ پھل لاکر دو۔ پھل کھاکر ہی میں اپنے دانتوں کو تیز کروں گا۔ اس کے بعد جال کاٹوں گا۔

چیکو بنا کچھ کہے وہاں سے چلا آیا اور سیدھا پیڑ کے پاس گیا اور اس سے کہا "پیڑ چا چا میرے دوست کی جان بچالو وہ شکاری کے جال میں پھنس گیا ہے۔ تم مجھے تھوڑے سے پھل دے دو۔ وہ پھل میں بندر ماما کو کھلاؤں گا۔ پھل کھاکر وہ جال کاٹے گا اور میرا دوست آزاد ہو جائے گا۔"

پیڑ نے زور سے کہا "میں پھل دوں گا اور ضرور دوں گا۔ مگر تم میرے اوپر بیٹھی کالی بلی کو بھگادو۔

چیکو بنا کچھ کہے بلی کے پاس گیا اور اس سے بولا، "بلی موسی تم میرے دوست کی جان بچالو۔ وہ شکاری کے جال میں پھنس گیا ہے۔ تم اس پیڑ سے چلی جاؤ تم چلی جاؤ گی تو پیڑ مجھے پھل دے گا۔ وہ پھل میں بندر ماما کو ....

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں سن چکی ہوں" بلی نے غصہ سے کہا۔ "میں اس پیڑ سے چلی تو جاؤں گی مگر مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے اگر تم مجھے تھوڑا سا دودھ لاکر دے دو تو میں ابھی چلی جاؤں گی" یہ کہہ کر بلی پیڑ کی اوپر والی ڈال پر جاکر بیٹھ گئی۔

چیکو بنا کچھ کہے وہاں سے چل دیا۔ اور سیدھا گائے کے پاس گیا۔ گائے سے کہا "گائے خالہ! گائے خالہ! میرے دوست کی جان بچالو وہ شکاری کے جال میں پھنس گیا ہے۔ تم مجھے بس تھوڑا سا دودھ دے دو، وہ دودھ میں بلی کو دوں گا۔ دودھ پی کر بلی پیڑ سے بھاگ جائے گی۔ پھر پیڑ مجھے پھل دے گا وہ پھل میں بندر کو کھلاؤں گا۔ پھل کھاکر بندر.....

"بس بس بس بس میں سمجھ گئی۔ گائے نے کہا۔ "میں تم کو دودھ دوں گی اور ضرور دوں گی۔ مگر پہلے مجھے گھاس لاکر دو۔ جب میں گھاس کھاؤں گی تبھی تو دودھ دوں گی۔"

چیکو بنا کچھ کہے گھاس لینے چل پڑا۔ کافی دور جانے کے بعد اسے ہری ہری گھاس نظر آئی۔ بڑی محنت کے بعد تھوڑی سی گھاس جمع کی۔ گھاس لے کر وہ گائے کی طرف چل پڑا اس کی ٹانگوں میں بری طرح درد ہو رہا تھا۔ لیکن وہ چلتا ہی گیا اور گھاس لاکر گائے کے آگے رکھ دی۔

اتنی ساری ہری ہری گھاس دیکھ کر گائے بہت خوش ہوئی اس نے جلدی جلدی ساری گھاس کھالی۔ گھاس کھاکر چیکو کو بہت سا دودھ دیا۔ دودھ لے کر چیکو سیدھا بلی موسی کے پاس گیا۔ بلی اتنا سارا دودھ دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور غٹ غٹ کر کے سارا دودھ پی گئی ـــــــ جب پیڑ نے یہ دیکھا کہ بلی اس کے اوپر سے چلی گئی۔ تو اس نے چیکو سے کہا کہ جتنے پھل چاہو توڑ لو۔" چیکو نے بہت سے پھل توڑ لیے اور سیدھا بندر ماما کے پاس پہنچا۔ جب بندر نے اتنے سارے پھل دیکھے تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ غپ غپ کر کے سارے پھل کھا گیا۔ پھل کھاکر اس نے کہا "بتاؤ کہاں ہے تمھارا دوست؟" چیکو بندر کو لے کر جال کے پاس گیا ــــ بندر نے اپنے تیز دانتوں سے جال کو کاٹ دیا۔ جال جیسے ہی کٹا ویسے ہی میکو باہر آگیا۔

تبھی وہاں شکاری آگیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا جال کٹا ہوا ہے اور خرگوش بھاگ رہے ہیں تو وہ ان کے پیچھے بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے وہ ایک گڈھے میں گر گیا۔ چیکو اور میکو دونوں ہنستے، کھیلتے، کودتے اپنے گھر آگئے۔

فرخ ریحان
عرفان منزل بدر باغ علی گڑھ یوپی۔

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 18

150 روپے کے نقد انعامات

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۵ر جولائی ۱۹۸۵ء

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ **دوسرا انعام:** ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1۔ ..... سنا تو سچ مچ یہ آواز ایک سرخ ـــــ میں سے آرہی تھی۔ (جوتے / غبارے)
2۔ مگر اب ـــــ والوں کو اپنی ہار کا بدلہ لینے کی فکر ہوئی (مکہ / مدینہ)
3۔ وہاں سے ہم ـــــ کے گھر پہ گئے (لوہار / کمہار)
4۔ نبیؑ ـــــ نے جلدی ہی ان بھاگنے والوں کا پتہ لگا لیا۔ (وزیر / فقیر / سفیر)
5۔ لیکن اس کے ماننے والے صرف چند ـــــ تھے (بزرگ / لوگ / بچے)
6۔ فتح مکہ نے ـــــ کی کمر توڑ دی (کفر / کافروں / دشمنوں)
7۔ بھئی اب تو ـــــ کو بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ (دوستوں / شاگردوں / استادوں)
8۔ ... مسلمان رسول اکرمؐ سے ایسی محبت کرتے تھے کہ اپنے ـــــ سے بھی کوئی کیا کرتا ہوگا (رشتہ داروں / عزیزوں)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۲ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصّہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابل قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

(اپنے حل اِس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 18 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچّوں کی کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔
یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی
ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن
صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے،
یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت : ۷/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی
کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز
پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت : ۳/..
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار
کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت
بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ
بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/..
کھیل سنسار سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ
گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔
قیمت : ۴/۵۰
تین اناڑی عصمت چغتائی
گڈو، بلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی
شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان
میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۳/-
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبد الرحمن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی، لیکن اب تو
اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال
ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی
قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور
کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے
کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۴/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا
بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں
سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے
ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ
بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمہ
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں گا
نام
پتہ

Regd. with R.N.I. at No 10537/64
Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 June. 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

بچوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
ہمارا دین (اول، دوم، سوم)	سید شہاب الدین دسنوی (فی حصہ)	۶/۰۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول، دوم)	عبد الواحد سندھی (فی حصہ)	۴/۰۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	〃 〃	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ (اول، دوم)	〃 〃 (فی حصہ)	۴/۵۰
قرآن پاک کیا ہے؟	〃 〃	۳/۰۰
اسلام کیسے شروع ہوا؟	〃 〃	۴/۵۰
رسولؐ پاک	〃 〃	۳/۵۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۳/۰۰
رسولؐ پاک کے اخلاق	〃 〃	۳/۰۰
اللہ کے خلیل	〃 〃	۲/۵۰
تحسین القرآن	تالیف. خدیجہ سید ناطاہر سیف الدین	۴/۵۰
منہاج القرآن	〃 〃	۴/۵۰
ارکان اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۱/۵۰
[illegible]ئد اسلام	〃 〃	۱/۵۰
چا[illegible]	الیاس احمد مجیبی	۴/۵۰
آں ح[illegible]	〃 〃	۱/۵۰
خل[illegible] اربعہ	خواجہ عبد الحئی فاروقی	۲/۷۵
نبیوں کے قصے	〃 〃	۲/۲۵
ہمارے رسولؐ	〃 〃	۳/۰۰
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۲/۰۰
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی	۱/۵۰
سرکارِ دو عالم	محمد حسین حسان	۳/۰۰

لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دلی ۲

پیامِ تعلیم

بچوں کے لیے عبدالواحد سندھی جامعی کی کتابیں
پھر میں چگوں کیا خاک
نہایت آسان زبان میں
چھوٹے بچوں کے لیے
ایک کہانی
قیمت ۱/۵۰
پان کھا کر، طبلہ بجا کر رام ناچا
ایک مزے دار کہانی
جو خاص طور سے چھوٹے بچوں کے
لیے لکھی گئی ہے
قیمت : ۱/۵۰
دنا دن تا کے سے
چھوٹے بچوں کے لیے
چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھی گئی
مزے دار کہانی
قیمت : ۱/۵۰
پکڑ دُم کُتّے کو
ایک گدھے نے شیر کو بھگا دیا۔
بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ چھوٹے
بچوں کے لیے۔ قیمت ۱/۵۰
پانچ بونے
پانچ کام چور بونوں
کی کہانی چھوٹے بچوں کے
لیے۔ قیمت: ۱/۵۰
ہتو جتو
یہ کہانی بھی چھوٹے بچوں
کے لیے لکھی گئی ہے۔ انھیں
کی زبان میں۔ قیمت ۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی
چھوٹے بچوں کے لیے انھی
کی زبان میں ایک دلچسپ
کہانی۔ قیمت : ۲/۵۰
بی پنڈکی اور کوّا
چھوٹے بچوں کے لیے
آسان زبان میں لکھی
گئی ایک دلچسپ کہانی
قیمت : ۱/۵۰
جادو کا گھر
چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان
میں لکھی گئی ایک مزے دار
کہانی۔ قیمت ۱/۵۰
چیونٹی رانی
کہانی کی کہانی اور معلومات
کی معلومات۔
قیمت ۱/۵۰
بچوں کی کہانیاں
مدو رانا پردیس چلے
مگر کیسے چلے؟ اور راستے میں کیا
کیا ہوا، یہ تو پڑھنے
سے ہی پتا چلے گا۔
قیمت :
۱/۵۰

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دہلی ۲۵

جولائی ۱۹۸۵ء جلد ۲۳ شمارہ ۷

اڈیٹر: ولی شاہجہاں پوری

قیمت: ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

کہیے چھٹیاں کیسے گزاریں آپ لوگوں نے؟ ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ ہمیں یہ لکھ کر بھیجیں کہ آپ نے فرصت کے ان اوقات میں کیا کیا۔ ہم آپ کی تحریریں پیامِ تعلیم میں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ گھسی پٹی یا سنی سنائی کہانیوں کے مقابلے میں ایسے واقعات لکھنے کی کوشش کیجیے جو آپ کے مشاہدے میں آئے ہوں۔

غلام رازق شیخ صاحب کا تعلق ریاست گجرات سے ہے۔ آپ پہلی مرتبہ ایک کہانی لے کر بزمِ پیامِ تعلیم میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے آپ گجراتی ادب سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ رازق صاحب نے قلمی تعاون کے علاوہ گجرات جیسے علاقے سے بہت سے خریدار بھی بنائے ہیں۔ اس دو طرفہ تعاون کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ رازق صاحب کا یہ تعاون جاری رہے گا۔

پیامی حضرات اکثر مشورے دیتے رہتے ہیں جن پر عمل ہم صرف اس وجہ سے نہیں کر سکتے کہ ہمارے وسائل اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کاغذ کے ساتھ طباعت کے دوسرے سامان کی قیمتیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ پرچے کی قیمت ہم بڑھانا نہیں چاہتے۔ ہمارا سارا دار و مدار خریداروں پر ہے۔ ان کی موجودہ تعداد اتنی نہیں ہے کہ ہم صفحات میں اضافہ کر سکیں۔ ایسا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے سالانہ خریدار بڑھائے جائیں اس میں ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے احباب کو اس کے خریدار بنائیں ہم آپ کا شکریہ پیامِ تعلیم کے ذریعے ادا کریں گے۔ آپ کے علاقے میں اگر کوئی ایجنٹ نہیں ہے تو وہاں ایجنسی قائم کرائیے۔

اس شمارے کے تمام مضامین پڑھنے کے لائق ہیں ان کے بارے میں اپنی رائے ضرور دیجیے۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

بچوں کی نئی اور دلچسپ کتابیں

		مسلمان بیبیاں	۴/..	جن حسن عبدالرحمٰن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
		پیارے رسولؐ	۴/۵۰	چوری کی عادت	۲/..
		اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول)	۴/..	چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰	〃 〃 (دوم)	۴/..	چنبیلی	۱/۲۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/..	ہار کی تلاش	۴/-	چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
ننھا جھرو	۲/۵۰	بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰	بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/..	بندر اور نائی	۲/۵۰	دھنک (〃)	۳/..
پلک نہ مارو	۴/..	بلی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰	کھیل سنسار (〃)	۴/۵۰
ایک کھلاراز	۳/..	تاک دنادن تاکے سے	۱/۵۰	شہزادہ اور ٹھگ	۲/..
بابا ناصح	۲/..	پانچ بونے	۱/۵۰	سندر چنار	۱/۵۰
بچوں کے افسر	۵/..	پھر میں چگوں کیا خاک	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/..	پکڑو دم کٹے کو	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/..
رنگوں کی بستی	۳/۵۰	پان کھا کر طبلہ بجا کر...	۱/۵۰	میگھ نگر کا راجا	۱/۲۵
سرخ جوتے	۳/..	جادو کا گھر	۱/۵۰	میرانیس	۲/..
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰	چیونٹی رانی	۱/۵۰	دادا نہرو	۵/..
شرارت	۲/..	روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰	جلوۂ غالب	۲/..
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰	لال مرغی	۱/۵۰	خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/..	لومڑی کا گھر	۱/۵۰	دم کٹا سانپ	۱/..
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/..	مدد دانا پردیس چلے	۱/۵۰	ریڈیو فیچر	۲/۲۵
جدید پہیلیاں	۶/..	ہپو جپو	۱/۵۰	سرکس	۱/۵۰
مچھر اور اس کی بیوی	۲/۵۰	بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰	گاندھی بابا کی کہانی	۲/..
ننھا فرشتہ	۴/۵۰	شیر خاں	۱/۵۰	ایک طالب علم کی کہانی	۲/..
نیلا ہیرا	۴/۵۰	لومڑی کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)	۱/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/..	میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)	۱/۲۵
اس نے کیا کرنا جانا	۱/۲۰	ہرن کے بچے	۱/۵۰	سماجی زندگی (سوم)	۱/۴۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰	بہادر	۲/۵۰	کہاوت اور کہانیاں	[illegible]/..
بھوتوں کا جہاز	۶/..	ایک پکوڑی تیل میں	۱/۵۰	ہمارے محاورے	[illegible]/۵۰
جوہر قابل	۳/..	تانبیل خاں	۱/۵۰	انوکھا عجائب خانہ (اول)	[illegible]/۵۰
خرگوش کا سپنا	۵/..	تین اناڑی	۳/-	انوکھا عجائب خانہ (دوم)	[illegible]۴۰
موم کا محل	۴/..	پہیلیاں	-/۸۰	انوکھا عجائب خانہ (چہارم)	[illegible]/۵۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰	جھوٹا لڑکا	۱/۵۰	مفید معلومات	[illegible]/۵۰

فضیل مظفر
یازدہم (کامرس)

اندرا جی کا نام رہے گا

شمعِ وطن تھیں اندرا گاندھی
روحِ چمن تھیں اندرا گاندھی
ایک رتن تھیں اندرا گاندھی
بے شک اُن کی قربانی سے بھارت خوش انجام رہے گا
اندرا جی کا نام رہے گا

اُن کی جنگ غریبی سے تھی
نفرت رشوت خوری سے تھی
وحشت خانہ جنگی سے تھی
ہر سچے ہندستانی کا آیندہ یہ کام رہے گا
اندرا جی کا نام رہے گا

اپنی شان محبت میں ہے
ملک و قوم کی وحدت میں ہے
انسانوں کی خدمت میں ہے
"مل جل کر آگے بڑھنا ہے" یاد اُن کا پیغام رہے گا
اندرا جی کا نام رہے گا

دیش کی نیتا، قوم کی رہبر
امن و اماں کی ایک پیمبر
اپنا قول فضیل مظفر
جب تک سورج چاند رہیں گے دَورِ صبح و شام رہے گا
اندرا جی کا نام رہے گا

مسلی اسد

باورچی خانے میں موت

روبرٹ مارلین ایک معزز اور دولت مند آدمی تھا۔ نوجوانی میں اس سے ایک حماقت ہو گئی تھی جس کے بارے میں صرف اس کے پرانے ہم جماعت جارج مینگ کو علم تھا۔ مارلین نے کچھ خطوط لکھے تھے جو مینگ کے پاس تھے۔ مینگ کئی سال جیل میں گزار چکا تھا۔ جب وہ چھوٹ کر آیا تو اس نے سوچا کہ مارلین سے خوب رقم وصول کی جائے اور اسے یہ دھمکی دی جائے۔ کہ اگر رقم نہیں دیتا ہے تو اس کا راز فاش کر دیا جائے گا لیکن مارلین کوئی کمزور آدمی نہیں تھا۔ اس نے مینگ کو تھوڑی بہت رقم تو دے دی مگر اس کے بعد اس نے طے کر لیا کہ اس کی دھمکی میں نہیں آئے گا اور نہ مزید رقم دے گا۔

چنانچہ مارلین نے بڑی احتیاط سے ایک منصوبہ بنایا اور ایک دن شام کو مینگ کے گھر چلا گیا وہاں اس نے شراب میں کوئی دوا ملا دی جس سے مینگ بے ہوش ہو گیا۔ مارلین نے مینگ کا سر گیس کے چولھے کے اندر ڈال دیا اور باقی جسم باہر رہنے دیا۔ پھر اس نے سوچا کہ گیس کو کھول دے تاکہ ایسا معلوم ہو کہ مینگ نے خودکشی کر لی ہے۔ اب مارلین کھڑا ہو گیا اور اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس نے باورچی خانے میں چاروں طرف دیکھا اور فرش پر پڑے ہوئے جسم کو بھی دیکھا جسم جس طرح پڑا تھا وہ کچھ غیر فطری معلوم ہوا، لیکن مارلین نے سوچا کہ اس عجیب کیفیت کے لیے ٹھیک ہے۔ عجیب کیفیت اس لیے تھی کہ سر گیس کے چولھے

کے اندر تھا۔ اس نے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ یہ درست معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔ مارلین سوچنے لگا کہ اگر وہ خودکشی کرتا تو آرام سے مرتا۔ اس نے اپنے جوتے اتار ڈالے تھے! اور ننگے پاؤں آہستہ آہستہ کمرے میں چل رہا تھا

پردے احتیاط سے پڑے ہوئے تھے لہٰذا بتیوں کو بلا خوف جلتا ہوا چھوڑا جا سکتا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنا کام شروع کر دیا۔ کسی بات سے یہ نہ ظاہر ہونا چاہیے کہ مینگ سے اس کا کوئی تعلق تھا اس کی نظر اس پارسل پر پڑی۔ جس کے لیے مینگ نے بے ہوش ہونے سے پہلے بتایا تھا کہ تمہارے نام کا یہ پارسل غلطی سے دُکان کا لڑکا میرے گھر دے گیا ہے۔ اس نے ذرا دیر سوچا پھر پارسل کو ایک طرف رکھ دیا۔ اس کو بعد میں دیکھا جائے گا۔

اب وہ سوچنے لگا کہ وہ خطرناک خطوط کہاں ہیں ؟ مینگ ایک بے پروا آدمی تھا، لہٰذا وہ چیزوں کو چالاکی سے نہیں چھپائے گا۔ اتنے میں اسے میز کی دراز میں وہ خطوط مل گئے۔ مارلیسن جن چھے خطوط کی تلاش میں تھا وہ سب اس کو مل گئے۔ اب کوئی اور ان کو نہ دیکھ سکے۔ جوانی میں اس سے حماقت ہو گئی تھی، لیکن جب مینگ اچانک نمودار ہو گیا اور روپیا مانگنے لگا تو مارلیسن کو یہ خطوط یاد آ گئے۔

مینگ بڑا بے وقوف تھا اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ مارلیسن اتنے برسوں میں بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کافی وقت سے مینگ کے دوست بہت کم تھے۔ ایک بوڑھی ملازمہ تھی جو دور کے گانو سے آتی تھی وہ کل سے پہلے نہیں آئے گی۔ لیکن اسے سب کام بڑی احتیاط سے کرنا ہو گا۔ کوئی بات بھولنی نہیں چاہیے۔ اسے پولیس کو جھوٹی کہانی سنانے کی ضرورت درپیش نہ ہو گی لیکن اگر ہر کام ٹھیک سے کر لیا گیا تو پھر کسی کہانی کی ضرورت نہ ہو گی۔ مینگ کو مار ڈالنے کا جب کوئی سبب نہ ہو گا تو پھر بھلا کون اس پر شک کرے گا۔ لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ یہ دونوں اسکول میں ساتھ تھے، لیکن اب ان دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کوئی اس پر شک نہیں کرے گا۔

مارلیسن نے دونوں کمروں کو غور سے دیکھا اور اپنا اطمینان کر لیا۔ پھر بڑے کمرے میں آ کر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ہاں دُکان سے آیا ہوا وہ پارسل البتہ رکھا تھا جس پر مارلیسن کا پتا لکھا ہوا تھا اور وہ دونوں گلاس تھے۔ صرف ایک ہی گلاس رہنا چاہیے وہ باورچی خانے میں دونوں گلاسوں کو دھونے لگا۔ ایک گلاس کو الماری میں رکھ دیا اور دوسرے کو میز پر رکھ دیا۔ اس میں تھوڑی سی شراب تھی۔ مارلیسن نے احتیاط سے مینگ کی انگلیوں کو گلاس پر رکھ کر نشانات بنا دیے۔ ہر چیز اب تیار تھی گلاس میز پر تھا اور اس کے قریب خالی بوتل رکھی تھی۔ مینگ یقیناً بہت پی گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ مارلیسن کو دوا ڈالتے نہ دیکھ سکا۔ چند منٹ قبل اس نے مینگ کی نبض دیکھی تھی وہ معمول کے مطابق چل رہی تھی ایک آخری کام باقی تھا۔ کاغذ کا وہ آدھا ٹکڑا میز پر رکھنا تھا یہ خط کی طرح

تہ کیا ہوا تھا۔ تاکہ اس پر نظر ضرور پڑے۔ وہ خود کچھ لکھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ مینگ کی لکھائی کی نقل نہیں کر سکتا تھا۔ مارلیسن سوچنے لگا کہ یہ بھی حسنِ اتفاق ہے۔ کہ یہ الفاظ اس آدھے ٹکڑے کاغذ پر آ گئے۔

کئی مہینے قبل جب اسے یہ خط ملا تھا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ بڑا فائدہ مند رہے گا۔ کاغذ پر یہ الفاظ لکھے تھے۔

"میں اب بالکل تھک گیا ہوں آسان راستے کے انتخاب کرنے پر کون مجھے الزام دے گا۔ لہذا میں اسی کو مسکراتے ہوئے اختیار کروں گا" جارج مینگ"۔

لیکن مینگ کا اس سے مطلب تھا مسکراتے ہوئے روپیا وصول کرنا۔ اس سے اس کی مراد گیس نہ تھی جو اس کی موت کا سبب ہو۔ کھڑکیاں بند تھیں مارلیسن نے گیس کھول دی۔ پاؤں کے نشانات تو نہیں ہیں ؟ نہیں، اس لیے اس نے جوتے اتار ڈالے تھے۔ اب اس نے جوتے پہن لیے اور پچھلے دروازے سے باہر چلا گیا اس کے ایک ہاتھ میں صرف وہ پارسل تھا جو دکان سے آیا تھا اور دوسرے میں چھڑی تھی۔

گھر جاتے وقت اس سے کوئی نہیں ملا اس نے ان خطوط کو جلا ڈالا اور پارسل پر جو کاغذ چڑھا تھا اسے بھی جلا ڈالا اور راکھ کو باورچی خانے میں بہا دیا۔ پارسل کے ساتھ بھی اس نے یہی کیا اور پھر اطمینان سے ٹھنڈی سانس لی وہ جانتا تھا کہ پولیس اس سے ضرور دریافت کرے گی کیونکہ وہ ایک اہم شخص تھا اور کئی بار اس نے مینگ سے بات کی تھی وہ یوں بھی گاؤں کے ہر آدمی سے بات کیا کرتا تھا اور اسی وجہ سے لوگ اس کو پسند کرتے تھے۔ وہ پولیس کو بتائے گا کہ مینگ بیمار معلوم ہوتا تھا اور پچھلی بار جب ملاقات ہوئی تھی تو وہ پریشان دکھائی دیتا تھا۔

دوسرے دن ایک پولیس افسر مارلیسن کے پاس آیا۔ مارلیسن تیار تھا چہرے پر مسکراہٹ بھی سجا رکھی تھی۔

پولیس افسر نے پوچھا، "جناب والا، آپ اس کو پہچانتے ہیں ؟" یا خدا یہ کیا چیز دکھا رہا ہے ؟ یہ تو نیلا بٹوا ہے اور اس پر سنہرے حروف میں آر۔ ایم لکھا ہے یعنی روبرٹ مارلیسن۔ مارلیسن نے اپنی جیب کو ٹٹولا وہ خالی تھی۔ کیا خطوط کو جیب میں رکھتے وقت یہ بٹوا گر گیا ؟ کیا یہ فرش پر پڑا رہا ؟ اس نے ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی مگر کچھ بول نہ سکا۔ اس نے بٹوا اٹھا لیا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ پولیس افسر نے اسے بٹوے کو اٹھا لینے دیا۔ وہ تو یہ خیر کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ بٹوا اس کا نہیں ہے وہ احمقانہ انداز میں بٹوے کو صرف دیکھتا رہ گیا۔ اب جو پولیس افسر بولا تو مارلیسن اس کے الفاظ کو سمجھ ہی نہ سکا۔

پولیس افسر بولا، "جناب عالی، دکان کے لڑکے نے کل شام ایک پارسل غلط جگہ دے دیا۔ پارسل یہاں آنا تھا۔ وہ اسے واپس لینے آج صبح گیا مگر کسی نے دروازہ نہ کھولا وہ پچھلے دروازے کی طرف گیا وہ کھلا ہوا تھا لہذا وہ اندر چلا گیا۔ اسے یہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے تھا، لیکن ......"

پولیس افسر کیا کہہ رہا ہے ؟ کس بات کی جانب اشارہ کر رہا ہے ؟ مارلیسن چیخ کر یہ کہنا چاہتا تھا، ہاں ہاں، کہے جاؤ میرا دل اس کو برداشت نہیں کر سکے گا۔"

پولیس افسر نے اپنی بات جاری رکھی، "باورچی خانے میں روشنی ہو رہی تھی اور مینگ فرش پر پڑا ہوا تھا اس کا سر چولھے کے اندر تھا لڑکا یہ دیکھ کر سہم گیا وہ اپنی بائیسکل پر مجھے لے جانے کے لیے آ گیا میں تیزی سے وہاں پہنچا۔ میں نے یہ بٹوا وہاں پایا اور سوچا کہ آپ کو بتا دوں بات یہ ہے کہ مینگ سزا یافتہ آدمی ہے۔ ہم لوگ ایسے آدمیوں کو مشکوک سمجھتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر پولیس افسر ذرا دیر کے لیے رکا مارلیسن سوچنے لگا کہ کیا اب اس کو کچھ کہنا چاہیئے لیکن وہ ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکا۔ وہ صرف پولیس افسر کو دیکھتا رہا۔ اور اس کے ہونٹ تھرتھراتے رہے۔

پولیس افسر بولا، "جناب عالی، آپ نے یہ بٹوا

اس کو دیا تو ہو گا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتفاق سے گر گیا۔"

مارلیسن اب بالکل برداشت نہ کر سکا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آر ہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پولیس افسر بولا۔" مینٹنگ صرف جیل ہی نہیں گیا بلکہ اس کی حرکتیں بھی کچھ عجیب وغریب ہیں۔ میں نے سوچا کہ شاید آپ کچھ مدد کر سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ جناب کا کیا خیال ہے؟"

"ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" مارلیسن نے بڑی دشواری سے کہا۔ پولیس افسر نے پھر بولنا شروع کر دیا۔ "آج صبح میز پر ایک بوتل رکھی ہوئی تھی۔ وہ قریب قریب خالی تھی۔ وہ کل ہی دکان سے آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کی وجہ سے یہ ہوا . . . ."

مارلیسن نے جب یہ الفاظ سُنے تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ پولیس افسر آخر کہنا کیا چاہتا ہے؟ اسے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ وہاں کیا ہوا؟"

پولیس افسر بولا" بہرحال میں نہیں جانتا کہ یہ شراب کی وجہ سے ہوا یا پاگل پن کی وجہ سے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا۔ چولھے کے اندر اپنا سر ڈالتے وقت اسے یہ بات یاد نہیں آئی کہ گیس کا بل ادا نہ کرنے کی وجہ سے گیس کمپنی نے اس کی گیس تو پچھلے ہفتہ بند کر دی تھی معلوم ہوتا ہے کہ کل رات جو کچھ ہوا وہ اس کو یاد نہیں رہا، شاید اس کا سبب شراب ہو۔ آج صبح بھی وہ مجھے نشے کی حالت میں دکھائی دے رہا تھا لیکن جناب، کیا بات ہے؟" رویرٹ مارلیسن فرش پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ (ہمدرد نونہال)

شباب للت

ماچس

ضبط رکھو زباں پر

نہ کڑوا کوئی بول منہ سے نکالو

یہ غیبت کی باتیں

یہ نندیا پرائی

جو چٹخارے لے لے کے تم کر رہے ہو

کوئی لفظ اس کا شرر بن نہ جائے

کہ ہے دیکھنے میں ذرا سی

یہ ماچس کی ڈبیہ

مگر اس کی ننھی سی باریک سی اک سلائی

جلا کر نگر کا نگر

چند لمحوں میں بس

راکھ کا ڈھیر کر دے

(زباں کو لبوں کو نہ ماچس بناؤ)

سرور جمال

لوٹ کے بدّھو

بہت دنوں کی بات ہے ایک گانو میں ایک بہت ہی سیدھا سا آدمی رہتا تھا۔ لوگ اُسے بدھو کہتے تھے۔ اس کے پڑوس میں ایک نیک اور شریف آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام کریم بخش تھا۔

ایک بار کریم بخش نے اپنی سسرال جانے کا ارادہ کیا اور اس کی تیاری بھی شروع کر دی۔ اس کی خبر بدھو کو بھی ملی۔ یہ خبر پا کر وہ کریم بخش کے پاس گیا اور اپنی بھبس، نکال کر بولا:

"کیوں بھائی کریم بخش میں نے سنا ہے تم اپنی سسرال جارہے ہو؟ اجازت ہو تو میں بھی ساتھ چلوں چند روز میرے بھی عیش آرام سے گزر جائیں گے۔"

کریم بخش اس کی عقلمندی کے بہت سے قصے سن چکا تھا اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا لیکن بھلا بدّھو کہاں ماننے والا۔ جان کو آگیا۔

کریم بخش بہت پریشان ہوا۔ اپنی شرافت کی وجہ سے پڑوسی کے ساتھ بے مروّتی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اسے ساتھ لے جانے پر تیار ہو گیا۔ کریم بخش نے تو کافی تیاری کی۔ لیکن بچارے بدّھو نے اپنی بیوی سے ایک چمکتا دمکتا روپیا لیا اور خوشی خوشی کریم بخش کے پاس پہنچ گیا۔

دونوں ساتھ ساتھ چلے۔ مارے خوشی کے بدھو نے کریم بخش کا زیادہ بوجھ اپنے اوپر لاد لیا۔ چلتے چلتے دن ڈھل گیا۔ شام ہو گئی۔ کریم بخش کی سسرال اب زیادہ دور نہیں رہ گئی بس ایک چھوٹا سا جنگل پار کرنا تھا اور گانو سامنے تھا۔ لیکن دفعتاً میاں بدھو کی رگِ حماقت پھڑکی اور وہ کریم بخش سے بولا۔

"بھائی کریم بخش! اب تو رات ہو گئی۔ اس وقت جنگل پار کرنا ٹھیک نہیں۔ پھر میں تمھارا سامان ڈھوتے ڈھوتے بہت تھک گیا ہوں اس لیے اب تو میں سوتا ہوں!"

کریم بخش بولا۔

"میاں بدّھو ابھی تو رات شروع بھی نہیں ہوئی۔ میری سسرال اب دو میل سے بھی کم ہے۔ ذرا ہمت کرو اور میرے ساتھ چل پڑو۔ یہاں سنسان جگہ میں رات کو ٹھہرنا ٹھیک نہیں!"

لیکن بدھو تو بدّھو ہی تھا۔ اڑ گیا۔

"نہیں بھائی کریم بخش! اب چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے میں ایک قدم نہیں چلنے کا!"

یہ کہہ کر وہ ایک گھنے درخت کے نیچے بے فکری سے سو گیا۔ اب تو کریم بخش بہت گھبرایا۔ رات بڑھتی جارہی تھی اور سامنے جنگل تھا ناچار ایک بھوسے کے ڈھیر میں جو قریب ہی تھا مع سامان کے گھس کر چھپ گیا۔

• کوٹھی نشاط افزا سیوان (بہار)

آدھی رات کو چار چور ادھر سے گزرے۔ رات اندھیری تھی۔ انھوں نے دیکھا درخت کے نیچے ایک لکڑی کا کندہ پڑا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ ٹکرا کر نکل گئے۔ ایک چور بولا۔

"دیکھو لوگ بھی کتنے بدتمیز ہوتے ہیں۔ سڑک پر لکڑی ڈال دیتے ہیں کسی کو چوٹ لگ جائے یا ٹھوکر کھا کر گر پڑے تو ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں۔"

بڈھو اس چور کی بات سن کر بہت غصہ ہوا کہ وہ اس کو لکڑی بتا رہے ہیں، غصے کے مارے وہ بولا۔

"واہ بھائی واہ! آدمی کو لکڑی بتا رہے ہو پھر کر لی تم نے چوری، لگتا ہے تم سب اندھے ہو۔"

بڈھو کی بات سن کر چور طیش میں آ گئے اور پکڑ کر اس کو مرمت کرنے لگے اب بڈھو چلانے لگا۔

"بھائیو سب جگہ مار لو، لیکن سر پر نہ مارنا۔ کیونکہ پگڑی میں روپیا بندھا ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ چوٹ کھا کر وہ ٹوٹ جائے۔"

اس کی اس بات پر چوروں کو بہت ہنسی آئی انھوں نے اس کی پگڑی کھولی تو واقعی اس میں ایک روپیا بندھا ہوا تھا۔ ابھی ایک چور روپے کو الٹ پلٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ بڈھو چلایا۔

"کم بختو! یہ الٹ پلٹ کر کیا دیکھ رہے ہو کوئی کھوٹا سکہ نہیں۔ اصلی چاندی کا ہے۔ یقین نہ آئے تو بھائی کریم سے پوچھ لو وہ کیا بھوسے کے ڈھیر میں چھپے ہوئے ہیں۔"

چور یہ سن کر کریم بخش کی طرف لپکے اور ان کو مع سامان کے باہر نکالا۔ کریم کے پاس بہت سا سامان اور روپیا پیسا تھا۔ چوروں کی چاندی ہو گئی دونوں کو خوب مار پیٹ کر سامان لے کر رفو چکر ہو گئے۔

بچارا کریم بخش بڈھو پر دانت پیس کر رہ گیا اور میاں بڈھو روتے پیٹتے گھر واپس آئے۔

●

خیال کے پھول

- حضور اکرمؐ: اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہے جو مزاج کا تیز نہ ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو نرم خو ہو۔
- حضرت داؤدؑ: جو لوگ زندگی کو ایک مقدس فریضہ سمجھ کر صرف کرتے ہیں وہ کبھی ناکام نہیں ہوتے۔
- حضرت ابوبکر صدیقؓ: خداوند تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے جو کسی کے عیب ظاہر نہیں کرتا۔
- حضرت بایزید بسطامیؒ: انسان کو چار چیزیں بلند کرتی ہیں، علم، حلم، کرم اور خوش اخلاقی۔
- حضرت معروف کرخیؒ: دولت کے بھوکے کو کبھی حقیقی راحت حاصل نہیں ہوتی
- اسکاٹ: عیاری ایک چھوٹے کمبل کی طرح ہے، اگر اس سے سر چھپاؤ تو پیر ننگے ہو جائیں گے اور اگر پیر چھپاؤ تو سر برہنہ ہو جائے گا۔
- علامہ اقبال: جو شخص اپنی عظمت کے گیت گائے وہ ہرگز عظیم نہیں ہو سکتا۔
- سقراط: میں صرف ایک چیز جانتا ہوں اور وہ یہ کہ میں کچھ نہیں جانتا۔
- پریم چند: شہرت قربانی سے ملتی ہے دھوکا دہی سے نہیں۔
- حکیم لقمان: جدوجہد نہ کرنا محتاجی کا سبب ہے۔
- نوشیرواں: انصاف ایک ایسا قلعہ ہے جس کو نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ منجنیق گرا سکتی ہے۔
- ابن الکبیر: خاموشی الفاظ سے زیادہ فصیح ہے۔
- نامعلوم: انسانیت کی معراج یہ ہے کہ کسی کا دل نہ دکھایا جائے۔
- افلاطون: دنیا عاقل کی موت اور جاہل کی زندگی پر ہمیشہ آنسو بہاتی ہے۔
- ٹینی سن: خود اعتمادی، خود شناسی اور خود ضبطی صرف یہ تین چیزیں انسان کی زندگی کو کامل بنا دیتی ہیں۔

الطاف حسین

دنیا کے مشہور طبیب

بوعلی سینا

بوعلی ابوالحسین ابن عبداللہ ابن سینا ۹۸۰ء میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ مسلم دنیا کے عظیم طبیب تھے اس کے علاوہ آپ کو ماہرِ لسانیات، شاعر، فلسفی اور سائنس داں کی حیثیت سے بھی کافی شہرت ملی۔ تاریخ کے صفحات میں آپ کو "شیخ الرئیس" اور "معلم ثانی" کے خطابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ بوعلی سینا نے ۲۱ سال کی عمر میں تصانیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور علم طب، فلسفے، علم کلام، علم لسانیات، علم فلکیات اور علم صرف جری پر تقریباً ننانوے کتابیں لکھیں۔ "تھرمامیٹر" سب سے پہلے آپ ہی نے ایجاد کیا تھا۔ آپ کی علم طب پر کتاب "القانون فی الطب" نے آپ کو قیامت تک کے لیے زندہ کر دیا۔ یہ کتب صدیوں تک یورپی میڈیکل کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں زیرِ درس رہی۔ یورپ والے آج بھی بوعلی سینا کو IBN SINA کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کی طبی خدمات کی تعریف کرتے ہیں۔

مسلم دنیا کے یہ عظیم طبیب ۱۰۳۷ء میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کا مزار ہمدان میں ہے۔

ابن البیطار

ابومحمد عبداللہ ابنِ احمد ابن البیطار ۱۱۹۷ء میں اسپین کی ایک بستی "بنانا" میں پیدا ہوئے۔ ابن البیطار ماہر جڑی بوٹی اور اپنے وقت کے بڑے طبیب تھے۔ جڑی بوٹیوں کی پہچان میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کی اس خوبی کی تعریف یورپی مؤرخوں نے بھی کی ہے۔ انھوں نے مصر، افریقہ، ایشیائے کوچک اور یونان کے جنگلوں میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں سفر کیے اور ایک ہزار چار سو جڑی بوٹیوں کے نام، ان کی خصوصیات، ان کے فائدے و نقصان اور دوسرے حالات ایک کتاب کی شکل میں قلم بند کیے۔

ان کی مشہور کتابوں میں "الادویۃ المفردہ" اور "مفردات ابن بیطار" بہت مشہور ہیں۔ ان سے یورپ والوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ ۱۲۴۸ء میں ابن بیطار نے انتقال کیا اور شام کے دارالحکومت دمشق کی زمین میں سپردِ خاک ہوئے۔ ان کی موت زہریلی بوٹی کھانے کی وجہ سے واقع ہوئی۔

ابوالقاسم الزہراوی

ابوالقاسم الزہراوی ۹۳۶ء میں اسپین کے دارالحکومت قرطبہ سے کچھ فاصلے پر واقع ایک مقام "المدینۃ الزہرا" میں پیدا ہوئے۔ الزہراوی طبیب اور سرجن کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ علم طب اور سرجری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد الزہراوی اسپین کے حکمران امیر عبدالرحمٰن سوم کے طبیبِ خاص بن گئے اور قرطبہ کے شاہی شفاخانے میں بحیثیت سرجن کام کرنے لگے۔ اس کے علاوہ اپنی تجربہ گاہ میں تحقیق و تجربات کے علاوہ

تصانیف کا کام بھی شروع کر دیا۔

"التصریف" الزہراوی کی سب سے مشہور کتاب ہے اس کی ۳۰ جلدیں ہیں۔ اس میں ڈھائی سو سے زائد آلات اور اوزار متعلق تفصیل موجود ہے۔ جو الزہراوی کی ایجاد کردہ ہیں۔ یہ کتاب صدیوں تک یورپ میں زیر درس رہی۔ یورپیوں نے سرجری میں جو کچھ سیکھا الزہراوی کی اسی کتاب سے سیکھا۔ تاریخ کے صفحات میں الزہراوی کو دنیا کا سب سے بڑا سرجن تسلیم کیا جاتا ہے۔

ابوالقاسم زہراوی، دنیا کے عظیم طبیب اور سرجن ۱۰۱۳ء میں دنیا سے رخصت ہوئے اور قرطبہ میں سپرد خاک ہوئے۔ گو کہ آج الزہراوی ہم میں نہیں لیکن ان کے عظیم الشان کارناموں کے باعث ان کا نام زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

محمد ابن زکریا الرازی

ابوبکر محمد بن زکریا الرازی ۱۱۴۹ء میں ایران کے ایک مقام قدیم شہر "رسے" میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر ایران کے دارالحکومت تہران سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ الرازی اپنے وقت کے سب سے بڑے طبیب مانے جاتے تھے۔ انھوں نے علم طب کی تعلیم علامہ الطبری سے حاصل کی۔ ان کی سب سے مشہور کتاب "الحاوی" ہے جو علم طب کی ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ۲۵ جلدیں ہیں۔ ان کی دوسری شہرۂ آفاق تصنیف "المنصوری" ہے جو ۱۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے خسرہ اور چیچک پر تحقیق کر کے ان کے نکلنے کے اسباب، علامات اور علاج ایک کتاب کی صورت میں تحریر کیے اور چیچک کا ٹیکہ بھی ایجاد کیا۔ ان کی دونوں مشہور کتابیں کئی صدیوں تک یورپ کے میڈیکل کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں۔ الرازی نے علم کیمیا پر تحقیق و تجربات کیے۔ جس کی بنا پر انھیں جابر بن حیان کے بعد دوسرا بڑا کیمیادان مانا جاتا ہے۔ الرازی نے ۱۲۰۹ء میں وفات پائی۔ الرازی نے ایک سو ساٹھ کتابیں اور رسائل لکھے جن میں سے ۲۰ کتابیں علم کیمیا پر لکھی ہیں۔

(بشکریہ "بچوں کا رسالہ")

مہدی پرتاب گڑھی

پیارے بچو

سب مل جل کر ایک بنو
پیارے بچو نیک بنو
اپنے بڑوں کا ادب کرو
پیار سے دیکھو چھوٹوں کو
سب سے بہتر علم و ہُنر
اس سے روشن ذہنِ بشر
ماں کے پاؤں تلے جنّت
اس کی خوب کرو خدمت
عمل بناتا ہے انسان
بشر بھی ہے ورنہ حیوان
محنت سے گھبرانا کیا
جیتے جی مرجانا کیا
پڑھو لکھو بھی، کھیلو بھی
خوب مشقت جھیلو بھی
تم ہی ملک کی دولت ہو
تم ہی قوم کی عزت ہو

لطیف رشیدی شاہجہاں پوری

انوکھا مشغلہ

سلیم کی عمر بمشکل تیرہ سال ہوگی۔ وہ آٹھویں کلاس کا طالب علم تھا۔ شکار کا اسے بے حد شوق تھا۔ پڑھائی کے بعد اسے جب بھی خالی وقت ملتا وہ اپنی ایئرگن اٹھاکر پرندوں کے شکار پر نکل جاتا۔ یہ ایئرگن اس کے ماموں نے پچھلے سال سالگرہ کے تحفے کے طور پر دی تھی۔ باقاعدہ مشق نے اسے ایک اچھا نشانے باز بنا دیا تھا۔ وہ پرندے کو دیکھتے ہی بندوق اٹھاکر کاندھے سے لگاتا۔ ہلکی سی پٹ کی آواز ہوتی اور اس کا شکار پھڑپھڑاتا ہوا زمین پر آگرتا۔ سلیم کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل جاتی۔ سلیم کے دادا اپنے زمانے کے ایک اچھے شکاری تھے۔ لاتعداد جانوروں کے علاوہ انھوں نے دو شیر بھی مارے تھے۔ سلیم ان سے شکار کے قصے بڑی دلچسپی سے سنتا۔ اس کا حوصلہ اور بڑھ جاتا۔ وہ سوچتا کہ وہ بھی بڑا ہوکر ایک اچھا شکاری بنے گا اور شیر کا شکار کرے گا۔

دسہرے اور محرم کی ملی جلی چھٹیاں تھیں۔ سلیم کا اسکول آٹھ دن کے لیے بند تھا۔ وہ اپنے پاپا کے ساتھ گاؤں چلا گیا۔ گاؤں میں اس کے چچا کا مکان تھا۔ سلیم دو تین سال کے بعد گاؤں آیا تھا۔ وہاں کا پرسکون ماحول اسے بہت اچھا لگا۔ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو دیکھ کر اس کا دل شکار کے لیے بیقرار ہو اٹھا۔ وہ اب بہت پچھتا رہا تھا کہ بندوق لے کر کیوں نہیں آیا۔ شکار کے لیے یہ کتنی اچھی جگہ تھی۔

سلیم کا چچازاد بھائی شاہد اس سے ایک سال بڑا تھا۔ اور ایک کلاس آگے تھا۔ بہت جلد ہی سلیم شاہد سے گھل مل گیا۔ باتوں باتوں میں سلیم نے شاہد سے پوچھا "بھائی جان آپ کا محبوب مشغلہ کیا ہے"

"شوٹنگ" شاہد نے جواب دیا۔

سلیم خوشی سے اچھل پڑا۔ "یہی تو میرا بھی محبوب مشغلہ ہے۔"

"ارے واہ" شاہد نے خوش ہوکر کہا۔ "تو پھر ہم دونوں دوپہر بعد شوٹنگ کے لیے چلیں گے۔"

دوپہر بعد وہ دونوں تیار ہو گئے۔ شاہد نے ایک جھولے میں کچھ سامان رکھ لیا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ میں بندوق نہ دیکھ کر سلیم کو تعجب ہوا۔ اس نے شاہد سے پوچھا۔ "بھائی جان آپ کی بندوق کہاں ہے؟"

"میں بندوق سے شکار نہیں کرتا" شاہد نے جواب میں کہا۔

"تو پھر شاید پستول سے شکار کرتے ہوں گے" یہ سوچ کر سلیم نے پھر پوچھا "کیا آپ پستول استعمال کرتے ہیں؟"

"نہیں" شاہد ہنس پڑا۔

"تب تو ضرور جھولے میں غلیل اور کنکریاں ہوں گی"

"نہیں" شاہد نے پھر وہی جواب دیا۔

"تو پھر جھولے میں کیا ہے" سلیم جھنجلا کر بولا۔

"یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔ جیسے ہی تم کوئی خوبصورت پرندہ دیکھنا مجھے بتا دینا۔ میں اسے شوٹ کر دوں گا۔"

شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سلیم اپنے دل میں سوچ رہا تھا۔ شاہد کے پاس بندوق نہیں، پستول نہیں، غلیل نہیں پھر وہ پرندے کا شکار کس طرح کرے گا؟ تھوڑی دیر تک وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ اچانک تالاب کے کنارے ایک سارس کو دیکھ کر سلیم نے شاہد سے کہا "دیکھیے وہ سارس ہے اسے شوٹ کر دیجیے۔"

شاہد نے جھولے میں ہاتھ ڈالا۔ سلیم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ شاہد کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا کیمرہ تھا۔ اس نے کیمرہ آنکھ سے لگایا۔ سارس کا نشانہ لیا اور بٹن دبا دیا۔ پلک جھپکتے ہیں سارس کی تصویر کیمرے میں بند ہوگئی۔ "یہ ہے میری بندوق" شاہد نے فخر سے کہا۔

کیمرہ دیکھ کر سلیم کا من کھل اٹھا۔ اس نے پہلی بار کیمرے کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا۔ شاہد نے سلیم کو اس کا استعمال سمجھایا۔ اور پھر کئی پرندوں کی اس نے تصویریں کھینچیں۔ جب سورج مغرب میں جھکنے لگا تو وہ دونوں گھر لوٹ آئے۔ مگر سلیم کو پرندوں کا شکار نہ کرنے کی بہت کوفت تھی۔ راستے بھر دونوں میں بحث ہوتی رہی۔ شاہد بولا "ان بھولے بھالے پرندوں اور جانوروں کا شکار نہیں کرنا چاہیے۔"

"تم بزدل ہو اور تمھیں ان کا شکار کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

"یہ بات نہیں" شاہد سنجیدگی سے بولا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ شکاریوں نے ہمارے ملک کو کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ آج بہت سے پرندوں اور جانوروں کی نسلیں تقریباً ختم ہو چکی ہیں۔ اگر مستقبل میں شکار کے جنون کو سختی سے نہ روکا گیا تو آیندہ بہت سے جانوروں کی نسلیں صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گی۔ ان میں شیر چیتے اور دوسرے جنگلی جانور بھی ہیں۔ اب حکومت نے ان کے تحفظ کے لیے سخت قدم اٹھائے ہیں۔ اس کے علاوہ جنگلوں کے کٹ جانے سے بھی جانوروں کی نسلیں خطرے میں ہیں۔ اس لیے اب مناسب مقامات پر مصنوعی جنگل بنا کر جانوروں کو ان میں رکھا جا رہا ہے تاکہ ان کی نسل محفوظ رہے۔"

گھر آکر شاہد نے سلیم کو اپنی کھینچی ہوئی مختلف جانوروں اور پرندوں کی تصویروں کا البم دکھایا۔ بہت پیاری اور خوبصورت۔ کچھ تصویریں اس نے اپنے آس پاس کے علاقے کی اتاری تھیں۔ اور کچھ تصویریں وہ بنارسی باغ لکھنؤ میں واقع چڑیا گھر سے کھینچ کر لایا تھا۔ تصویروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہد نے کہا "کیا تم یہ پسند کرو گے کہ خوبصورت پرندے اور جانور اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں؟"

سلیم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اسے اپنے ذہن پر پشیمانی کا بوجھ سا محسوس ہوا۔ وہ آہستہ سے بولا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ یقیناً ان پرندوں اور جانوروں کو مارنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ آیندہ میں بھی ان کا شکار کرنے کے بجائے کیمرے میں محفوظ کروں گا۔"

شاہد سلیم کی بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے سلیم کو نہ صرف اپنا کیمرہ دے دیا بلکہ اپنے البم میں سے کچھ تصویریں بھی اسے البم میں لگانے کے لیے بطور تحفہ پیش کر دیں۔

کھیر کے پیالے
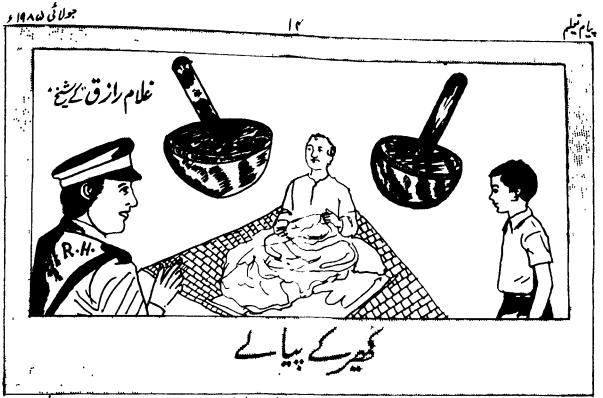
ایک درزی تھا سونو نامی ایک لڑکا اس کے پاس سلائی کا کام سیکھنے کی غرض سے آیا درزی نے اسے اپنے یہاں رکھ لیا۔ لیکن درزی تھا بہت لالچی۔ سونو کو سلائی کا کام تو کم سکھاتا، اس سے گھریلو کام اور بیگار خوب کرواتا۔ وہ سونو کو نہ ہی اس کے کام کی اُجرت ٹھیک سے ادا کرتا اور نہ ہی اسے ڈھنگ سے کھانے کو دیتا۔

اس زمانے میں سلائی مشین جیسی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ تمام سلائی کام قینچی، سوئی اور دھاگے ہی سے ہوتا۔ کپڑے سلوانے کے لیے لوگ درزی کو اپنے گھر بلواتے اور اسے کھیر کھلا کر کپڑے سلواتے۔

یہ درزی جہاں بھی سلائی کے لیے جاتا وہاں سونو کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا، سونو اس کا ہاتھ بٹاتا۔ لوگ بڑے پیالے میں درزی کے لیے اور چھوٹے پیالے میں سونو کے لیے کھیر لاتے۔ لیکن بچارہ سونو تو اپنے پیالے کو چھو بھی نہ پاتا اور درزی جھٹ بول پڑتا کہ سونو تو ابھی کھا کر آیا ہے اور کام زیادہ ہونے سے میں نے صبح سے پانی تک نہیں پی سکا۔ اور اس طرح درزی سونو کے حصے کی کھیر بھی چٹ کر جاتا۔ بچارہ سونو مارے ڈر کے کچھ کہہ بھی نہ پاتا۔ اس طرح سونو بھوکا رہ جاتا۔ آہستہ آہستہ یہی درزی کا معمول بن گیا۔ درزی کی اس چالاکی سے بیزار ہو کر سونو نے درزی کو سبق پڑھانے کی ٹھانی۔

اتفاقاً ایک روز پولیس کے داروغہ صاحب نے انھیں کپڑے سلوانے کے لیے بلوایا۔ داروغہ صاحب نے خود اُن کا استقبال کیا: "آؤ بھائی۔ باورچی خانے میں آپ کے لیے کھیر تیار ہے۔ دروغن کب سے تمھارا انتظار کر رہی تھیں۔ جاؤ پہلے اندر جا کر کھیر کھا لو۔"

لیکن پرانی عادت کے مطابق درزی بول پڑا۔ "سونو نے تو ابھی کھایا ہے، میں کام میں اتنا پھنسا ہوا تھا کہ کل سے بھوکا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے چٹائی میں سوئی چبھو دی اور اکیلا اندر کھیر کھانے چلا گیا۔ آج

اے-۱۰ اسرآدم جی میمن کالونی، احمد آباد-۲۸

پھر بچارہ سونو سر پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہا۔

تھوڑی سی دیر کے بعد داروغہ جی باہر کے کمرے میں آئے اور سونو سے پوچھا "تیرا سیٹھ کہاں ہے؟"

سونو نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا "افسوس کہ میرا بدنصیب سیٹھ اندر کھیر کھا رہا ہے۔"

"تو اُسے بدنصیب کیوں کہتا ہے؟"

سونو نے منہ لبسورتے ہوئے کہا: "کیا آپ کو پتا نہیں؟ میرا سیٹھ ہفتے میں ایک بار پاگل ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ پاگل ہو جاتا ہے تو اچھے اچھے کپڑوں کو کتر کر پھینک دیتا ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے پہلے ہی پتا چل جاتا ہے کہ وہ کب پاگل ہونے والا ہے۔"

"تجھے کیسے پتا چلتا ہے؟" داروغہ جی نے بڑی بیتابی سے پوچھا۔

"یہ جاننا مشکل نہیں ہے۔ جب میرا سیٹھ ایک ہی جگہ کھیر کے دو پیالے چٹ کر جائے تب سمجھ لینا چاہیے کہ پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔ اور چٹائی پر بیٹھنے کے بعد اِدھر اُدھر کچھ ٹٹولنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب وہ (پورے کا پورا) پاگل ہو گیا ہے۔"

"کیا اس کا پاگل پن دیر تک رہتا ہے؟" داروغہ جی نے گھبرا کر پوچھا۔

"جی نہیں، اُس کا حل بھی بہت آسان ہے۔ اُس کی ننگی پیٹھ پر بیس بید مارنے سے اس کا پاگل پن فوراً اتر جاتا ہے۔" اتنا کہہ کر سونو نے فوراً چٹائی میں لگی ہوئی سوئی نکال کر دور پھینک دی۔

تھوڑی دیر بعد درزی ڈکار لیتا ہوا اندر سے باہر نکل آیا۔ داروغہ جی کو رسمی سلام کرتے ہوئے کہا "مالک اتنی اچھی کھیر تو میں نے زندگی میں کبھی نہیں کھائی تھی۔"

داروغہ جی نے پوچھا "کتنے پیالے کھیر کھائی؟"

"دو پیالے صاحب پورے دو پیالے" درزی نے اطمینان سے کہا۔ پھر چٹائی پر بیٹھ کر جیسے ہی سوئی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو سوئی غائب! درزی چٹائی پر گھوم گھوم کر سوئی ٹٹولنے لگا۔

گویا سونو کے کہنے کے مطابق درزی بالکل پاگل ہو گیا تھا، پاگل پن کی وہ علامتیں جو سونو نے بتائی تھیں واقعی ظاہر ہو رہی تھیں یہ دیکھ کر داروغہ جی کا پارہ چڑھ گیا اور چلا کر بولے "پاگل کی اولاد تو میرا قیمتی کپڑا بگاڑے گا۔" اتنا کہہ کر سونو کے بتائے ہوئے علاج کے مطابق درزی کی پیٹھ پر بیس بید لگاتار برسا دیے۔

سونو کی دلی مراد پوری ہو چکی تھی درزی چلانے لگا "داروغہ صاحب، داروغہ صاحب، ارے داروغہ صاحب آپ مجھے کس گناہ کی سزا دے رہے ہیں؟"

"یہ سزا نہیں تیری بیماری کا علاج ہے" داروغہ جی نے بید مار لینے کے بعد کہا۔

"کون سی بیماری؟ میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا؟"

"کیوں نہیں پڑا؟ تیرا نوکر ہی کہہ رہا تھا کہ تو ہفتے میں ایک بار پاگل ہو جاتا ہے؟" یہ سنتے ہی درزی سونو کی طرف مڑا لیکن داروغہ جی نے اُسے پکڑ لیا۔

غصّے سے آگ بگولا ہوتے ہوئے درزی نے سونو سے کہا "بدمعاش مجھے پاگل کہنے کی تجھ میں ہمت کہاں سے آئی؟"

سونو نے کہا "آپ ہی سوچیے جب میں بھوکا ہوتا ہوں تب آپ سب سے کہتے ہیں کہ میں نے ابھی کھایا ہے اور اس طرح میرا حصّہ بھی چٹ کر جاتے ہیں۔ کیا کوئی سمجھ دار، عقل مند اور باہوش آدمی ایسا کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو پھر اسے پاگل نہیں تو اور کیا کہا جائے؟"

درزی کی سمجھ میں بات آگئی۔ اس واقعہ کے بعد درزی نے کبھی سونو کو پریشان نہیں کیا۔ اس نے چالاکی کرنا اور سونو کا حصّہ کھانا بھی چھوڑ دیا۔

دیکھا آپ نے دوسروں کا حصّہ غصب کرنے کی کیسی سزا ملتی ہے۔

(ایک گجراتی کہانی سے ماخوذ/ بشکریہ: پھول واڑی)

ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی

کہانی قسمت کی

شاکرہ روزے نماز کی پابند تھی۔ اللہ کا دیا اس کے ہاں سب کچھ تھا۔ زمین، جایداد، روپیا پیسا، نوکر چاکر۔ بے پناہ پیار کرنے والا شوہر۔ اس کی زندگی میں اگر کمی تھی تو اولاد کی۔ شادی کے دس برس بعد بھی اس کی گود خالی تھی ہر نماز کے بعد گڑگڑاکر اللہ سے دعا مانگتی کہ "اے خدائے بزرگ و برتر مجھ پر کرم کر اور حضور اقدس کے صدقے میں میری گود بھر دے" اولاد کی کمی محسوس کر کے وہ اکثر افسردہ ہو جاتی۔ لیکن اللہ کی رحمت سے مایوسی اس کے دل میں کبھی نہ آئی

ایک دن شاکرہ نماز ختم کر کے جا‌ئے نماز سے اٹھی تھی کہ ایک صدا اس کے کانوں میں پہنچی "اللہ کے نام پر کچھ دے دو اور دعائیں لے لو" شاکرہ نے اپنی کوٹھی کی بالائی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا ایک ضعیف فقیر اس کی کوٹھی کے صدر دروازے پر کھڑا صدائیں لگا رہا تھا۔ اس نے فوراً ایک نوکر دوڑایا اور فقیر کو اندر بلوالیا۔ اس کی خاطر مدارت کی۔ رخصت ہوتے وقت فقیر نے اسے دعائیں دیتے ہوئے کہا "بیٹی اللہ تجھے چاند سا بیٹا دے" فقیر کی بات سن کر شاکرہ کا دل بھر آیا۔ اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے رخساروں پر بہ نکلے فقیر نے اس کی طرف ایک ٹک دیکھا اور پھر اپنی دعا دہرائی: "خدا تجھے چاند سا بیٹا دے" اور پھر وہ

دیپک چوک متصل، ہارون چال، آکولہ۔ ۴۴۴۰۰۱

کوٹھی کے دالان سے گزرتا ہوا سڑک پر پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

نو مہینے بعد شاکرہ کے ہاں ایک خوبصورت بچّے کی ولادت ہوئی تو وہ اور اس کا شوہر پھولے نہیں سمائے۔ ضعیف فقیر کی دعا صدائے بازگشت بن کر ان کے کانوں میں گونج گونج جاتی۔ انھوں نے خدا کا اس رحمت کے لیے شکر ادا کیا۔ غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا۔ صدقہ دیا۔ رشتے داروں اور متعلقین کے ہاں مٹھائی بھجوائی۔ کوٹھی میں چراغاں کیا گیا۔ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ بچّے کو دعائیں اور بچّے کے والدین کو مبارک باد دینے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

یہ دنیا بڑے کام کی چیز ہے۔ یہاں ذریعہ اور وسیلہ بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ خود پر اعتماد چاہیے۔ ہر لمحہ پر اُمید رہنا کامیابی کی کنجی ہے۔

علم

- علم کی کوشش اپنے چھپے ہوئے جذبات کا اظہار ہے۔
- علم سے انسان کی وحشت اور دیوانگی دور ہوتی ہے۔
- علم ایک ایسا بادل ہے، جس سے رحمت ہی برستی ہے۔
- علم لگن سے حاصل ہوتا ہے۔ لگن کے فقدان سے علم کھو جاتا ہے۔
- علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسے جسم بغیر روح کے۔
- علم انسان کی تیسری آنکھ ہے۔
- علم کی حقیقت میں بحث کرنا جہاد ہے

مرسلہ، فرحانہ ناہید

آسمانی خدا اور اینانسی

افریقہ میں ایک جال بننے والا تھا جو اینانسی کے نام سے مشہور تھا۔ افریقہ میں اس کی بہت سی کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں جو پوری دنیا میں "جالے کی کہانیاں" SPIDER STORIES کے نام سے مشہور ہیں اس سلسلے کی ایک کہانی سنیئے:

بہت پرانی بات ہے، جب بچوں کو کوئی کہانی نہیں معلوم تھی۔ کیوں کہ وہ ساری کہانیاں خدا نے اپنے آسمانی محل میں اپنے خوبصورت تخت کے نیچے چھپا کر رکھی تھیں۔ جال بننے والا اینانسی خدا کی ان کہانیوں کے بارے میں جانتا تھا اور وہ ان کہانیوں کو زمین پر رہنے والے بچوں کے لیے لانا چاہتا تھا۔

اینانسی نے ایک جال بننا شروع کیا۔ ایسا جال جو اوپر بہت اوپر بہت ہی اوپر آسمان میں خدا کے محل میں پہنچ گیا۔ اینانسی نے اس کے اوپر چڑھنا شروع کیا اوپر بہت اوپر بہت ہی اوپر آسمان میں خدا کے محل میں پہنچنے کے لیے، اس سے ملنے کے لیے۔ اینانسی خدا کے محل میں پہنچا تو دیکھا کہ آسمانی خدا تو بہت بڑا ہے بہت بڑا اتنا بڑا کہ اینانسی اس کے سامنے بالشتیہ لگتا تھا۔ آسمانی خدا نے اینانسی کو دیکھا اور اس سے پوچھا: "تمھیں کیا چاہیے جال بننے والے چھوٹے آدمی"۔

اینانسی نے آسمانی خدا کی طرف گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اور اس سے کہا "اے آسمانی خدا تو بہت بڑا ہے اور بہت رحم والا ہے، میں جانتا ہوں کہ تیرے پاس بہت سی کہانیاں ہیں۔ اے آسمانی خدا مہربانی کر کے ان میں سے کچھ کہانیاں مجھے زمین کے بچوں کے

لیے دے دے اور مجھے بتا کہ میں اس کے بدلے میں
تیری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" آسمانی خدا چھوٹے
اینانسی کے اوپر بہت زور سے ہنسا اتنے زور سے کہ
چھوٹا اینانسی ڈر گیا۔ "جال بننے والے چھوٹے آدمی میں
بتاؤں گا کہ میں اپنی کہانیوں کے بدلے میں کیا
چاہتا ہوں۔" آسمانی خدا نے جواب دیا۔

"مجھے 'اوسیبوہ' نام کا چیتا چاہیے جس کے دانت
بہت تیز اور خطرناک ہیں۔ 'سو ہبوردہ' نام کی بَر
چاہیے جس کا ڈنک آگ کی طرح لگتا ہے اور 'آبوتیا'
نام کی چھوٹی سی پری چاہیے جس کو کوئی بھی آدمی
نہیں دیکھ سکتا۔ اگر تم میرے لیے یہ چیزیں لا سکتے
ہو تب میں ان کے بدلے میں زمین کے بچوں کے لیے
کچھ کہانیاں دوں گا۔"

"ہاں اے آسمانی خدا میں ویسا ہی کروں گا جو
تو نے کہا ہے" اینانسی نے جواب دیا۔

سب سے پہلے اینانسی اوسیبوہ چیتے کی تلاش
میں گھنے جنگلوں میں نکل پڑا۔ وہ چلتا رہا چلتا رہا
بہت ہی اندر گھنے جنگلوں میں۔ آخر اس نے دیکھا کہ
اوسیبوہ ایک درخت کے پاس بیٹھا ہے۔ "کیا تم
چاے کے لیے آئے ہو جال بننے والے چھوٹے آدمی"
اس کو دیکھ کر چیتے نے پوچھا۔

"ہاں اس کے بارے میں ہم بعد میں سوچیں گے
لیکن پہلے میں تمھارے ساتھ ایک کھیل کھیلنا چاہتا
ہوں۔" جال بننے والے نے کہا۔

اوسیبوہ کو کھیلنا بہت اچھا لگتا تھا اس نے فوراً
پوچھا "تم کون سا کھیل کھیلنا چاہتے ہو؟"

اینانسی نے کہا "یہ ایک ایسا کھیل ہے۔ جس میں
پہلے میں تمھارے پیر باندھوں گا اور پھر کھول دوں گا۔
اس کے بعد تم میرے پیر باندھ سکتے ہو۔"

"اس میں تو بڑا مزہ آئے گا" اوسیبوہ خوش ہو کر
بولا۔ کیوں کہ وہ چالاکی سے اینانسی کو باندھ کر اس کو
کھا جانا چاہتا تھا۔ لیکن اینانسی نے پہلے اوسیبوہ کے
پیر درخت سے باندھ دیے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔

"بہت جلدی میں تمھیں آسمانی خدا کے حضور میں لے
جاؤں گا" اینانسی نے کہا۔ "لیکن پہلے مجھے سو ہبوردہ بَر
کو تلاش کرنا ہے جس کا ڈنک آگ کی طرح لگتا ہے
اوسیبوہ کہیں بھاگ مت جانا" یہ کہہ کر اینانسی ہنستا
ہوا چل دیا۔

ایک بار پھر اینانسی چلتا رہا اور بہت جلدی
وہ ایک کیلے کے پیڑ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے سوچا
یہ پیڑ میری مدد کر سکتا ہے۔ اس نے پیڑ سے ایک
بہت بڑا پتا توڑ لیا۔ اس کے بعد وہ ایک بہت بڑا
کدو جو بہت مضبوط تھا لایا اور اس میں پانی بھر لیا۔
"اب مجھے سو ہبوردہ بر کو تلاش کرنا چاہیے" اس
نے اپنے آپ سے کہا۔ اینانسی چلتا رہا پھر ایک دم
اس نے جنگل میں ایک پیڑ پر سو ہبوردہ برّوں کا
چھتا دیکھا۔ اس نے کیلے کا پتا اپنے سر پر رکھا اور
کدو میں سے تھوڑا پانی اس پر ڈالا۔ پانی ایسا لگنے
لگا جیسے بارش ہو رہی ہو۔ باقی پانی برّوں کے چھتے پر ڈال دیا۔

"ارے ارے بارش ہو رہی ہے" اس نے چلاکر
برّوں سے کہا۔ "میرے کدو میں بارش سے بچنے کے
لیے چلی آؤ۔"

"بہت بہت شکریہ اینانسی" برّوں نے خوش
ہو کر کہا اور ایک ایک کر کے کدو میں چلی گئیں۔
اینانسی نے ایک قہقہہ لگایا اور کدو کے منہ پر ڈاٹ
لگا دی اس کے بعد وہ کدو کو بھی اس پیڑ کے پاس
رکھ آیا جہاں اوسیبوہ کو باندھا تھا۔ پھر وہی بات
اس نے برّوں سے کہی کہ بہت جلد وہ انھیں بھی
آسمانی خدا کے پاس لے چلے گا۔ لیکن پہلے اسے ابوتیا
پری کی تلاش میں جانا ہے۔

پھر بہت جلدی اینانسی نے ایک گڑیا بنائی اور
اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھما دیا۔ پھر اس نے

گڑیا کے پورے جسم پر گوند مل دیا اور پیالے میں
زمیں قند پکا کر بھر دیا۔ پھر اس نے ایک بہت لمبی بیل
لی جس کا ایک سرا گڑیا کے سر پر چپکا دیا۔ اس کے بعد
اس نے گڑیا کو ایک پیڑ کے نیچے پیڑ سے ٹیک لگا کر
بٹھا دیا اور اس کے پاس لال رنگ کے پھول بکھیر
دیے جنھیں پریاں بہت پسند کرتی ہیں اور وہیں
کھیلتی بھی ہیں۔ اینانسی نے بیل کا دوسرا سرا پکڑا اور
جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ بہت جلدی ایبوتیا پری
اس پیڑ کے پاس پہنچ گئی جہاں لال رنگ کے پھول
بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ ایک گڑیا ہاتھ
میں پیالہ لیے ہوئے بیٹھی ہے۔ وہ دیکھنے لگی کہ پیالے
میں کیا ہے۔

ایبوتیا کو پیالے میں پکے ہوئے زمیں قند
نظر آئے۔ ایبوتیا کو زمیں قند بہت اچھے لگتے تھے۔
اس کے منھ میں پانی بھر آیا۔ "اے پیاری گڑیا کیا
مہربانی کرکے مجھے تھوڑے سے زمیں قند کھانے کو
دوگی؟" ایبوتیا نے گڑیا سے کہا۔ اینانسی نے ایک دم بیل
ہلانا شروع کر دی جس سے گڑیا کا سر ہلنے لگا۔ ایسا لگتا
تھا جیسے گڑیا "ہاں" کہہ رہی ہو اور اپنا سر ہلا رہی ہو۔

پری نے تھوڑے سے زمیں قند لیے اور اس
کو کھانے لگی۔ اس کے بعد تھوڑے تھوڑے زمیں قند
کھاتی رہی اس طرح پری نے سارے زمیں قند کھا لیے
اور گڑیا کا شکریہ ادا کیا لیکن گڑیا نے کوئی جواب نہیں
دیا۔ "شکریہ" ایبوتیا نے دوبارہ کہا۔ اس بار پھر گڑیا
نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اب تو ایبوتیا کو غصہ آنے لگا۔
"مجھ سے بات کرو" اس نے غصے سے کہا لیکن گڑیا کچھ نہیں
بولی۔ "مجھ سے بات کرو، مجھ سے بات کرو، مجھ سے بات
کرو، نہیں تو میں ایک تھپڑ رسید کر دوں گی۔" ایبوتیا
چیخ کر بولی۔ لیکن گڑیا کچھ نہیں بولی۔

آخر کار ایبوتیا نے غصہ میں گڑیا کے ایک تھپڑ
رسید کر دیا اور جانتے ہیں اس کے بعد کیا ہوا۔ پری
کا ہاتھ گڑیا کے گال پر گوند سے چپک گیا۔ اب تو ایبوتیا
کو اور زیادہ غصہ آیا اس نے کہا "دیکھو میرا ہاتھ چھوڑ
دو نہیں تو میں اپنے دوسرے ہاتھ سے تماچا ماروں گی۔"
لیکن گڑیا نے ہاتھ نہیں چھوڑا اس لیے ایبوتیا نے اپنے
دوسرے ہاتھ سے پھر ایک تماچا مارا اور نتیجے میں اس کا
دوسرا ہاتھ بھی گڑیا کے دوسرے گال سے چپک گیا۔ اب
تو ایبوتیا کا پارہ بہت زیادہ چڑھ گیا اور اسی غصے
میں وہ گڑیا کو اپنے پیروں سے مارنے لگی اور اپنے
دونوں پیر بھی گڑیا سے چپکا بیٹھی۔ ایبوتیا پری بڑی
مضحکہ خیز لگ رہی تھی کیوں کہ اس کے دونوں ہاتھ اور
پیر گڑیا سے چپکے ہوئے تھے۔

اب اینانسی نے جھاڑی میں سے جھانک کر دیکھا کہ
ایبوتیا گڑیا سے چپکی ہوئی ہے۔ اینانسی کو ایبوتیا پر بڑی
ہنسی آئی۔ اینانسی ایبوتیا کو بھی اس پیڑ کے پاس لے
گیا جہاں اس نے اوسیبوہ اور بِرّوں سے بھرے کدّو
کو پیڑ سے باندھ رکھا تھا۔ پھر اس نے ایک اور جال
بنا جو اوپر بہت اوپر خدا کے محل تک آسمان میں چلا گیا تھا۔
اینانسی نے اوسیبوہ چیتے، موہوروہ بِرّوں سے بھرے
کدّو اور ایبوتیا پری کو جال کے ذریعے اوپر آسمان پر
کھینچا اور ان کو خدا کے حضور پیش کر دیا۔

"اے آسمانی خدا یہ ہیں وہ چیزیں جو تو نے
مانگی تھیں۔ یہ اوسیبوہ چیتا ہے جس کے دانت بہت
تیز اور خطرناک ہیں۔ یہ کدّو ہے ان موہوروہ بِرّوں سے
بھرا ہوا جن کے ڈنک آگ کی طرح ہیں اور یہ ایبوتیا
پری ہے جس کو آدمی نہیں دیکھ سکتا۔" اینانسی نے سب
چیزیں خدا کو دکھاتے ہوئے کہا: "اے خدا کیا تو مجھے
زمین کے بچوں کے لیے کہانیاں دے گا؟"

آسمانی خدا نے سب چیزوں کو مسکراتے ہوئے
دیکھا پھر جال بننے والے چھوٹے اینانسی کو دیکھا
اور کہا "ہاں جال بننے والے چھوٹے اینانسی تم نے
مجھے وہ سب چیزیں دے دیں جو میں نے تم سے

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

مولوی صاحب: دُعا میں شریک کیوں نہیں ہوتے۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ ہم سب تندرست اور صحت مند رہیں۔

لڑکا: جناب میں بھی سب کی صحت مندی کے لیے دُعا کروں گا تو ابّو اور امّی ڈاکٹر ہیں وہ کیا کریں گے۔

مریض: ڈاکٹر صاحب علاج کروانے کے پچاس ہزار روپے اتنی رقم میں تو ایک کار خریدی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر: مسٹر یہی تو خریدنی ہے مجھے۔

جیلر: مبارک ہو کل تمھیں رہائی ملنے والی ہے۔ لیکن یہ بتاؤ تم جیل سے نکلنے کے بعد پہلا کام کیا کروگے۔

قیدی: ٹارچ خریدوں گا کیوں کہ پچھلی مرتبہ اندھیرے میں بجلی کے بجائے خطرے کا الارم کا سوئچ آن کر دیا۔

ماسٹر (لڑکے سے) کیوں بے تو کہاں رہتا ہے۔

لڑکا: سر، گھونسلے میں۔

ماسٹر صاحب: ارے بھئی کھیل کے دوران کہاں جا رہے ہو

لڑکا: ابّی نے میچ جیتنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے لیے کہا تھا لیکن وہ چوٹی دینا بھول گئی ہیں وہی لینے جا رہا ہوں۔

باپ: بٹیا لو ایک روپیا لیکن یہ بتاؤ اگر ایک لاکھ کی لاٹری تمھارے نام نکلے گی تو تم سب سے پہلے کیا کروگے۔

لڑکا: پتاجی آپ کا یہ ایک روپیا واپس کر دوں گا۔

ایک صاحب کا جوتا تنگ تھا۔ چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ کسی نے پوچھا "یہ جوتا کہاں سے لیا ہے"؟ چلے بھنے تو بیٹھے ہی۔ بولے "درخت سے توڑا ہے"۔

دوسرا بولا: "بڑی جلدی کی آپ نے، ایک ہفتہ ٹھہر جاتے تو جوتا پورے ناپ کا ہو جاتا"۔

ایک آدمی (درزی سے) پتلون سینے کے کتنے پیسے لیتے ہو۔

درزی: پچاس روپے۔

آدمی: اور میری نیکر کے۔

درزی: دس روپے۔

آدمی: اچھا تو میری لمبی نیکر سی دو۔

بٹیا: (باپ سے) ابّا جان آج میں اسکول نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے چھٹی کی درخواست لکھ دیں۔

باپ: وہ کیوں؟

بٹیا: رات کی بارش سے سڑکوں پر بہت کیچڑ ہے۔

باپ: لیکن درخواست دینے کون جائے گا۔

بٹیا: وہ تو میں خشک خشک راستہ دیکھ کر اسکول دے آؤں گا۔

شرارت کا بدلہ

اشفاق احمد

شکیل چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا اس کے والد ایک فیکٹری کے مینجر تھے. شکیل چونکہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے وہ بڑے لاڈ و پیار میں پل رہا تھا. اس کی ہر خواہش پوری ہوتی تھی وہ اسکول میں طرح طرح کے کپڑے پہن کر آتا روزانہ مٹھائیاں لاتا اس لیے اس کے دوست بھی اسے بہت چاہتے تھے. وہ پڑھنے لکھنے میں ہوشیار اور ذہین تو نہ تھا لیکن ہر کسی سے شرارت کرنے میں سب سے آگے تھا۔ ایک دن کی بات ہے ایک لڑکا ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس داخلے کی غرض سے آیا اس کا نام یوسف تھا وہ عمر میں کافی بڑا تھا لیکن اس کے دونوں پیر کسی حادثے میں جا چکے تھے۔ وہ بیساکھی کے سہارے چلتا تھا ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس کی خواہش اور لگن دیکھ کر اسے چوتھی جماعت میں داخلہ دے دیا۔ یوسف روزانہ اسکول آنے لگا وہ بہت خوش تھا کہ اسے چوتھی جماعت میں داخلہ مل گیا ہے اور اب وہ ضرور پڑھ لکھ کر اپنے بوڑھے ماں باپ کا سہارا بنے گا لیکن ابھی چار روز بھی نہیں ہوئے تھے کہ شکیل نے اس سے شرارت

سوت عمرانی کمار سٹر تاج آباد، ناگپور

کرنا شروع کر دی۔ اس کے دوست بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ ایک دن یوسف نے شکیل کو اپنے پاس بلایا اور کہا شکیل تم مجھ سے شرارتیں نہ کیا کرو. مجھ معذور اور اپاہج سے تمھیں شرارتیں کر کے کیا ملے گا. میں تم سے شرارت تو نہیں کرتا میں بہت غریب ہوں مجھے پڑھنے دو۔

شکیل پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا جب یوسف بہت زیادہ پریشان ہوا تو اس نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے شکیل کی شکایت کی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے شکیل کو بلا کر ڈانٹا۔ اور تاکید کی کہ آیندہ وہ شرارت نہ کرے۔ یوسف نے خاموشی سے سنا اور باہر چلا گیا۔ اسے بہت غصہ آ رہا تھا کیوں کہ اسے ہیڈ ماسٹر صاحب نے شکیل کے سامنے ڈانٹا تھا۔ چھٹی ہونے کے بعد شکیل نے یوسف کو پہلے کی بہ نسبت زیادہ پریشان کیا وہ روزانہ دوستوں کو مٹھائیاں کھلا کر یوسف کو ستانے کے پروگرام بناتا۔ وہ بہت دنوں تک برابر اسکول آتا رہا اور شکیل کی نت نئی شرارتیں برداشت کرتا رہا لیکن ایک دن جب وہ نہیں آیا تو شکیل دوستوں سے پوچھنے لگا۔ ابھی وہ دوستوں سے اس کے متعلق پوچھ ہی

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

نجمہ یوسف

اپریل فول

عاقل جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے بال سنوار رہا تھا کہ حمید کمرے میں داخل ہوا۔ "عاقل جلدی کرو۔ ہمیں اجمل کے گھر آٹھ بجے پہنچنا ہے اور اب ساڑھے سات بج رہے ہیں۔" حمید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو۔" عاقل کنگھا رکھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ "نعیم اور خلیل بھی آ گئے یا نہیں؟"

"آ گئے۔" حمید نے جواب دیا۔ "باہر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے کہا اور عاقل کے ساتھ باہر آ گیا۔ نعیم اور خلیل وہاں منتظر تھے۔

چاروں دوست اجمل کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے پندرہ منٹ کے بعد ہی وہ اجمل کے گھر پہنچ گئے۔

"بڑا سناٹا ہے۔" دروازے پر دستک دیتے ہوئے حمید نے دوستوں سے کہا۔

"وہ تو ہوگا ہی۔ اجمل تنہا ہی تو ہے۔ اس کے والدین شادی میں گئے ہوئے ہیں۔" خلیل نے کہا۔ "پھر بھی ملازمین وغیرہ تو ہوں گے۔ خود اجمل ہوگا مگر کوئی آواز نہیں۔" نعیم کو حیرت تھی۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور اجمل کے ملازم مجّو کی صورت نظر آئی۔

"آئیے — آئیے صاحب۔" مجّو نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔

"اجمل کہاں ہے؟" عاقل نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ بازار گئے ہیں — ابھی آتے ہیں آئیے آپ بیٹھیے۔" مجّو اطلاع دیتے ہوئے انھیں ڈرائنگ روم میں لے گیا اور انھیں بٹھا کر باہر آ گیا۔ وہ چاروں اجمل کی غیر موجودگی پر اظہارِ خیال کرنے لگے۔

"اجمل دعوت کر کے غائب ہو گیا۔ اسے گھر پر رہنا چاہیے تھا۔" حمید کے لہجے میں معمول سے غصّے کی جھلک تھی۔

"ہو سکتا ہے دعوت کا سامان لینے گیا ہو۔" عاقل نے اظہارِ خیال کیا۔

"صبح سے لانا چاہیے تھا۔" خلیل بھی بولا۔ "یہ دعوت بھی عجیب ہے۔ مہمان حاضر میزبان غائب۔" اس کی بات پر وہ سب ہنس دیے۔

اسی وقت برابر کے کمرے سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی وزنی اور بہت بڑی چیز فرش پر گری ہو۔ چاروں چونک پڑے۔ گھبرا کر اس دیوار کی طرف دیکھا جس کے دوسری طرف کمرہ تھا — اب وہاں سناٹا تھا۔ وہ اس آہٹ کو اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد ہی کمرے سے پھر توڑ پھوڑ کی آوازیں آنے لگیں سب گھبرا گئے۔ خلیل و حمید کے چہرے زیادہ ہی خوفزدہ نظر آنے لگے۔

"پورے گھر میں سناٹا پڑا ہے۔ اجمل غائب ہے اور

مجّو بھی نہ جانے کہاں چلا گیا۔" حمید نے خوف زدہ آواز میں کہا۔" مجھے تو ڈر محسوس ہو رہا ہے۔ دوسرے کمرے میں بھوتوں کا راج لگتا ہے۔" حمید کی بات پر عاقل و نعیم ہنس دیے۔ مگر خلیل کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا۔

"تم ہنس رہے ہو؟" خلیل نے سہم کر ٹوکا۔

"تم بھوت سے ڈرتے ہو؟" عاقل نے قہقہہ لگایا۔

"ٹھہرو ـــ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں۔" نعیم اٹھا۔

"تنہا مت جانا نعیم۔" خلیل نے روکا مگر وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ باہر سناٹا تھا۔ مجّو کا بھی پتا نہ تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا برابر کے کمرے میں گیا۔ وہاں پلنگ وغیرہ تھے اور کمرہ خالی تھا۔ نعیم کو حیرت ہوئی کہ جب کمرے میں کوئی بھی موجود نہیں تو آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟ وہ سوچتا ہوا باہر آیا۔ مجّو کو تلاش کیا مگر وہ بھی نہ ملا۔ وہ حیرت زدہ سا واپس اپنے دوستوں کے پاس لوٹ آیا۔

"اب تو مجھے بھی خوف محسوس ہو رہا ہے کیونکہ کمرے میں کوئی نہیں ہے اور مجّو بھی لاپتا ہے۔" اس کی آواز بھی کانپ گئی۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے آنے سے پہلے ہی بھوتوں نے اجمل کو غائب کر دیا ہو اور اب مجّو کو بھی۔" حمید کانپ رہا تھا۔

"ارے یار تم سب بزدل ہو۔" عاقل نے مذاق اڑایا۔

"بھوت جن سب وہم کی باتیں ہیں۔"

"ابھی تمھارے سامنے آ جائیں تو تم بھاگتے نظر آؤ گے۔" خلیل نے غصے سے کہا۔

"آ جائے کوئی دیکھ لینا کیا اٹھا کے پٹختا ہوں۔" عاقل پھر ہنسا۔

"اچھا تم ہنسو مت۔" نعیم گھگھیایا۔" کہیں ایسا نہ ہو کہ بھوت کو غصہ آ جائے اور وہ ہم سب کو آ کر دبوچ لے۔"

عین اسی وقت کمرے سے پھر ڈراونے قہقہے کی آواز آئی۔ نعیم کانپنے لگا۔ حمید اور خلیل کی حالت پہلے ہی ابتر تھی۔ اب عاقل کو بھی تھوڑی سی فکر ہوئی۔ دل میں بھی ڈر پیدا ہوا مگر چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا۔

"میرا خیال ہے بھاگ لینا چاہیے۔" حمید نے رائے دی۔

"دعوت کھائے بغیر۔" عاقل کو دعوت کا بھی لالچ تھا۔ طرح طرح کے کھانے، مٹھائیاں، پھل اور کافی یاد آتے ہی اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"تمھیں دعوت یاد آ رہی ہے ـــ یہاں جان پر بن رہی ہے۔" خلیل جھنجھلایا۔

اسی وقت کمرے میں لگا بلب بجھ گیا اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ ان سب کی خوفناک چیخیں نکل گئیں۔ جس میں عاقل کی بھی ڈراونی چیخ شامل تھی۔ چاروں اٹھ کر بے اختیار دروازے کی طرف بھاگے۔ عاقل سب سے آگے تھا۔ وہ دروازے کے قریب پہنچا کہ اسی وقت دروازے کے پٹ زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گئے۔ عاقل لڑکھڑا کر گر پڑا۔ بقیہ تینوں اس کے پیچھے ہی تھے۔ اس کے گرتے ہی اس پر ڈھیر ہو گئے۔ چاروں بری طرح کانپ رہے تھے۔

"ہا ـــ ہا ـــ ہا ـــ بھاگو گے کہاں؟" خوفناک قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔ ان چاروں کے پسینے چھوٹ گئے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ عاقل تمام دعوے بھول کر لرز رہا تھا۔ گھپ اندھیرے میں بھی انھیں لاتعداد ڈراونی صورتوں کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"بھ ـــ بھ ـــ بھوت۔" خوف و دہشت سے حمید کی آواز کانپ گئی۔

"کون ہو تم لوگ؟" عاقل نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"ہمیں نہیں جانتے؟" خوفناک آواز ابھری۔" یہ ہمارا گھر ہے۔ تم نے ہمارے گھر میں آنے کی جرأت کیسے کی؟"

"آ ـــ آ ـــ آپ کا گھر؟" نعیم ہکلایا۔" مم ـــ مم ـــ مگر یہ تو اجمل کا گھر ہے۔"

"خاموش،" شیر کی طرح دہاڑ کر نعیم عاقل کے پیچھے چھپ گیا۔

"خدا کے لیے ہمیں معاف کر دیجیے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ آپ کا گھر ہے۔" حمید نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔

"معاف" ہیبت ناک قہقہے نے ان کے رہے سہے حواس بھی چھین لیے۔ "ہم کسی کو معاف نہیں کرتے۔"

"پھپھ —— پھپھ —— پھر آپ کیا کریں گے؟" خلیل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہم تم سب کو بھون کر کھائیں گے۔" سب سے بڑے بھوت نے کہا جو غالباً سب کا سردار تھا پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف گھوم کر بولا۔

"جلدی آگ دہکاؤ۔ آج بہت شاندار دعوت ہوگی۔"

"ابھی لایا۔" ایک بھوت باہر نکل گیا۔ چاروں دوستوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے موت ناچتی نظر آرہی تھی۔

"خدا کے واسطے ہم پر رحم کرو —— ہم ابھی یہ مکان خالی کر دیتے ہیں —— بس ہمیں اس بار معاف کر دو۔" عاقل سردار بھوت کے قدموں میں گر پڑا۔

"معافی کے لیے دو شرطیں ہیں۔" سردار بھوت نے کرخت لہجے میں کہا۔

"ہم فوراً مانیں گے۔" نعیم نے بھی ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"پہلی شرط یہ کہ تم چاروں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگو۔" سردار بھوت نے شرط بتائی۔ اس کی سرخ آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ سرخ زبان منہ سے باہر نکل رہی تھی۔ نعیم اور حمید تو پہلے ہی ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ اب عاقل اور خلیل نے بھی فوراً ہاتھ جوڑے۔ ان کا پورا چہرہ پسینے میں تر تھا۔ سانسیں پھول رہی تھیں۔ سردار بھوت نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور بولا۔

"اب دوسری شرط سنو۔ ہمارے سامنے ناک رگڑو اور بھاگ لو۔" دوسری شرط سن کر ان چاروں کو ہچکچاہٹ سی ہوئی۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"آگے آؤ۔" سردار بھوت دہاڑا۔ خلیل نے یک دم ہی اس کے سامنے جا کر ناک رگڑ ڈالی۔ فوراً ہی عاقل، نعیم اور حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ کمرہ خوفناک قہقہوں سے گونج اٹھا۔ وہ چاروں بے تحاشا وہاں سے بھاگے۔ گرتے پڑتے وہ سڑک پر پہنچے اور بغیر ایک دوسرے کی طرف دیکھے سرپٹ دوڑ گئے۔

اگلے دن اسکول میں ان چاروں نے اجمل کو پکڑ لیا۔ اجمل نے خوب قہقہے لگائے اور جماعت کے تمام ساتھیوں کے سامنے ان کا مذاق اڑایا۔

"تم ہنس رہے ہو —— یہ بتاؤ کل کہاں تھے؟" عاقل کو سب سے زیادہ غصہ تھا۔

"کل؟ —— میں گھر پر۔" اجمل شوخی سے ہنسا۔

"کیا مطلب؟" نعیم نے حیرت سے کہا۔

"کل عاقل کی بہادری دیکھ لی۔" اجمل ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسا۔

"مم —— مم —— مگر تمھیں کیسے معلوم؟ —— تم تو وہاں نہ تھے۔" خلیل بھی متعجب تھا۔

"وہ بھوت اور کون تھا؟" اجمل کی ہنسی نہ رک رہی تھی۔

"کک —— کک —— کیا تم تھے؟" حمید بھی متحیر تھا۔

"جی ہاں۔" اجمل نے جھک کر چڑانے کے انداز میں سلام کیا۔ "وہ ہم تھے۔ اول تو عاقل کی بہادری کا امتحان لینا تھا۔ دیکھنا تھا کہ کس طرح یہ بھوتوں کو اٹھا کے پٹختے ہیں؟ —— دوسرے یاد کرو کل کیا تاریخ تھی؟"

"کل۔" خلیل نے سوچا۔ "اوہ —— کل یکم اپریل تھی۔"

تمام ساتھی ہنس دیے۔ اجمل کا قہقہہ سب سے بلند تھا۔

"اپریل فول بنایا —— اپریل فول بنایا۔" شریر اجمل نے باقاعدہ ناچنا شروع کر دیا۔ "مگر تم نے یہ سب کیا کس طرح؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔ "بجلی بند کی۔ دروازہ بند کیا۔ آخر کس طرح؟"

"بجلی بند کرنا کیا مشکل کام تھا۔ میں نے لائن بند کر دی تھی اور جب اندھیرا ہو گیا ہم اطمینان سے کمرے میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر دیا۔" اجمل نے ہنس کر بتایا۔

"بھوت تو بہت تعداد میں تھے۔ تم نے تنہا کیسے یہ کام کیا؟" خلیل کو بھی حیرت تھی۔

"میرے ساتھ مجو تھا۔ صرف ہم دو تھے مگر خوف و دہشت سے تمھیں کئی نظر آ رہے تھے۔" اجمل پھر شرارت سے ہنسا۔

"تمھاری آنکھیں انگارے جیسی تھیں اور زبان بھی یہ لمبی۔" نعیم کی آواز اس وقت بھی خوفزدہ ہوگئی۔ "ہم نے آنکھوں پر سرخ عینک لگائی تھی جو اندھیرے میں خوب چمکی۔ زبان اپنی اصلی حالت ہی میں تھی۔ ہم نے باہر نکال لی تھی۔ اور محض وہم کے سبب وہ تمھیں لمبی معلوم ہوئیں۔" اجمل نے مسکرا کر بتایا۔

"تو تم نے ہمیں اپریل فول بنایا۔" عاقل نے غصّے سے منہ بنایا۔

"جی نہیں — دعوت کی تھی۔ مرغ کی۔" اجمل نے شریر لہجے میں کہا اور ہنستا ہوا دوڑ کر دور کھڑا ہوگیا۔ "بے چارے مرغ، مٹھائی، پھل اور کافی چھوڑ چھاڑ کیسے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ہاتھ جوڑے۔ ناک رگڑی۔ واہ — واہ" اجمل نے شوخ قہقہے لگا لگا کر انھیں چڑایا۔ "آہا بڑا مزہ آیا۔ اپریل فول بنایا —— اپریل فول بنایا۔" اجمل نے پھر ناچنا شروع کر دیا۔

"ہم بھی آیندہ سال بدلہ لیں گے۔" انھوں نے کھسیانے انداز میں کہا۔ اجمل کے قہقہے بلند سے بلند اور شوخ سے شوخ ہو گئے۔

(بقیہ صفحہ ۲۴)

رہا تھا کہ ایک لڑکے نے یوسف کی چٹھی لاکر دی۔ شکیل چٹھی کھول کر پڑھنے لگا۔

میرے پیارے دوست شکیل!

میں نے تمھیں کئی بار سمجھایا کہ میں اپنے والدین کا واحد سہارا ہوں۔ ہم لوگ بہت غریب ہیں میری خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ لوں تو میں کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں نوکری ملنے کی آس رکھ سکتا ہوں اور اپنے بوڑھے ماں باپ کا سہارا بن سکتا ہوں لیکن دوست تم نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی خیر اس میں میرا قصور ہے کہ میں معذور ہوں، غریب ہوں میں نے اب تک تمھاری شرارتیں برداشت کیں لیکن اب میں برداشت نہ کرسکوں گا۔ اس لیے اسکول چھوڑ رہا ہوں۔

تمھارا اپاہج دوست
یوسف

شکیل پڑھتا جا رہا تھا اور اپنے آنسو پونچھتا جا رہا تھا جب وہ پڑھ چکا تو اس نے چٹھی جیب میں رکھی اور اس کی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔ لیکن اس نے اسے جھونپڑی میں بھی نہ پایا پھر وہ دوڑتا ہوا بڑے چوراہے کی طرف لپکا ہی تھا کہ اس نے دیکھا کہ یوسف اُس پار کھڑا ہے وہ اور تیز دوڑنے لگا۔ اس کی نگاہیں یوسف پر جمی تھیں۔ اچانک ایک ٹرک سے شکیل ٹکرا گیا۔

ادھر یوسف کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ جلد جلدی بیساکھی ٹیکتا ہوا اس کے قریب آیا اس سے پہلے وہاں کچھ لوگ جمع ہو چکے تھے۔

اسپتال پہنچایا گیا تین گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے ماں باپ اور یوسف کو پلنگ کے سامنے کھڑا پایا یوسف کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور وہ یوسف سے معافی مانگنے کے لیے اٹھنے لگا۔ لیکن اچانک اسے اپنے پاؤں پر پلاسٹر چڑھے ہونے کا احساس ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے محسوس کیا کہ ایسی شرارتیں ہرگز نہیں کرنی چاہئیں جس سے کسی کا دل دکھے۔

ادھر ادھر سے

ہوابازی باعثِ مسرت تھی راجیو گاندھی کا اظہارِ خیال

نئی دہلی۔ ۲۸ جون (یو ان آئی) مصری ٹیلی ویژن اور عربی روزنامہ "الاخبار" کو دیے گئے ایک انٹرویو کے دوران جب وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی سے سوال کیا گیا کہ آیا انھوں نے کبھی ایک سیاست داں بننے کی خواہش کی تھی تو ان کا مختصر سا جواب تھا "میں ہوا بازی کے پیشہ سے بہت خوش تھا"۔

دہلی کا ہونہار طالب علم

دہلی۔ ۳۱ مئی۔ اس سال اینگلو عربک سینئر سکنڈری اسکول، اجمیری گیٹ کا طالب علم مسٹر فرید الحق وارثی نے بارہویں جماعت کے امتحان میں اردو میں ۸۰ فیصد نمبر حاصل کر کے دہلی میں سرِفہرست رہا۔

شفیق میموریل اسکول کا شاندار نتیجہ

نئی دہلی، ۲۸ جون۔ اس سال شفیق میموریل سینئر سکنڈری اسکول کی ۱۲ویں کلاس کا شاندار رزلٹ رہا۔ اسکول کے پرنسپل مسٹر عادل کے ایک بیان کے مطابق اس سال یہ نتیجہ ۹۰ فیصد رہا جس میں ۸ طلبا کی فرسٹ کلاس اور باقی سب کی سکنڈ ڈویژن آئی۔ اس کے علاوہ ۷ اطلبا کی کمرشیل آرٹ میں اور ایک طالب علم محمد فہیم کی اکاؤنٹنسی میں ڈسٹنکشن آئی۔

فاروق ہائی اسکول میں مہاراشٹر ڈے جشن سیمیں

بمبئی۔ فاروق ستار عمر بھائی ہائی اسکول جوگیشوری میں مہاراشٹر ڈے جشن سیمیں بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلامِ پاک سے ہوا۔ طلبہ نے گیت منچ پروگرام میں مختلف زبانوں میں قومی یکجہتی کے گیت پیش کیے۔

اس جشن کے صدر پرنسپل ابراہیم خاں طالب نے اساتذہ اور طلبہ کو جشن کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی۔ اس پروگرام کی ترتیب و تنزئین میں تمام اسٹاف اور ممبران اور خاص طور سے فزیکل انسٹرکٹر کین محمد حسین صاحب، انچارج شیخ نعیم صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مہاراشٹر کے نئے وزیراعلا ابھی تک ناگپور یونیورسٹی کے طالب علم

ناگپور ۲۸ جون (یو ان) مہاراشٹر کے نئے وزیراعلا مسٹر سیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر ابھی تک ناگپور یونیورسٹی کے طالب علم ہیں۔ وہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر پی۔ ایل جوشی کی نگرانی میں پولیٹکل سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یونیورسٹی ذرائع کے مطابق "مراٹھواڑہ خطہ میں سیاسی بالغ النظری کا احساس اور تبدیلی کی گنجائش" ان کے مقالے کا موضوع ہے۔

کائنات کی تخلیق کیسے ہوئی؟

خلائی مشن سے شہادت فراہم کرے گا

نئی دہلی ۲۸ جون۔ آیندہ ۱۲ جولائی سے شروع ہونے والے ایک خلائی تجرباتی مشن کی معلومات سے توقع ہے کہ کائنات کی ابتدا کے بارے میں تازہ شہادت مل سکے گی۔ سپیس لیب ۲ مشن امریکی اور برطانی سائنس دانوں کی مشترکہ کاوشوں کا حاصل ہے۔ تیس کروڑ ڈالر کی لاگت سے ایک نیا تجربہ صرف ایک تھیوری کی تائید میں کیا جائے گا کہ کائنات کی تخلیق تقریباً دس ارب سال قبل ایک بڑے دھماکے کے ساتھ وجود میں آئی تھی۔ سورج کے حلقے کے اردگرد پائی جانے والی ہیلیم گیس اس بڑے دھماکے کے بعد صرف چار منٹ کے اندر پیدا ہوئی تھی۔

براہ کرم اپنے اسکول کی خبریں صاف صاف لکھ کر بھجوائیے

اگر میں اڈیٹر ہوتا:

اگر میں پیام تعلیم کا اڈیٹر ہوتا تو سب سے پہلے اس کی قیمت میں اضافہ کر کے تین روپے کر دیتا۔ اور ایک سالنامہ بھی نکالتا، سوال و جواب کا مستقل کالم بھی رکھتا۔ بچوں کی نفسیات کا بھی ایک مستقل عنوان رکھتا۔ ہر ماہ تاریخی مقام کی باتصویر سیر کراتا۔ مذہبی معلومات پر بھی ایک مستقل عنوان رکھتا۔

محمد شہاب اختر، لال بازار، جھریا۔

محترمی! تسلیم

اپریل کا "پیام تعلیم" اپنی پوری رعنائیوں اور دلفریبیوں کو لے کر جلوہ افروز ہوا۔ اس کے مضامین، کہانیاں بامزہ نواز ہوئے آپ نے جو ادبی پہیلی معما رکھا ہے وہ اچھا کالم ہے۔ ہاں ایک بات ہے جسے میں لکھنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ اس کا کوپن آپ نے آخری صفحہ پر رکھا ہے جسے کاٹنے سے رسالہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا ایک یا دو صفحہ پہلے چھاپیں۔ آپ کے ماہنامہ میں اکثر مضامین ماخوذ ہوتے ہیں۔ اگر اخذ نہ کرتے ہوئے مضمون نگاروں کو اس میں جگہ دیں تو زیادہ بہتر بات ہوگی عبدالہادی علیم

محلہ بدھی، بیوبقر، ڈاک خانہ بکوہر، ضلع بستی۔

پیام تعلیم ملا۔ اس میں، میں "جوتوں کا تماشا" پڑھ کر لطف اندوز ہوا۔ خدا کرے آپ کا یہ پیام تعلیم رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ (آمین)

محمد نسیم احمد قریشی۔ پٹنہ

قلمی دوستی

نام: محمد اظہر نعمانی عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: کہانی کی کتابیں پڑھنا، کرکٹ کھیلنا، نماز پڑھنا، پیام تعلیم کا پابندی سے مطالعہ کرنا۔
پتا: معرفت محمد اجمل صاحب، محلہ مہراج گنج، ضلع ڈاک خانہ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد (بہار)

نام: محمد مظہر نعمانی عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: وقت پر مدرسے جانا، پیام تعلیم پابندی سے پڑھنا۔
پتا: محلہ مہراج گنج، ڈاک خانہ رفیع گنج، ضلع اورنگ آباد (بہار)

نام: محمد نورالاسلام عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا۔ پابندی سے اسکول جانا۔ ہوائی جہاز چلانا، فٹ بال کھیلنا۔
پتا: معرفت حاجی ڈاکٹر محمد الاسلام، ڈاک خانہ رفیع گنج، ضلع اورنگ آباد (بہار)

نام: محمد شبیرالاسلام عمر: ۱۱ سال
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، پابندی سے نماز پڑھنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: محلہ مہراج گنج ڈاک خانہ رفیع گنج، ضلع اورنگ آباد۔

نام: محمد شہاب اختر عمر: ۱۱ سال
مشغلہ: اچھی اچھی کتابیں پڑھنا، تاریخی مقامات کی سیر کرنا، فٹ بال کھیلنا، اچھے کپڑے پہننا، اچھے کھانے کھانا۔ قلمی دوستی کرنا۔
پتا: محمد شہاب اختر، لال بازار جھریا (بہار)

نام: محمد فاروق عمر: ۱۰ سال
مشغلہ: اسکول پابندی سے جانا۔ بڑوں کا کہنا ماننا، والدین کی عزت کرنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔
پتا: کھڑکی پورہ۔ پیپل گانو، ضلع بلڈانہ

ایک پرندے کے ۹ رنگ

آسٹریلیا میں ایک خوبصورت پرندہ پایا جاتا ہے۔ جس کا نام " پتا " ہے اس کے پروں کے رنگ نیلے، سبز، نارنجی، بھورے، گلابی، سرخ، سفید، بنفشی، اور سیاہ ہوتے ہیں۔

حیرت انگیز مصوّر

ہانگ ادنان ایک چینی مصوّر ہے جس کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ زبان سے تصویریں بناتا ہے۔ یعنی وہ اپنے منہ کو ٹیوب اور زبان کو برش کی طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں رنگوں کا ذائقہ محسوس کر کے مصوری کرنے کا بڑا شوقین ہوں۔

دنیا کا طویل ترین خط

دنیا کا طویل ترین خط ایک بھائی نے اپنی بہن کو لکھا تھا جو گیارہ لاکھ تیرہ ہزار سات سو الفاظ پر مشتمل تھا۔ یہ خط جیکولین (ٹیکساس، امریکا) نے اپنی بہن مسز جین کو بھیجا تھا اس خط کو لکھنے میں آٹھ ماہ صرف ہوئے تھے۔

بولنے والی گھڑی

میونخ جرمنی کی ایک فرم نے حال ہی میں ایک ایسی گھڑی ایجاد کی ہے۔ جو وقت بول کر بتائے گی۔ پھر اس میں ٹیون بجے گی۔ پانچ منٹ کے بعد یہ وارننگ کے انداز میں "ہری اپ" کہے گی۔ اس نئی حیرت انگیز ایجاد کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ گھڑی ہر گھنٹے بعد بلند آواز سے وقت کا اعلان کرتی ہے۔

پیامی ادبی معمہ نمبر ۱۶ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱۔ اچھل، ننھا جبرو صفحہ ۱۰۔ ۲۔ صبح، اندرا گاندھی صفحہ ۵۔ ۳۔ پلنگڑی، سندر چنار، صفحہ ۱۴۔ ۴۔ ہنتہ ہاتھ، ہرنی کی چار ٹانگیں صفحہ ۱۰۔ ۵۔ ایسے، ریڈیو فیچر صفحہ ۱۲۔ ۶۔ اشارے، تحسین القرآن صفحہ ۲۳۔ ۷۔ چالیس، گاندھی بابا کی کہانی صفحہ ۴۶۔ ۸۔ فٹ۔ دنیا کے جانور صفحہ ۱۹۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۱۴ خوش نصیب

فی کس ۷/۳۰ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ عاصمہ خاتون، ہاؤس نمبر ۱۳۵، پہاڑی املی، مٹیا محل، دہلی ۶۔ ۲۔ شائستہ خلیل۔ ۳۔ عشرت خلیل۔ ۴۔ ارشد علی گوہر (پتا مذکورہ بالا) ۵۔ نور فاطمہ زہرہ، کیرف اے۔ ایم قاسمی، رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار) ۶۔ کنیز فاطمہ۔ ۷۔ غزالہ فاطمہ۔ ۸۔ سعید سلیم جاوید۔ ۹۔ مسعود سعید سلمان، (پتا مذکورہ بالا نمبر ۵) ۱۰۔ ریحانہ خاتون معرفت شمس الدین گولا پور، رفیع گنج اورنگ آباد (بہار) ۱۱۔ شبیر الاسلام معرفت ڈاکٹر ظفر الاسلام، ۱۲۔ غفران احمد معرفت محمد عباس، (پتا مذکورہ بالا نمبر ۱۰) ۱۳۔ سعید احمد رضوان، آنیکل، ضلع بنگلور۔ ۱۴۔ خلیق احمد کمرہ نمبر ۳۴۹ اے ونگ منسٹری آف لا شاستری بھون دہلی ۱۔

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب

فی کس ۵ روپے کی کتابیں دی گئیں

۱۔ محمد نثار احمد معرفت صدیقی صاحب، رفیع گنج اورنگ آباد (بہار)
۲۔ سلمہ سلطان معرفت اسد علی صاحب بی ۲۶ صفدر جنگ اینکلیو، نئی دہلی ۲۹
۳۔ عبدالمجید ابن عبدالشکور ریٹائرڈ سیل اور سیر، آنیکل بنگلور۔
۴۔ شبینہ مختار، جامع مسجد بارہ مولہ، کشمیر۔
۵۔ نوید احمد عمران، بگ ٹیانک روڈ، اولڈ پیٹ آنیکل بنگلور
۶۔ عبدالحسیب ابن عبدالغفور، بانی پور، کندادیا، وارانسی
۷۔ محمد اسعد ابن ڈاکٹر منظور راحت، ۱۰، بنگال پورہ سوناپور مسجد کی چال بھیونڈی مہاراشٹر
۸۔ دقار احمد محمد ہارون شیخ ۱۴۶ سوسوار بیٹھ محمد علی روڈ مالیگاؤں ناسک۔
۹۔ وسیم احمد۔ قاضی سرائے ۱۲ نور گلچیں مسجد نگینہ (بجنور)
۱۰۔ آمینہ اختر ۵-۴/۴۳/۲۰ سوسٹی یادلی اسٹریٹ بہادر پور حیدرآباد

عظیم رہنما

ملک میں اک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

حالی کا یہ مطلع مسز اندرا گاندھی پر صادق آتا ہے۔ واقعی مسز اندرا گاندھی، ہم سب کے لیے مثلِ چراغ تھیں۔ انھوں نے ہندستانیوں کو نئی راہ دکھائی اور مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن رہنے کی اپیل کی۔

۱۹۴۷ء میں ہمارا دیس آزاد ہوا اور پنڈت جواہر لال نہرو ملک کے پہلے وزیراعظم بنے۔ ان کی وفات کے بعد لال بہادر شاستری وزیراعظم ہوئے اور ان کے بعد ۱۹۶۶ء میں مسز اندرا گاندھی برسرِ اقتدار آئیں۔ وزیراعظم بننے کے بعد انھوں نے ملک کو اندرونی اور بیرونی خطروں سے نجات دلائی۔ اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جن کو سارا دیس رہتی دنیا تک یاد رکھے گا۔ انھوں نے بھارت کو مضبوط اور طاقتور ملک بنانے کی لگاتار کوشش کی۔ ملک میں پیداوار بڑھانے کے منصوبے بنائے، اقتصادی حالات سنبھالنے کی پوری کوشش کی، غریبی دور کرنے اور پچھڑے ہوئے لوگوں کو اوپر اٹھانے کے لیے بیس نکاتی پروگرام چلایا۔ راکیش شرما کو خلا میں بھیج کر انھوں نے ایسا کام کیا جو ابھی تک ہمارے ملک میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ انھوں نے دنیا بھر کو یہ دکھا دیا کہ ہندستان بھی خلائی پرواز میں کسی سے کم نہیں۔ انھوں نے کروڑوں روپیا خرچ کر کے ہندستان میں پہلی بار ایشین گیمس (ASIAN GAMES) کروائے اور اتنی دھوم دھام سے کہ بڑے بڑے ملک حیرت میں رہ گئے۔ یہ سب انھوں نے اپنے دیس واسیوں کا نام اونچا کرنے اور ان کی عزّت بڑھانے کے لیے کیا تھا۔

مسز اندرا گاندھی ہمیشہ یہی بات دہراتی تھیں کہ ہمیں مل جل کر رہنا چاہیے۔ اور اپنے دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ آپس کی پھوٹ سے دشمن فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس لیے وہ چاہتی تھیں کہ ہم ایکتا کی ایسی مثال قائم کریں جس کی ساری دنیا میں نظیر نہ ملے۔ انھوں نے سب مذہب کے لوگوں کو برابر سمجھا۔ جس کی مثال خود انھوں نے اپنے گھر میں قائم کی۔ وہ خود برہمن تھیں لیکن ان کی ایک بہو عیسائی اور ایک بہو سکھ ہے ان کے شوہر پارسی تھے۔ یہ بہت بڑی بات ہے پھر بھی کچھ شرارت پسند جنھیں کچھ غیر ملکوں کی شہ ملی ہوئی تھی انھوں نے مسز گاندھی کی زندگی میں پنجاب کا مسئلہ ابھار دیا۔ پوری سکھ قوم چند لوگوں کے ناجائز مطالبات کی حامی نہیں ہے۔ پنجاب کی جنتا امن سے رہنا چاہتی ہے۔

کوئی حکومت ابتری اور ظلم پھیلانے والوں کو برداشت نہیں کرسکتی۔ مسز اندرا گاندھی نے ملک کی حفاظت اور امن وسلامتی کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیا۔ ملک وقوم کی خاطر گاندھی جی کے بعد یہ دوسری شہادت ہے۔ تاریخ میں اندرا گاندھی کا نام امر رہے گا۔

نجم الصباح ۔ بجنمہ

وقت کی قدر

معرفت مکتبہ جامعہ اردو بازار، دہلی ۶

وقت بہت قیمتی چیز ہے۔ جو انسان وقت کی قدر وقیمت جان سکے، اس کی قدر کرے۔ وہ انسان زندگی میں کامیاب ہی کامیاب رہے گا۔ اور جس انسان نے وقت کی قدر وقیمت نہ جانی اس کا زندگی میں نقصان ہی نقصان ہے۔ وقت کے لیے دن رات، امیر وغریب، بادشاہ وفقیر، چھوٹا بڑا سب یکساں ہیں۔ ایک گھڑی جو گزر گئی وہ کبھی واپس نہیں آسکتی۔

جو انسان اپنے لڑکپن کو اچھی طرح سے گزارے تو اس کے مستقبل میں اسے فوائد ہی فوائد ہیں اور جو انسان اپنے لڑکپن کو سستی کاہلی میں گزاردے گا وہ پچھتانے پر مجبور ہوگا۔ وقت کسی انسان کا انتظار نہیں کرتا انسان اپنی زندگی میں روپیا پیسا سونا چاندی یہ چیزیں کبھی بھی حاصل کرسکتا ہے لیکن گزرا ہوا ایک لمحہ کبھی نہیں حاصل کرسکتا۔ ہر انسان کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ دن رات کے چوبیس گھنٹے کا ٹائم ٹیبل بنائے اور وقت مقررہ پر کام کرے کھیل کے وقت کھیلا کرے پڑھائی کے وقت پڑھائی کرے۔ ساتھیوں اور رشتہ داروں سے ملنے جلنے کا وقت بھی نکالے۔ سماجی کاموں میں حصہ لے۔ جتنے بڑے آدمی ہوئے ہیں وہ سب اپنے وقت کی قدر کرتے تھے انسان اس ٹائم ٹیبل پر چلے گا تو یقیناً وہ اپنے مستقبل میں ایک بہت بڑا آدمی بن سکے گا۔

مظفر ابراہیم السولکر
میم پالہ ۔ مانگانو رائے گڑھ

پانچ ہزار پانچ سو پندرہ

آج سے سو سال پہلے خراسان میں ملا ناصر نام کا ایک شخص رہتا تھا۔ وہ بڑا چالاک اور مکار تھا۔ اس کے پڑوس میں ایک مالدار سوداگر رہتا تھا جو بہت بھولا بھالا تھا۔

ملاّ ناصر دن میں تین بار اپنے آنگن میں نماز پڑھتا اور پڑھ چکنے کے بعد گھٹنوں کے بل بیٹھ کر خدا سے دعا مانگتا۔ "اے پروردگار تو کتنا رحم دل ہے۔ میرے لیے بھی بھیج پانچ ہزار پانچ سو پندرہ"۔

ایک دن ایک سوداگر نے یہ سُنا تو اسے بڑا تعجب ہوا۔ دوسرے دن اس نے پھر سُنا کہ ملاّ ناصر کہہ رہا تھا "اے پروردگار تو بڑا مہربان ہے۔ میرے لیے بھی بھیج پانچ ہزار پانچ سو پندرہ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر ایک بھی سکہ کم یا زیادہ ہوا تو میں تیری بھیجی ہوئی رقم لوٹا دوں گا"۔

بھولے سوداگر نے سوچا، ذرا دیکھوں تو سہی کہ پانچ ہزار پانچ سو پندرہ کا راز کیا ہے۔ سوداگر نے اتنے ہی روپے کی ایک تھیلی ملاّ ناصر کے کمرے میں پھینک دی۔

روپے ملتے ہی ملاّ نے انھیں گن کر صندوق میں رکھ لیا۔ اس کے بعد گھٹنے ٹیک کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا "اے پروردگار تو واقعی بڑا مہربان ہے۔ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں"۔

یہ بات سن کر سوداگر بہت حیران ہوا اسے کبھی امید نہیں تھی کہ ملاّ اس طرح تھیلی ہڑپ کر جائے گا۔ اس نے ناصر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر جاکر اس نے ملاّ ناصر سے کہا: "تم تو کہتے تھے کہ صرف

یا پانچ ہزار پانچ سو پندرہ سکّے لوگے نہ ایک کم نہ زیادہ۔ تھیلی میں تو پورے دس ہزار روپے تھے۔ لاؤ میری تھیلی واپس کرو۔"

یہ سن کر مُلّا ناصر نے کہا۔ "کون سی تھیلی؟"

سوداگر نے کہا "وہی جو، میں نے کھڑکی سے تمھارے کمرے میں پھینکی تھی؟"

مُلّا بولا "پیارے پڑوسی اب تم اُس تھیلی کو بھول جاؤ اس طرح کی باتیں کروگے تو لوگ کہیں گے کہ سوداگر کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ تمھیں پاگل خانے پہنچا دیں گے۔ سوداگر نے کہا "چاہے جو ہو، تم کو میرے ساتھ قاضی کے پاس چلنا ہوگا۔"

مُلّا نے جواب دیا، "چلنے میں مجھے اعتراض نہیں پر میرے کپڑے ابھی دھوبی کے یہاں سے دُھل کر نہیں آئے ہیں۔"

سوداگر نے اپنے گھر سے نئی شیروانی، نئی ٹوپی اور نیا پاجامہ لاکر اُسے دیا اور کہا "لو پہن لو اور فوراً میرے ساتھ چلو۔"

مُلّا کو لے کر سوداگر، قاضی کے یہاں پہنچا۔ اُس نے قاضی سے کہا۔ "حضور مُلّا ناصر نے میری دس ہزار روپے کی تھیلی ہڑپ کر لی ہے۔ مجھے تھیلی واپس دلائیے۔"

مُلّا نے کہا: "حضور کاروبار میں گھاٹا ہونے سے میرے اس پڑوسی کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ اس نے آج مجھے روپے گنتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا، یہ روپے میرے ہیں۔ دوسرے کی ہر ایک چیز اسے اپنی ہی معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو ابھی یہ بھی کہے گا کہ یہ ٹوپی، شیروانی اور پاجامہ جو میں نے پہن رکھا ہے۔ وہ بھی اسی کا ہے۔"

یہ بات سنتے ہی سوداگر آگ بگولا ہوگیا، اُس نے چلّا کر کہا، "ہاں" ایک بار نہیں میں پانچ ہزار پانچ سو پندرہ بار کہوں گا کہ یہ کپڑے میرے ہیں، میرے ہیں، میرے ہیں۔"

مُلّا ناصر نے جھک کر ادب کے ساتھ سلام کرتے ہوئے قاضی سے کہا: "دیکھ لیا نا حضور آپ نے! میرے اس پڑوسی کا دماغ بالکل خراب ہو چکا ہے۔"

قاضی نے فیصلہ سنا دیا "مُلّا ناصر بے گناہ ہے۔ وہ جا سکتے ہیں۔ اور سوداگر کا دماغ خراب ہوگیا ہے اسے پاگل خانے پہنچا دیا جائے۔"

"حقیقت ہے کہ ایسے پڑوسی خطرناک ہوتے ہیں۔"

نجم السحر صدیقی
کوارٹر نمبر ڈی ۳۳۔ گورنمنٹ ہاؤسنگ کالونی
گونڈا۔ یو۔ پی۔ ۲۷۱۰۰۱

بادشاہ اور چور

اگلے زمانے میں بادشاہوں کا دستور تھا کہ رات کے وقت بھیس بدل کر شہر میں گشت لگایا کرتے تھے۔ اس طرح انھیں اپنی رعایا کی اصل حالت سے بہت جلد واقفیت ہو جاتی تھی۔ ایک بادشاہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت وہ راجدھانی کے گلی کوچوں میں چکر لگا رہا تھا۔ اس موقع پر اُسے چوروں کا گروہ ملا۔ بادشاہ نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا: "اگر اجازت دو تو میں بھی تمھارے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ مجھے بھی چوری کرنے میں بڑی مہارت ہے۔" چوروں نے اسے اپنے ساتھ لینا خوشی منظور کر لیا۔ اب سب نے مل کر صلاح کی کہ اپنا سردار کسے بنائیں۔ اس پر یہ تجویز ٹھہری کہ ہر شخص اپنی اپنی قابلیت اور خصوصیت بتائے۔ پہلے چور نے کہا کہ "مجھ میں تو یہ خصوصیت ہے کہ میں کتّوں کی بولیاں خوب سمجھتا ہوں۔ جہاں کتّا بھونکا اور میں نے سمجھ لیا کہ کیا

کہتا ہے؟" دوسرے چور نے کہا: "مجھ میں یہ کمال ہے کہ کتنا ہی اونچا مکان کیوں نہ ہو۔ ایسی کمند پھینکتا ہوں کہ اول ہی دفعہ رسی پھنس جاتی ہے۔" تیسرے نے کہا "میرے ہاتھوں میں وہ قوت ہے کہ کیسی ہی مضبوط دیوار کیوں نہ ہو۔ میں اس میں نقب لگا لیتا ہوں۔" چوتھے نے کہا "مجھ میں یہ وصف ہے کہ دم بھر میں سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ کس کونے میں روپیا پیسا رکھا ہے؟" پانچویں نے کہا "مجھ میں یہ ملکہ ہے کہ جس شخص کو اندھیری رات میں ایک دفعہ دیکھ لوں۔ اسے دن میں فوراً پہچان لوں گا۔"

اب بادشاہ کی باری آئی اس نے کہا کہ میری داڑھی میں یہ وصف ہے کہ اگر کوئی سولی پر چڑھا ہوا ہو اور میں داڑھی ہلا دوں تو فوراً اسے اُتار لیا جائے گا۔ چوروں نے بادشاہ کی یہ تعریف سنی تو سب بول اٹھے کہ ہم نے تمھیں کو اپنا سردار بنایا کیونکہ اگر ہمیں پھانسی ملے گی تو تمھاری ہی داڑھی اس وقت کام آئے گی۔ بادشاہ کو سردار بنا کر سب کے سب چوری کرنے نکلے۔ شاہی محل کے نیچے پہنچ کر سب کی صلاح ہوئی کہ پہلے یہیں قسمت آزمائی کریں۔ کتا بھونکا۔ تو سب نے چور سے پوچھا۔ یہ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا یہ کہتا ہے کہ ہم میں ایک بادشاہ بھی ہے۔ اس پر سب قہقہے مار کر ہنسے۔ دوسرے چور نے کمند پھینکی پہلے ہی وار میں کمند پھنس گئی۔ سب کے سب بالا خانے کی چھت پر چڑھ گئے۔ چوتھے چور نے ادھر اُدھر سونگھنا شروع کیا۔ آخر میں جس کوٹھری میں مال دمتاع رکھا تھا۔ وہاں پہنچ کر تیسرے چور سے کہا۔ اب نقب لگاؤ۔ یہ تمھارا کام ہے۔ اس چور نے جھٹ پٹ نقب لگا دیا اور سب کے سب روپیا پیسا لے کر روانہ ہوئے۔ شہر کے باہر ایک غار تھا جہاں یہ سب چور رات کے وقت جمع ہوا کرتے تھے۔ وہاں پہنچے۔ چوری کا مال تقسیم کیا اور اپنے اپنے گھر واپس آئے۔ صبح ہوتے ہی شہر میں شور ہو گیا کہ بادشاہ کے محل میں نقب لگ گئی۔ بادشاہ نے کوتوال کو بلا کر پتا بتایا کہ فلانے غار میں رات کے وقت جاؤ اور جتنے آدمی وہاں ملیں انھیں پکڑ لاؤ۔ ان ہی لوگوں نے اسباب چرایا ہے۔ دوسرے دن صبح کو کوتوال پانچوں چوروں کو پکڑ کر قاضی کے سامنے لے گیا۔ قاضی نے پھانسی کا حکم دیا۔ جب پھانسی پر چڑھانے لگے۔ تو بادشاہ بھی آموجود ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہو کیا چاہتے ہو۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ مگر پانچواں چور سامنے آیا اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا کہ آج سے ہم چوری کا پیشہ چھوڑتے ہیں۔ اور آپ کی خدمت کو ہمیشہ کے لیے موجود! لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اپنی داڑھی ہلا دیں۔ یہ سن کر بادشاہ ہنس پڑا۔ اور اپنی داڑھی ہلا کر سب کی جان بچائی۔ رہائی پاکر ان لوگوں نے چوری کا پیشہ چھوڑ دیا۔ اور آیندہ سے بادشاہ کے وفادار ملازم بن گئے۔

عارف احمد عثمانی جامینر

آم

آم ہمارے ملک کا مشہور پھل ہے۔ اس کا درخت کافی بڑا ہوتا ہے۔ مئی، جون میں درختوں میں بور (پھول) آنے لگتے ہیں۔ اور پھر چھوٹے چھوٹے پھل لگنے لگتے ہیں۔ بور کی خوشبو سے طبیعت کو عجیب سرور حاصل ہوتا ہے کچے آم میں جب تک گٹھلی نہیں پڑتی اس کو کیری کہتے ہیں۔

آم کی عام قسمیں دو ہیں۔ ا۔ تخمی۔ ۲۔ قلمی۔

یہ بہت نازک پھل ہے اس پر کسی قسم کا دباؤ پڑنے سے اس کا ذائقہ بگڑ جاتا ہے۔ ایک ہاتھ سے آم کو نہایت نرمی سے پکڑیے اور چیپ کی گنڈی چاقو سے کاٹ کر پھینک دیجیے اب آہستہ آہستہ لمبائی

سے آم کو کاٹیے اور اس کے بعد اس کی قاشیں کیجیے۔
لیکن یہ واضح رہے کہ آم کی کاٹ اوپر سے نیچے ہو اس طرح آم کی چار قاشیں آپ کھا سکیں گے۔ آم کے بعد دودھ پینا مفید بتایا جاتا ہے۔

آم کھانے کے بعد ہضم میں مدد لینے کے لیے چند جامنیں ضرور کھانا چاہییں۔ نہار منہ آم کھانے سے پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔ آم کھانے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اپنی صحت پر دھیان رکھتے ہوئے کھانا چاہیے۔ اگر آم قلمی ہوں تو مناسب یہ ہے کہ کھانے کے بعد ۲۔۳ کھالیں۔ اور کچھ دیر بعد تھوڑا سا دودھ پی لیں۔

پکا ہوا آم خواہ وہ تخمی ہو یا قلمی بدن کو قوت دیتا ہے اور طبیعت کو فرحت بخشتا ہے خون کی افزائش اور بدن کی پرورش میں مدد دیتا ہے اگر آم متواتر کھایا جائے تو بدن طاقت ور اور تندرست ہو جاتا ہے۔

کچا آم لو سے بچاتا ہے۔ کچے آم کو نرم آگ میں بھلبھلا کر اس کے گودے میں مصری یا نمک ڈال کر پینے سے لو کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے عرق بید مشک، عرق کیوڑا ملا کر پینا زیادہ مفید ہے۔

اس کے علاوہ آم کی گٹھلی۔ بور۔ کونپل، زرد پتے۔ چھال سبھی چیزیں کام میں آتی ہیں۔ اچار، چٹنیاں اور مربا بھی بنایا جاتا ہے۔

حقیقی انصاف

عظمیٰ عارف
کدورا۔ یو۔ پی۔

ایک بادشاہ تھا۔ وہ بڑا عادل تھا۔ اُس کے انصاف کی دور دور تک دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کی رعایا کو ناز تھا کہ وہ ایسے منصف بادشاہ کے ملک میں رہتے ہیں۔ سب ہی لوگ بے خوف ہو کر ہنسی خوشی زندگی گزارتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کچھ سپاہی ایک شخص کو پکڑ کر لائے۔ بادشاہ نے اس شخص کی گرفتاری کا سبب پوچھا تو داروغہ نے بتلایا کہ "عالم پناہ! یہ شخص چور ہے ہم نے اس کو اناج چراتے ہوئے پکڑا ہے"۔ بادشاہ نے اس آدمی سے پوچھا: "کیا یہ صحیح ہے کہ تم کو اناج چراتے ہوئے پکڑا گیا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "جہاں پناہ! یہ سچ ہے کہ میں اناج چرا رہا تھا"۔ بادشاہ کو اس کی صاف گوئی پر حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا: "تم نے چوری کیوں کی؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ چوری کرنا سنگین جرم ہے اور اس کی سخت سزا دی جاتی ہے؟"

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "حضور میں سب جانتا ہوں۔ میں نے خود چوری نہیں کی؟ اس کے لیے مجھے کچھ لوگوں نے مجبور کیا"۔

بادشاہ نے اسے ڈانٹا: "صاف صاف بیان کرو ہم پورا واقعہ جاننا چاہتے ہیں۔ کون ہیں وہ لوگ؟"

وہ جان کی امان مانگ کر بولا: "عالم پناہ! میں نے کچھ لوگوں سے کام مانگا تھا۔ لیکن انھوں نے کام دینے کے بجائے مجھ کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ چونکہ میری کوئی آمدنی نہیں تھی۔ اس لیے میں بھوکوں مرنے لگا۔ جب مجھ میں بالکل ہی برداشت کی قوت نہ رہی تو میں نے چوری کرنے کی کوشش کی اور گرفتار ہوا۔ اس جرم کی جو بھی سزا ہوتی ہے میں اسے بھگتنے کو تیار ہوں۔ لیکن ایک التجا بھی کرنا چاہتا ہوں"۔

"بادشاہ نے کہا کہو کیا چاہتے ہو؟"

وہ شخص بولا: "عالم پناہ! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب میری سزا ختم ہو جائے تو مجھے کوئی کام دیا جائے تاکہ میں دوبارہ چوری نہ کروں"۔

بادشاہ نے اس شخص پر دس دینار کا جرمانہ کیا اور پھر فوراً ہی اپنی جیب سے ادا کر کے اسے رہا کر دیا۔

قبل اس کے کہ درباری امرا و وزرا کچھ سمجھ پاتے بادشاہ نے کہا۔ "اب میں دربار میں حاضر سبھی لوگوں پر پانچ پانچ دینار کا جرمانہ کرتا ہوں۔ کیوں کہ سبھی لوگ ایسے سماج میں رہنے کا جرم کر رہے ہیں جہاں ایک شخص کو کام دینے کے بجائے اسے چوری کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔"

بادشاہ کا حکم سنتے ہی وہاں موجود سب لوگوں نے پانچ پانچ دینار جمع کر دیے۔ جب پوری رقم اکٹھی ہوگئی تو بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا: "اب یہ رقم اس شخص کو دے دو تاکہ یہ کوئی روزگار کر کے اپنی زندگی گزارے اور آیندہ نہ بھوکا مرے نہ چوری کرنے پر مجبور ہو۔"

جب وہ شخص رقم لے کر بادشاہ کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا: "شاید تم یہ سوچ رہے ہوگے کہ میں نے پانچ دینار نہیں ادا کیے۔ ایسا نہیں ہے۔ چونکہ میں بادشاہ ہوں اس لیے زیادہ ذمہ داری میری ہے۔ میں نے اپنے اوپر دس دینار کا جرمانہ لگایا اور وہ رقم میں نے چور کی جانب سے شاہی خزانہ میں جمع کرادی تاکہ دوسرے تعمیری کاموں میں صرف ہو سکے۔"

تمام لوگوں نے بادشاہ کے انصاف کی داد دی اور مطمئن ہوئے کہ ان کے ساتھ کبھی بھی کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی۔

عبدالواحد شاد
حسن پورہ، کلنٹی (بردوان)

(بقیہ صفحہ ۲۰ کا)

مانگی تھیں۔ اب میں تمھیں زمین کے بچّوں کے لیے کہانیاں دوں گا جو دنیا میں جالے والی کہانیوں کے نام سے مشہور ہوں گی۔"

اینانسی وہ سب کہانیاں پاکر بہت خوش ہوا اور زمین پر نیچے اتر آیا۔ سارے زمین کے بچّوں میں کہانیاں بانٹ دیں۔ آج ساری دنیا کے بچّے کہانیاں بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ اینانسی کی کہانیاں تمام دنیا میں جالے کی کہانیوں کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ساری دنیا کے بچّے اینانسی کے کارناموں کو بڑے شوق سے سنتے ہیں اور یاد رکھتے ہیں۔

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۶؍ اگست ۱۹۸۵ء

پیامی ادبی معمّا نمبر 19

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ **دوسرا انعام:** ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1. ...... اور آنکھوں سے ـــــ بہنے لگا۔ (آنسو / پانی)
2. ـــــ کے کان بڑے اور آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ (بلی / چوہے / ہاتھی)
3. ـــــ اور تنگ دستی کے زمانے میں آدمی کو اپنے ہنر سے بہت مدد ملتی ہے (غریبی / غربت)
4. اچھا اب ـــــ آجاؤ۔ (اندر / باہر)
5. امرا کو انگریزی اور ـــــ ادب سے بہت گہرا لگاؤ تھا (روسی / فرانسیسی)
6. ہم کسی کے ـــــ سے رُکنے والے نہیں، چاہے ہماری جان چلی جائے (کہنے / روکنے)
7. اگر ـــــ اپنی کرنی پر آئے تو پہاڑ کے پہاڑ اڑا دے۔ (آندھی / طوفان / برف)
8. ..... میرے گھر میں چاروں طرف دھواں ـــــ ہے (دھواں / بھرا / گھسا)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۲ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمّے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں

پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

(اپنے حل اس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی معمّا نمبر 19 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کی
کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت: ۲/۲۵
اردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت: ۵/۰۰
گاندھی بابا کی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت: ۴/۰۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت: ۴/۰۰
کھیل سنسار
سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔
قیمت: ۴/۵۰
تین اناڑی
عصمت چغتائی
گلو، بلو اور ٹھٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی
کارناموں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان
میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۳/=
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبد الرحمن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی لیکن اب تو اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۲/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین گیسپیر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمہ
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں۔
نام
پتا

Regd with R.N.I at No 10537/64

Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage

Regd. No. D(SE)-043 JULY. 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

پیام تعلیم

پان کھاکر، طبلہ بجاکر رام ناچا
ایک مزے دار کہانی
جو خاص طور سے چھوٹے بچوں کے
لیے لکھی گئی ہے
قیمت : ۱/۵۰
پھر میں چکّوں کیا خاک
نہایت آسان زبان میں
چھوٹے بچوں کے لیے
ایک کہانی
قیمت : ۱/۵۰
تاک دِنا دِن تا کے سے
چھوٹے بچوں کے لیے
چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھی گئی
مزے دار کہانی
قیمت : ۱/۵۰
پکڑ ڈم کے ٹکو
ایک گدھے نے شیر کو بھگا دیا۔
بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ چھوٹے
بچوں کے لیے۔ قیمت ۱/۵۰
پانچ بونے
پانچ کام چور بونوں
کی کہانی چھوٹے بچوں کے
لیے۔ قیمت: ۱/۵۰
ہپتو جیتو
یہ کہانی بھی چھوٹے بچوں
کے لیے لکھی گئی ہے۔ انھیں
کی زبان میں۔ قیمت ۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی
چھوٹے بچوں کے لیے انھی
کی زبان میں ایک دلچسپ
کہانی۔ قیمت: ۲/۵۰
بچوں کے لیے عبدالواحد سندھی جامعی کی کتابیں
بی بنڈکی اور کوا
چھوٹے بچوں کے لیے
آسان زبان میں لکھی
گئی ایک دلچسپ کہانی
قیمت: ۱/۵۰
جادو کا گھر
چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان
میں لکھی گئی ایک مزے دار
کہانی۔ قیمت ۱/۵۰
چیونٹی رانی
کہانی کی کہانی اور معلومات
کی معلومات۔
قیمت ۱/۵۰
بچوں کی کہانیاں
ایک کتاب اور
کہانیاں سبھی سب
کی سب مزے دار
قیمت ۱/۵۰
مدو رانا پردیس چلے
مگر کیسے چلے؟ اور راستے میں کیا
کیا ہوا، یہ تو پڑھنے
سے ہی پتا چلے گا۔
قیمت :
۱/۵۰

ماہنامہ
پیامِ تعلیم
نئی دہلی ۲۵

اگست ۸۵ء | جلد ۲۲ | شمارہ ۸

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

قارئین کو عیدِ قرباں مبارک

یہ عیدِ قرباں ہے۔ یہ دن ہزاروں برس پہلے کی ایک عظیم قربانی یاد دلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یہ قربانی اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اسے اُمّتِ محمدیہ کے لیے بھی واجب قرار دے دیا گیا۔ قربانی آپ سب پر واجب ہے۔ قربانی کا مقصد یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا کہ صاحبِ حیثیت لوگ عیدِ قرباں کے دن ایک جانور کے گلے پر چھری پھیر دیں اور بس۔ یہ عمل یعنی قربانی ہمیں اور آپ کو عمر بھر کرنا چاہیے۔ قربانی آپ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کا کوئی ساتھی آپ سے تعلیمی مدد چاہتا ہے آپ اُس کی مدد کرتے ہیں اپنا وقت دے کر۔ یہ بھی قربانی ہے۔ یاد رکھیے، قربانی کبھی ضائع نہیں جاتی۔ آپ کو ایسے مواقع اکثر ملیں گے ان سے ضرور فائدہ اُٹھایئے۔

اس اگست کے مہینے کی پندرہ تاریخ کو ہندستان کی آزادی کی ۳۷ ویں سالگرہ پورے ملک میں بڑے جوش و خروش سے منائی جائے گی۔ حسبِ روایت اس مرتبہ وزیرِ اعظم جناب راجیو گاندھی پرچم کشائی کریں گے اور قوم سے خطاب کریں گے۔ آپ ضرور سُنیے گا۔

جوری میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق شیخ الجامعہ (مکتبہ جامعہ کے چیرمین) پروفیسر محمد مجیب، اللہ کو پیارے ہوئے اور ۲۱ جولائی ۸۵ء کو ان کی رفیقۂ حیات بیگم آصفہ مجیب نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحومہ کو پیامِ تعلیم سے خاص لگاؤ تھا اکثر آپ کے لیے لکھتی رہتی تھیں۔ اُن کی وفات سے ادارۂ پیامِ تعلیم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ مرحومہ نے بچوں کے لیے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں اور بہت سی کہانیاں بھی۔ کافی عرصے سے لکھنے کا سلسلہ بند ہو گیا تھا مگر پیامِ تعلیم میں دلچسپی برابر جاری رہی۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کے صاحبزادے محمد امین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم ان کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

		سلیمان بھیجان	۴/۰۰	جون حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
		پیارے رسول	۴/۵۰	چوری کی عادت	۲/۰۰
		اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول)	۴/۰۰	چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰	〃 〃 (دوم)	۴/۰۰	چنبیلی	۱/۲۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰	ہار کی تلاش	۴/۰۰	چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
ننھا جبرو	۲/۵۰	بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰	بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰	بندر اور نائی	۲/۵۰	دھنک (〃)	۲/۰۰
ایک شہزادہ	۴/۰۰	بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰	کھیل سنسار (〃)	۴/۵۰
ایک کھلاڑی	۳/۰۰	تاک دنادن تا کے سے	۱/۵۰	شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
بابا ناصح	۲/۰۰	پانچ بونے	۱/۵۰	سندر چنار	۱/۵۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰	پھر میں پھگوں کیا خاک	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰	پکڑو دم کٹے کو	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰	پان کھا کر طبلہ بجا کر...	۱/۵۰	میگھ نگر کا راجا	۱/۲۵
سرخ جوتے	۳/۰۰	جادو کا گھر	۱/۵۰	میر انیس	۲/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰	چیونٹی رانی	۱/۵۰	دادا نہرو	۵/۰۰
شرارت	۲/۰۰	روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰	جلو مرغابی	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰	لال مرغی	۱/۵۰	خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰	لومڑی کا گھر	۱/۵۰	دم کٹا سانپ	۱/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰	مدو دانا پردیس چلے	۱/۵۰	ریڈیو فیچر	۱/۲۵
جدید پہیلیاں	۶/۰۰	ہپو جیپو	۱/۵۰	سرکس	۱/۵۰
[illegible] اللہ اس کی بیوی	۲/۵۰	بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰	گاندھی بابا کی کہانی	۲/۰۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰	شیر خاں	۱/۵۰	ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰	لومڑی کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)	۱/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰	میاں [illegible] کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)	۱/۲۵
اس نے کیا کر دکھایا	۱/۲۰	ہرن کے بچے	۱/۵۰	سماجی زندگی (سوم)	۱/۴۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰	بہادر	۲/۵۰	کہاوت اور کہانیاں	۱/۰۰
[illegible] کا جہاز	۶/۰۰	ایک کچوری تیل میں	۱/۵۰	ہمارے محاورے	[illegible]/۵۰
[illegible]	۳/۰۰	تانبیل خاں	۱/۵۰	انوکھا عجائب خانہ (اول)	[illegible]/۵۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰	تین اناڑی	۳/۰۰	انوکھا عجائب خانہ (دوم)	[illegible]۴۰
[illegible] کا محل	۴/۰۰	پہیلیاں	۰/۸۰	انوکھا عجائب خانہ (چہارم)	[illegible]/۵۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰	جھوٹا لڑکا	۱/۵۰	ہمارا دین (تین حصے) فی حصہ	[illegible]

جاگا ہندستان

در در نے چھیڑی شہنائی
جنگل منگل کوئل گائی
پربت پربت لالی چھائی
بکھرا اجلا نور کا دھارا

جاگا ہندستان ہمارا
سب سے سندر سب سے پیارا

باتوں میں مصری کی ڈلیاں
دہکی راہیں مسکی گلیاں
ہلتی شاخیں کھلتی کلیاں
بڑھتی گرمی چڑھتا پارا

جاگا ہندستان ہمارا
سب سے سندر سب سے پیارا

چونکی دھرتی جوبن والی
اوڑھی جیون نے ہریالی
خوشبو جھولی ڈالی ڈالی
چمکا جھومر دمکا تارا

جاگا ہندستان ہمارا
سب سے سندر سب سے پیارا

بچّوں کی ممتاز ادیبہ

بیگم آصفہ مجیبؔ

جن کی لکھی ہوئی کتابیں "اُس نے کیا کرنہ جانا" "عجب اور اب" اور "خرگوش کی چال" آپ نے ضرور پڑھی ہوں گی۔ افسوس کہ ۱۲ر جولائی ۸۵ء کو ہم سے جدا ہوگئیں۔ ادارۂ پیامِ تعلیم کے لیے یہ ایک عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مصوّر: شکیل اعجاز

عید کے کچھ پکوان

نہاری کی تیاری اور اشیار

ایک کیلو نہاری کا گوشت، پاؤ چھٹانک یا چائے کے دو بڑے چمچے سونف، ایک چھٹانک میدہ یا آٹا، ادرک دو یا تین انچ کا ٹکڑا، ایک چھوٹی گنٹھی لہسن کی، پندرہ یا سولہ عدد کالی مرچ، پانچ یا چھے عدد لونگ، اور دارچینی، دو انچ کا ٹکڑا، ایک بڑی الائچی، سیاہ زیرہ اندازاً، سفید زیرہ اندازاً نمک حسب ضرورت، ہری مرچ اور ہرا دھنیا، حسب ضرورت، ایک عدد لیموں، سرخ پسی ہوئی مرچ حسب ضرورت۔

ترکیب

میدہ یا آٹا کپڑے میں چھان لیں پھر اس میں پانی ڈال کر گھول کر الگ رکھ دیں۔ سونف اور زیرہ کو توے پر ہلکا براؤن کرلیں جب براؤن ہو جائے تو اسے علاحدہ کسی برتن میں رکھ لیں اور اس میں گرم مسالا ملا کر سونف اور زیرہ کو خشک سل پر پیس لیں۔ پانی بالکل نہ لیں جب باریک ہو جائے تو اسے علاحدہ کسی برتن یا پیالے میں رکھ دیں اور پھر گوشت دھو کر دیگچی میں ڈال دیں۔ پھر حسب ضرورت پانی ڈال کر اسے چولھے پر چڑھا دیں اور ادرک لہسن پیس کر اس میں ڈال دیں۔ جب گوشت بالکل گل جائے تو اس میں دو بڑے چمچے گھی ڈال دیں ساتھ ہی مسالا بھی ڈال کر اسے خوب بھون لیں۔ اس کے بعد آدھا چمچا ہلدی بھی ملا لیں اور اچھی طرح بھن جائے تو آٹا یا میدہ جو گھلا ہوا ہے اس میں ڈال دیں اور اس کے بعد شوربے کے لیے پانی ڈال دیں۔ جب آٹا یا میدہ ڈالنے کے بعد ابال آجائے تو دھیمی آنچ کر دیں اور پیاز باریک باریک کاٹ کر فرائی پین میں گھی ڈال کر براؤن کرلیں اور نہاری میں ڈال دیں لیجیے لذیز نہاری تیار ہے۔ نہاری کو مزید لذیز بنانے کے لیے علاحدہ پلیٹ میں ہری مرچ اور ہرا دھنیا کاٹ کر رکھ لیں اور پیاز بھی براؤن کر کے

میں ڈال کر کھائیں اور ذرا سا لیموں چھڑک
کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

مٹن پائی

مٹن پائی میں مختلف سبزیاں استعمال کی جاتی
گاجر اور مٹر کی فصل ہے ہم نے مٹن پائی میں
آلو ڈالے ہیں آپ کو جو سبزیاں پسند ہیں
مٹن پائی میں ڈال سکتی ہیں۔

اشیاء

گوشت آدھ سیر بکرے کا بغیر ہڈی کا۔ آلو تین پاؤ،
پاؤ، مٹر ایک پاؤ، ہری مرچ دو عدد، میدہ
تین چمچے، مکھن دو اونس، کالی مرچ پسی
ڈیڑھ چائے کا چمچہ، نمک دو چائے کے چمچے،
ایک چائے کا چمچہ، دودھ ایک پیالی۔ انڈا ایک عدد

ترکیب

گوشت ابال لیں تاکہ گل جائے۔ ابلے ہوئے
کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ آلو ابال کر
انڈا پھینٹ لیں۔ اب آلو میں پھینٹے ہوئے
آدھا چمچہ کالی مرچ ملالیں۔ گاجریں کھرچ
کے چوکور ٹکڑے کرلیں، مٹر چھیل لیں گاجر
ابال لیں کہ گل جائے۔ ہری مرچ باریک
وائٹ ساس بنانے کے لیے ایک دیگچی میں مکھن
مکھن میں میدہ، ہری مرچ، گاجر اور مٹر شامل
میں گوشت اور دودھ شامل کرکے دھیمی آنچ
تے ہوئے چمچہ مسلسل چلائیں، شکر نمک اور
کالی مرچ گوشت میں ڈال کر چوڑا بند
ساس تیار ہے۔ ایک ڈش لیں ڈش کے
پسے ہوئے آلوؤں کی موٹی تہہ بچھائیں
درمیان آلوؤں کی پتلی تہہ بچھائیں آلوؤں کے
وائٹ ساس ڈالیں اور ڈش کو تقریباً
پندرہ منٹ تک دھیمی آنچ پر رکھیں۔ لیجیے
مٹن پائی تیار ہے۔

چٹ پٹی سلاد

عموماً خواتین سلاد بناتے وقت یا تو سب چیزیں
کاٹ کر پیالے میں رکھ لیتی ہیں یا سلاد کے پتوں اور
مختلف رنگ کی سبزیوں کو پلیٹ میں سجا کر پیش کرتی ہیں
ہم آپ کو سلاد بنانے کا ایک منفرد طریقہ بتاتے ہیں۔

اشیاء

آلو ایک پاؤ، گاجر دو عدد، مٹر آدھا پاؤ، چقندر ایک عدد
لیموں کا رس کھانے کے دو چمچے، نمک حسب خواہش،
کالی مرچ پسی ہوئی چائے کا آدھا چمچہ، ہری مرچ دس
عدد پسی ہوئی۔ جیلی جمانے والا سانچہ مکھن معمولی سا۔

ترکیب

آلو، مٹر ابال کر پیس لیں الگ الگ گاجر چقندر
کدوکش کرکے ابال لیں الگ الگ جیلی جمانے والے سانچے
میں معمولی سا مکھن لگائیں پھر سانچے میں پسے ہوئے
آلو ڈال کر چمچے سے پھیلا دیں پسی ہوئی کالی مرچ میں
نمک اور لیموں کا رس ملا کر آلو کے آمیزے میں لگا دیں
جیلی کا سانچہ ریفریجریٹر میں تقریباً دو گھنٹے رکھ دیں۔
کھانا کھاتے وقت ایک ڈش میں سلاد نکال لیں رات
کے کھانے میں یہ سلاد مزا دے گا۔

چانپ

اجزاء.. بکرے کی چانپ ایک پاؤ، گھی آدھا پاؤ،
ڈبل روٹی ایک عدد، سرکہ ایک چمچہ، سرخ مرچیں چار
یا پانچ عدد، ادرک چھ ماشے، پیاز نصف چھٹانک
انڈے دو عدد، چھوٹی الائچی، جاوتری ذرا سی، نمک
حسب منشا۔

ترکیب

ڈبل روٹی کے توسٹ دھوپ میں سکھا کر باریک پیس لیں. چانپوں کو دہی میں پیٹ کر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں. تمام مسالوں کو باریک پیس لیں اور ان میں سرکہ ملائیں پھر ایک ایک چانپ کو دہی میں ڈبو کر ان پر مسالا مل دیں، ڈبل روٹی کے پیسے ہوئے توسٹ کو انڈوں میں خوب پھینٹ لیں کڑھائی میں گھی ڈال کر گرم کریں اور ایک ایک چانپ کو انڈوں میں ڈبو کر کڑھائی میں ڈال کر ہلکی آنچ پر تلیں لیجیے چانپیں تیار ہیں۔

تلی ہوئی چانپ

اجزاء۔ چانپ کا گوشت آدھا سیر، دہی ایک پاؤ، گھی ایک پاؤ، لہسن، ادرک پاؤ چھٹانک، ہرا دھنیا، ہری مرچ، کالی مرچ، پیاز ایک گٹھی، نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب

سب ہرا مسالا اور گرم مسالا پیس کر باریک کر لیں اور دہی میں ملا دیں اب اس میں چانپ ڈال کر ایک گھنٹہ تک پڑا رہنے دیں، پیاز لچھے دار کاٹ کر گھی میں سرخ کر لیں اور اس کے ساتھ ہی چانپ بھی گھی میں تل لیں پیاز سرخ ہونے پر نکال کر پیس لیں اور چانپ پر ڈال دیں گرما گرم چانپ تیار ہے۔

(بشکریہ، "جنگ" پاکستان)

ساحل ادگانوی

نیوتا

رضیہ کے گھر نیوتا ہے
دیکھو کیا کیا ہوتا ہے

کشمیری کھیر پکائے
نصرت بیٹھ کے کھائے

منّا پان لگائے گا
تنویر شوق سے کھائے گا

تو ساحل کیوں روتا ہے
تیرا بھی تو نیوتا ہے

عالم منزل، ادگانواں۔ نالندہ (بہار)

کوٹھی کار اور گھوڑ

بچو۔ ایک بہت بڑے دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر آباد تھا۔ شہر کی آبادی تھوڑی تھی لیکن سب کے سب مکان بڑے خوبصورت تھے۔ اسی آبادی کے درمیان ایک عالیشان کوٹھی بنی ہوئی تھی۔ یہ کوٹھی اس شہر کے سب سے امیر شخص کی تھی جنھیں سب لوگ شیخ رشید کہتے تھے۔ بچو! شیخ رشید کی دولت کا اندازہ لگانا مشکل تھا کیوں کہ ان کی کئی کوٹھیاں کرایے پر اٹھی ہوئی تھیں شہر میں کپڑا بنانے کے کئی کارخانوں کے وہ مالک تھے۔

شیخ رشید جس کوٹھی میں رہتے تھے یہ کئی منزلہ تھی اس کے سامنے سے دریا بہتا تھا۔ اکثر چاندنی راتوں میں جب چاند کی چاندنی دریا کے پانی پر پھیلتی تو شیخ رشید اپنی کوٹھی کی اوپری منزل پر بیٹھ کر اس سہانے منظر کو دیکھا کرتے۔ کوٹھی کے باہر ہری ہری گھاس کا بہت بڑا لان تھا جس کے چاروں طرف رنگ برنگے پھولوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔

شیخ رشید کے پاس سواری کے لیے کئی خوبصورت گاڑیاں تھیں۔ اس کے علاوہ ایک سیاہ گھوڑا گاڑی بھی تھی جس کو آٹھ بڑے سفید رنگ کے گھوڑے کھینچتے تھے اس گھوڑا گاڑی کو چلانے کے لیے دو کوچوان تھے جو سفید وردی پہن کر اس گاڑی کو چلاتے تھے۔ شیخ صاحب کے بیٹھنے کی جو جگہ تھی وہ چاروں طرف سے بند تھی۔ لیکن شیشے کی کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں جن سے دور کی چیزیں صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔ شیخ رشید اس گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر جب بھی شہر کے بھرے بازار سے گزرتے تو راستہ چلنے والے لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے، ہر شخص شیخ صاحب کو جھک کر سلام کرتا شیخ صاحب ہاتھ ہلا ہلا کر سب کو جواب دیتے۔

بچو! شیخ صاحب کو اس شہر میں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا، وہ اب بوڑھے ہو چکے تھے حالانکہ جب وہ اس شہر میں آئے تھے تو ان کی عمر صرف دس سال تھی۔ بدن پر ایک جوڑا کپڑا تھا جو وہ پہنے ہوئے تھے۔ رہنے کے لیے کوئی ٹھکانا نہ تھا لیکن انھوں نے دن رات سخت محنت کر کے پہلے تعلیم حاصل کی پھر مختلف نوکریاں کرتے رہے اور بعد میں تجارت کرنے لگے اور ایک ایسا وقت آیا کہ ان کا شمار شہر کے بڑے دولت مندوں میں ہونے لگا۔

بچو! شیخ صاحب کو بیٹھے بیٹھے ایک دن نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ اچانک اپنے گاؤں پہنچ گئے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔ گاؤں والوں کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے، ہر شخص چاہتا تھا کہ شیخ صاحب

۱۲ر۳-۳ نصیر آباد (فیڈرل بی ایریا) کراچی

اس کے مہمان بنیں کیونکہ شیخ صاحب کا اپنا گھر ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہوگیا تھا۔ گاؤں کے زمیندار نے سب کو سمجھا بجھا کر شیخ صاحب کو اپنے مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ خوب خاطر مدارات کرتا رہا۔ تمام گاؤں والے شیخ صاحب کے پاس ہر وقت بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے کیونکہ ان سب نے شیخ صاحب کی شہرت کا چرچا سن رکھا تھا۔ پھر شیخ صاحب اسی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے اس لیے وہ لوگ انھیں دیکھنے کے لیے ہر وقت ان کے پاس بیٹھے رہتے۔

بچّو! پھر یوں ہوا کہ ایک دن شیخ صاحب ٹہلتے ٹہلتے گاؤں کے اس گھور پر پہنچ گئے جو زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جہاں گاؤں والے اپنے اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے۔ اس گھور کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں۔ شیخ صاحب بلا جھجھک یہاں بیٹھ گئے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ شیخ رشید ایسی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں جس کے چاروں طرف گندگی، کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا ہوا ہے تو انھیں سخت تعجب ہوا اور سب جمع ہو کر شیخ صاحب سے [illegible] کرنے لگے کہ خدا کے لیے آپ یہاں نہ بیٹھیے اس میں ہماری بے عزتی ہے خدا نے آپ کو اتنی عزت دی ہے آپ ایسی گندی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ [illegible] تک تو شیخ صاحب لوگوں کی یہ باتیں سنتے رہے [illegible] سب کو مخاطب کر کے کہا۔ "بھائیو — یہ سچ [illegible] شہر میں مجھے روپیا پیسا کوٹھی بنگلے موٹریں [illegible] میز کرسیاں اچھے کھانے اچھے کپڑے ہر چیز میسر ہے ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے میں اپنے بچپن کو یاد کر سکوں میں اچھی طرح سے سمجھتا ہوں کہ یہ گندی جگہ ہے یہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے لیکن مجھے اچھی طرح سے یہ بھی یاد ہے کہ یہ وہی جگہ ہے اور یہ جھاڑیاں بھی وہی ہیں ان پر بیٹھی ہوئی تتلیوں کو میں اپنے بچپن میں یہاں آ کر پکڑا کرتا تھا۔"

احمد جمال پاشا

میں کلّو ہوں

کہتے ہیں کسی زمانے میں کہیں ایک بہت ہی غریب آدمی نے کئی فاقوں کے بعد اپنی واحد بھیڑ بیچنے کا فیصلہ کیا۔ اسے لے کر وہ منڈی روانہ ہوگیا۔ راستے میں اسے ایک گڈریا ملا۔ اس نے پوچھا "یہ بھیڑ کتنے میں بیچوگے؟" اس نے کہا "تیس روپے میں" کافی مول تول کے بعد یہ طے پایا کہ کسی تیسرے آدمی سے اس کی قیمت کا فیصلہ کرا لیا جائے۔

گڈریا اسے ایک بوڑھے کے پاس لے گیا جو ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اس نے بھیڑ بہت دیکھ بھال کے اس کی قیمت ۵ روپے لگائی۔ اس نے پانچ روپے لے لیے اور گڈریہ بھیڑ لے کر چلا گیا۔

اس کی بیوی پانچ روپے دیکھ کر بہت غصہ ہوئی اور بولی "غضب خدا کا! اتنی بڑی بھیڑ کی قیمت صرف پانچ روپے۔ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ اب تم گڈریا سے بدلہ لے کر اس نقصان کو پورا کرو۔"

دوسرے دن اس آدمی نے ایک خوبصورت عورت کا بھیس بدلا اور اس جگہ پہنچا جہاں اسے گڈریا ملا تھا۔ وہ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے عورت سے پوچھا۔ "تم کہاں جا رہی ہو؟" عورت نے کہا "وہ دنیا میں اکیلی ہے اور ایسے آدمی کے ساتھ رہنے کی تلاش میں جا رہی ہے جو اس سے شادی کر کے اسے بہت آرام سے رکھے" یہ سن کر گڈریا نے اس سے فوراً شادی کا وعدہ کر لیا اور اپنے گھر باپ کے پاس لے گیا جو وہی بوڑھا تھا جس نے پانچ روپے میں اس کی بھیڑ بکوا دی تھی۔ بوڑھا بہت لالچی تھا۔ اس نے کہا۔ "تم ابھی چھوٹے ہو۔ تمہاری شادی بعد میں بھی ہوسکتی ہے۔"

گڈریہ مایوس ہو کر بھیڑیں چرانے چلا گیا۔ بوڑھے آدمی نے عورت کو شادی کے لیے راضی کرنے کے لیے اپنے گھر کی چاروں کونے دکھائے کہ اس نے زمین کے اندر کتنی دولت گاڑ رکھی ہے۔ عورت نے لاٹھی اٹھا کر بڈھے کو پیٹنا شروع کیا اور بار بار چلّا چلّا کر کہنے لگا "میں کلو ہوں!" "میں کلو ہوں!" بوڑھا بے ہوش ہوگیا۔ وہ آدمی جو عورت بنا ہوا تھا، ایک کونے کو کھود کر بوڑھے کی دولت نکال کر نو دو گیارہ ہوگیا۔

دوسرے دن وہ آدمی حکیم کا بھیس بنا کر بوڑھے کے مکان پر پہنچا۔ لڑکے نے باپ کی مرہم پٹی کرنے کے لیے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم نے لڑکے کو ایک بوٹی تلاش کرنے کے لیے پہاڑ کے پار بھیج دیا اور بوڑھے کو لاٹھی سے مارنا اور کہنا شروع کر دیا۔ "میں کلو ہوں۔! میں کلو ہوں!" بوڑھا بے ہوش ہوگیا۔ اس نے دوسرا کونا کھود کر بوڑھے کی دولت نکالی اور نو دو گیارہ ہوگیا۔

کوٹھی نشاط افزا۔ سیوان (بہار)

تیسرے دن وہ نجومی بن کر بوڑھے کے مکان پر پہنچا۔ لڑکے نے کہا۔ "تم یہ پتا لگاؤ کہ کلو کون ہے جس نے میرے باپ کو دو بار اس بری طرح سے مارا ہے۔" نجومی نے حساب لگا کر بتایا۔ "تمھارا دشمن اس وقت منڈی والی سڑک پر جا رہا ہے۔ تم ابھی جاکر اسے پکڑ سکتے ہو۔"

لڑکا یہ سن کر کلو کو پکڑنے کے لیے منڈی کی سڑک پر دوڑا۔ اس نے فوراً بوڑھے کو مارنا اور خود چلانا شروع کیا۔ "میں کلو ہوں! میں کلو ہوں!" بوڑھا بے ہوش ہوگیا۔ وہ تیسرا کونا کھود کر اس کی دولت نکال کر نو دو گیارہ ہوگیا۔

چوتھے دن وہ بوڑھے کی آخری کونے کی دولت کے چکر میں نکلا۔ اُدھر شاہی سوار بادشاہ کا اونٹ ڈھونڈتا ہوا نکلا۔ اور پوچھا۔ "تم نے ادھر بادشاہ کا اونٹ تو نہیں دیکھا ہے؟" اس نے بوڑھے کی مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اونٹ اس مکان میں ہے۔ مگر جب تک تم اپنا نام کلو نہیں بتاؤ گے وہ لوگ تمھیں اونٹ نہیں دیں گے۔" بادشاہ کا آدمی بوڑھے کے مکان پر پہنچ گیا اور کہا "میں کلو ہوں!" باپ اور بیٹے نے بلا آگے کچھ سنے بادشاہ کے آدمی کو مارنا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ لڑکے نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ قریب ہی چھپا ہوا تھا۔ فوراً گھر میں گھس کر بوڑھے کو مارنا اور چلانا شروع کیا۔ "میں کلو ہوں! میں کلو ہوں!" بوڑھا بے ہوش ہوگیا۔ یہ آدمی چوتھے کونے کی دولت بوڑھے کی کھود کر اور اپنی بھیڑ کو لے کر نو دو گیارہ ہوگیا۔

کچھ دیر بعد بادشاہ کا آدمی بہت سے سپاہی لے کر آیا۔ بوڑھے اور اس کے لڑکے کو پکڑ لیا اور لے جاکر جیل میں ڈال دیا۔ پھر اس آدمی اور اس کی بیوی نے بوڑھے کی دولت سے اپنی بقیہ زندگی آرام سے گزاری۔

●●

ڈاکٹر جاوید وششٹ

پرارتھنا

البشور، اللہ، تیرے نام
تجھ کو ہم کرتے پرنام
تو ہی خدا، تو ہی بھگوان
رام تو ہی، تو ہی رحمان
تو رب سچا، تو کرتار!
تو ہی جگ کا سرجنہار[1]

ہم تیرے بالک نادان
کر ہم کو اتنا بلوان
دیش کی اونچی شان کریں
تیرا ہی گن گان کریں
دے ہم سب کو یہ بردان
بن جائیں اچھے انسان
شانتی[2]، اہنسا[3]، سیوا[4] بھاؤ
نیک چلن، میٹھا برتاؤ
مانوتا[5] سے پیار کریں!
پیار ہی کا پرچار کریں!

---

[1] خالق [2] صدق، حق [3] عدم تشدد [4] خدمت کا جذبہ [5] انسانیت

وششٹ آشرم۔ فتح پور باوج۔ فرید آباد (ہریانہ)

محمد شاہد عظیم

ڈاک ٹکٹ ۔ ایک دلچسپ مشغلہ

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا ایک دلچسپ ترین مشغلہ ہے اور دنیا بھر کی معلومات کا آسان اور کم خرچ وسیلہ بھی جو بچے ڈاک ٹکٹ جمع کرتے ہیں ان کی سیاسی، تاریخی اور جغرافیائی معلومات دوسرے بچوں کی بہ نسبت بہت اچھی ہوتی ہیں۔ اور پھر یہ ایک ایسا مشغلہ ہے جس سے کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ جو بچے ٹکٹ جمع کرنے کے شوقین ہوتے تھیں وہ ساری عمر اس مشغلہ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ٹکٹوں کے موجد سر رولینڈ ہل نے کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ ٹکٹ جمع کرنا کروڑوں لوگوں کا مشغلہ بن جائے گا۔

برطانوی گیانا کے اس ٹکٹ کی قیمت ایک کروڑ روپے ہے

ڈاک ٹکٹ کے رواج سے قبل خطوط پر نقد محصول لیا جاتا تھا لیکن اس طریقہ میں ایک مشکل یہ تھی کہ اکثر لوگ خطوط وصول کرنے سے انکار کر دیتے تھے اس طرح حکومت کو نقصان اٹھانا پڑتا۔ سنہ ۱۸۴۰ء سے پہلے کسی نے ڈاک ٹکٹ کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ یہ بات سب سے پہلے سر رولینڈ ہل کے ذہن میں آئی کہ نقد محصول کے بجائے ٹکٹ چسپاں کیے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے یکم مئی سنہ ۱۸۴۰ء کو ملکہ وکٹوریہ سے "پینی پوسٹ" جاری کرنے کی منظوری حاصل کی جس کی رو سے سارے برطانیہ میں نقد محصول کے بجائے اس قیمت یعنی ایک پنس PENCE کا ٹکٹ لگا کر خط بھیجا جا سکتا تھا۔ اس ایجاد نے جلد ہی ہمہ گیر مقبولیت حاصل کی اور یورپ کے کئی ملکوں نے اپنے ڈاک ٹکٹ جاری کیے۔ وہ دن اور آج کا دن ساری دنیا میں لاکھوں ٹکٹ جاری ہو چکے ہیں۔ دنیا کا کوئی نہ کوئی ملک ہر روز نئے ڈاک ٹکٹ جاری کرتا ہے کہتے ہیں کہ برطانیہ کے شہزادوں کو جنھیں تاریخ اور جغرافیہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی سب سے پہلے ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اس طرح شہزادوں کو نہ صرف ایک دلچسپ مشغلہ مل گیا بلکہ ملکوں ملکوں کی تاریخ اور وہاں کے حالات جاننے سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔

امریکہ اور یورپ میں تو ڈاک ٹکٹ جمع کرنا اب نفع بخش کاروبار بن گیا ہے۔ وہاں اس مشغلہ کو اس قدر ترقی دی جا چکی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ وہاں اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں فلمیں تک تیار ہو چکی ہیں۔ ٹکٹ جمع کرنے والوں کے رسائل ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں اس موضوع پر انگریزی میں کئی سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ مختلف کیٹلاگ مرتب کی جا چکی

۱۸-۲-۱۴۲/۳ ریلوے روڈ۔ فلک نما۔ حیدرآباد

ہیں۔ ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کے فن پر اعلا تعلیم بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ٹکٹ کیوں قیمتی ہوتے ہیں اور ہمیں کس قسم کے ڈاک ٹکٹ جمع کرنا چاہییے یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اتنا جان لیجیے کہ چھوٹے ملکوں اور کسی بھی ملک کی پرانی ٹکٹیں قیمتی ہوتی ہیں۔ اقوام متحدہ UNO برطانیہ، آسٹریلیا، برطانیہ کی سابق نوآبادیوں کے ٹکٹ عام طور پر قیمتی سمجھے جاتے ہیں اور انھیں دنیا بھر میں جمع کیا جاتا ہے۔ مارلیس کا ایک ٹکٹ جس کی اصل قیمت صرف ایک پنس یعنی دس پیسے کے مساوی ہے سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد اس کی موجودہ قیمت دس ملین (ایک کروڑ) روپے ہے۔ یہ قیمت برابر بڑھ رہی ہے کیونکہ اس جیسا کوئی ٹکٹ دنیا میں موجود نہیں ہے۔ کچھ ایسا ہی حال برطانوی گیانا کے ایک ٹکٹ کا ہے جس کی قیمت اب پچاسی لاکھ روپے تک ہو چکی ہے یہ دونوں ٹکٹ برٹش میوزیم لندن کی ملکیت ہیں۔

ہندستان میں سب سے پہلا ڈاک ٹکٹ کمشنر سندھ سر بارٹل فریر کے حکم سے جولائی ۱۸۵۲ء میں سندھ میں چھپا جس پر انگریزی میں "سندھ ڈسٹرکٹ ڈاک" اور ½ آنہ لکھا تھا۔ یہ صرف ایک ضلع کے لیے مخصوص تھا اس کے دو تین برس بعد جب ڈاک کے ٹکٹ تمام ہندستان میں "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے جاری ہو گئے تو یہ ٹکٹ منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں ملکہ وکٹوریہ نے ہندستان کی قیصرہ کا لقب اختیار کیا تو تمام ٹکٹوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے صرف انڈیا لکھا جانے لگا۔ سندھ ڈاک ٹکٹ ۳۰ ستمبر ۱۸۵۴ء تک جاری رہے۔ ۱۳۰ سال گزر جانے کے باوجود ان کے چند نمونے ابھی موجود ہیں۔ ان میں ایک ٹکٹ کی قیمت پانچ ہزار روپے ہے آزادی سے پہلے ہندستان میں بے شمار دیسی ریاستیں تھیں ان میں حیدرآباد کی ریاست سب سے بڑی تھی جس کا اپنا ڈاک وتار کا نظام تھا۔ دیسی ریاستوں میں حیدرآباد، بھوپال، ٹراونکور، جے پور، سوراشٹر کے ٹکٹ اب بھی مل جاتے ہیں اور قیمتی سمجھے جاتے ہیں۔

آزادی کے بعد سے ہندستان میں اب تک ۸۰۰ سے زائد ڈاک ٹکٹ جاری ہو چکے ہیں ان میں سے زیادہ تر پر ہمارے قومی قائدین کی تصاویر ہیں۔ تاریخی عمارتیں، جنگلی جانور، رنگ برنگے پھول، خلائی تسخیر جیسے موضوعات پر بھی کئی ڈاک ٹکٹ جاری کیے گئے جن کی بڑی مانگ ہے آزادی کی پہلی سالگرہ کے موقع پر ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء کو گاندھی جی کی یاد میں چار ٹکٹوں کا جو سیٹ جاری ہوا تھا اس میں سے ایک کی قیمت دس روپے تھی۔ اب اس سیٹ کی قیمت بڑھتے بڑھتے ۱۴ سو روپے ہو گئی ہے۔ اپنا ملک کسے پیارا نہیں ہوتا

ہمارے ملک کی بات ہی اور ہے یہاں کی ہزاروں سال پرانی تاریخ تہذیب و تمدن رنگ برنگے پھول پودے، قسم قسم کے جانور ایسی شاندار تاریخی عمارتیں کہ جی چاہتا ہے بس دیکھتے رہ جائیں۔ ہمارے ٹکٹوں میں یہ سب دلچسپیاں موجود ہیں ہمیں چاہیے کہ اپنے ملک کی ٹکٹیں جمع کریں۔ ڈاک ٹکٹ جمع کرنا کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے آپ کے والدین اور رشتہ داروں کے پاس اکثر خطوط آتے رہتے ہیں جن پر ڈاک ٹکٹ چسپاں ہوتے ہیں آپ انھیں مانگ کر جمع کرلیں، کچھ عرصہ میں آپ کے پاس بہت سی ٹکٹیں جمع ہوجائیں گی ۔ ہم شوق دوستوں سے فاضل ٹکٹوں کا تبادلہ کرکے ذخیرہ میں اضافہ کیا جاسکتا ہے ۔

محمد شکور۔ ڈیرہ ربی

عُمر بتانا

آپ اپنے کسی دوست کو اس کی عمر بتا کر حیران کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اپنے کسی دوست سے کہیے کہ وہ اپنی عمر دل ہی دل میں سوچ لے ۔ پھر اس میں ۹۵ جمع کرے جو بھی جواب آئے اُس میں سے سیکڑے کا ہندسہ کاٹ دے ۔ (مثلاً جواب ۲۱۳ آیا تو ۲ کاٹ دے) باقی عدد میں ایک جمع کرکے جو بھی جواب آئے وہ آپ کو بتادے۔ آپ دل ہی دل میں اس میں ۴ جمع کرکے اُسے بتادیں۔ وہی آپ کے دوست کی عمر ہوگی۔ آپ کا دوست حیران رہ جائے گا۔

فرض کریں کہ آپ کے دوست کی عمر ۱۱ سال ہے۔ وہ دل میں سوچ کر اس میں ۹۵ جمع کرے گا تو ۱۰۶ آئے گا ۱۰۶ میں سے سیکڑے کا ہندسہ کاٹا تو باقی ۶ بچ گیا کیونکہ ۶ سے پہلے صفر کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ پھر ۶ میں ایک جمع کیا تو ۷ ہوگیا۔ آپ کا دوست آپ کو ۷ کا ہندسہ بتائے گا۔ آپ دل ہی دل میں ۷ میں ۴ جمع کریں تو ۱۱ ہوگا۔ بس یہی آپ کے دوست کی عمر ہوگی اور آپ کا دوست حیران رہ جائے گا۔ کیوں ہے نا مزے دار کھیل؟

(بشکریہ "بچوں کا رسالہ")

حافظ بدرالدین

گلّی ڈنڈا

(ایک دیہاتی عورت سردارن اپنے آنگن میں بیٹھی آٹا گوندھ رہی ہے اچانک باہر سے آکر ایک گلی گرتی ہے کونڈے کے پاس گر لی ہے سردارن کو گلی دیکھ کر غصہ آگیا۔ بڑبڑاتی ہوئی تیزی سے اٹھتی ہے۔)

"اے ہے ناس جائے ان گلی کھیلنے والوں کا۔ ابھی میرا سارا کا سارا آٹا مٹی میں مل جاتا۔"

(یہ کہتی ہوئی دیوار کی طرف لپکتی ہے۔)

سردارن :۔ "ارے او چھدو کی ماں ادھر تو آ۔"

چھدو کی ماں :۔ "ارے کیا ہے سردارن آرہی ہوں۔"

سردارن :۔ "اری جلدی ادھر تو آ، لے دیکھ اپنے بیٹے کے کرتوت ابھی میرے آٹے کا بیڑا غرق کیا ہوتا آٹے میں گلی گر جاتی تو کیا تو پیسے دے دیتی۔"

(چھدو کی ماں دیوار پر آکر کھڑی ہو جاتی ہے)

چھدو کی ماں :۔ "اری کیا ہوا سردارن۔ ذرا سی گلی آکر گر گئی تو سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔ بچے ہی تو ہیں کیا ہوا جو گلی آگئی۔"

(اتنے میں چھدو کے ماں کی پڑوسن سہیلی آتی ہے)

سہیلی :۔ "اری کیا ہوا چھدو کی ماں کیوں شور مچا رہی ہے؟"

سردارن :۔ "لو وہ اور آئی پڑوسن کی حمایت کرنے ذرا دیکھے گی بھی چھدو کے ماں کے چہیتے کے کرتوت یا یوں ہی حمایت لینے آگئی۔

"لے دیکھ یہ گلی ابھی میرے آٹے کے قریب آکے گری ہے۔ ابھی دو دن پہلے اس کے لڑکے کی گلی سے میرا گھڑا ٹوٹا تھا، اب ذرا تم ہی انصاف کی کہو۔"

"کیوں رے چھدو کی ماں کیا کہتی ہے آخر تو نے سوچا کیا ہے۔ کبھی روکے گی بھی اپنے پوت کو یا یوں ہی محلے والے پریشان ہوتے رہیں گے۔ اگر تجھ سے اپنا بیٹا نہیں رکتا تو لا ہمیں پکڑا دے ہم ایک دن میں اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیں گے۔ تو ہے کس گھمنڈ میں۔"

سردارن :۔ ارے تو تو کیا کرے گی لا میں تیری زبان ہی چمٹے سے باہر کھینچ لوں۔

(دوڑ کر چمٹا لاتی ہے)

چھدو کی ماں کی پڑوسنیں اور سردارن کی پڑوسنیں دونوں طرف سے بہت سی عورتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ دونوں طرف سے خوب تو تو میں میں ہونے لگتی ہے اتنے میں محلے کے

جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دہلی ۲۵

[illegible] ہیں)

ارے بھائی یہ کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں
کی عورتیں بھی اس طرح زور زور سے
لڑتی ہیں۔ ارے بھائی مجھے بھی تو بتاؤ ہوا
کیا۔"

"دونوں طرف کی عورتیں کالو دادا کو اپنا
مقدمہ سناتی ہیں۔ گاؤں کے پنچ حمید ابا آجاتے ہیں:
۔ ارے بھائی کیا ہوا لڑکیو کیسا شور ہے!
کیوں جی کالو دادا کیا معاملہ ہے مجھے تو بتاؤ۔
دادا ۔ اجی ہوا کیا یہ سب گلی ڈنڈا کا جھگڑا ہے، نہ
محلے کے لڑکے گلی ڈنڈا گلیوں میں کھیلیں نہ یہ
آفت مچے۔

(حمید ابا سارا قصہ سن کر کہتے ہیں۔)
ابا ۔ اچھا بھئی ساری عورتیں تو اپنے گھروں میں جائیں
میں ابھی یہ قصہ چکائے دیتا ہوں۔
"سنو جی کالو دادا آج سے کوئی لڑکا گلیوں
میں گلی ڈنڈا نہیں کھیلے گا۔ جو کھیلے گا اسے
سزا دی جائے گی اور جرمانہ ہوگا۔ جس کو گلی ڈنڈا
کھیلنا ہو آبادی سے باہر کھیتوں میں جا کر کھیلے۔
اور میں تو یوں کہوں کہ وہ شہر کے اسکولوں
میں جو ایسے اچھے کھیل کھیلے جا رہے ہیں وہ
یہاں گاؤں میں کیوں نہ کھیلے جائیں۔"
۔ "بھلا وہ کون سے کھیل ہیں سرپنچ جی۔"
۔ "جی ابھی کل ہی تو میں شہر میں دیکھ کر آیا
ہوں۔ ان کھیلوں کے نام ہیں والی بال،
فٹ بال، بیڈ منٹن۔ اجی بڑے صاف ستھرے
کھیل ہیں۔ نہ کپڑے گندے ہوں نہ ہاتھ منہ
گندے۔ نہ محلہ والوں کو شکایت ہو۔"
"بس جی کالو دادا اب میں گاؤں کے لوگوں
سے بھی کہوں گا کہ سب تھوڑے تھوڑے پیسے
دے کر صاف ستھرے کھیلوں کا انتظام کریں۔"

آئے دن کا جھگڑا بھی ختم ہو جائے گا اور اپنے
لڑکے بھی کام سے لگے رہیں گے۔"
(کالو دادا اور حمید ابا باتیں کرتے ہوئے
چلے جاتے ہیں۔ چھدو گلی ڈنڈا ہاتھ میں لیے
اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ چھدو کی ماں
غصہ میں بھری ایک طرف بیٹھی ہے۔)

چھدو :۔ "لا اماں روٹی دے۔"
چھدو کی ماں :۔ (زور سے چیختی ہے) ہاں ہاں ضرور
دوں گی روٹی، تجھے تو پراٹھے کھلاؤں گی۔
کمبخت آج تیری وجہ سے سارے محلہ میں جھگڑا
ہوا۔ تیری خاطر مجھے سب عورتوں کی بری بھلی
سننی پڑیں۔ لا آج تو تیرے ہی گلی ڈنڈے
سے تجھے ختم کر دوں گی۔"
(چھدو کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر مارنا شروع
کرتی ہے اور چھدو چیختا ہے۔ اری ماں اب
نہیں کھیلوں گا ہائے ماں مر گیا اب نہیں
کھیلوں گا۔)
(اتنے میں محلہ کی عورتیں آواز سن کر آتی
ہیں اور چھدو کو بچا لیتی ہیں تھوڑی دیر میں
چھدو کے کئی دوست لڑکے دروازہ پر آتے
ہیں....)

لڑکے :۔ "ارے چھدو چل گلی ڈنڈا کھیلیں گے۔"
چھدو :۔ (باہر آتا ہے) نہیں بھئی اب میں گلی ڈنڈا
نہیں کھیلوں گا۔ یارو آج بہت مار پڑی ہے۔
بس اب تو کوئی اور اچھا کھیل کھیلیں گے۔
چھدو کے دوست :۔ اچھا بھئی تو پھر ہم بھی چھوڑتے ہیں آج
سے گلی ڈنڈا۔ چلو یار چھدو ان گلی ڈنڈوں کو
آگ لگا دیں۔
(سب گلی ڈنڈوں کو جمع کر کے آگ لگا دیتے
ہیں اور آگ کے چاروں طرف بیٹھ کر قوالی
گاتے ہیں.....)

پیام تعلیم

گلی ڈنڈے کی بدولت ہڈی ہڈی چور ہے
سارے کپڑے پھٹ گئے صورت بنی لنگور ہے
گلی ڈنڈا چھوڑ دو اس کا برا انجام ہے
گلی ڈنڈا اچھا نہیں اس کا نتیجہ جیل ہے
بیڈمنٹن آئے دیکھو کیا انوکھا کھیل ہے
گلی ڈنڈا چھوڑ دو اس کا برا انجام ہے
سب پڑوسی لڑ پڑیں کیا خوب یہ انعام ہے

ماں کی عظمت

- جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔
(حضور اکرم صلے اللہ علیہ و

- دنیا کی تمام خوشیاں پیار سے "ماں" کہتے ہی
جاتی ہیں۔
(امام غز

- ماں کے بغیر گھر قبرستان کی طرح لگتا ہے۔
(اورنگ زیب عالمگیر)

- سخت سے سخت دل کو ماں کی پرنم آنکھوں سے
موم کیا جا سکتا ہے۔
(ڈاکٹر علامہ اقبال)

- دنیا کی سب سے عظیم ہستی ماں اور صرف ماں ہے۔
(مولانا محمد علی جوہر)

- میں زندگی میں صرف دو ہستیوں کے سامنے
ہوں ایک خدا اور دوسری ماں۔
(شیلے)

- بچے کے لیے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہے۔
اس کی عمر کتنی ہی ہو۔
(شیکسپیئر)

- اگر مجھ سے ماں کو چھین لیا جائے تو میں پاگل
جاؤں گا۔
(فردوسی)

- اس بات سے ہمیشہ ڈرو کہ ماں نفرت یا بددعا
کے لیے ہاتھ اٹھائے۔
(بوعلی سینا)

- آسمان کا بہترین اور آخری تحفہ ماں ہے۔
(ملٹن)

لیق احمد کراچی

جوہر قابل (بڑی عمر کے بچوں کے لیے) مسعود احمد برکاتی
مولانا محمد علی جوہر کی کہانی اور کارنامے — "جوہر قابل" کے
مطالعے سے آپ پر مولانا محمد علی جوہر کی روشن تصویر کے مختلف
رنگ نمایاں ہوں گے۔ ۳/=

چالاک چور

انندکمار جوشی
مترجم غلام رازق شیخ

ایک شہر تھا جس کا نام تھا سارق نگر۔ وہاں ایک مہاراج کرتا تھا۔ سارق نگر کے عوام میں وہ بہت مقبول تھا چونکہ اس کے شہر میں لوٹ، مار، چوری اور ڈاکے کی وارداتیں بالکل نہیں ہوتی تھیں اسی لیے عوام بھی بے حد سکھی اور مطمئن تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے ایک چور گھومتے گھامتے اس شہر میں آپہنچا۔ اچانک راجا کے محل پر اس کی نگاہ پڑی۔ اس نے سوچا کیوں نہ راجا کے محل پر ہی ہاتھ صاف کیا جائے کافی قیمتی مال ہاتھ لگے گا۔

رات کا وقت تھا۔ شہر کے سبھی لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ آدھی رات بیت چکی تھی۔ چور موقع دیکھ کر محل میں گھسا محل کے صدر دروازے کے دونوں طرف باغ تھا۔ چور دیوار پھلانگ کر باغ میں اترا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اسی وقت پتوں کی سرسراہٹ ہوئی۔ چوکیدار چوکنا ہوگیا۔ وہ بڑی توجہ سے آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ اس نے آہستہ سے دوسرے چوکیدار کو بھی تیار کر دیا۔ اور پھر دونوں چوکیداروں نے مل کر چور کو پکڑ لیا۔ اور ایک موٹے درخت کے تنے پتے کے ساتھ رسیوں میں جکڑ دیا۔

صبح ہوئی۔ سورج نے اپنی نرم و گداز کرنیں زمین پر پھیلانی شروع کیں۔ باغ کے درختوں اور بیلوں پر چڑیاں چہچہانے لگیں۔ دربار کا وقت ہونے پر چوکیداروں نے راجا کی خدمت میں حاضر ہو کر چور کی گرفتاری کا ذکر کیا۔ راجا نے بے حد توجہ سے تمام باتیں سنیں اور حکم دیا کہ چور کو مابدولت کے دربار میں حاضر کیا جائے۔

چور کو دربار میں پیش کیا گیا۔ چور کی طرف دیکھ کر راجا نے سوال کیا۔ "کیا تو چوری کرنے کے لیے محل میں گھسا تھا؟"

چور نے بے ساختہ کہا، "جی مہاراج"

راجا نے پوچھا "بتا تجھے کیا سزا دی جائے"

چور نے جواب دیا، "آپ کی مرضی کے مطابق مہاراج"

راجا ایسے جواب سے سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر سوچ کر راجا نے کہا، "تو جا، تیرے لیے ہم سزائے موت کا حکم دیتے ہیں"

سزائے موت کا حکم سنتے ہی چور گھبرا اٹھا۔ ایسا تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ چوری کی کوشش کے جرم میں اتنی بڑی سزا ملے گی۔ اور پھر وہ بڑی دلیری کے ساتھ اقبال جرم بھی کر چکا تھا۔ چور عجیب پس و پیش میں پڑ گیا۔ اس نے سوچا اب موت تو یقینی ہے، پھر کیوں نہ آخری بار قسمت آزمائی کر لی جائے۔ لگے تو تیر نہیں تو تکا تو ہے ہی۔ نصیب میں ہوگا تو بچیں گے نہیں تو جو مرضی خدا کی۔ موقع ہے تو آخری بار قسمت آزمائی کر لی جائے۔

"عالم پناہ، مرنے سے پہلے میری ایک آرزو ہے"

راجا نے کہا، "بول تیری آخری کیا خواہش کیا ہے؟"

"مہاراج، مجھے آخری بار سونے کی کھیتی کرنی ہے"

[illegible] سرآوم جی بھیکن کالونی، دانی لیمڈہ، احمد آباد۔ ٣٨٠٠٢٨

چور نے خواہش ظاہر کی۔

ایسی عجیب بات سن کر راجا تو سوچ میں پڑ گیا، ایسا تو کبھی نہیں سنا تھا۔ راجا نے متعجب ہو کر پوچھا۔ "کیا کہا، سونے کی کھیتی؟ وہ بھلا کیسے ہو سکتی ہے!"

راجا نے چور کے بندھن کھلوائے تو چور بولا "مہاراج سونے کی کھیتی تو ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جس نے زندگی میں کبھی چوری نہ کی ہو۔ میں یہ علم جانتا ہوں۔ آپ کو ضرور سکھاؤں گا لیکن صرف ایک شرط ہے۔"

یہ سن کر تو راجا کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس نے سوچا اب تو میرا خزانہ ہمیشہ بھرا رہے گا۔ راجا نے چور کی شرط منظور کرتے ہوئے کہا۔ "بتا تیری شرط کیا ہے؟"

"مہاراج! میری شرط صرف اتنی ہے کہ جس شخص نے کبھی چوری نہ کی ہو صرف وہی اس کھیتی کے بیج بو سکتا ہے۔"

یہ سن کر راجا افسردہ ہو گیا۔ چاروں طرف نظر کی۔ راجا نے اس کے لیے وزیر کی طرف نگاہ کی اور کہا۔ "ٹھیک ہے ہمارے وزیر اس کھیتی کا بیج بوئیں گے۔ اس کام کے لیے وہی سب سے مناسب ہیں اور لائق بھی ہیں۔"

راجا کی نظر انتخاب جیسے ہی وزیر پر پڑی وزیر بھونچکا رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پسینا آ گیا۔ وہ بے چین ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وزیر نے نہایت افسردگی سے دونوں ہاتھ جوڑ کر راجا سے معذرت چاہتے ہوئے کہا "مہاراج! میں۔ میں۔ ۔ ۔ پاک تو کہاں سے ہو سکتا ہوں؟"

راجا نے کہا، "کیوں؟ آپ تو ہمارے نگر کے بہترین شہری ہیں۔"

وزیر نے کہا، "مہاراج! مہاراجا! مجھے معاف کیجیے میں گنہگار ہوں۔ آپ کے حکم سے آپ کی ریاست کے خزانے کے لیے جو ٹیکس محصول اور چنگی وغیرہ وصول کرتا ہوں، اس میں سے جزوی حصہ میں (چرا) رکھ لیتا ہوں۔ میرے گھر میں جو کچھ سونا چاندی، زر و جواہر اور آرام و آسایش کا سامان ہے وہ سب آپ کی مہربانیوں سے ہے۔ مہاراج مجھے معاف کیجیے۔ مجھ پر رحم کیجیے مہاراج!"

یہ سن کر راجا کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اسے بہت دکھ ہوا۔ کیا سوچا تھا اور کیا نکلا۔ راجا کو اس بات سے سخت صدمہ ہوا۔ آخر دل پر قابو پا کر بڑے برہمن عالم کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ کچھ ہی دیر میں برہمن حاضر ہو گیا۔ راجا نے برہمن کو کیفیت سے آگاہ کیا۔ اور سونے کی کھیتی کا بیج بونے کی التجا کی۔ برہمن نے کہا "مہاراج مجھے معاف فرمائیے اس کام کے لیے میں مناسب نہیں ہوں۔"

راجا نے حیرت سے پوچھا "ارے برہمن دیوتا۔ آپ تو عالم ہیں۔ دھرماتما ہیں آپ اس طرح کیوں ہچکچاتے ہیں؟"

برہمن نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا: "مہاراج میں آپ سے کیا بتاؤں؟ میں چھوٹا تھا تب میں نے بھی خوب چوریاں کی ہیں۔"

یہ سن کر راجا کو پھر بہت دکھ ہوا۔ دونوں آنکھیں بند کر کے سر پہ ہاتھ رکھ کر افسوس کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ افسوس ہی کی حالت میں راجا گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ کوئی کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ کسی سے نظریں ملا کر بات کر لے۔ سب چُپ تھے اور سبھی کے سر شرم سے جھک گئے تھے۔ سب کی ایسی حالت تھی کاٹو تو لہو بھی نہ نکلے۔

بالآخر چور بولا۔ "مہاراج!"

راجا نے سر اٹھایا۔ آنکھیں کھولیں۔ اور چور کی طرف نگاہ کی۔

چور نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، "مہاراج اگر کوئی سچّا، پاک صاف اور ایماندار آدمی آپ کی ریاست میں نہیں ہے تو آپ مایوس کیوں ہوتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں آپ تو ہیں عالم پناہ۔ تو پھر آپ ہی اپنے مبارک ہاتھوں سے کھیتی کے بیج بو دیجیے نا!"

چور کی بات سن کر راجا کو چکّر سا آ گیا۔ تخت پر پیر پھیلائے۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ سر پر جیسے بجلی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

اخبار کی کہانی

شری چند اگنی ہوتری

دنیا میں پرانی چیزوں کی کمی نہیں۔ پرانے سے پرانے زمانے کی حسین تر چیزیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ مثلاً آگرے کا تاج محل، دہلی کا لال قلعہ، سارناتھ اور بدھ گیا کے مندر وغیرہ۔ مگر ہم آپ کی جان پہچان ایک ایسی انوکھی چیز سے کرا رہے ہیں جو تین سو سال سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ مگر ہمیشہ ویسی ہی رہتی ہے۔ اور روزانہ نئی سج دھج، نئے نکھار کے ساتھ آپ کے سامنے آتی ہے۔ اس کے نئے پن اس کے بناؤ سنگار کی وجہ سے اگر ہم اسے "بوڑھا بچہ" کہیں تو شاید غلط نہ ہوگا۔ اب ہم یہ پہیلی زیادہ دیر تک نہ بجھائیں گے۔ لیجیے بتائے دیتے ہیں۔ اس بوڑھے بچے کو "اخبار" کہتے ہیں۔

یہ حضرت ویسے تو پرانے زمانے میں بھی عجیب و غریب روپ بھر کر سامنے آتے تھے جیسے اشوک کے چٹانوں پر کھدے ہوئے پیغاموں میں یا بادشاہ اکبر کے شاہی فرمان میں۔ لیکن صحیح معنی میں ان کی پیدایش سترھویں صدی کے شروع میں ہوئی۔ یوں تو آپ کی پیدایش کے آثار اٹلی کے دارالخلافہ میں نظر آنے لگے تھے۔ سولھویں صدی میں روم کی سرکار، دیواروں پر اشتہارات لگاتی تھی۔ ان میں سرکاری حکم ہوتا یا آگ لگنے کی خبر یا اسی قسم کے کسی بڑے حادثے کا ذکر ہوتا اور اسی طرح کی خاص باتیں ہوا کرتی تھیں۔

چھاپے خانے کی ایجاد نے چھپے ہوئے اخباروں کو جنم دیا۔ سب سے پہلا پرچہ ایک ہفتے وار اخبار تھا جو جرمنی سے ۱۶۱۵ء میں شائع ہوا۔ اس کا نام فرینک فرٹز جرنل تھا۔ اس کے بعد برطانیہ میں دوسرا ہفتے وار پرچہ ۱۶۲۲ء میں نکلا۔ اس کا نام تھا ویکلی نیوز۔ اس کے بعد تو رفتہ رفتہ اخباروں کا تانتا لگ گیا۔

ہمارے ملک میں یہ حضرت کافی دیر میں تشریف لائے۔ یہاں آپ کا جنم کلکتے میں انگریزوں کے گھر ہی میں ہوا۔ چنانچہ اس کا نام رکھا گیا "انگلش مین" بعد میں آپ کا نام اسٹیٹس مین ہو گیا اور اب تک ان کا یہی نام ہے۔ بعد میں ہندستانیوں نے بھی اخبار نکالے۔ ہماری آزادی کی پہلی لڑائی یعنی ۱۸۵۷ء کی جدوجہد نے ہمیں یہ محسوس کرایا کہ اخبار پرچار کا بہت ہی اچھا ذریعہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے جیسے ہماری قومی تحریک زور پکڑتی گئی اخباروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ ہم کو اپنی بات کہنے کے لیے عام لوگوں تک پہنچنا تھا۔ جو انگریزی نہ جانتے تھے۔ اس لیے ہم نے ہندستانی زبانوں میں اخبار شائع کرنے شروع کیے۔

اب آئیے یہ بتائیں کہ ان کا نام اخبار کیوں پڑا، اس کی بھی بڑی دلچسپ وجہ ہے۔ انگریزی میں اخبار کو "نیوز پیپر"

کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں خبروں کا کاغذ۔ بنگالی میں عام بول چال میں اسے خبر کا کاغذ ہی کہتے ہیں۔ پہلے انگریز اپنے اخباروں کے پہلے صفحہ پر اوپر چاروں سمتوں کے نام دیا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں چاروں طرف یعنی ساری دنیا کی خبریں رہتی ہیں۔ انگریزی میں شمال کو نارتھ اور جنوب کو ساؤتھ، مشرق کو ایسٹ اور مغرب کو ویسٹ کہتے ہیں۔ ان چاروں کے شروع کے حروف NSEW ہوئے۔ ایک دن ایک اخبار کے مالک کو مذاق سوجھا اور وہ ان چاروں حرفوں سے کھیلنے لگا۔ کبھی کسی حرف کو پہلے رکھتا، تو کبھی کسی دوسرے کو۔ اسی کھیل کھیل میں NEWS بن گیا۔ جس کے معنی ہیں خبر۔ اب تو وہ پھولا نہ سماتا تھا۔ اس نے اپنے اخبار کو نیوز پیپر کہہ کر پکارا اور اس کے بعد سبھی لوگ اپنے اپنے پرچوں کو اسی نام سے پکارنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرچوں کا یہی نام رائج ہو گیا۔

اب آئیے یہ بتلائیں کہ یہ حضرت اخبار کس طرح بن سنور کر ہم سب کے ہاتھوں تک پہنچتے ہیں۔ صبح چائے کی میز پر بیٹھتے ہی اخبار نہ ملنے سے ہمیں بے چینی ہونے لگتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چائے میں کڑواہٹ آگئی ہو۔ اس صاف شفاف اخبار کو شائع کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ یہ وہی لوگ جانتے ہیں جنھیں کسی اخبار کے دفتر میں کام کرنا پڑتا ہے۔

اخبار شائع کرنا کسی ایک آدمی کے بس کا کام نہیں ہوتا ہے بلکہ کئی آدمی مل جل کر کام کرتے ہیں۔

اخبار کا انتظام تین شعبوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ ایک ادارہ دوسرا پریس اور تیسرا اشاعتی امور سے متعلق ان کے علاوہ بڑے اخباروں میں انتظامیہ اور اشتہار کے شعبے بھی الگ ہوتے ہیں۔

ادارہ اخبار کی جان ہوتا ہے اس کی سوجھ بوجھ، اس کی معلومات، اس کی کارگزاری اور ایمانداری اخبار کا نام روشن کرتی ہے اس شعبے کے سب سے بڑے افسر کو ایڈیٹر کہتے ہیں۔ اخبار کو شائع کرنے کی ذمہ داری اس کی ہوتی ہے۔ اخبار کی پالیسی بھی وہی دیکھتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ماتحت نیوز ایڈیٹر کی امداد کے لیے چند سب ایڈیٹر یا نائب ایڈیٹر ہوتے ہیں۔ یہ سب دفتر میں آنے والی خبروں کو درست کر کے ان پر ضروری سرخیاں لگا کر انھیں تیار کرتے ہیں۔ اس طرح جب خبر تیار ہو جاتی ہے تو طباعت کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہاں کمپوزیٹر اُن کو کمپوز کرتے ہیں بڑے اخباروں خاص کر انگریزی کے اخباروں میں بھی مشین میں کمپوزنگ ہوتی ہے۔ اس مشین کو مونو مشین کہتے ہیں۔ اردو کے اخباروں میں یہ کام کاتب کرتے ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کے کاغذ میں قلم سے سارا مواد لکھتے ہیں۔

اس کے بعد چھپنے سے پہلے الگ کاغذوں پر اس کو عارضی طور پر ایک چھوٹی مشین کے ذریعے چھاپا جاتا ہے۔ اس کو پروف اٹھانا کہتے ہیں۔ یہ چھپے ہوئے کاغذ یعنی پروف ایک اور شعبے میں بھیج دیے جاتے ہیں۔ وہاں پروف ریڈر اُن کو پڑھتے ہیں اور ان کی غلطیاں درست کرتے ہیں۔ وہاں سے یہ کاغذات پھر کمپوزیٹروں کے پاس آتے ہیں۔ یہاں ان کی غلطیاں درست کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد یہ کاغذات کمپوزیٹروں کے سردار فورمین کو دے دیے جاتے ہیں۔ نیوز ایڈیٹر اس کو بتلا دیتا ہے کہ کون سی چیز کس صفحے پر جائے گی۔ اسی کے مطابق فورمین کمپوز کیے ہوئے رانگے کے حرفوں کو یعنی مواد کو ترتیب دیتا ہے۔ اسے فارم باندھنا کہتے ہیں۔

اب یہ بندھے ہوئے فارم چھاپنے والی مشین کے پاس جاتے ہیں وہاں پر رکھ کر چھپتے ہیں۔ سائنس کی ترقی کی وجہ سے آدھے سے زیادہ کام مشین کرتی ہے۔ خبر لانے سے لے کر چھاپنے اور چھپی ہوئی کاپیوں کے گننے تک کا بہت سا کام مشینوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اخبار چھپ جانے کے بعد اسے پڑھنے والوں تک پہنچانا سرکولیشن والوں کا کام ہے راستہ میں اخبار اخبار تازہ خبریں چیخنے والے یہیں سے اخبار لے جاتے ہیں۔

اخباروں کی خبریں رپورٹر لاتے ہیں۔ یہ رپورٹر صرف اسی شہر میں نہیں رہتے جہاں سے اخبار نکلتا ہے۔ بلکہ وہ تار کے ذریعے خبریں بھیجتے ہیں۔ خبریں بھیجنے والی کمپنیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ کمپنیاں اپنی خبریں بھیجتی رہتی ہیں۔ ایک مشین جس کو "ٹیلی پرنٹر" کہتے ہیں۔ ان کی خبریں ٹائپ کیے ہوئے ورقوں کی شکل میں آتی رہتی ہیں۔

اخباروں کے دفتروں میں یہ مشین رہتی ہے۔

اخبار کے دفتر کی دھوم دھام کچھ عجیب ہوتی ہے۔ رات دن ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ ایک طرف ٹیلی پرنٹر کٹ کٹ سُریلی آواز سے زندگی کی چہل پہل کا گیت سناتا رہتا ہے۔ دوسری طرف مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ انسان کی ترقی کا ڈنکا بجاتی رہتی ہے۔ اسی درمیان میں رپورٹر اور تار لانے والوں کے قدموں کی آواز ترقی کی منزل کی طرف بڑھنے کا پیغام سناتی رہتی ہے۔

انسان آخر انسان ہے۔ پھر جیسے رات رات بھر جاگ کر کام کرنا پڑے وہ اگر بھول کر جائے تو کیا تعجب۔ ایک ایسا ہی واقعہ ہے۔ کلکتہ میں کچھ فساد ہو گئے تھے۔ پولس والے رات میں سڑکوں پر گشت لگایا کرتے تھے۔ رات کو تقریباً بارہ ایک بجے خبر آئی کہ پولس نے ایک علاقے میں شام سے آدھی رات گئے تک گشت لگایا۔ گشت کو انگریزی میں پٹرول کہتے ہیں۔ نیند سے بوجھل آنکھیں پھر یہ بھی خیال کہ کام جلدی ہو ورنہ پرچے کے چھپنے میں دیر ہو جائے گی۔ بے چارے سب ایڈیٹر لکھ گئے کہ پولس نے ایک علاقے میں شام سے آدھی رات تک پٹرول چھڑکا۔ دوسرے دن اچھا خاصا مذاق بنا۔ لیکن اس کرسی پر بیٹھ کر کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ آدھی رات میں جاگ کر کام کرنے والے کے لیے پٹرول (PETROL) خاص قسم کا تیل اور پٹرول (گشت لگانے میں) پہچان کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی اسی لیے اخبار میں منتری کا سنتری چھپ جانا کوئی عجیب بات نہیں۔ اُسے پریس کے بھوتوں کی مہربانی کہا جاتا ہے۔

یہ کہانی روزانہ کے اخبار کو مدِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ ہفتہ وار پرچوں یا ماہوار رسالوں کی کہانی بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔ کیوں کہ یہ سب ہیں تو آخر ایک ہی برادری کے بھائی بند۔

(بقیہ صفحہ ۱۹)

گری ہو۔ اس کی بے چینی بڑھنے لگی۔ وہ آپ آپ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سبھی درباری جیسے پتھر کی مورت بن گئے۔ تھوڑی بے چینی محسوس کرنے کے بعد یک لخت چلاّ کر راجا نے کہا، "نہیں، نہیں۔ میں بھی اس کام کے لائق نہیں ہوں۔"

راجا کی بات سنتے ہی سبھی درباری حیرت میں ڈوب گئے۔ راجا کے چہرے پر کچھ اور ہی تاثرات عیاں ہو رہے تھے۔ وہ بے چین اور بیزار سا لگنے لگا۔ چور بولا، "مہاراج آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

راجا نے فوراً اونچی آواز سے کہا: "ہاں... ہاں میں سچ کہتا ہوں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ میں عوام کے پیسے سے ہی موج اور عیش و آرام کر رہا ہوں۔"

چور نے فوراً چلا کر کہا، "مہاراج آپ کی ریاست میں کوئی بھی شخص سونے کی کھیتی کے بیج بونے کے قابل نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ بشمول آپ کے کوئی بھی ایماندار نہیں ہے۔ سب چور ہیں۔ چور۔ تو پھر آپ مجھے کیوں سزائے موت دے رہے ہیں۔ آپ کی ریاست میں تو سبھی چور ہیں۔ کیا آپ ان سب کو موت کی سزا دے سکتے ہیں؟ کیا آپ خود پھانسی پر چڑھ سکتے ہیں؟ آپ کے درباریوں میں کون گنہگار نہیں؟ آپ نے سبھی سے تو پوچھ لیا، کون بے گناہ ہے، بتائیے کون؟"

چور کی نفرت انگیز گفتگو سن کر راجا کی آنکھیں کھل گئیں لمحہ بھر کے لیے پھر دربار میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی بھی تو سر اٹھا کے دیکھنے والا نہیں تھا۔

راجا نے کہا "نہیں بھائی نہیں۔ تیرا کوئی گناہ نہیں۔ تو بے گناہ۔ تو اپنے گھر جا سکتا ہے۔ انصاف تو سبھی کے لیے یکساں ہوتا ہے۔ جا ہم نے تجھے آزاد کیا۔"

اور چور آزادی ملتے ہی اپنے گھر روانہ ہو گیا۔

براہ کرم مضامین صاف صاف خوشخط اور ایک لائن چھوڑ کر لکھیے۔

کانچ کے برتن بنانے والی فیکٹری کے باہر یہ بورڈ
ہوا تھا "ہمارے یہاں خوبصورت اور مضبوط برتن
تے ہیں۔ ہمارے گلاس ۲۵ فٹ کی بلندی سے نیچے
ایے، ۴ فٹ تک کی ہماری ضمانت ہے کہ برتن نہیں
ٹے گا۔"

ایک کنجوس آدمی نے اپنے دوست سے کہا "مجھے
سن کر بہت افسوس ہوا کہ گھی کا بھاؤ پندرہ روپے
سے گھٹ کر دس روپے کلو ہو گیا ہے۔ کنجوس کے
ست نے پوچھا "اس میں دکھ کی کیا بات ہے" کنجوس
جواب دیا "پہلے میں گھی نہ کھا کر پندرہ روپے بچاتا تھا
اب صرف دس روپے ہی بچا سکوں گا۔"

(مرتے ہوئے مریض سے) آپ کی آخری خواہش
ہے؟
میری آخری خواہش یہ ہے کہ آپ مجھے کسی اچھے
کے پاس لے جائیں۔

قریشی جمیل یوسف
۱۹۷۔ اسلام پورہ، مالیگاؤں مہاراشٹر

تنویر: (دودھ والے سے) دودھ والے سچ سچ بتا کر تیری
بھینس کتنا دودھ دیتی ہے۔
دودھ والا: صاحب چار سیر دودھ دیتی ہے۔
تنویر: تو تم پانچ سیر دودھ کیسے دیتے ہو۔
دودھ والا: گو متی ماتا کی مہربانی سے۔

اختر میاں: آج ہماری بھینس کھو گئی ہے۔ سارا گھر پریشان
ہے۔
انور: تو اخبار میں اشتہار دے دو
اختر میاں: یہی تو پریشانی ہے کہ میری بھینس پڑھنا نہیں
جانتی۔

محمد مظہر نعمانی

ایک عورت نے دس پیسے کا پنکھا خریدا۔ وہ
تھوڑی دیر بعد ٹوٹ گیا۔ وہ دکاندار کے پاس گئی
اور کہنے لگی "یہ کیسا پنکھا دیا تھا بھائی شوکی، دو منٹ
میں ٹوٹ گیا۔" دکاندار نے پوچھا "آپ نے اسے کیسے
استعمال کیا تھا؟" عورت بولی "میں نے اسے منہ کے
سامنے رکھ کر ہلایا تھا۔" دکاندار بولا "اوہو! منہ کے
سامنے ہلانے والے پنکھے کی قیمت پچاس پیسے ہے۔
دس پیسے والے پنکھے کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ
اسے منہ کے سامنے کھڑا کر دو اور منہ کو زور زور سے
ہلاؤ۔

ایس۔ اے۔ افضل زیدی، دہلی

جاوید: ابے سلیم۔ آج میرا پاکیٹ گھر رہ گیا۔ ذرا تھوڑی
مدد کرے گا کیا۔
سلیم: یہ پچاس پیسے لے اور بس سے گھر جا کر پاکٹ لے آ۔

مالک: ابے حسن اس کرسی پر کتنی دھول جم گئی ہے۔
حسن: ہاں۔ مگر مالک صبح سے اس کرسی پر کوئی بیٹھا ہی نہیں۔

نوگل بھارتی

ادھر ادھر سے

کرسینٹ اسکول کے شاندار نتائج سوفیصد فرسٹ ڈویژن رزلٹ

دہلی ۱۸ر جون مقامی کرسینٹ اسکول کے دسویں جماعت کے دس طالب علموں پر مشتمل دوسرے بیچ نے دسویں کلاس کا امتحان دیا۔ سبھی دس طالب علموں نے فرسٹ کلاس/ڈویژن میں پاس کیا طالب علم نفیس احمد نے ۹۰.۸ فیصد نمبر حاصل کرکے چار مضامین انگریزی، سائنس، حساب اور سوشل سائنس میں امتیازی حیثیت حاصل کی۔ رفیع احمد نے ۵، فیصد اوسط نمبر حاصل کیے اور تین مضامین میں امتیازی نمبر حاصل کیے۔ حنا ذکی نے ۹۴ فیصد نمبر انگریزی میں لاکر بورڈ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ ان کے علاوہ تین طالب علموں نے دوسرے مضامین میں امتیازی نمبر حاصل کیے۔ طالب علموں کے والدین نے پرنسپل اور ٹیچروں کا خصوصیت سے شکریہ ادا کیا۔

نابینا پھر دیکھنے لگا

ناسک ۳ر جولائی، دیو چند زاد میری ایک سماجی کارکن کی خواہش تھی کہ اس کی آنکھیں بطور عطیہ دے دی جائیں اس کی موت کے بعد اس کی خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ آنکھیں تبدیل کرنے کا آپریشن کرکے ایک لڑکے کو زار میری کی آنکھیں لگا دی گئیں مقامی سول اسپتال میں ۱۹۸۳ء کے بعد سے اب تک کا کامیاب آپریشن تھا۔

ایجوکیشن اب لفٹ ینٹ اسکیم شری وردھن

شری یوردھن کے مسلمانوں بچوں میں تعلیمی ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے اور گاؤں کا تعلیمی معیار بلند کرکے تعلیمی ماحول مہیا کرنے کی خاطر نونہال نرسری اسکول کا قیام ۱۵ر اگست ۱۹۷۸ء کو عمل میں آیا۔ تمام طلبہ و طالبات میں تعلیمی و ادبی ذوق پیدا کرنے کے لیے "ناز لائبریری" کا قیام یکم جنوری ۱۹۷۹ء میں عمل میں آیا۔ بچوں کے لیے مندرجہ ذیل انعامی مقابلے کیے جاتے ہیں۔

۱۔ انگلش اسپیلنگ کا مقابلہ ۲۔ تقریری مقابلہ ۳۔ جنرل نالیج کا مقابلہ ۴۔ اردو الفاظ کے تحریری مقابلے ۵۔ ذہانتی مقابلہ ۶۔ مراٹھی آزمائش۔

صحیح وقت بتانے والی گھڑی

ماسکو ۳ر جولائی سوویت یونین میں ایک گھڑی تیار کی گئی ہے جو ایک کروڑ سال میں ایک سکینڈ سے زیادہ کی غلطی نہیں کرے گی سوویت ماہرین نے اس کے لیے ایک پائدار لیزر تیار کیا ہے جو سائنس اور انجینئری کی دنیا میں اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے ماہرین نے ایسا لیزر تیار کیا ہے جو گھڑی کے ٹکٹن کی مانند فی منٹ میں ایک لاکھ بار جھوتا ہے۔

خلا میں وضو کے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں

ریاض۔ ۴ر جون (اپ) خلا میں جانے والے پہلے عرب شہزادہ سلطان بن سلمان کو سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز نے یہ اجازت دے دی ہے کہ وہ خلائی سفر کے دوران خلا میں پہنچنے کے بعد زمین پر واپس آنے تک بغیر وضو کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول باندرہ کا شاندار نتیجہ

باندرہ میں لڑکیوں کی اردو میڈیم کی ہائی اسکول صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے انجمن گرلز ہائی اسکول باندرہ گزشتہ سال بھی اسکول کا ایس ایس سی کا نتیجہ بڑا ہی شاندار تھا اور اس سال بھی ایس ایس سی کا نتیجہ قابل تعریف ہے امسال اسکول میں ایس ایس سی کا ۸۲ فیصد رہا اور اس بار بورڈ میں بھی اردو میڈیم سے انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول باندرہ کی ہی طالبہ اوّل رہی اسکول کا یہ شاندار نتیجہ انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول کی پرنسپل محترمہ رشیدہ قاضی صاحبہ اور تمام ٹیچرس کی انتھک محنت اور کوششوں کی وجہ سے رہا۔ ہم محترمہ رشیدہ قاضی صاحبہ اور تمام ٹیچرس کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں ان تمام طالبات کو بھی مبارکباد جنھوں نے اپنے اسکول کا نام روشن

آدھی ملاقات

مکرم ایڈیٹر صاحب! سلام مسنون

میں پیام تعلیم کا مطالعہ انتہائی پابندی سے کرتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور میں بچوں کے ادب کے سلسلہ میں پیام تعلیم کا مقابلہ کسی دوسرے رسالہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا سرورق، کہانیاں اور دوسرے عنوانات بچوں کے ادب کے شایان شان ہیں اور دیگر رسالوں کے مقابلے میں سستا بھی۔

آپ نے پیامی ادبی معما کا پروگرام چلا کر بچوں اور خود رسالے کے حق میں انتہائی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے جہاں تک میری جانکاری ہے اس پروگرام کے تحت بچوں میں مطالعہ اور خریداری کتب کا بے انتہا جوش پیدا ہوا ہے۔ انعام کی بروقت ادائیگی نے بھی آپ کی طرف سے کافی اعتماد پیدا کیا ہے۔ آپ دوسرے انعام کی ادائیگی نقد سے بدل کر کتاب کر دی ہے۔ بہتر ہوتا اسے بھی نقد ہی رہنے دیتے کیوں کہ نقد رقم بطور انعام خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو بچے اپنے ہاتھ آتی دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کا حوصلہ کافی بلند ہوتا ہے۔ یوں مقابلے میں کامیاب ہونے کے لیے بچے لامحالہ کتاب پڑھتے ہی ہیں کتابیں انعام میں ملنے کی وجہ سے بعض کے پاس ڈبل کتابیں ہو جاتی ہیں جو ان کے حوصلے کو پست کرتا

وسلام، مسعود سعد سلمان، رفیع گنج۔

گرامی قدر، ہدیتی سلام!

"پیام تعلیم" کے دونوں شمارے مل چکے ہیں۔ آپ کی اس عنایت کے لیے مشکور و ممنون ہوں۔ "پیام تعلیم" کا معیار بہت اچھا ہے اس میں ہر عمر کے بچوں کا خیال رکھا جاتا ہے اور ان کی دلچسپی کا سامان موجود رہتا ہے میری جانب سے مبارک باد قبول کیجیے۔

رحمٰن حمیدی، گوہو، بہار

تسلیم

محترمی و مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب!

پیام تعلیم برابر مل رہا ہے۔ ٹائیٹل پیج رنگا رنگ دلچسپ اور مضامین متنوع اور معلومات افزا ہوتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی سرپرستی میں یہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

حافظ باقوی، جمیل آباد، بیل شالم

تسلیم

جناب اڈیٹر صاحب!

اب چونکہ ہم اڈیٹر بن گئے ہیں اور وہ بھی اپنے محبوب رسالے "پیام تعلیم" کے۔ سب سے پہلا تو میرا نشانہ پیام تعلیم کا ٹائیٹل ہوگا کیوں کہ ایک سال میں لگ بھگ ۵ بار تو ایک ہی ٹائیٹل دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہر ماہ نیا اور انوکھے طرز کا ٹائیٹل ہو تو کیا وجہ ہے کہ بچے اسے نہ پڑھیں۔ اس کے بعد اس میں جو کہانیاں شائع ہوتی ہیں وہ اسی پرانے اور دقیانوسی فقرے یعنی "ایک دفعہ کا ذکر ہے" یا "ایک راجا تھا" یا "ایک جنگل......" سے شروع ہوتی ہیں۔ اگر ان کو شروع اس انداز سے کیا جائے کہ دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں متوجہ ہو جائے۔ تو ٹھیک ہوگا۔ یہ بات دراصل میں نے کہانیاں لکھنے والے پیامیوں کے بارے میں کہی ہے۔ اگر وہ اپنے اردگرد کے واقعات کو افسانہ یا کہانی کا رنگ دیں تو پیام تعلیم کے پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ہر ماہ دو سے زیادہ نظمیں شامل نہ کریں۔ اور جس طرح پیام تعلیم میں ہر ماہ کسی نہ کسی اہم شخصیت کی کوئی تخلیق ہوتی ہے۔ اسی طرح کوشش کر کے ہر ماہ کسی نہ کسی کا انٹرویو شائع کیا جائے۔ "اِدھر اُدھر سے" پروگرام اچھا ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس میں دنیا کے موجودہ حالات کے بارے میں خبریں ہوں۔ "آدھی ملاقات" ہر ماہ شائع کریں، "قلمی دوستی" کے کالم کو اگر ہو سکے تو ترک کیا جائے۔ "بچوں کی کوششیں" کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں، پیامی ادبی معما کے لیے ۱۵۰/ روپے خرچ کیے جاتے ہیں وہی روپے آپ دوسرے سلسلوں میں بھی لگا سکتے ہیں مثلاً بلا عنوان کہانی، معلوماتی مقابلہ۔ ادبی مقابلہ وغیرہ اس سے بچوں میں مقابلے competition کا جذبہ ابھرے گا۔

ایم شکیل راوت

مکان نمبر ۳۹، محلہ کچہ کوٹ، مالیر کوٹلہ۔ پنجاب۔ [illegible]

نام: محمد حبیب الرحمٰن عمر: ۱۶ سال
مشغلہ: کورس کی کتابیں پڑھنا، کرکٹ و فٹ بال کھیلنا، نئے نئے لوگوں سے دوستی کرنا، کمنٹری سننا۔ سائنس کی کتابیں پڑھنا۔
پتا: محمد حبیب الرحمٰن، مقام، کبنیا باڑی بستن پور، وایا بہادر گنج، ضلع، پورنیہ (بہار)

نام: محمد عفران احمد صدیقی عمر: ۱۰ سال
مشغلہ: پیام تعلیم پابندی سے پڑھنا۔ فٹبال کھیلنا، سائکل چلانا۔
پتا: معرفت محمد عباس صاحب، محلہ مہاراج گنج، رفیع گنج ضلع اورنگ آباد۔ بہار

نام: مرزا شہید بیگ عمر: ۱۹ سال
مشغلہ: دینی کتابیں، اخبار پڑھنا، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کرنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: لبرٹی جوس وکریم سینٹر، سنٹرل بینک کے سامنے گھاٹ کوپر (ویسٹ) بمبئی نمبر ۸۶۔

نام: ندیم الرحمٰن شمس۔
مشغلہ: کھانا پکاکر دوستوں کو کھلانا اور دوستوں سے علمی بحث کرنا، گھر کا کام کاج کرنا، پیام تعلیم جیسے دلچسپ پرچوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا: ۱۴ زکریا اسٹریٹ کلکتہ، مغربی بنگال ۷۳۔

نام: اے ایم ہارون رشید عمر ۱۵ سال
مشغلہ: نماز پڑھنا، نوجوانوں میں اسلامی جوش و خروش پیدا کرنا اپنے مخلص دوستوں کے خطوں کا جواب دینا۔
پتا: بمبو سرچینٹ لیشونت پور بنگلور کرناٹک

خیال کے پھول

- قرآن حکیم: عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کی باز پرس ہوگی
- حضرت علی: بہترین کلام وہ ہے، جس سے سننے والے کو ملال نہ ہو۔
- چینی کہاوت: وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔
- راجر بیکن: آدمی مطالعے سے بیدار ہوتا ہے مکالمے سے تمیز پیدا کرتا ہے اور لکھنے سے صحیح المزاج بنتا ہے۔
- بالزاک: عمل کا جوش اور مسلسل عمل ہمیں خوشی کی طرف لے جاتے ہیں۔
- جارج واشنگٹن: میرا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ اپنے تصورات اور خاکوں کو الفاظ کے بجائے عمل کا جامہ پہناؤں۔
- ڈریوڈراک فیلر: اگر ضرورت ایجاد کی ماں ہے تو مطمئن نہ ہونا ترقی کا باپ۔
- مولانا محمد علی جوہر: چیلنج اس لیے کرو کہ تم میں عزم پیدا ہو، اس لیے نہ کرو کہ تم میں غرور پیدا ہو
- ابن الکبیر: جسم کی راحت کم کھانا، روح کی راحت گناہ کا کم کرنا اور زبان کی راحت کم بولنا ہے۔
- بو علی سینا: "زندگی" میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔ خوف مرگ، شدتِ مرض اور ذلتِ قرض۔
- سقراط: نیک انسان کو زندگی میں یا موت کے بعد کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔
- پریم چند: نیند ایک ایسا بحرِ بے کراں ہے جس میں ہم سب اپنے دکھوں کو ڈبو دیتے ہیں۔
- مہاتما بدھ: نفرت، نفرت سے نہیں محبت سے ختم ہوتی ہے۔
- بھرتری ہری: نرمی اور میٹھی بولی سے دوسروں کو دل و جان سے جیتنے کے لیے موثر ترین ہتھیار ہے۔
- ڈزرائیلی: وقت قیمتی ہے لیکن صداقت اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

گھومنے والا درخت

افریقہ کے ایک گاؤں "باکی" میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جسے لوگ مقدس درخت کہتے ہیں اس کی خوبی یہ ہے کہ جب طوفان آتا ہے تو وہ گھوم جاتا ہے اور ہوا کے ساتھ مسلسل گھومتا رہتا ہے اس طرح یہ درخت زمین پر نہیں گرتا۔

یہ بھی سچ ہے

یہ بھی سچ ہے کہ جاپان کے ایک شخص جم واپر کے پاس ایسا انڈا تھا جو بالکل گول تھا۔ جب اسے توڑا گیا تو اس کے اندر سے ایک اور گول انڈا نکلا۔

دنیا کا سب سے عجیب اخبار

دنیا کا سب سے بڑا اخبار جاپان سے نکلتا ہے اور سب سے انوکھا اخبار جزیرہ گرین لینڈ کی راجدھانی ددھاب سے نکلتا ہے۔ یہ ہے تو روزنامہ مگر مہینہ میں صرف ایک بار اسکیمو کی زبان میں چھپتا ہے اس کا نام "کیھترک نیگ" ہے اس کے ناشر ایک مقامی پادری صاحب ہیں۔ وہی اس کے مینجنگ اڈیٹر، چیف اڈیٹر، نامہ نگار، طابع، ناشر، سیاہیہ نویس، خزانچی اور تقسیم کار بھی ہیں۔
سب سے زائد دلچسپ اس روزنامہ کا چندہ ہے جو چھے مہینے کے لیے ایک انڈا ہے (بہت ہی ملائم پروں والی ایک مقامی چڑیا) اور سال بھر کا چندہ ایک فوک ہے (بحری سٹور) جزیرہ گرین لینڈ کی آبادی ۵۰ ہزار نفر ہے اور یہ دنیا کا سب سے بڑا و تقریباً غیر آباد و بہر فیلا جزیرہ ہے جس کا تعلق ڈنمارک سے ہے۔

حال ہی میں سات ہزار روپے کی لاگت کا ایک ایسا مائیکرو کمپیوٹر تیار کیا گیا ہے جو باقاعدگی سے نماز کے اوقات پر خبردار کرتا ہے اور خانۂ کعبہ کی سمت بتاتا ہے تاکہ آپ اس جانب کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکیں۔ یہ دنیا کے کسی بھی کونے میں وہاں کے اوقات طلوع وغروب کے مطابق نماز کا وقت معین کرے گا اور کعبہ کی سمت بتائے گا۔ یہ کمپیوٹر تین بار ہر سکینڈ کے بعد کہتا ہے کہ اٹھئے نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ اسے لبنان کے ایک عیسائی انجینئر شری جارج شرائم نے بنایا ہے۔ شیشے کے خول والا کمپیوٹر چار ہزار روپے کا اور دھات کے خول والا سات ہزار روپے کی مالیت کا ہے۔

دہلی کے ماہرین کے ایک گروپ نے اندرون ملک کے ذرائع سے ایک ایسا آلہ تیار کیا ہے جو ایلکٹرونک ٹائپ رائٹر کی خط یا رپورٹ میں محفوظ معلومات کو لامحدود طور پر شامل کرسکتا ہے۔ ہندستانی مواصلاتی نظام کے قائم کردہ آر اینڈ ڈی (تحقیق و ترقی) مرکز نے حال ہی میں اس آلہ کے علاوہ ایلکٹرونک ٹائپ رائٹر کا ایک نیا سلسلہ رائج کیا ہے۔ جس کی مدد سے ایک منٹ میں تین سو الفاظ ٹائپ ہو سکتے ہیں۔ ہندستان دنیا کے ان چھے مراکز میں سے ایک ہے جنھوں نے ٹائپ رائٹر کی یہ نئی قسم تیار کی ہے۔

آسٹریلیا کی قومی یونیورسٹی کے سائنس دانوں نے سویابین کا ایک ایسا شاندار بیج تیار کیا ہے جو زرخیز زمینوں کو ۴۵ گنا زیادہ نائٹروجن فراہم کرسکتا ہے۔ جب کہ یہ نائٹروجن جذب کرتا تھا کجا کہ اس میں اضافہ کرپاتا۔

گاندھی جی بچّوں کے ساتھ

پیارے بچو!......... تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اکتوبر کی دو تاریخ کو ہمارے ملک کے ایک عظیم رہنما مہاتما گاندھی نے جنم لیا۔ انھیں ہم پیار سے باپو جی بھی کہتے ہیں۔ ملک کے عظیم لیڈر ہوتے ہوئے بھی گاندھی جی بچّوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے۔ اس کا اندازہ تمھیں یہ واقعہ پڑھ کر ہوگا۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب سارے ملک میں انگریزوں کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ انگریزی حکومت نے انگلینڈ میں گول میز کانفرنس منعقد کی اس کانفرنس میں گاندھی جی کو بھی بلایا گیا تھا گاندھی جی انگلینڈ بھی وہی لباس پہن کر گئے جو وہ یہاں پہنتے تھے۔ یعنی صرف ایک دھوتی۔ اس لباس میں انھوں نے شاہِ انگلستان سے ملاقات کی اور کانفرنس میں اپنے ملک کی نمایندگی کی۔

گاندھی جی انگلینڈ میں ایک غریب بستی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن وہ وہاں کے ایک اسکول میں چلے گئے۔ بچّوں نے انھیں دیکھتے ہی گھیر لیا۔ وہ بچّے اُن کو انکل انکل کہہ کر پکارنے لگے۔ گاندھی جی بھی بچّوں میں گھل مل گئے۔ ان چھوٹے بچّوں میں ایک بچّہ ذرا باتونی تھا۔ اس نے دیکھا کہ اپنے گاندھی چاچا صرف ایک کپڑا پہنے ہوئے ہیں۔ اُن کے جسم پر قمیص بھی نہیں ہے۔ اس نے ہمت کرکے گاندھی جی سے پوچھا:

"چاچا آپ کو سردی نہیں لگتی کیا؟"

گاندھی جی نے کہا "لگتی کیوں نہیں۔ لگتی ہے۔ تمھارا ملک کتنا سرد ہے۔ یہاں برف باری بھی ہوتی ہے۔ تب تو سردی لگے گی ہی۔ مجھے بھی لگتی ہے۔"

"لگتی ہے نا، پھر آپ قمیص بھی نہیں پہنتے۔"

گاندھی جی ہنسے اور کہنے لگے "ارے ننّے قمیص نہیں ہے میرے پاس اس لیے نہیں پہنتا۔" بچّے کو بہت تعجب ہوا۔ لمحہ بھر سوچ کر اس نے گاندھی جی سے پوچھا "چاچا آپ کے پاس قمیص نہیں ہے تو اپنی اماں سے کہوں گا۔ وہ آپ کو قمیص سی کر دے گی آپ لیں گے نا چاچا؟" گاندھی جی نے کہا "ارے مجھے ایک قمیص کیسے کافی ہوسکتی ہے؟" بچّے نے جلدی سے پوچھا "پھر کتنی قمیص چاہییں دو چاہییں؟ میری اماں بہت اچھی ہے۔ وہ آپ کو دو قمیص سی کر دے گی۔ پھر آپ لیں گے نا؟"

گاندھی جی مسکرائے اور کہا "مجھے دو قمیص کیسے کافی ہوسکتی ہے؟"

"پھر کتنی چاہییں چاچا؟ چار؟ چھے، دس،" بچّے نے پوچھا گاندھی جی مسکرا کر کہنے لگے۔

"ارے ننّے مجھے دس قمیص بھی کافی نہیں ہوسکتی

مجھے تو چالیس کروڑ قمیص چاہییں۔

"چالیس کروڑ"

"ہاں چالیس کروڑ"

چالیس کروڑ یعنی کتنا یہ اس چھوٹے بچّے کی سمجھ میں ٹھیک سے نہیں آرہا تھا۔ وہ صرف اتنا ہی سمجھا کہ چالیس کروڑ یعنی بہت بہت زیادہ۔ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا

گاندھی جی نے یہ دیکھا تو کہنے لگے "منے! میرا ملک یہاں سے بہت دور سات سمندر پار ہے۔ اس کا نام ہے ہندستان۔ تم انگریز اسے انڈیا کہتے ہو۔ میرے دیش میں کروڑوں لوگوں کو پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا۔ تن ڈھانکنے کو کپڑے نہیں ملتے۔ تو پھر میں کیسے قمیص پہن سکتا ہوں؟ ان سب لوگوں کو جب قمیص پہننے کو ملے گی تب ہی میں قمیص پہنوں گا۔"

گاندھی جی کی باتیں بچّے کی سمجھ میں آگئیں۔

بچو! دیکھا تم نے گاندھی جی کو اپنے دیش سے اور اپنے دیش والوں سے کتنی محبت تھی۔ اسی لیے تو سب انھیں پیار سے باپو جی کہہ کر یاد کرتے ہیں۔

رفیع احمد

۲۰۸، اسلام پورہ، مالیگاؤں (ناسک)

ہوائی محل

ایک دفعہ اکبر بادشاہ نے بیربل کو ایک عجیب قسم کا محل تیار کرانے کا حکم دیا۔ محل کی بنیاد زمین پر نہ ہونی چاہیے۔ وہاں تو صرف حکم کی دیر تھی حکم پاتے ہی بیربل نے اس کے خرچ کا تخمینہ بتلایا۔ سرکاری خزانے سے روپیا دلوا دیا گیا۔ روپیا پاکر بیربل بولے کہ ہوائی محل کو تیار کرنے والے کاری گر کو تلاش کرنے میں دو تین ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے تین مہینے کی مہلت دے دی۔ بیربل روپیا لے کر چلے گئے اور چڑی ماروں کو توتے پکڑ کر لانے کا حکم دیا۔

اسی دن سیکڑوں توتے بیربل کے سامنے رکھ دیے گئے بیربل نے اپنی مرضی سے ۸۰/۷۰ توتے رکھ کر باقی واپس کر دیے اور چڑی ماروں کو ان کی مزدوری بھی دے دی۔ بیربل نے ادھر اب توتوں کو سکھلانے کا کام اپنی بیٹی شیلا کے سپرد کیا۔ موقع پانے پر خود بیربل بھی توتوں کو کچھ سکھاتے اور ان کے ساتھ خود بولتے تھے۔ چونا لاو۔ اینٹیں جمع کرو۔ ہوائی محل تیار کرو۔ یہاں دھرن لگاؤ وغیرہ۔

ادھر دو ماہ ختم ہو چلے تھے۔ بادشاہ کو بیربل کی بڑی کمی محسوس ہوتی تھی۔ بیربل خفیہ بھیس میں رہتے تھے جس کی وجہ سے بادشاہ کو پتا بھی نہ چل پاتا تھا۔ اور ادھر اب توتے کافی اچھی طرح بول لیتے تھے۔ ایک دن بیربل تمام توتوں کو پنجرے میں بند کرا کر بادشاہ کے محل کی طرف لے گئے اور بادشاہ سے عرض کیا کہ کاری گر آگئے ہیں اور اب جلد ہی کام شروع ہوگا آپ بھی چل کر ملاحظہ فرمائیے۔ یہ سن کر بادشاہ بیربل کے ہمراہ ہو لیے۔ بیربل نے تمام توتوں کو پنجرے سے نکال کر کمرے میں بند کر دیا تھا۔ جب بادشاہ اور بیربل اس کمرے کے پاس پہنچے تو نوکر نے وہ کمرہ کھول دیا اور سب توتے ایک ساتھ باہر کو اڑے ایک ساتھ اڑنے میں ایک خوفناک آواز ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام توتے ہوا کے ساتھ آسمان پر منڈلانے لگے اور تھوڑی ہی دیر میں آسمان سے اینٹیں لاؤ چونا تیار کرو۔ کواڑ لگاؤ وغیرہ کے سروں سے آسمان گونج اٹھا۔

بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ توتے کیا کر رہے ہیں بیربل نے عاجزی سے کہا۔ جہاں پناہ! ہوائی محل کی تیاری کا مزدور سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد بنانا شروع ہوگا۔

دیکھو بچو! بیربل کتنا عقل مند تھا اور اس نے بادشاہ کو کس طرح اپنا بنائے رکھا۔

جبیں اختر

لون کھنہ منڈی، راجوری، کشمیر

اللہ سب سے بڑا ہے

کسی ملک میں ایک بادشاہ کے دو بیٹیاں تھیں۔
ایک دن بادشاہ نے دونوں کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تمھیں سب سے پیارا کون ہے۔ پہلی بیٹی نے جس کا نام عنبری تھا کہا "ابا جان آپ ہیں"۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر دوسری بیٹی نے جس کا نام غزالہ تھا۔ جواب دیا: "اللہ"۔۔۔ اس پر بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ کھاتی میرے گھر سے کپڑے پہنتی میرے گھر سے، رعایا مجھے دعائیں دیتی اور یہ کہتی ہے "اللہ" بادشاہ نے اسے گھر سے نکال دیا۔
وہ شام تک چلتی رہی۔ آگے جنگل تھا۔ وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر رونے لگی۔ ابھی اسے یہاں تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ ایک بوڑھا ہاتھ میں لالٹین پکڑے ہوئے پاس آیا۔ اور کہا کہ بیٹی کیوں روتی ہے۔ اس نے فقیر کو پوری اپنی کہانی سنا دی۔ اس نے کہا: "اچھی بیٹی۔ آج سے تم میرے گھر رہو۔ میں بھیک مانگ کر لایا کروں گا اور شام کو اکٹھے کھانا کھایا کریں گے۔" اچھا کہ کر وہ فقیر کے ساتھ چل پڑی۔
ایک پرانی جھونپڑی میں وہ رہتا تھا۔ دونوں نیچے چادر بچھا کر سو رہے۔ صبح دونوں نے کھانا کھایا اور فقیر بھیک مانگنے چلا گیا۔ دن آہستہ آہستہ گزرتے رہے۔ ایک دن اس نے سوچا گھر میں اکیلے دل نہیں لگتا کیوں نہ چولہا بناؤں۔ یہ سوچ کر وہ باہر گئی اور مٹی کھودنے لگی۔ تھوڑی مٹی نکالی تھی کہ جس چیز سے وہ مٹی نکال رہی تھی وہ کسی چیز سے ٹکرائی۔ اس نے سمجھا کہ پتھر ہوگا۔ جب وہ مٹی نکالنے لگی تو دیکھا کوئی چیز چمک رہی ہے اتنے میں فقیر بھی آ گیا۔ اس نے جو دیکھا کہ وہ مٹی کے ڈھیر کے پاس حیران بیٹھی ہے تو اس کے پاس گیا۔ پوچھا بیٹی کیا بات ہے۔ اس نے فقیر کو ساری بات بتائی۔ اس نے دیکھا تو واقعی ایک دیگ تھی آخر کار رات میں انھوں نے دیگ نکال لی۔
دونوں بہت خوش تھے۔ دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ دوسرے دن انھوں نے اسی جگہ ایک بہت بڑا محل بنانے کا ارادہ کیا۔ آخر محل بننے لگا۔ کچھ عرصے بعد ایک عالیشان محل کھڑا تھا۔ ایسا محل جو کہ بادشاہ کے محل کے مقابل دگنا تھا۔ ایک دن انھوں نے سب فوجیوں، بادشاہ، وزیر اور بہت سے لوگوں کو دعوت دی۔ دعوت کھانے کے بعد بادشاہ نے فقیر سے جو کہ اب سوٹ پہنے تھا کہا: "یہ کھانا کس نے پکایا ہے؟" کھانا اتنا عمدہ تھا کہ بس کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کہا میری بیٹی نے پکایا۔ بادشاہ نے کہا اسے ہمارے سامنے لایا جائے۔
لڑکی غزالہ اندر داخل ہوئی اور آداب عرض کیا اور کہا میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ نے کہا تھا۔ تجھے سب سے پیارا کون ہے تو میں نے کہا تھا۔ "اللہ" آپ نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔ اب دیکھیے اللہ نے مجھے کتنا امیر بنا دیا ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا سچ ہے، اللہ میاں ہی بڑے اچھے ہیں

ارشاد عالم
"عالم منزل" اوگانواں (نالندہ)

آنکھیں

۱۹۴۷ء سے پہلے کی بات ہے دہلی میں کوڑیا پُل کے پاس ایک فقیر بھیک مانگتا دیکھا جاتا تھا جس کی دونوں آنکھیں غائب تھیں بلکہ چہرے پر ان کی کوئی علامت تک نہیں پائی جاتی تھی۔ اب

یا محسوس ہوتا تھا کہ پیشانی سے رخسار تک چھائے
وئے گوشت (کھال) کے اندر آنکھوں کے ڈھیلے
رکت کر رہے ہیں اس وقت وہ نوجوان تھا۔ چہرہ
ھیانک معلوم ہوتا تھا لیکن یہ نقص اس کا عمدہ
سیلۂ معاش تھا۔

اٹلی کا رہنے والا ایک شخص جیوردنی جلانتی کے
ے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ دن میں دیکھنے سے
کل معذور تھا اس لیے وہ دن میں ایک کونے میں
کھیں بند کیے بیٹھا رہتا تھا۔ دن میں جب اس کو کام
تا ہوتا تو کمرہ بند کر کے اس میں اندھیرا کر لیتا تھا۔
اندھیرے میں وہ خوب کام کرتا تھا۔ رات کو
ھیرے میں خوب دیکھ لیتا۔ ڈاکٹروں کو دکھاتے پر
وں نے بتایا کہ اس شخص کی آنکھیں چمگادڑوں کی
نت کی ہیں۔ یہ شخص ۱۹۲۸ء تک اٹلی میں زندہ تھا۔

کاسپر ہوسیر ایک زمانے میں جنوبی جرمنی کے شہر بیدن
لی عہد تھا۔ اس کی نظر اتنی تیز تھی کہ وہ دن میں
ے آسانی سے دیکھ لیتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے
ے بلی کی ساخت کے تھے۔ چونکہ یہ والی ریاست
و سال کی عمر ہی میں مخالف گروپ نے اسے اغوا کر لیا۔
وبر کے شہر انسپاچ پہنچا دیا جہاں وہ ایک تنگ و
ک تہ خانے میں ۱۸ سال تک قید رہا۔ صرف ایک
اس کی دیکھ بھال کے لیے رہتا تھا۔ جس کے لیے
تھا کہ باہر کی دنیا سے اس کو بے خبر رکھا جائے۔
اتفاقاً ایک دن نگہبان کی غلطی سے تہ خانے کا
ازہ کھلا رہ گیا اور کاسپر باہر نکل آیا جسمانی طور
وہ بالغ ہو چکا تھا لیکن دماغی نشو و نما دو سال
ے زیادہ ترقی نہ پا سکی۔

عظمیٰ عارف
معرفت ڈاکٹر ایم۔ اے بیگ کدورا (جالون)

بادشاہ کا خواب

کسی دور دیش میں ایک بادشاہ تھا۔ ایک رات اس نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے محل کے دروازے پر کسی نے ایک لومڑی لٹکا دی ہے۔ وہ چونک پڑا۔ خواب سے جاگا۔ وہ حیرت میں تھا کہ اس خواب کا کیا مطلب ہے۔ اس نے سیانوں کو بلایا انھیں خواب سنایا اور کہا "اس خواب کی تعبیر بتائیے۔ مجھے یہ خواب سچا معلوم ہوتا ہے۔

لیکن سیانوں میں سے کوئی خواب کی تعبیر نہ بتا سکا۔ بادشاہ کی فکر اور بڑھ گئی۔ وہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی ہو خواب کی تعبیر معلوم ہونی چاہیے۔ اس نے حکم دیا کہ ریاست کے لوگ الگ الگ گروہ بنا کر مجھ سے ملیں۔ میں ان کے سامنے اپنا خواب بیان کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی میرے خواب کی تعبیر بتا سکے۔

بادشاہ کے حکم کے مطابق ریاست کے لوگ خواب کا حال سننے آنے لگے۔ ان لوگوں کے سیکڑوں گروہ اس کے سامنے سے گزرے مگر کوئی خواب کی تعبیر نہ بتا سکا۔ ان آنے والوں میں ایک گاؤں کا فقیر بھی تھا۔ اس کا نام عاقل تھا۔ عاقل ایک جنگل سے گزر رہا تھا، اسے بادشاہ کے محل جانا تھا۔ راستے میں ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اسے ایک سانپ ملا۔ وہ ذرا خوف زدہ ہوا۔ مگر اچانک سانپ بولنے لگا۔ سانپ نے کہا: اگر میں تمھیں بادشاہ کے

کی تعبیر بتادوں تو کیا تم بادشاہ سے ملنے والے
انعام کا آدھا مجھے دوگے ؟"
عاقل سمجھ دار آدمی تھا اس نے کہا : ہاں میں
تمھیں آدھا انعام دوں گا ۔ تم تعبیر بتاؤ :
سانپ بولا : بادشاہ نے خواب میں دیکھا ہے
کہ اس کے محل کے دروازے پر ایک لومڑی لٹکی ہوئی
ہے ۔ لومڑی چالاکی اور دھوکے بازی کے لیے مشہور
ہے ۔ مطلب یہ کہ ملک میں خیانت ، دھوکے بازی اور
چالاکی کا دور دورہ ہے ۔ بادشاہ کو آنکھیں کھول کر
کام کرنا چاہیے ۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے وزیروں اور
اہل کاروں میں سے کوئی اُسے دھوکا دے دے ؟
عاقل نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور راجدھانی
پہنچ گیا ۔ عاقل کو بادشاہ کے سامنے لے جایا گیا ۔
بادشاہ نے اپنا خواب سنایا ۔ عاقل نے بادشاہ کو
خواب کی وہ تعبیر بتادی جو اُسے سانپ نے بتائی
تھی ۔ بادشاہ عاقل کی بات سن کر اور زیادہ فکرمند
ہوگیا ۔ اس نے سوچا یہ شخص ٹھیک کہتا ہے ۔ مجھے
حکومت کے کاموں کی طرف زیادہ توجہ کرنا چاہیے ۔
وزیروں اور اہل کاروں پر ضرورت سے زیادہ
بھروسا کرنا بھی ٹھیک نہیں ۔ کسی کے دل کا حال
کیسے معلوم ، نہ جانے ان میں سے کون میری مخالفت
پر اتر آئے اور بغاوت پر کمر باندھ لے ۔
بہرحال بادشاہ نے عاقل کی تعریف کی ، اور
اسے اچھی رقم انعام میں دی ۔ عاقل وہاں سے لوٹا ۔ اس
نے سوچا اگر میں اسے انعام کا حصہ نہ دوں تو اچھا رہے
گا ۔ یہ سوچ کر اس نے راہ بدلی اور ایک دوسرے راستے
سے گاؤں پہنچ گیا ۔
کچھ دنوں بعد بادشاہ نے پھر ایک خواب دیکھا ۔
اس نے دیکھا کہ قلعہ کے دروازے پر ایک ننگی تلوار
لٹکی ہوئی ہے ۔ اسے خیال آیا کہ شاید اس کی جان خطرے
میں ہے ۔ لیکن پھر بھی خواب کی تعبیر پوچھنا ہی اچھا رہتا ۔

چنانچہ اس نے عاقل کو بلوایا تاکہ اس سے خواب کی تعبیر
پوچھے ۔ جب عاقل کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اور
کوئی خواب دیکھا ہے اور اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے
بلایا ہے تو وہ گھبرا گیا ۔ اس نے سوچا کہ سانپ سے تعبیر
پوچھ کر بادشاہ کے پاس جاؤں گا ۔ مگر سانپ کو تو
وہ دھوکا دے چکا تھا ۔ اس کو شرمندگی محسوس ہو
رہی تھی کہ سانپ سے کیسے آنکھیں چار کرے ۔ مگر چارہ
نہ تھا ۔ اس لیے عاقل راجدھانی کے لیے روانہ ہوگیا ۔
آخر وہ جگہ آگئی ۔ جہاں اُسے سانپ ملا تھا ۔ مگر وہاں
سانپ نہ تھا ۔ عاقل نے اُسے آواز دی ۔ سانپ اپنے
بل سے باہر نکل آیا ۔ اس نے عاقل کو دیکھتے ہی کہا ۔
" پھر بادشاہ نے خواب دیکھا ہے نا ؟ تم وعدہ کرو کہ جو
انعام وہ دے گا اس میں سے آدھا تم مجھے دو گے تو
میں تمھیں خواب کی تعبیر بتانے کو حاضر ہوں ؟"
عاقل بولا " ہاں میں خوشی سے انعام کا آدھا حصہ
تمھیں دوں گا " سانپ نے کہا ۔" بادشاہ نے خواب میں
دیکھا ہے کہ ان کے محل کے دروازے پر ایک تلوار لٹکی
ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں جلد ہی کوئی
زبردست خانہ جنگی ہونے والی ہے ؟"
عاقل نے سانپ کا شکریہ ادا کیا ۔ محل میں گیا اور
بادشاہ کو خواب کی تعبیر بتائی ۔

بادشاہ نے عاقل کو بہت سا انعام دیا ۔ عاقل
انعام لے کر لوٹا تو سانپ اس کا منتظر تھا اس نے
کہا " ہاں بھائی عاقل ! لاؤ اب انعام میں سے میرا

آدھا حصّہ: عاقل نے کہا آپ آدھے کا کیا کریں گے۔ نیت تو خراب تھی۔ اچانک ایک پتھر اٹھایا اور سانپ کو مارا۔ سانپ بل کھا گیا اس لیے چوٹ صرف دم پر لگی۔ اور سانپ سرسراتا ہوا اپنے بل میں گھس گیا۔

خواب کی تعبیر صحیح نکلی۔ بادشاہ چوکنا تھا۔ وہ کامیاب رہا۔

اس بات کے چند مہینوں بعد بادشاہ نے پھر ایک خواب دیکھا کہ کسی نے اس کے محل کے دروازے پر ایک بھیڑ لٹکا دی ہے۔ اس نے ایک بار پھر عاقل کو بلا بھیجا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ مجبوراً پھر جنگل میں گیا اور سانپ کو بلایا، سانپ آگیا اور عاقل سے کہنے لگا۔

"مجھے معلوم ہے کہ بادشاہ نے پھر ایک خواب دیکھا ہے۔ تم وعدہ کرو کہ اس بار جو انعام تمھیں ملے گا اس میں سے آدھا مجھے دوگے، تو میں تمھیں خواب کی تعبیر بتاؤں:"

عاقل نے کہا "میں اپنے پچھلے کرتوتوں پر شرمندہ ہوں میں اس بار ضرور تمھیں انعام کا آدھا حصّہ دوں گا"

سانپ بولا "بادشاہ نے خواب دیکھا ہے کہ محل کے دروازے پر ایک بھیڑ لٹکا دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ملک میں امن کا دور آرہا ہے۔ ملک خوب ترقی کرے گا اور بادشاہ کو نیک نامی ملے گی"

عاقل نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور بادشاہ سے ملا۔ اس نے بادشاہ کو خواب کی تعبیر سنائی۔ تعبیر سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس نے عاقل کو بہت زیادہ انعام عطا کیا۔

انعام لے کر عاقل چلا۔ راستے میں سانپ سے ملاقات ہوئی۔ عاقل نے سانپ کو دیکھتے ہی کہا۔

"لو بھئی اپنا آدھا انعام۔ میں اپنے پچھلے کرتوت پر تم سے معافی چاہتا ہوں۔ یہ رقم لے لو۔ میں پچھلی رقموں میں سے بھی تمھارا حصّہ دوں گا" سانپ نے عاقل کی بات سنی تو ہنسا اور بولا:

"فکر مت کرو۔ تمھاری خطا نہیں ہے۔ جب تم سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو ملک میں خیانت، دھوکا اور دھاندلی کا راج تھا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا تو کیا عجیب بات کی؟ دوسری دفعہ جب ہماری تمھاری ملاقات ہوئی تو ملک میں قتل و غارت گری کا دور تھا۔ تم نے مجھ پر حملہ کیا، مجھے زخمی کیا تو یہ ان ہزاروں آدمیوں کی طرح ہی کیا جو ملک میں لوٹ مار مچا رہے تھے۔ آج امن و آشتی کا دور ہے۔ تم بھی امن پسند ہو گئے ہو۔ اس لیے یہ کوئی تعجب یا غم و غصّہ کی بات نہیں۔ میری خواہش ہے کہ امن اور صلح اور نیکی کا یہ دور باقی رہے۔ انعام اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں"

یہ کہہ کر سانپ سوراخ میں گھس گیا۔ اور عاقل سانپ کی باتوں پر غور کرتا ہوا اپنے گھر چلا آیا۔ اب وہ سچ مچ صلح پسند آدمی تھا۔

نصرین بانو
ڈی نمبر ۳ وارڈ نمبر ۳ ہیف بٹیوور سٹرکٹ

انوکھی گاڑی

بہت دنوں کی بات ہے کسی جنگل میں ٹلّو بندر رہتا تھا۔ ایک دن اس کے ابّا نے اسے ایک گاڑی لاکر دے دی۔ ٹلّو گاڑی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے ابّا کا شکریہ ادا کیا اور پھر ان کے ساتھ گاڑی چلانا سیکھنے لگا۔ ٹلّو کے دوستوں نے جب یہ انوکھی چیز دیکھی تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ ایک دن وہ سب ٹلّو کے پاس آئے اور بولے "بھائی ٹلّو، ہمیں بھی اس گاڑی کی سیر کراؤ نا" ٹلّو نے سب جانوروں کو گاڑی میں بٹھا کر جنگل کی خوب سیر کرائی۔

ٹلو اکثر شہر جایا کرتا تھا. ایک دن اس کے ابّا نے اسے شہر بھیجا تو وہ اپنی گاڑی جنگل میں ہی چھوڑ گیا.

ٹلو کے چلے جانے کے بعد سب جانور بہت دُکھی ہوئے. سب نے بیٹھ کر سوچا "اب ہمیں سیر کون کرائے گا؟" سب یہ سوچ ہی رہے تھے کہ تبھی بیچ میں ٹونی شیر بول پڑا "دوستو مجھے گاڑی چلانا آتی ہے. آپ سب گاڑی میں بیٹھ جائیں میں آپ کو سیر کراؤں گا." یہ سن کر سب بہت خوش ہوئے. سب جلدی جلدی گاڑی میں بیٹھنے لگے. ٹونی نے گاڑی چلانا شروع کر دی. گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی. پیچھے بیٹھے سب دوست بہت خوش ہوئے. وہ خوشی میں زور زور سے چلّانے لگے. سب کو خوش ہوتا دیکھ کر ٹونی بھی خوشی میں بہت زور سے دہاڑا. وہ اتنی زور سے دہاڑا کہ سب دوست لڑکھڑا کر نیچے گر پڑے. سب ہی ٹونی کو برا بھلا کہنے لگے.

سنی اونٹ نے ناراض ہوکر ٹونی سے کہا "تمھیں اتنے زور سے ہنسنے کی کیا ضرورت تھی. گاڑی بھی چلانی نہیں آتی کہ گاڑی چلانے والے کو بالکل نہیں بولنا چاہیے. اب تم پیچھے آکر بیٹھو. گاڑی میں چلاؤں گا." سنی کی یہ بات سن کر سب بہت خوش ہوئے اور سب پھر سے جلدی جلدی گاڑی میں بیٹھنے لگے. سنی نے گاڑی چلانا شروع کی. گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی. سنی اونٹ کی گردن چونکہ لمبی تھی. اس لیے چھت سے اوپر نکل رہی تھی. سنی مستی میں گاڑی چلائے جا رہا تھا. بس وہ سامنے دیکھے جا رہا تھا اور سیٹی بجاتا جا رہا تھا. اسے گاڑی کو ایک پیڑ کے نیچے سے نکالنا تھا. اس نے اوپر دیکھا ہی نہیں کہ پیڑ کی ایک ڈال اس سے ٹکرانے والی ہے. ڈال کے ٹکراتے ہی وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا اور ساتھ ہی سب دوست بھی آگرے. سب ہی سنی کو بُرا بھلا کہنے لگے.

موٹو ہاتھی بہت دیر سے برداشت کر رہا تھا. وہ بہت غصّے میں بولا "نہ ٹونی کو گاڑی چلانی آتی ہے اور نا ہی اس لمبے سنی کو. بے وقوف اتنا لمبا ہو کر بھی نہ دیکھ سکا کہ اس کے سر سے ڈال ٹکرانے والی ہے. جب میں سرکس میں تھا تو اتنی شاندار گاڑی چلاتا تھا کہ بس!" یہ سن کر سب ایک ساتھ بول پڑے "موٹو بھائی گاڑی تم ہی چلاؤ. ان دونوں نے تو ہماری ہڈیاں توڑ دیں."

موٹو نے گاڑی چلانا شروع کی. گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی. سب کہنے لگے "واہ بھائی موٹو تم تو بہت اچھی گاڑی چلاتے ہو."

"ارے جب میں سرکس میں تھا تب تو اور بھی اچھی گاڑی چلانا جانتا تھا" موٹو ہاتھی نے خوش ہوکر کہا. تبھی چیکلو خرگوش نے پوچھا "اچھا موٹو بھائی یہ بتاؤ کیا تم جب بھی اتنے ہی موٹے تھے؟"

"ارے تب تو میں اس سے بھی موٹا تھا" موٹو نے جواب دیا. "اچھا کتنے موٹے تھے" سنی اونٹ بولا.

"اتنا موٹا" موٹو ہاتھی نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا. اس کے ہاتھ چھوٹتے ہی گاڑی ایک طرف مڑ گئی. اور ایک پیڑ سے جا ٹکرائی. سب کے سب دھڑام سے نیچے گر پڑے. کسی کا ہاتھ ٹوٹا تو کسی کے پیر میں چوٹ آئی. کسی کے سر پر چوٹ لگی تو کسی کے منہ پر. جیسے تیسے سب اپنے اپنے گھروں کو جا کر بستروں پر لیٹ گئے.

اگلے دن جب ٹلو بندر شہر سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی گاڑی ٹوٹی پڑی ہے. وہ اسے شہر لے گیا اور وہاں اسے ٹھیک کرا کے پھر سے جنگل میں لے آیا.

پھر وہ اپنے دوستوں کے پاس گیا. سب کے سب اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے تھے. ٹلو نے کہا "اگر تم میرا کہا مان کر میرا انتظار کرتے تو شاید ایسا نہ ہوتا." سب جانور بہت شرمندہ ہوئے. سب

...م تعلیم

...ں کر ٹلّو سے معافی مانگی اور کہا "اب ہم سب کہنا
...یں گے۔"

کچھ دنوں کے بعد ٹلّو کے سب دوست ٹھیک
...ہوگئے۔ ٹلّو نے انھیں گاڑی میں بٹھا کر پورے دن
...شہر کی سیر کرائی۔ سب دوست ٹلّو کی گاڑی سے
...خوشی خوشی اپنے گھر چلے گئے۔ اس کے بعد ٹلّو کبھی شہر
...نہیں گیا کہ اُس کے دوست پھر چوٹ نہ کھا جائیں۔

پیامی بادبی معمّہ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱. بادلوں. جن حسن عبدالرحمٰن (اوّل) صفحہ ۱۳۲. ۲. سبب. جن حسن عبدالرحمٰن (اوّل) صفحہ ۱۷۴. ۳. خاموش. ایک طالب کی ... صفحہ ۱۶۱. ۴. صحت. اندرا گاندھی صفحہ ۳۵. ۵. دوست. سند چنار صفحہ ۲۵. ۶. منتھی. تین اناڑی صفحہ ۷۶. ۷. بھوک پیاس. رسول پاکؐ صفحہ ۱۳۲. ۸. چھوٹوں. آں حضرت. صفحہ ۵۰.

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۹ خوش نصیب

فی کس ۱۱/۱۰ روپے تقسیم کیے گئے

۱. عاصمہ خاتون، ہاؤس نمبر ۱۳۲۵، پہاڑی املی، مٹیا محل، دہلی ۶۔
۲. شائستہ خلیل۔ ۳. عشرت خلیل (پتا مذکورہ بالا)۔ ۴. لبنیٰ نشاط سونی، ۷، ملکی شیخ، میراں اسٹریٹ (آمبور)۔ ۵. ایس شاداب احمد معرفت لبنیٰ نشاط۔ ۶. غزالہ نشاط غزل، نمبر ۱، باب اللہ سکان اسٹریٹ (آمبور)۔ ۷. محمد یزدان. پوسٹ بکس نمبر A ۷، ۳۰، اوکھلا، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
۸. خلیق احمد کمرہ نمبر ۳۹۴، اے، ونگ منسٹری آف لا نئی دہلی ۱۱۰۰۱۱
۹. مسعود سعد سلمان، کیرآف، اے ایم قاسمی رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار)

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۷ خوش نصیب

فی کس ۲/۹۵ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

۱. محمد رحیم اللہ شریف ۱۶/۱۸۲/۲/۱۹، رحمت پورہ (حیدر آباد) ۲. کریم اللہ شریف ۳. عظمیٰ حبیبہ۔ ۴. عقیلہ نسرین۔ ۵. سلیم اللہ شریف۔ ۶. جلیل اللہ شریف (پتا مذکورہ بالا) ۷. تبسم پروین معرفت افضل صاحب، مدرسہ اسلامیہ، رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار)۔ ۸. محمد نثار معرفت صدیق صاحب ۹. غفران احمد معرفت محمد عباس۔ ۱۰. محمد مظہر نعمانی معرفت اجمل صاحب. (پتا مذکورہ بالا تبسم پروین کا) ۱۱. ریحانہ خاتون، محلہ گولا پور. اورنگ آباد (بہار) ۱۲. محمد نورالاسلام، مہراج گنج اورنگ آباد (بہار) ۱۳. محمد شبیرالاسلام معرفت نوالاسلام۔ ۱۴. رعنا نشاط رینو، ۷، ملکی شیخ میراں اسٹریٹ (آمبور) ۱۵. زاہدہ فاطمہ، نمبر ۱۱، محمد پورہ، ۳ گلی (آمبور) ۱۶. ابرار علی خاں، فلاور کاٹیج، باغ پاتو، پٹنہ۔ ۸۔ ۱۷. عبدالمجید ابن عبدالشکور ریٹائرڈ میل اور سیر آنیکل (بنگلور)۔

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 20

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۶ ستمبر ۱۹۸۵ء

150 روپے کے نقد انعامات

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ **دوسرا انعام:** ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1 - لیکن اب ایک اور دلچسپ ——— ذہن میں آئی۔ (وجہ / بات)
2 - چلو میاں ——— تمھیں کچھ کھانے کو دوں۔ (کتّے / توتے / مُرغے)
3 - ——— کی وجہ سے پسینہ زیادہ نکلتا ہے۔ (دوڑنے / کام کرنے)
4 - ..... ان کے چھوٹے چھوٹے بازو مضبوط ہو گئے، لو اب تو یہ ——— لگے۔ (دوڑنے / اُڑنے / بھاگنے)
5 - دوسرے روز ہم نے ——— کی مشق کی۔ (گرنے / دوڑنے / کودنے)
6 - ..... لڑکے ——— کے مارے اپنے دل کی بات چھپاتے ہیں۔ (خوف / ڈر)
7 - یا رسول اللہ! یہ منافق ہے۔ اجازت ہو تو ——— (گردن اُڑا دوں / جان سے مار دوں)
8 - گھر پہنچتے ہی وہ دھم سے ——— پر گر پڑی۔ (زمین / بستر)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۲ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا کوپن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصّہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمّے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

پیامی ادبی معمّہ کا کوپن ٹائٹیل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

اپنے حل اِس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 20 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچّوں کی
کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے.
یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی
ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم زیدی اور سید زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی
کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز
پیرایے میں لکھی گئی ہے ۔
قیمت : ۴/۰۰
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں ، لیکن
صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے،
یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت : ۷/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار
کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت
بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ
بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/۰۰
کھیل سنسار سطوت رسول
بچّوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ
گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچّے شوق سے پڑھتے ہیں۔
قیمت : ۴/۵۰
تین اناڑی عصمت چغتائی
کلو، بلو اور ٹیٹو ۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی
شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان
میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۲/=
ترجمہ:
قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمٰن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہوگئی، لیکن اب تو
اُس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال
ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی
قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور
کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے
کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۲/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا
بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں
سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے
ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ
بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمّا
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں۔
نام ....
پتہ ....

Regd. with R.N I. at No. 10537/64
Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 August, 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

بچوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
ہمارا دین (اول، دوم، سوم)	سید شہاب الدین دسنوی (فی حصہ)	۶/۰۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول دوم)	عبدالواحد سندھی (فی حصہ)	۴/۰۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	″ ″	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ (اول، دوم)	″ ″ (فی حصہ)	۴/۵۰
قرآن پاک کیا ہے؟	″ ″	۳/۰۰
اسلام کیسے شروع ہوا؟	″ ″	۴/۵۰
رسولؐ پاک	″ ″	۳/۵۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد حامدی	۳/۰۰
رسولؐ پاک کے اخلاق	″ ″	۳/۰
اللہ کے خلیل	″ ″	۲/۵۰
تحسین القرآن	تالیف۔ خدیجہ سید طاہر سیف الدین	۴/۵۰
منہاج القرآن	″ ″	۴/۵۰
ارکان اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۱/۵۰
عقائد اسلام	″ ″	۱/۵۰
چار یار	الیاس احمد مجیبی	۴/۵۰
آں حضرتؐ	″ ″	۱/۵۰
خلفائے اربعہ	خواجہ عبدالحیٔ فاروقی	۳/۷۵
نبیوں کے قصے	″ ″	۲/۲۵
ہمارے رسولؐ	″ ″	۳/۰۰
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۳/۰۰
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی	۱/۵۰
سرکارِ دو عالم	محمد حسین حسان	۳/۰۰

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دلی ۲

پیام تعلیم

ماہنامہ
پیامِ تعلیم
نئی دلی ۲۵

ستمبر ۱۹۸۵ء | جلد ۲۲ | شمارہ ۹

ایڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

آج ہم پندرھویں صدی ہجری کے چھٹے سال میں داخل ہو چکے ہیں۔

دنیا کا دستور ہے کہ ہر قوم اپنے نئے سال کی آمد پر خوشیاں مناتی ہے۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتا ہے۔ مگر مسلمانوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ محرم کے مہینے کی ابتدا ایسے المناک واقعے سے ہوئی جس نے عالمِ اسلام کو بُری طرح متاثر کیا کہ آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اس کی یاد باقی ہے۔ یہ سانحہ تھا نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا۔ شہیدِ اعظمؓ ممدوح نے حق و صداقت کی خاطر اپنی اور اپنے خاندان کے کئی افراد کی جانیں قربان کر دیں۔ ہم نے جس اہتمام کے ساتھ ان مظالم کو یاد رکھا اس کا مظاہرہ اس ماہ کے دس دن تک، آج تک ہوتا ہے۔ کاش اس کے ساتھ ہم حق بات کہنے کی اُن کی روایت کو زندہ رکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بھی توفیق دے۔

بچوں کے محبوب، مقبول شاعر مرحوم محمد شفیع الدین نیرؔ سے کون واقف نہ ہوگا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی بیگم بھی کم و بیش انھیں اوصاف سے متصف تھیں۔ دونوں کی کامیاب زندگی قابلِ رشک ہے کہ اپنے ہر لڑکے اور لڑکی کو اعلا تعلیم دلائی اور اپنی زندگی میں انھیں پھولتے پھلتے دیکھا۔ افسوس کہ ۱۹ اگست کو اس نیک خاتون نے بھی داعیِ اجل کو لبیک کہا۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ اس سانحے پر ہمیں مرحومہ کی اولاد سے دلی ہمدردی ہے اور ادارۂ پیامِ تعلیم ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

اندرا گاندھی ۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں ۴/۰۰
ننھا جھرو ۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں ۳/۰۰
پلک نہ مارو ۴/۰۰
ایک کھلا راز ۳/۰۰
بابا نامی ۲/۰۰
بچوں کے افسر ۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر ۵/۰۰
رنگوں کی بستی ۳/۵۰
سرخ جوتے ۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ ۴/۵۰
شرارت ۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے ۱/۵۰
صحت کی الف بے ۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں ۲/۰۰
جدید پہیلیاں ۶/۰۰
بھیرا اور اس کی بیوی ۲/۵۰
ننھا فرشتہ ۴/۵۰
نیلا ہیرا ۴/۵۰
آؤ ڈراما کریں ۲/۰۰
انسان نے کیا کر دکھایا ۱/۲۰
خرگوش کی چال ۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز ۶/۰۰
بھمبر قابل ۳/۰۰
خرگوش کا سپنا ۵/۰۰
موم کا محل ۲/۰۰
محمد شفیع الدین نیر ۷/۵۰

مسلمان بیبیاں ۴/۰۰
پیارے رسولؐ ۴/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول) ۴/۰۰
" " (دوم) ۴/۰۰
بار کی تلاش ۴/۰۰
بچوں کی کہانیاں ۱/۵۰
بندر اور نائی ۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا ۱/۵۰
تاک دنادن تا کے سے ۱/۵۰
پانچ بونے ۱/۵۰
پھر یوں جگنوں کی خاک ۱/۵۰
پکڑا دم کیڑے کو ۱/۵۰
پان کھا کر طبلہ بجا کر... ۱/۵۰
جادو کا گھر ۱/۵۰
چیونٹی رانی ۱/۵۰
ردی کس نے پکائی ۱/۵۰
لال مرغی ۱/۵۰
لومڑی کا گھر ۱/۵۰
مدد دانا پردیس چلے ۱/۵۰
ہیبو جیبو ۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے ۱/۵۰
شیر خاں ۱/۵۰
لومڑی کے بچے ۱/۵۰
میاں ڈھینچوں کے بچے ۱/۵۰
ہرن کے بچے ۱/۵۰
بہادر ۲/۵۰
ایک کھوری تیل میں ۱/۵۰
تانیل خاں ۱/۵۰
تین اناڑی ۳/۰۰
پہیلیاں ۸۰/-
چھوٹا لڑکا ۱/۵۰

جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ ۲/۵۰
چوری کی عادت ۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر ۱/۵۰
چنبیلی ۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی ۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں) ۴/۵۰
دھنک (") ۳/۰۰
کھیل سنسار (") ۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ ۲/۰۰
سندر چنار ۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے ۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد ۲/۰۰
اچھی کہانیاں ۲/۵۰
میر انیس ۲/۰۰
دادا نہرو ۵/۰۰
جلودھر غابی ۲/۰۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا ۱/۵۰
دم کٹا سانپ ۱/۰۰
ریڈیو فیچر ۱/۲۵
سرکس ۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی ۲/۰۰
ایک طالب علم کی کہانی ۲/۰۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم) ۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم) ۱/۲۵
سماجی زندگی (سوم) ۱/۴۰
کہاوت اور کہانیاں ۱/۰۰
ہمارے محاورے ۴/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (اول) ۱/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (دوم) ۱/۴۰
انوکھا عجائب خانہ (چہارم) ۱/۵۰
ہمارا دین (تین حصے) فی حصہ ۱/۰۰

حافظ باقوی راجپوتی۔ ایم۔اے

رات دن کی گردش

سوچو عزیز بچو!

اللہ اگر مسلط تا حشر رات کرتا
کوئی نہ اس جہاں میں جینے کی بات کرتا
ظلمت کا راج ہوتا ہر دم سکوت ہوتا
بستر پہ کوئی کب تک جاگے بغیر سوتا
چھائی ہوئی ہمیشہ تاریک رات ہوتی
معذور کھیلنے سے بچوں کی ذات ہوتی
بے روشنی چمن کا اک پھول بھی نہ کھلتا
دل کش چمن کا منظر کب دیکھنے کو ملتا
معلوم کس کو ہوتا صبحِ بہار کیا ہے
کیا ہے شفق کی رونق گل کا نکھار کیا ہے
جنگل، درخت، دریا، ٹیلا، پہاڑ، کھائی
صحرا، چٹان، پتھر دیتا نہ کچھ سجھائی
اللہ کے سوا پھر کس میں یہ ہوتی قدرت
دن کا اجالا لائے بخشے جہاں کو زینت

سوچو عزیز بچو!

اللہ اگر مسلط تا حشر روز کرتا
عیش و سکوں کی خاطر انساں ترس کے مرتا
جب دیکھو روزِ روشن ہنگامہ جگ میں ہوتا
کافور ہوتی راحت دل اپنا عیش کھوتا
محنت پہ کرکے محنت شل تھک کے چور ہوتے
دکھ سے نڈھال ہوتے خوشیوں سے دور ہوتے
اللہ کے سوا پھر کس کو یہ ہوتی قدرت
کہ ہم پہ رات لائے بخشے سکوں کی دولت

سمجھو عزیز بچو!

یہ رات دن کی گردش اللہ کی ہے نعمت
اللہ کی عنایت اللہ کی ہے رحمت
رحمت سے اپنی رب نے رات اور دن بنائے
فضل و کرم سے اپنے جینے کے گر سکھائے
تاکہ ادا کریں ہم شکرِ خدائے برتر
شب میں سکون پائیں روزی کمائیں دن بھر
بھولے عزیز بچو!

۱۲/ج جمیل آباد میل و خشام ۵۰۹۶۳۳

چور ـــ پولیس

بہ شکریہ پھول واڑی

نسیم سترکمی

پیالہ
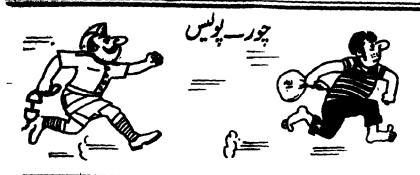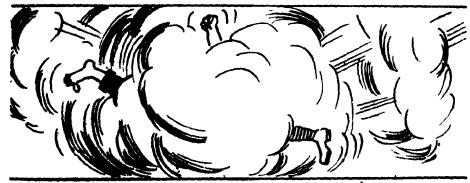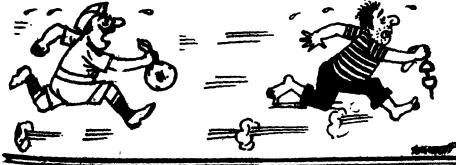
وہ دن ریحان کی سالگرہ کا دن تھا۔اس کے ماں باپ ہر سال ریحان کی سالگرہ بڑے دھوم دھام سے مناتے تھے، ننھا ریحان بھی آج بڑا خوش تھا۔اس نے اپنے ننھے منے ساتھیوں کو اپنے گھر بلایا تھا۔ اس کی امّی اور ابّو نے اپنے خاندان والوں اور اپنے دوستوں کو سالگرہ پر آنے کی دعوت دی تھی۔

صبح ہی سے گھر کی صفائی ستھرائی شروع ہوگئی۔ کمروں کی چھتوں میں رنگ برنگی جھنڈیاں، غبارے اور سرخ سبز بجلی کے چھوٹے چھوٹے بلب لگائے جارہے تھے۔ دن ڈھلتے ہی مہمان آنا شروع ہوگئے، دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر میں پورا گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ ہر مہمان ریحان کے لیے کوئی تحفہ ضرور لایا تھا۔ ریحان کے جسم پر چمکیلے پھول دار کپڑے کی شیروانی اور اسی کی ٹوپی، چوڑی دار سفید پاجامہ اور پاؤں میں کامدار جوتا تھا۔ یہ لباس ننھے سے جسم پر بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ تمام مہمانوں کی نظریں ننھے ریحان پر آکر ٹھہر جاتی تھیں۔ وہ بھی سب مہمانوں کے درمیان اُچک کود رہے تھے۔

بجلی کے رنگین بلبوں کی روشنی میں سالگرہ کی رسم ادا کی گئی، پھر سب مہمان ایک بڑے کمرے میں داخل ہوگئے۔ کمرے کے اندر ایک بڑی میز پر طرح طرح کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ میز کے دونوں جانب کرسیوں کی قطاریں تھیں، سب مہمان کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں معروف ہوگئے۔ ننھے ریحان نے دیکھا کہ سب لوگ تو ہیں لیکن دادا جان موجود نہیں ہیں۔ ریحان اپنے دادا سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا اپنے دادا کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے دادا سے کھانے کے کمرے میں چلنے کو کہا۔ پہلے تو دادا نے وہاں جانے سے انکار کیا لیکن ریحان کی ضد پر وہ مجبور ہوگئے اور اس کے ساتھ کھانے کے کمرے میں داخل ہوکر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

میز کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگ کھانے کے ان برتنوں کو آگے بڑھا رہے تھے جن میں کافی تعداد میں کھانا رکھا ہوا تھا۔ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اپنی اپنی پلیٹ میں نکال کر کھا رہا تھا جب سالن کا بھرا ہوا ڈونگا دوسرے ہاتھوں سے گزرتا ہوا دادا جان کے ہاتھوں میں پہنچا تو وہ میز پر گر کر ٹوٹ گیا۔ دادا جان کے ہاتھ کمزوری کی وجہ سے کانپتے رہتے تھے جب بھی وہ کسی چیز کو ہاتھوں سے پکڑتے

۱۴/۲/۲۴۔ نصیرآباد فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

ان کے ہاتھ کانپنے لگتے تھے۔ بڑھاپے میں کچھ
لوگوں کو یہ بیماری ہو جاتی ہے اس کو "رعشہ"
کہتے ہیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ ڈونگا
ٹوٹنے سے گوشت کی بوٹیوں اور شوربے سے
ریحان کی امی کی قیمتی ساری خراب ہو گئی۔ ادھر
ریحان کے ابو کا منہ غصہ سے سرخ ہو گیا انھوں
نے قیمتی کھانے کا یہ سیٹ دانتا سے منگوایا تھا۔
اور آج پہلی بار استعمال ہوا تھا۔

سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے
سالگرہ بھی ہو گئی۔ لیکن بعد کو یہ ہوا کہ ریحان کے
دادا جان کو اب مٹی کے برتنوں میں کھانا ملنے
لگا لیکن مٹی کے برتن بھی آئے دن ٹوٹتے چلے
گئے۔ تب اُن کے لیے ایک لکڑی کا پیالہ بنوایا
گیا۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت
ریحان کے ابو امی اپنے اپنے کمروں میں آرام
کر رہے تھے اور ریحان بھری دوپہر میں صحن میں
بیٹھا ہوا لکڑی کے ایک ٹکڑے کو پتھر سے توڑ رہا
تھا۔ توڑ پھوڑ کی آواز ریحان کے ابو کے کانوں میں
پڑی وہ کمرے سے نکل کر اس کے قریب آگئے اور
مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹے۔ اس گرمی میں اکیلے یہاں کیا
کر رہے ہو"

ریحان نے جواب دیا "اس لکڑی سے ایک
پیالہ بناؤں گا جب آپ دادا جان جیسے ہو جائیں
گے تو میں بھی آپ کو اسی میں کھانا دوں گا"

ریحان کے ابو کے منہ سے ایک لفظ بھی
نہ نکلا، کافی دیر تک وہ چپ چاپ اسی جگہ کھڑے
رہے۔ انھیں اپنے کیے پر پشیمانی تھی بیٹے کی
معصوم بات نے انھیں چونکا دیا۔ اس دن کے بعد
سے دادا جان کو اپنے ساتھ میز پر چینی کے برتنوں
میں کھانا کھلاتے بلکہ کبھی کبھی اپنے ہاتھوں
سے ان کے منہ میں نوالا بھی رکھ دیا کرتے
تھے۔

●

مرسلہ: سعیدہ بانو

مترجم کمپیوٹر

کچھ دنوں پہلے سائنسدانوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ
ایک دور ایسا آئے گا جب ایک زبان سے دوسری زبان
میں ترجمہ کے لئے کمپیوٹر بے حد معاون ثابت ہوں گے۔ آج
امریکہ، جاپان، یورپ نیز جنوبی امریکہ کے کچھ ملکوں نے
اس طرح کے کمپیوٹر بنا کر سائنسدانوں کی اس پیشین گوئی
کو صحیح ثابت کر دیا ہے۔ ان کمپیوٹروں میں براہِ راست طریقہ
کے ذریعہ ایک علاحدہ پروگرامنگ کی سہولت ہوتی ہے
جس میں دونوں زبانوں کے کئی ہزار لفظوں کا ایک
لغت نیز قواعد سے متعلق اصولوں کی معلومات مائکرو
چپس پر جمع ہو سکتی ہے۔ گذشتہ سال جولائی میں ٹوکیو
کی ایک کمپنی "بارا وائز انٹرنیشنل" نے ایسے ہی ایک
کمپیوٹر کو پہلی بار بین الاقوامی منڈی میں فروخت کے لیے
پیش کیا۔ یہ انگریزی سے جاپانی نیز جاپانی سے انگریزی
میں ۲۰۰۰ لفظ فی گھنٹہ کی رفتار سے ترجمہ کرتا ہے۔ اس کی
قیمت ہندوستانی زرِ مبادلہ میں تقریباً دس لاکھ روپے
ہے۔ اور اس کے بعد تو تجربات کا ایک سلسلہ چل نکلا اور
آج اس کمپنی کے براہِ راست طریقے (DIRECT SYSTEM)
کے کمپیوٹر انگریزی سے فرینچ، اسپینش، جرمن، پرتگیز
نیز عربی زبانوں میں بھی ترجمہ کر رہے ہیں۔ ۲۱ ویں صدی
کا آغاز ہونے تک کمپیوٹر ترجمہ سسٹم کافی چھوٹے اور کم
قیمت کمپیوٹروں میں آجائے گی۔ نیز عام آدمی بھی اس
کی مدد سے کوئی دوسری زبان جاننے والے آدمی سے بات
کر سکیں گے۔

(بشکریہ پراگ)

ماسٹر جی جی

ہمارے ایک استاد تھے۔ ان کا نام تھا ماسٹر گرجاشنکر جی لیکن انھیں طلبہ زیادہ تر "ماسٹر جی جی" کہا کرتے تھے۔ ماسٹر جی جی حساب اور جغرافیہ پڑھاتے تھے لیکن اتنا اچھا پڑھاتے تھے کہ حساب جیسا خشک مضمون بھی خوب سمجھ میں آجاتا تھا۔ ماسٹر جی جی نستعلیق قسم کے اُستاد تھے۔ نفاست پسند، صفائی کے دلدادہ اور دیکھنے میں جاذب نظر۔ وہ خوش پوش تو تھے ہی لیکن بڑے جچتے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ سفید چوڑی دار پاجامہ، سفید یا کریمی اور جاڑوں میں کالے رنگ کی 'اچکن' سر پر کالی ٹوپی۔ پاٶں میں کالے پمپ یا گرگابی۔ ہاتھ میں خوبصورت نقش دار چھڑی، سنہرے فریم کا چشمہ اور جیب سے جھانکتا ہوا خوبصورت رومال۔ ماسٹر جی جی کی ایک بڑی خوبی ان کا طرز گفتگو تھا۔ بڑے سلیقے کی اردو بولتے تھے اور ہمیشہ بچّوں سے بھی آپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ حساب کے اُستاد ہونے کے باوجود انھیں اردو اور فارسی ادب سے بڑی دلچسپی تھی۔

وہ ایک گھوڑے کی بگّی میں اسکول آیا کرتے تھے۔ وہ ہماری کلاس کے کلاس ٹیچر بھی تھے۔ اکثر اسکول کھلنے سے پہلے اور کبھی کبھی پہلے گھنٹہ میں ان کی بگّی ہمارے کلاس روم کے آگے رکتی تھی۔ پہلے ماسٹر جی جی اپنی ٹوپی پاس سے اٹھا کر پہنتے تھے۔ پھر پانوں کی ڈبیا میں سے ایک پان نوش فرماتے اور چٹکی سے بڑے انداز سے تمبا کو منہ میں ڈال لیتے تھے۔ اور تب چھڑی اٹھا کر بگّی سے اترتے اور کھٹ کھٹ کرتے خراماں خراماں کلاس روم میں داخل ہوتے تھے۔ ان کے پیچھے ان کا کوچوان کاپیاں اور پانوں کی ڈبیا بٹوا لیے آتا اور میز پر رکھ کر چلا جاتا تھا۔

ماسٹر جی جی حساب کی کاپیاں بڑی صاف ستھری رکھواتے تھے۔ بانس کا کاغذ کاپیوں پر چڑھا ہونا ضروری ہوتا اور میلا ہو جانے پر کپڑوں کی طرح وہ تبدیل بھی ہوتا رہتا تھا۔ اگر کسی لڑکے کی کاپی گندی ہو جاتی تو ماسٹر جی جی اسے تھوڑی سی پھاڑ دیتے تھے اور اپنی الماری میں سے ایک نئی کاپی نکال کر اس طالب علم کو دے دیا کرتے تھے اور تاکید کرتے تھے کہ تین روز کے اندر پوری کاپی اس نئی کاپی پر نقل کر کے لائی جائے۔ یہ عمل وہ اکثر کیا کرتے تھے۔ اس وقت بڑا تعجب ہوتا تھا کہ ماسٹر جی جی اتنی کاپیاں لڑکوں کو مفت دیا کرتے ہیں۔ اب یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ان کے پچھلے کام کو دہرانے اور یاد کرانے کا ایک طریقہ تھا۔ ماسٹر جی جی کا بچّوں سے کام کرانے کا ایک اور بھی انوکھا انداز تھا۔ صاف ستھری کاپیوں اور اچھے کاموں پر وہ "گڈ"

پرنسپل اسلامیہ کالج اٹاوہ (یوپی)

دیا کرتے تھے اور تین گڈس GOODS یا جانے والے ایک پنسل یا ایک نب یا ربڑ قسم کی کوئی چیز اپنی الماری سے نکال کر انعام کے طور پر دیا کرتے تھے۔ اس چھوٹے سے انعام کو حاصل کرنے کے لیے بچے ان کا دیا ہوا کام بڑے سنبھال سنبھال کر اور دل لگا کر کیا کرتے تھے۔

ماسٹر جی جی سزا بہت کم دیا کرتے تھے۔ ان کی سزا کے متعلق پورے اسکول میں ایک عجیب بات مشہور تھی۔ اگر ماسٹر جی جی کسی لڑکے کو سزا میں کان پکڑوا کر کھڑا کر دیں تو سمجھ لو وہ ان کے مضمون میں یقینی پاس ہو گیا۔ اگر انھوں نے بنچ پر کھڑا کر دیا تب تو اچھے نمبروں سے پاس ہوگا۔ اور کہیں کان مروڑ کر ایک تھپڑ بھی رسید کر دیا۔ پھر تو اس مضمون میں اس خوش قسمت لڑکے کے امتیازی نمبر آجانے کی پوری امید ہو گئی۔ اس بات کی شہرت کی وجہ سے اچھے اچھے طالب علم ماسٹر جی جی سے سزا پانے کے خواہش مند رہتے تھے۔ اگر اتفاق سے سزا مل جاتی تو اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ اسکول میں بہت مشہور تھا۔

اسکول میں ایک مرتبہ ایک انگریز ڈائرکٹر آف ایجوکیشن معائنے کو تشریف لائے۔ ان کا یہ حکم تھا کہ کلاس میں کسی لڑکے کو جسمانی سزا نہیں دی جائے۔ اس حکم کی وجہ سے بہت سے ماسٹر صاحبان کی چھڑیاں بے کار کونے کباڑے میں جا پڑی تھیں۔ معائنے کے دن اتفاق سے ڈائرکٹر صاحب بہادر راؤنڈ لے رہے تھے تو دیکھا کہ ماسٹر جی جی کی کلاس میں ایک صاحبزادے کان پکڑے بنچ پر کھڑے ہیں۔ ڈائرکٹر صاحب فوراً ہیڈ ماسٹر آفس میں پہنچے اور ماسٹر جی جی کو طلب کیا گیا۔ ماسٹر جی جی سے انھوں نے اس طالب علم کو سزا دینے کی وضاحت طلب کی۔ ماسٹر جی جی نے کہا "بہتر یہ ہوگا جناب کہ آپ اس طالب علم کو بلا کر یہ پوچھیں کہ اس نے میری سزا کو کیسا محسوس کیا۔" چنانچہ وہ صاحبزادے دفتر میں بلائے گئے اور ان سے پوچھا گیا۔ "ماسٹر صاحب نے تمھیں کان پکڑ کر بنچ پر کھڑے ہونے کی جو سزا دی تھی تم نے اس پر کیا محسوس کیا؟" طالب علم کا جواب تھا۔ "سر! آج میری قسمت کھل گئی اب مجھے یقین ہو گیا کہ میں حساب میں اچھے نمبر حاصل کروں گا۔" صاحب بہادر کو تعجب ہوا اور انھوں نے پھر پوچھا۔ "وہ کیسے؟" طالب علم نے کہا۔ "اسکول میں ایسا ہی مشہور ہے کہ جو طالب علم ماسٹر جی جی سے سزا پالے وہ اس مضمون میں اچھے نمبر پاتا ہے۔" ڈائرکٹر صاحب حیران رہ گئے۔

ماسٹر جی جی کا لڑکے کیا سب اساتذہ بھی بڑا احترام کرتے تھے۔ کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسکول کے سربراہ وہ ہی ہیں۔ کچھ تو ان کی پُرکشش شخصیت، رعب و دبدبہ اور کچھ ان کے رہن سہن کا ڈھنگ اور طور طریقے میں جاذبیت ان کے لہجہ کی مٹھاس اور طرز گفتگو کی چاشنی بھی انھیں قابلِ احترام بناتی تھی۔ اسکول کے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ ساتھ وہ عوام میں بھی بڑے معروف اور ہر دلعزیز تھے ان کی بگّی جب بازار سے نکلتی تھی تو اکثر دکاندار اٹھ اٹھ کر انھیں سلام کرتے تھے۔ ماسٹر جی جی بھی بگّی میں بیٹھے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کر اور جھک جھک کر سلاموں کا جواب دیتے تھے۔ یہ بات بھی قابل تعریف تھی کہ خود ماسٹر جی جی اپنے ہیڈ ماسٹر صاحب کا بہت ادب کرتے تھے۔ جب بھی وہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے ساتھ ہوتے تو ان کے ہاتھ مع چھڑی کے کمر کے پیچھے رہا کرتے اور ذرا ذرا سی بات پر جھک جھک کر آداب بجا لاتے تھے۔ یہ سب باتیں اس ملی جلی تہذیب کی دین تھیں جس کے ماسٹر جی جی پروردہ تھے۔ وہ گنگا جمنی تہذیب کے بہترین نمونہ تھے۔

ماسٹر جی جی کلاس میں حساب اور جغرافیہ جیسے خشک مضمون پڑھانے میں بھی بچوں کو قوتی یکجہتی کا درس دیا کرتے تھے۔ وہ اکثر کسی مسلمان لڑکے سے غلطی کرنے پر پوچھا کرتے تھے۔ "میاں! آج آپ نے نماز ادا کی؟" "معلوم ہوتا ہے حضرت آپ نے آج صبح اٹھ کر اللہ

یاد نہیں کیا۔ اچھا اب آپ بیٹھے اور سو مرتبہ دل ہی دل میں اللہ کا نام لیجیے"۔ اسی طرح اکثر ہندو بچوں سے کہتے تھے۔" بابو! آپ نے بھگوان کا نام نہیں لیا۔ اس لیے آپ یہ غلطی کرتے ہیں"۔ یہ ہی نہیں کبھی کبھی ہندو لڑکوں سے کہتے تھے کہ وہ مسجد جائیں اور وہاں دیکھیں "کیسا اچھا لگتا ہے"! مسلمان لڑکوں سے بھی اسی طرح مندر جانے کے لیے کہا کرتے تھے۔" میاں! کبھی آپ مندر بھی جائیں وہاں بھی گھنٹوں کی آواز میں اذان کا مزہ آتا ہے"! اس طرح مختلف طریقوں سے وہ کلاس میں ہندو اور مسلمان بچوں میں یکجہتی، دوستی اور بھائی چارے کے عجب اور انوکھے طریقوں سے سبق دیا کرتے تھے۔ ان کی ان ہی باتوں کا اثر تھا کہ ہماری کلاس میں سب مذہب کے لڑکوں میں مثالی دوستی تھی۔

آج میں سوچتا ہوں کہ ہمارے ملک کے اسکولوں میں ایسے ہی استادوں کی ضرورت ہے۔ ماسٹر جی تو اب نہیں رہے لیکن ان کی یاد اب بھی تازہ ہے اور جب تک ان کے شاگرد زندہ رہیں گے ان کی یاد تازہ رہے گی۔

اطہر عزیز

وقت

اس سے پہلے کہ وقت ڈھل جائے
دامن دل کو علم سے بھر لو
مت کرو انتظار تم کل کا
جو بھی کرنا ہے آج ہی کر لو

قدر تم وقت کی کرو گے اگر
سر پہ اپنے تمھیں بٹھائے گا
توڑ دوگے جو دل اگر اس کا
یہ تمھارا بھی دل دکھائے گا

عزم تم کام کا کرو تو سہی
وقت ہر کام خود ہی کردیگا
تم رکھو ہاتھ اس کے زخموں پر
یہ تمھارے بھی زخم بھر دے گا

وقت سا دوست بھی نہیں کوئی
دشمنی کا مگر جواب نہیں
بن گیا جس کسی کا یہ دشمن
اس کی قسمت میں پھر عذاب نہیں

پس وطن کے حسین معمارو!
وقت کا خوب احترام کرو
کاہلی جب بھی آئے بہکانے
دور سے تم اسے سلام کرو

صابرہ تسکین غوری

بخار

بچو! بخار ہمارے لیے کوئی انجانا لفظ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جس سے سبھی واقف ہیں اور اکثر زندگی میں ہمیں اس سے سابقہ بھی پڑتا رہتا ہے۔ گرم گرم جسم، سرخ چہرہ اور جلدی جلدی چلتی ہوئی سانس۔ یہ سب دیکھ کر ضرور آپ سوچتے ہوں گے کہ آخر یہ بخار ہے کیا چیز؟ آئیے ہم آپ کو بتلائیں کہ بخار کیا ہے؟ جب آپ بخار کے بارے میں جاننے لگ جائیں گے تو بخار میں مبتلا اپنے بھائی بہنوں اور ہم جولیوں کی نہ صرف بہتر طریقے پر دیکھ بھال کر سکیں گے بلکہ ان کا علاج بھی کر سکیں گے۔

ہم اپنے روزمرہ کے استعمال کے لیے گرمی کس طرح حاصل کرتے ہیں۔

بچو! اگر آپ سائنس کے اسٹوڈنٹ رہے ہوں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جب دو یا زیادہ چیزیں آپس میں مل کر ایک نئی چیز بناتی ہیں تو اس عمل کو ترکیب کہتے ہیں اور بننے والی چیز کو مرکب کہتے ہیں۔ جب ان دو ملنے والی چیزوں میں سے ایک چیز آکسیجن گیس ہو تو اسے آکسیڈائزیشن کہتے ہیں۔

جب لکڑی یا کوئلہ کا کاربن آکسیجن کے ساتھ ترکیب کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں ہم کہیں گے کہ کاربن کا آکسیڈائزیشن ہوتا ہے تو شدید گرمی اور روشنی خارج ہوتی ہے۔

آکسیڈائزیشن کتنی طرح کا ہوتا ہے؟

آکسیڈائزیشن دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تیز رو آکسیڈائزیشن دوسرا سست رو آکسیڈائزیشن۔ لکڑی اور کوئلہ کا جلنا تیز رو آکسیڈائزیشن کی مثال ہے۔ جبکہ گوبر سے کھاد بننے کے عمل میں سست رو آکسیڈائزیشن ہوتا ہے۔ اس میں گرمی کم اور آہستہ آہستہ خارج ہوتی ہے۔ اور کرۂ فضائی میں تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے ہم اس کو محسوس نہیں کر پاتے۔ اگر کسی ترکیب سے اس کا فضا میں تحلیل ہونا روک دیا جائے تو ہم پیدا ہونے والی گرمی کو محسوس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات جب کھاد کے ڈھیر کو گھاس پھوس سے ڈھانک دیا جاتا ہے تو اس میں اس قدر گرمی اکٹھی ہو جاتی ہے کہ ڈھیر میں پیر ڈالنے پر گرمی سے آبلے تک پڑ جاتے ہیں۔

سکینہ کالونی، جودھپور

ہمارے جسم میں گرمی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

ہمارے جسم میں گرمی سُست رو آکسیڈائزیشن سے پیدا ہوتی ہے۔ ہماری غذا کا شکریاتی مادہ یعنی گلوکوز جو کاربن ہی کی ایک شکل ہے، کا آکسیڈائزیشن ہوتا ہے تو حرارت پیدا ہوتی ہے، حرارت عُضلات (گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے) اور اعضا میں پیدا ہوتی ہے جب عضلہ سکڑتا یا حرکت کرتا ہے تو اس کا یہ عمل آکسیڈائزیشن کے لیے، ایک سپارک کا کام کرتا ہے اور آکسیڈائزیشن کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے آکسیجن اور گلوکوز اور چربی بطور ایندھن دورانِ خون سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

حرارت ہمارے جسم کو زندہ رکھنے اور زندگی کے کام کو جاری رکھنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اسی کی بدولت ہم زندہ ہیں اور چلتے پھرتے ہیں مگر اس کے لیے حرارت کا ایک مقررہ سطح پر بنا رہنا نہایت ضروری ہے۔ حرارت کے کم یا زیادہ ہونے سے جسم اپنا کام ٹھیک طور سے انجام نہیں دے سکتا

جسمانی حرارت ایک مقررہ سطح پر کس طرح بنی رہتی ہے

ہمارے جسم کا قدرتی درجۂ حرارت. سی. ۵. ۳۷ ڈگری ہوتا ہے جو مستقل بنا رہتا ہے۔ اس کو مستقل بنائے رکھنے کا کام دماغ کا ایک حصہ یا خاص مقام انجام دیتا ہے جسے "حرارت کو باقاعدہ بنائے رکھنے والا مرکز" کہتے ہیں یہ ہیٹ ریگولیٹنگ سینٹر حرارت کو کم یا زیادہ ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔

بخار کیا ہے

جب کوئی مرض پیدا کرنے والا جرثومہ ہمارے جسم میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ ایک قسم کا زہر خارج کرنے لگتا ہے۔ اس زہر سے متاثر ہو کر مرکز حرارت حرارت کو ایک سطح پر بنائے رکھنے کا اپنا کنٹرول کھو دیتا ہے۔ اور وہ اپنا کام ٹھیک طور سے نہیں کر پاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسمانی حرارت بڑھ جاتی ہے اسی کو ہم بخار کہتے ہیں۔

طبعی طور پر حرارت کے پیدا ہونے اور ضائع ہونے میں ایک توازن قائم رہتا ہے۔ جب سخت محنت اور مسلسل حرکت کے نتیجے میں بہت زیادہ گرمی پیدا ہو جاتی ہے تو مرکز حرارت سطح جسم پر خون کی نالیوں کو چوڑا کر دیتا ہے اور سطح جسم پر زیادہ خون جانے لگتا ہے جہاں سے وہ کرۂ ہوائی کے اتصال میں آکر اپنی گرمی کھو دیتا ہے اور درجہ حرارت بڑھنے نہیں پاتا۔ جب حرارت کو ضائع ہونے سے بچانا ہوتا ہے تو مرکز حرارت خون کی نالیوں کو تنگ کر کے سطحی دوران خون گھٹا دیتا ہے۔

جسم پر بخار کے اثرات

(۱) استحالہ پر اثر:- بخار عام استحالہ کو تیز کر دیتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، ہم اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ کام کرتے رہتے ہیں، ہمارے اندرونی اعضاء مثلاً دل پھیپھڑے گردے وغیرہ بھی زندگی جاری رکھنے کے لیے مسلسل

ن کے رہتے ہیں۔ مسلسل کام اور حرکت کی
وجہ سے ہمارے جسم کے خلیات (گوشت بنانے والی
بنیادی اینٹیں) گھستے اور بوسیدہ ہوتے رہتے ہیں:
استحالہ جو جسم کے اندر خود بخود چلنے والا ایک کیمیائی
عمل ہے، کے ذریعہ خراب اور ناکارہ خلیوں کو توڑا
جاتا ہے اور ان کی جگہ نئے خلیات بنائے جاتے
ہیں۔ بخار میں استحالہ کی رفتار بڑھ جاتی ہے خصوصاً
خلیات کے ٹوٹنے کے عمل کی رفتار بہت زیادہ
ہو جاتی ہے لہذا ایک طویل عرصے تک اگر یہ حالت
بنی رہے تو مریض کا وزن گھٹنے لگتا ہے اور وہ کمزور
اور دبلا ہو جاتا ہے۔ تکسیری عمل کو کم کرنے کے لیے
مریض کو بستر پر مکمل آرام کرانا چاہیے اور نئے خلیات
کی تعمیر کے لیے بڑی مقدار میں پروٹین والی غذا
کھانے کو دینا چاہیے۔ مثلاً دودھ، انڈا، گوشت اور
دالوں کا شوربا وغیرہ۔

(۲) افراز اور استخراج پر اثر:۔ جسم کے اندر بننے
والے رس (افراز) مثلاً تھوک یا لعاب کھانا ہضم
کرنے والے پیٹ اور آنتوں کے رس وغیرہ سوکھ
جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کھانا ہضم کرنا مشکل
ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسی حالت میں ہلکی رقیق اور
جلد ہضم ہونے والی اور زیادہ غذائیت (بدن کو پرورش
کرنے والی) غذا دینی چاہیے۔ جس میں پروٹین، وٹامنس
اور نمکیات کی مقدار زیادہ ہو مگر فضلہ بنانے والا
حصہ کم ہو اور جو فوری طور پر جسم کو قوت کے لیے
گلوکوز فراہم کر سکے۔ مثلاً گلوکوز، نارنگی اور انگور کا رس
ٹماٹر، دودھ، آب جو وغیرہ۔ وٹامنس کی بنی بنائی گولیاں
بھی استعمال کی جاسکتی ہیں جن میں سبھی طرح کے
وٹامنس شامل ہوتے ہیں۔ پیشاب کی مقدار گھٹ
جاتی ہے جس کی وجہ سے جسم کی آلائش پوری طرح
باہر نہیں نکل پاتی۔

(۳) درجہ حرارت اور سانس پر اثر:۔ سانس جلدی جلدی
چلنے لگتا ہے۔ جسمانی گرمی بڑھ جاتی ہے۔ جسمانی
گرمی کے بڑھ جانے کے سبب جسم کے اندر کا
پانی تیزی سے بھاپ بن کر جلد اور تنفس (سانس)
کے راستے باہر نکلنے لگتا ہے اور جسم میں پانی کی کمی
واقع ہو جاتی ہے لہذا ایک بخار کے مریض کو ایک
تندرست آدمی کی بہ نسبت زیادہ پانی پلانے کی
ضرورت ہے۔ ایک بالغ آدمی کو ۲۴ گھنٹے میں
ڈھائی سے ۳ لیٹر تک پانی دینا چاہیے۔ اگر منہ کے
راستے سے پانی دینا ناممکن ہو جیسے حالت بے ہوشی
میں یا پانی کی کمی اتنی زیادہ ہو کہ منہ کے راستے
سے اس کو پورا نہیں کیا جاسکتا ہو تو ایسی صورت
میں براہ راست خون میں انجکشن دے کر جسم
میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔

نظام اعصاب اور دوران خون:۔ نبض خون
سے پُر چلتی ہے اور اس کی رفتار بھی بڑھ جاتی
ہے۔ بے چینی، درد سر اور درد بدن اور تھکاوٹ کی
شکایتیں ہو سکتی ہیں۔ دماغ پر بیماری کا زہریلا
اثر ہونے سے مریض بہک بھی سکتا ہے اور
تشنج اور بے ہوشی کا بھی امکان ہے۔

علاج

مقاصد:۔
(۱) جراثیمی سرایت یا چھوت کو دور کرنا۔
(۲) جسمانی قوت مدافعت (مرض سے لڑنے کی
طاقت) کو بڑھانا۔
(۳) جراثیم نے جسم میں جو زہر پیدا کر دیا ہے
اس کو جسم سے باہر نکالنا۔
(۴) علامات (جسم کی تکلیف) کا علاج کرنا۔ یا
ان کو کم کرنا۔

(۱) جراثیم کی چھوت کو دور کرنے کے لیے جراثیم
کش دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً ملیریا
کے لیے کلوروکوین، ورم اور پیپ پیدا کرنے والے

جراثیم جو اکثر بخار کا سبب ہوتے ہیں، کے لیے پنسلین، میٹرا سائکلین اور کلوروما ئی سٹین وغیرہ۔ یہ دوائیں نقصان دہ ہو سکتی ہیں لہٰذا ان کو بغیر ماہرینِ علاج کے مشورہ کے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) مدافعت بڑھانے اور عام جسمانی طاقت بحال کرنے کے لیے کم فضلہ اور زیادہ حرارہ (کیلوریز) والی اور غذائیت سے پُر غذائیں دینی چاہئیں۔ مریض کو بستر پر صاف ہوادار کمرہ میں آرام کرانا چاہیے۔ مدافعانہ قوت بڑھانے میں وٹامن سی اور وٹامن بی کا خاص رول ہے۔

(۳) جراثیم کا زہر جسم سے باہر نکالنے کے لیے پسینا اور پیشاب لانے والے نظام کی مدد کیجیے۔ زیادہ پانی پلائیے تاکہ گردے دُھل جائیں پیشاب کی مقدار بڑھ جائے اور پیشاب کے راستے زہر جسم سے باہر نکل جائے اور بخار کے سبب ضائع شدہ پانی (بے آبی) کی کمی پوری ہو سکے۔

(۴) علامتوں کی تسکین :۔ بخار کم کرنے کے لیے سرد یا نیم گرم پانی کا پوچھا جسم پر لگائیے۔ سر درد کے لیے سرد پانی میں کپڑا تر کر کے سر پر رکھا جا سکتا ہے۔ بخار اور درد کم کرنے کے لیے پیراسٹامول یا انالجن ماہر علاج کے مشورہ پر دے سکتے ہیں۔ پیشاب پاخانہ کو باقاعدہ رکھیے۔ قبض کی صورت میں معدنی تیل (پروفین لکویڈ) ایک بے ضرر چیز ہے۔

خیال کے پھول

- قرآن حکیم :۔ عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کی باز پرس ہوگی۔
- حضرت عمرؓ :۔ میں نے پست ہمتی سے زیادہ اور کوئی چیز انسان کے قدموں کو پیچھے ہٹا دینے والی نہیں دیکھی۔
- عبدالقادر جیلانیؒ :۔ تمھارے سب سے بڑے دشمن تمھارے بُرے ہم نشین ہیں۔
- حکیم لقمان :۔ کوئی چیز اتنی نقصان دہ نہیں جتنی وقت کو برباد کرنا۔
- مولوی عبدالحق :۔ استاد کی عزت کرو، یہ وہ ہستی ہے جو تمھیں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی راہ دکھاتی ہے۔
- بو علی سینا :۔ محنت کرنے سے جسم تندرست، دماغ صاف، دل فیاض اور جیب بھری رہتی ہے۔
- ملز :۔ قسمت پہیے کی مانند گھومتی رہتی ہے کوئی نیچے آجاتا ہے اور کوئی اوپر تم جب اوپر آؤ تو نیچے والوں کا ہاتھ تھام لو۔ کیونکہ اگلے چکر میں تمھیں ان کے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔
- حضرت داتا گنج بخش :۔ خدا کے راستے پر چلنے والوں کے لیے سب سے پہلا مقام توبہ ہے۔
- برنارڈ شا :۔ سب سے بڑا ظلم یہ نہیں کہ ہم انسانوں سے نفرت کریں، بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ہم اُن سے بے اعتنائی برتیں۔
- شیخ سعدی :۔ دانش مند کے لیے اشارہ کافی ہے۔
- فارابی :۔ دوسروں کا بھلا کرتے وقت یقین رکھو کہ تم اپنا بھلا کر رہے ہو۔

پی جی وڈ ہاؤس

شوقِ شرارت

صبح کا وقت تھا میں ناشتہ کر رہا تھا، مگر میرا دل گڑھے میں تھا، کیونکہ آج ہی مجھے مجبوراً تین ہفتوں کے لیے اپنی آنٹی آگاتھا کے ہاں جانا تھا۔ میں نے اپنے دیرینہ اور دانا خدمت گار جیوز سے کہا،

"آج میں خوش نہیں ہوں۔"

"واقعی جناب؟" وہ بولا۔

"جیوز میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آنٹی آگاتھا نے آخر مجھے بلوایا کیوں ہے یہ تو ہے نہیں کہ وہ مجھے چاہتی ہوں۔ ہر مرتبہ جب بھی میری اوران کی مڈبھیڑ ہوئی ہے تو مجھ سے ایک نہ ایک حماقت سرزد ہو جاتی ہے۔ اور وہ آگ بگولا ہو جاتی ہیں، لہٰذا وہ مجھے انتہائی گاؤدی سمجھتی ہیں۔"

"جناب، دروازے پر کوئی آیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا میں نے اتنے میں انڈوں کی پلیٹ صاف کر ڈالی۔

"ایک تار آیا ہے۔" جیوز نے واپس آ کر کہا۔

"کھولو اور پڑھو کس نے بھیجا ہے؟"

"نام نہیں لکھا ہے۔"

میں نے خود تار لے کر پڑھا اس میں لکھا تھا "تم جب یہاں آنا تو بالکل اجنبی کی طرح ملنا۔"

"جیوز اس کا کیا مطلب ہے؟"

"جناب میں کچھ نہیں کہہ سکتا، البتہ یہ اسی جگہ سے آیا ہے جہاں آپ کی خالہ صاحبہ رہتی ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ کوئی اور شخص خالہ صاحبہ کے ہاں مقیم ہے اور وہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ میں جب اس سے ملوں تو بالکل اجنبی کی طرح پیش آؤں۔ بہر حال دیکھا جائے گا۔"

میں چار بجے خالہ صاحبہ کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ بیٹھی خط لکھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئیں۔ "برٹی تم آ گئے۔"

"جی ہاں میں آ گیا۔"

"تمھاری ناک پر دھبا ہے" میں نے رومال سے اپنی ناک صاف کر لی۔

"اچھا ہوا تم جلدی آ گئے میں چاہتی ہوں کہ مسٹر فلمر سے ملنے سے پہلے تم سے میں چند باتیں کر لوں۔"

"کون؟"

"مسٹر فلمر ایک وزیر ہیں وہ ہمارے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں میں چاہتی ہوں کہ وہ تمھارے بارے میں اچھی رائے قائم کریں۔"

"بہت بہتر۔"

"...دیکھو بیٹا، مسٹر فلمر نہایت سنجیدہ قسم کے آدمی ہیں اور تم اس قدر لاابالی واقع ہوئے ہو کہ تمہارے بارے میں ان کے لیے اچھی رائے قائم کرنا بڑا دشوار ہوگا۔ لہٰذا پہلا کام تو یہ کرو کہ سگرٹ پینا ترک کردو۔ مسٹر فلمر اس انجمن کے صدر ہیں جو تمباکو نوشی کے خلاف مہم چلا رہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تم گفت گو میں شایستگی اختیار کرو۔ مسٹر فلمر زیادہ تر تمہاری گفت گو سے تمہارے بارے میں اپنی رائے قائم کریں گے۔"

میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن آخر مسٹر فلمر کی نظروں میں مجھے اچھا بننے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اس لیے کہ میں یہ چاہتی ہوں۔"

میں اپنا سا منہ لے کر باغ کی طرف چلا گیا۔

وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے بچپن کا دوست بنگو لٹل کھڑا ہوا ہے۔ میں بڑا خوش ہوا کہ چلو اس کی موجودگی سے میری کوفت کچھ کم ہو جائے گی۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ کچھ عرصے پہلے اس نے ایک مشہور مصنفہ سے شادی کر لی تھی جس کا نام تھا روزی۔ ایم بینکس۔ جب وہ لیکچر دینے جانے لگیں تو بنگو ان کے ساتھ جانے والا تھا، مگر گھڑ دوڑ کے شوق کی وجہ سے رہ گیا۔ میں زور سے چلایا۔

"بنگو!" وہ گھوم پڑا اور اس کے چہرے پر پریشانی نمایاں ہوگئی۔ اس نے بازو ہلا کر کہا۔ "کیا تم مجھے تباہ کر دینا چاہتے ہو؟"

"ہائیں۔"

"کیا میرا تار تم کو نہیں ملا!"

"اچھا تو وہ تمہارا تار تھا؟"

"ہاں، اور میرا خط بھی تو ملا ہوگا؟" "نہیں، خط تو نہیں ملا۔"

"میں اسے ڈالنا بھول گیا ہوں گا۔ میں نے لکھا تھا کہ میں تمہارے خالہ زاد بھائی ٹامس کو پڑھانے کے لیے یہاں آیا ہوا ہوں۔ تم جب یہاں مجھ سے ملو تو بالکل اجنبی کی طرح پیش آنا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ اگر تمہاری خالہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں تمہارا دوست ہوں تو وہ فوراً مجھے نکال باہر کریں گی۔"

"ذرا دیر کے لیے تم اپنے آپ کو اپنی خالہ کی جگہ تصور کرو اور تم جس طرح کے آدمی ہو اس کے بارے میں سوچو۔ اب بتاؤ کہ کیا تم اپنے بیٹے کے لیے ایسے استاد کو منتخب کرو گے جو تمہارا دوست ہو؟"

یہ سن کر میں چکرا گیا اور بولا، "میں تو سمجھتا تھا کہ تم امریکہ میں ہو اور یہ تم نے لڑکو کو پڑھانا کیوں شروع کر دیا؟"

"اس کی وجہ ہے۔ بہر حال یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ تم اپنی دوستی کا اظہار ہرگز نہ کرنا۔ تمہارے نالائق خالہ زاد بھائی کو پرسوں سگرٹ پیتے ہوئے پکڑا گیا ہے جس کی وجہ سے میں بڑا پریشان ہوں، کیوں کہ تمہاری خالہ کا خیال ہے کہ یہ میری بے پروائی کا نتیجہ ہے لہٰذا اگر انھوں نے تم کو

...کرتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ مجھ کو نکال
...میرے لیے یہ ملازمت نہایت ضروری

اتنے میں اس نے کچھ آہٹ سنی لہٰذا وہ
...جھاڑیوں میں چھپ گیا اور میں جیوز سے مشورہ
...کے لیے چلا گیا۔ جیوز میرا سامان کھول رہا تھا
...نے کہا "جیوز، وہ تار مسٹر لٹل نے بھیجا تھا۔ وہ
یہاں میرے خالہ زاد بھائی ٹامس کو پڑھا رہے
ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا سا معزز آدمی یہ کام
کیوں کر رہا ہے؟"

"یہ تو واقعی عجیب سی بات ہے۔"

"اور پھر میرا خالہ زاد بھائی ٹامس تو ایسا
شیطان ہے کہ ہر ایک اس سے پناہ مانگتا ہے۔
میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ معاملہ ہے کیا؟"

چنانچہ اس طرح سے میرے قیام کی ابتدا ہوئی۔ سگریٹ چھوڑ دینا

...مسٹر فلمر کے ساتھ گولف کھیلنا پڑی۔ ایک دن میں
...کھانے کے لیے لباس تبدیل کر رہا تھا کہ
...بنگو میرے کمرے میں آگیا وہ نہایت پریشان
نظر آرہا تھا۔ بنگو پلنگ پر بیٹھ گیا۔ پھر بولا، "برٹی
...تمہارے جیوز کا دماغ آج کل کیسا چل رہا ہے؟"

"اچھا خاصا ہے کیوں جیوز؟"

"جی ہاں جناب۔"

"شکر ہے خدا کا۔ مجھے نہایت عمدہ مشورے
کی ضرورت ہے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا۔" بنگو
بولا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں برٹی، میں یہاں اس نالائق
لڑکے کو پڑھانے اس لیے آیا ہوں کہ یہی ایک
کام میرے لیے رہ گیا تھا۔ میری بیوی روزی امریکہ
جانے سے پہلے مجھے صرف سو پاؤنڈ دے گئی اور
اپنے کتے کو بھی میرے حوالے کر گئی یہ رقم
اس کی واپسی تک چل جاتی مگر تم تو جانتے ہو"

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اس رقم کو ایک گھوڑے پر لگا دیا اور
ہار گیا۔ کتے کو تو خیر میں نے ایک جگہ رکھوا دیا اور
میں نے یہاں پڑھانے کی ملازمت کر لی۔"

"بس اب تم چند ہفتوں تک اس کو نباہ دو
پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے کہا "چند ہفتوں
تک! میرے لیے تو دو دن گزارنا بھی دشوار ہے۔
تم کو میں نے بتایا تھا کہ ٹامس کو سگریٹ پیتے جو پکڑا
گیا تو اس کے لیے آنٹی آگاتھا مجھ کو ذمے دار ٹھہرائی
ہیں۔ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ ٹامس کو پکڑنے والے
مسٹر فلمر تھے اور دس منٹ پہلے ٹامس نے مجھ سے
کہا ہے کہ وہ مسٹر فلمر سے اس کا انتقام لے گا۔ مجھے
نہیں معلوم کہ وہ کیا کرنے والا ہے، لیکن اگر اس
نے وہی کیا جس کی وہ دھمکی دے چکا ہے تو پھر
تمہاری خالہ مجھ کو نکال باہر کریں گی، کیونکہ وہ
مسٹر فلمر کو خدا جانے کیا سمجھتی ہیں۔"

یہ سن کر میں نے جیوز کو مخاطب کیا "تم سمجھ
گئے نا۔۔؟"

"جی ہاں جناب"
"تو پھر کچھ سوچو۔"
"معاف کیجیے گا فی الحال تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"
یہ سن کر بنگو نے ایک عجیب سی آواز نکالی اور پھر بولا، "پھر تو میرے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ٹامس کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دوں، لیکن جیوز، تم اس دوران غور کرتے رہنا۔"
"بے شک جناب۔"
چنانچہ بنگو نے ٹامس کی نگرانی شروع کر دی اور دو روز تک ٹامس کو ایک لمحے کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، لیکن دوسرے دن کی شام کو آنٹی آگا تھا نے بتایا کہ کچھ لوگ ٹینس کھیلنے آ رہے ہیں۔ میں ڈرا کہ اب ضرور کوئی حادثہ رونما ہو جائے گا کیونکہ بنگو ٹینس کا بڑا شیدائی ہے۔ جب وہ ٹینس کھیلنے لگتا ہے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔
چنانچہ رات کو میں نے جیوز سے کہا، "تمھارا کیا خیال ہے؟ ٹامس کیا حرکت کرنے والا ہے؟" جیوز نے کہا، "جناب آج سہ پہر میں نے ٹامس سے بات کی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ اُس نے حال ہی میں ایک کتاب پڑھی۔ ٹریژر آئی لینڈ (خزانے کا جزیرہ) اُس میں ایک کردار ہے کپتان فلنٹ کا۔ اس سے وہ بے حد متاثر ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کپتان فلنٹ کی طرز پر کچھ کرنے والا ہے۔"
"ارے جیوز، یہ تو بڑا برا ہو گا۔"
بہر حال اگلے دن ڈھائی بجے ٹینس کا کھیل شروع ہو گیا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں نے بنگو سے کہا، "نہ جانے ٹامس اس وقت کیا کر رہا ہو گا؟" بنگو کھیل میں ابھی سے اتنا منہمک ہو چکا تھا کہ اُس نے سنی اَن سنی کر دی۔ میں نے پھر کہا، "ٹامس دکھائی نہیں دے رہا ہے۔" بنگو نے میری بات پھر نہیں سنی۔ مجھ کو بہر حال یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ مسٹر فلمر چند خواتین کے درمیان بیٹھے کھیل دیکھ رہے ہیں، لہٰذا میں بھی کھیل دیکھنے لگا۔ مگر ذرا ہی دیر میں بادل گرجنے لگے اور بارش شروع ہو گئی ہم سب گھر کی طرف بھاگے اور ڈرائنگ روم میں چائے کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں آنٹی آگا تھا سینڈوچ بناتے ہوئے بولیں، "کسی نے مسٹر فلمر کو دیکھا؟" یہ سن کر میں گھبرا گیا کیونکہ مسٹر فلمر کھانے پینے کے بڑے شوقین تھے۔ ان کا غائب ہونا کسی دشمن کی حرکت ہی کی بنا پر ہو سکتا تھا اتنے میں آنٹی آگا تھا بولیں، "شاید وہ بارش میں کہیں پھنس گئے ہوں۔ برٹی جاؤ ان کو تلاش کرو۔ ان کے لیے ایک برساتی لیتے جاؤ۔ چنانچہ میں نے فوراً برساتی پہنی اور مسٹر فلمر کو تلاش کرنے نکل پڑا ہال میں جیوز مل گیا، "جیوز مسٹر فلمر غائب ہیں۔ ان کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔"

"جھیل کے بیچوں بیچ جو جزیرہ ہے مسٹر فلمر وہاں ہیں۔"
"وہ کشتی پر واپس کیوں نہیں آ جاتے؟"

"ان کے پاس کشتی نہیں ہے۔"

"تو وہ پھر جزیرے تک پہنچے کس طرح؟"

"وہ کشتی پر وہاں گئے تھے لیکن ماسٹر ٹامس دوسری کشتی پر وہاں پہنچ گئے اور مسٹر فلمر کی کشتی کو کھول کر بہا دیا۔ ماسٹر ٹامس نے ذرا دیر قبل مجھ کو یہ بتایا ہے۔ بات یہ ہے کہ کپتان فلنٹ لوگوں کو جزیروں پر اسی طرح قید کر دیا کرتا تھا۔ لہٰذا ماسٹر ٹامس نے سوچا کہ کپتان فلنٹ کے نقشِ قدم پر چلنا بہتر ہوگا۔"

"غضب خدا کا جیوز" وہ تو بھیگ کر چوہا بن گئے ہوں گے۔"

"جی ہاں، ماسٹر ٹامس نے ان کی حالت پر کچھ اسی طرح کا تبصرہ کیا تھا۔"

"جیوز، فوراً میرے ساتھ چلو۔"

"بہت بہتر جناب۔"

میں سیدھا کشتی گھر کی طرف دوڑا۔ میرے خالو صاحب نے بڑی دولت کمائی تھی۔ چنانچہ خالہ صاحبہ نے ایک نہایت عالی شان جایداد خریدی تھی۔ اس میں میلوں تک باغات تھے، طرح طرح کے چرند، پرند وہاں رہتے تھے۔ رنگا رنگ پھول تھے۔ بڑا سا اصطبل تھا، لیکن سب سے زیادہ نمایاں چیز تھی وہ جھیل۔ یہ مکان کے مشرق میں واقع ہوئی تھی اور بہت بڑی تھی۔ اس جھیل کے بیچوں بیچ ایک جزیرہ تھا جس پر ایک عمارت بھی تھی اسی عمارت کی چھت پر عالی مرتبت مسٹر فلمر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم جتنا جزیرے کے قریب پہنچتے گئے۔ اتنے ہی مسٹر فلمر کی چیخوں کی صدا تیز ہوتی گئی۔ ہم لوگ کشتی کنارے پر لگا کر اتر پڑے۔

"جیوز تم یہاں ٹھہرو۔"

"بہت بہتر جناب آج صبح مالی نے مجھ کو بتایا کہ ایک راج ہنس نے اس جزیرے پر اپنا گھونسلا بنا لیا ہے۔"

"جیوز، اس وقت ان باتوں کی ضرورت نہیں۔"

"بہت خوب جناب"

میں جھاڑیوں میں آگے بڑھتا چلا گیا اور ایک ایسی کھلی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا جو عمارت کے سامنے تھی مسٹر فلمر نے ہم کو نہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا وہ مسلسل چیختے چلاتے چلے جا رہے تھے۔ میں نے چلا کر ان کو اپنی آمد کی اطلاع کی۔ "ہائی" انھوں نے سر آگے بڑھا کر صدا دی۔ "ہائی" اور چاروں طرف دیکھنے لگے۔ چنانچہ بڑی دیر تک وہ اور میں "ہائی" "ہائی" کرتے رہے آخر انھوں نے مجھ کو دیکھ لیا اور میں ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اتنے میں میرے داہنے جانب سے کوئی بہت بڑی سی سفید چیز شور مچاتی ہوئی نکل پڑی۔ میں اپنی جان بچانے کے لیے تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ کسی چیز نے میرے داہنے ٹخنے کے نزدیک والی دیوار پر بڑے زور سے جھپٹا مارا۔

"ہوشیار" مسٹر فلمر چلائے۔ میں اپنی جان بچا کر بڑی مشکل سے مسٹر فلمر کے پاس پہنچ گیا۔ اب جو نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دیو قامت راج ہنس کھڑا ہوا ہے۔ میں نے ایک اینٹ اٹھا کر اس پر ماری۔

مسٹر فلمر بولے "اسے پریشان نہ کرو۔" راج ہنس نے اپنی لمبی گردن کو بڑھا کر ہم پر حملہ کرنا چاہا میں نے ایک اینٹ اور مارنا چاہی، مگر مسٹر فلمر نے مجھے روک دیا۔ مسٹر فلمر نے اب اپنی توجہ دوسرے موضوع پر مبذول فرمائی۔ اور بولے "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کشتی کیسے بہ گئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ شرارت کسی نے جان بوجھ کر کی ہے۔" میں نے جیوز کو آواز دی وہ بڑی ہوشیاری سے راج ہنس سے بچتا بچاتا ہم تک آ گیا اور برساتی کو ڈھال بنا کر ہم لوگوں کو کشتی تک لے گیا اور ہم لوگ گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر مسٹر فلمر خاموش رہے۔ کشتی سے اترتے وقت بولے "مسٹر ووسٹر" مجھے یقین ہے کہ میری کشتی کو ٹامس نے بہا دیا ہوگا، کیونکہ وہ مجھ سے

خفا تھا۔"

مسٹر فلمر تو گھر میں چلے گئے اور میں نے جیوز سے مشورہ کرنا شروع کر دیا اور جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو میں اپنے کمرے میں چلا گیا تاکہ غسل کر کے لباس تبدیل کر لوں۔ ابھی میں غسل کر ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ میری خالہ کا بٹلر تھا پروس۔

"جناب آپ کو بیگم صاحبہ نے یاد کیا ہے۔"

"بہت بہتر۔"

غسل کے بعد جب میں کمرے میں آیا تو جیوز میرا لباس رکھ رہا تھا۔

"جیوز میرا خیال ہے کہ مسٹر فلمر کو کونین وغیرہ کھلادی جائے۔"

"میں نے یہ پہلے ہی کر دیا ہے۔"

"جیوز ہم کو فوراً کوئی ترکیب تلاش کرنا چاہیے۔ کیونکہ مسٹر فلمر کا خیال ہے کہ ٹامس نے ان کی کشتی بہادی۔ اب اگر وہ یہی بات آنٹی سے کہتے ہیں تو وہ مسٹر بنگو لٹل کو نکال دیں گی یہ ان ہی کی غفلت سے ہوا۔ اور بیگم بنگو کو سارا واقعہ معلوم ہو جائے گا اور پھر میاں بیوی میں لڑائی ہو گی لہذا جلدی بتاؤ کیا کرنا چاہیے۔"

"جناب میں نے اس کا پہلے ہی بندوبست کر دیا ہے۔"

"اچھا۔"

"جی ہاں جناب اتفاق سے میں نے مسٹر فلمر کی ایک بات سن لی۔ بس اس کو سنتے ہی مجھے ایک ترکیب سوجھ گئی۔"

"جیوز، تم تو واقعی کمال کرتے ہو۔"

"شکریہ جناب۔"

"تو کیا حل نکالا ہے تم نے۔"

"میں نے یہ سوچا کہ میں جا کر مسٹر فلمر سے یہ کہہ دوں کہ ان کی کشتی کو آپ نے بہا دیا تھا۔"

"کیا کہا تم نے۔" میں چلایا۔

"مسٹر فلمر کو تو پہلے یقین نہیں آیا مگر میں نے ان سے کہا کہ آپ کو اس طرح کی شرارتیں کرنے کا شوق ہے۔ لہذا اب ان کو یقین آگیا ہے۔"

میں حیران ہو کر جیوز کو دیکھتا رہ گیا۔

"اور اس کو تم ایک عمدہ حل کہتے ہو۔"

"جی ہاں جناب، اب مسٹر بنگو لٹل کی ملازمت کو کوئی خطرہ نہیں۔"

"اور میرا کیا حشر ہوگا۔"

"جناب آپ کا بھی فائدہ ہو گیا۔"

"وہ کیسے۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی خالہ صاحبہ نے آپ کو یہاں اس لیے بلوایا تھا کہ وہ آپ کو مسٹر فلمر کا پرائیوٹ سکریٹری بنوا دیں۔"

"کیا؟"

"جی ہاں، پروس بٹلر نے آپ کی خالہ صاحبہ اور مسٹر فلمر کی باتیں سن لی تھیں۔"

"میں اور اس شخص کا سکریٹری۔ اس سے تو بہتر ہے کہ میں جہنم میں چلا جاؤں، لیکن جیوز، اب میں کروں تو کیا کروں، خالہ صاحبہ تو میری جان لے ڈالیں گی۔"

"جناب بہتر یہی ہے کہ آپ اس سے ملاقات ہی نہ کریں۔"

"مگر یہ کیسے ہو سکے گا۔"

"کھڑکی کے باہر ایک پائپ ہے۔ آپ اس کے ذریعے سے نیچے اتر جائیے۔ میں آپ کی موٹر کار بیس منٹ میں لے آتا ہوں۔"

میں نے بڑے احترام سے جیوز کو دیکھا، جیوز تم ہمیشہ ٹھیک سوچتے ہو، میری گاڑی بیس منٹ کے بجائے پانچ منٹ میں نہیں لا سکتے۔"

"جناب دس منٹ کافی ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے وہ پائپ کہاں ہے۔"

(بہ شکریہ ہمدرد نونہال)

ارشاد عالم اگانوی

برائی کا انجام

ایک بادشاہ تھا۔ اس کی اکلوتی بیٹی شہزادی نصرت ، بہت ہی خوبصورت تھی۔ بادشاہ اسے بہت پیار کرتا تھا۔ شہزادی کو پرندوں سے بڑا پیار تھا۔ وہ ان کی بولی بھی سمجھتی تھی۔ شہزادی کے پاس ایک توتا تھا وہ اس سے خوب باتیں کرتا تھا۔ ایک دن شہزادی توتے سے باتیں کر رہی تھی۔ کراو پر بیٹھے چڑا چڑی دیکھ رہے تھے۔ چڑیا بولی شہزادی کے پاس توتے کے بجائے "ہما" ہوتا تو اور بھی اچھا لگتا۔ شہزادی نے یہ بات سن لی اور اداس ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شہزادی کھانے پر بھی نہیں آئی۔ آخر بادشاہ خود اس کے پاس گیا اور اس سے کھانے پر نہ آنے کی وجہ پوچھی تو شہزادی نے کہا مجھے ایک "ہما" چاہیے۔ بادشاہ نے یہ بات سن کر کہا "بس اتنی سی بات ہے؛ میں کل ہی منگوا دوں گا۔ بادشاہ نے چڑی ماروں کو بلوایا اور اعلان کیا جو کوئی "ہما" لائے گا اسے منھ مانگا انعام دیا جائے گا۔ لیکن "ہما" پرندوں کا بادشاہ تھا۔ اس کے تین غلام تھے۔ باز، بہری اور رزہ یہ تینوں اپنے بادشاہ کے لیے کھانا تلاش کرکے اس کے گھونسلے میں پہنچاتے تھے۔ چڑی مار ادھر پریشان تھے اور کافی دن گزر گئے۔ ادھر شہزادی جس طرح دن گزرتے جاتے اور بھی اداس ہوتی گئی۔ آخر کار چڑی مار نے ایک تدبیر کی۔ اس نے خوب اچھے اچھے کھانے تیار کرائے۔ انھیں جال پر رکھ دیا۔ اور خود چھپ کر بیٹھ گیا۔ "ہما" کا انتظار کرنے لگا۔ اب کیا تھا۔ اتنے اچھے اچھے کھانے دیکھ کر سب چرند پرند آنے لگے۔ لیکن "ہما" نہیں آیا۔ اس طرح سے کئی دن گزر گئے۔

ایک دن جب "ہما" کے تینوں غلام بادشاہ کے کھانے کی تلاش میں جا رہے تھے کہ راستے میں چیل اور کوا ملے۔ وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا۔ بھائی تم سب کہاں گئے تھے۔ آج دو تین دن ہوئے پہاڑ پر اتنا اچھا اچھا کھانا مل رہا ہے کہ ایسا ہم نے زندگی میں کبھی نہ کھایا چیل کوے نے کہا۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ وہاں کھانا کھانے میں بہت دیر ہو گئی "ہما" کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ بھی اپنے گھونسلے سے نکلا۔ راستے میں اسے بھی چیل کوے ملے تو اس نے اپنے غلام کے بارے میں پوچھا۔ کوے نے جواب دیا۔ پہاڑ پر بڑے مزے کا کھانا ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر پہنچا تو چڑی مار بہت خوش ہوا اس نے جلدی سے جال بند کر لیا۔ پھر "ہما" کو بادشاہ کی نذر کیا بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے بہت سا انعام دیا۔

عالم منزل اوگانواں، نالندہ (بہار)

شہزادی "ہما" کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی وہ اس سے خوب باتیں کیا کرتی تھی۔ لیکن "ہما" اداس رہتا تھا۔ اس طرح بہت دن گزر گئے۔ آج شہزادی کی سالگرہ تھی۔ اس لیے سب ہی کو اس خوشی میں کچھ دن کی چھٹی دی گئی۔ "ہما" بھی آج بہت خوش تھا۔ کیونکہ اس نے بھی اپنے دل میں ایک بات سوچ رکھی تھی۔ جب شہزادی اس کے پاس آئی تو "ہما" بہت خوش تھا۔ شہزادی سے خوب باتیں کرنے لگا۔ شہزادی کہنے لگی۔ بولو "ہما" آج تم کیا مانگتے ہو؟ شہزادی کی بات سن کر وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا میں اپنے گھر پہاڑ پر جانا چاہتا ہوں۔ گھوم کر پھر آجاؤں گا۔

شہزادی اور بادشاہ "ہما" کو لے کر پہاڑ پر گئے۔ وہ خوب گھوم پھر کر واپس شہزادی کے پاس آگیا۔ اور کہنے لگا۔ شہزادی اگر کوئی چیز ہاتھ میں آکر چلی جائے تو اس وقت اس کا افسوس نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ کبھی بازی اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تو کبھی دوسروں کے ہاتھ! یہ کہہ کر "ہما" اڑ گیا۔

جب شام ہونے لگی تو شہزادی نے واپس آنے کو کہا۔ "ہما" نے کہا ہاتھ سے جو چیز نکل جائے اس کا افسوس نہ کرنا چاہیے۔ میں نے بھی چیل، کوّے کی باتوں میں آگیا۔ میری آزادی چھن گئی۔ "ہما" اپنے گھر پہنچا تو سب اداس پرندے اپنے بادشاہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ "ہما" نے اس دن قسم کھائی کہ اب کبھی بھی اچھوں کا ساتھ چھوڑ کر بروں کا ساتھ اختیار نہیں کروں گا۔ "برائی کا انجام برا ہی ہوتا ہے"

شکیل الرحمٰن

باپ کی محبّت

جس وقت انور سات سال کا تھا وہ ایک بار اپنے ابّو جان کے ساتھ ہوا خوری کے لیے صبح کے وقت ایک باغ میں گیا۔ باغ میں ہر طرف رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ اور کوّے بھی کائیں کائیں سے آسمان کو سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔ غرض موسم بہت ہی سہانا تھا۔ اس لیے انور بہت خوش تھا۔ باغیچہ میں پھولوں کو دیکھتے ہوئے انور کی نظر اک کوّے پر رُک گئی کیوں کہ اس کی نظر سے کوّا کبھی نہیں گزرا تھا۔ اب جب اس نے دیکھا تو اچانک وہ اپنے ابّو جان سے پوچھ بیٹھا "ابّو جان یہ کیا ہے؟" باپ نے نہایت پیار سے کہا "بیٹا! وہ کوّا ہے"۔ انور نے پھر پوچھا "ابّو جان یہ کیا ہے؟" اس پر انور کے والد نے پھر پیار سے کہا "بیٹا یہ کوّا ہے"۔

غرض اسی طرح کئی بار انور نے اپنے ابّو سے کوّے کے بارے میں سوالات کیے اور اس کے ابّو ہر بار محبّت سے یہی جواب دیتے کہ بیٹا وہ کوّا ہے۔

کافی دیر ہو چکی تھی۔ سورج نکل آیا تھا انور کے والد کو آفس جانا تھا۔ انور کو ساتھ لیے ہوئے گھر آئے اور انور کے پوچھے ہوئے سوالات کو ایک کاغذ پر لکھ کر حفاظت سے رکھ لیا۔ اور ناشتے کے بعد آفس چلے گئے۔

کئی برس گزر گئے۔ انور اب پڑھ لکھ کر ایک اونچے عہدے پر نوکری کرنے لگا اور اُس کا باپ اب بالکل بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس لیے گھر کی ساری ذمّہ داریاں انور پر تھیں اور اب وہی گھر کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

ایک دن کہیں سے انور کے پاس خط آیا۔ باپ کے سامنے لفافہ چاک کر کے پڑھنے لگا۔ خط پڑھنے کے بعد جیسے ہی انور جانے لگا اس کے باپ نے پوچھا۔

"بیٹے انور! یہ خط کہاں سے آیا؟"

اس پر انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر اُس کے باپ نے پوچھا کہ بیٹا تم نے نہیں بتایا کہ خط کہاں سے آیا۔ اس پر انور نے کہا میں نہیں جانتا کہ یہ خط کہاں سے آیا۔ اس کے یہ کہنے پر انور کے والد نے وہ کاغذ

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

ستما آزاد سوب نکڈی ہری داس چیٹرجی لائن گیا۔
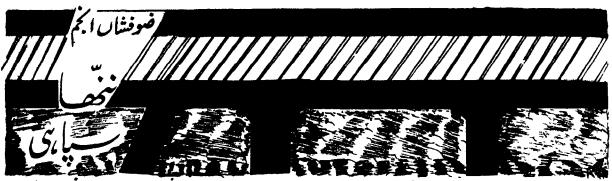
"آپ کہاں جارہے ہیں پاپا؟"

البرٹ نے اپنے والد جانسن سے پوچھا۔ جانسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کی آنکھیں پل بھر کے لیے چمکیں اور ان کی گرفت کلہاڑی کے دستے پر اور مضبوط ہوگئی۔ انھوں نے باہر جانے کے لیے قدم آگے بڑھا دیے۔ ننھا البرٹ بھی ان کے پیچھے ہولیا۔

جیسے ہی جانسن گھر سے باہر آئے ایک ہجوم کو اپنا منتظر پایا۔ یہ سب ان کے گانو کے لوگ تھے۔ ان لوگوں نے آگے بڑھ کر جانسن کا استقبال کیا۔ وہ سب کے سب کلہاڑیوں اور دوسرے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ سورج غروب ہوچکا تھا اور دھیمی دھیمی سی روشنی میں یہ سارا منظر البرٹ کو بڑا ہی عجیب اور پراسرار لگ رہا تھا۔

"پاپا! آپ کہاں جارہے ہیں؟" البرٹ نے اپنے والد کو جھنجھوڑتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔ "دیکھو بیٹے! ہم لوگ کہیں نہیں جارہے ہیں۔ فرانسیسیوں نے آج رات ہمارے گانو پر حملہ کرنے کا پلان بنایا ہے۔ ہم لوگ اس پل کو گرانے جارہے ہیں جس پر سے گزر کر فرانسیسی ہمارے گانو تک پہنچ سکتے ہیں۔"

جانسن نے اپنے بیٹے سے کچھ بھی چھپانا مناسب نہیں سمجھا۔ "مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے۔" البرٹ نے مچل کر کہا۔ لیکن سارے لوگ ایک ساتھ چلا اٹھے "نہیں، نہیں، ہمارا کام بہت خطرناک ہے۔" لیکن البرٹ نے سنی ان سنی کر کے پل کے راستے پر دوڑ لگا دی۔ جانسن کے ہونٹوں پر شفقت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

معرفت محمد اقبال، انسپکٹر آف کسٹمس، پکی سرائے روڈ، مظفر پور ۸۴۲۰۰۱

البرٹ اس پل سے بخوبی واقف تھا۔ یہ پل دراصل ایک لمبا سا چیڑ کا درخت تھا جو اس کے گانو کو ندی کے دوسرے سرے سے ملاتا تھا۔ اس پل کے نیچے بہنے والی پرشور ندی بڑی خطرناک تھی اور اس پل کی چوڑائی اتنی کم تھی کہ اس پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی کے گزرنے کی گنجائش تھی۔ ایک ہلکی سی لغزش بھی پل کے نیچے بہنے والی ندی کے پرشور دھارے میں گرا دینے کے لیے کافی تھی۔

گانو کے لوگوں کا قافلہ ابھی پل سے کچھ فاصلے پر تھا کہ البرٹ دوڑتا ہوا ان لوگوں کے پاس پہنچا اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اس نے بتایا کہ فرانسیسی پل کے کنارے پر پہنچ چکے ہیں اور کچھ سپاہی پل کو پار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"جلدی کرو" جانسن چلائے اور پل کی جانب دوڑ پڑے۔ ان کے پیچھے سارے لوگ دوڑنے لگے۔ جانسن نے اپنی کلہاڑی سے پل پر پہلا وار کیا پھر سارے گانو والوں نے ان کا ساتھ دیا۔ اسی وقت فرانسیسیوں نے اس پار سے ان لوگوں کو دیکھ لیا اور اپنی رائفلیں سنبھال لیں۔

"جلدی کرو" جانسن چلائے۔ درجنوں کلہاڑیاں ایک ساتھ چل رہی تھیں مگر درخت بہت سخت تھا۔

"فائر" فرانسیسی کپتان نے آرڈر دیا اور رائفلیں

چلانے لگیں. کئی لوگ گولیاں لگنے سے گر گئے۔

"یاد رکھو. ہمارے گھروں میں صرف عورتیں اور بچے ہیں. اگر فرانسیسی ہمارے گاؤں میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ہمارے گھروں، عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیں گے. ہمیں مرنے سے پہلے اس پل کو تباہ و برباد کر دینا ہے اور جانسن کی بات ادھوری رہ گئی ایک گولی سنسناتی ہوئی ان کے سینے میں پیوست ہو گئی کلہاڑی ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی اور اسی پر وہ گر پڑے. دو آدمی انھیں سنبھالنے کے لیے آگے بڑھے مگر مسلسل چلتی ہوئی گولیوں نے انھیں بھی ٹھکانے لگا دیا. اسی وقت گاؤں والوں کا دوسرا دستہ وہاں آ گیا اور انھوں نے مرے ہوئے لوگوں کی جگہیں سنبھال لیں. مگر فرانسیسیوں کی رائفلوں سے نکلتی ہوئی گولیوں نے انھیں بھی موت کی نیند سلا دیا. کچھ ہی دیر بعد وہاں میت کا سا سناٹا چھا گیا. چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں. اس سناٹے میں صرف ننھے البرٹ کی سسکیاں گونج رہی تھیں. روتے روتے اس نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا فرانسیسی پھر پل پار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں البرٹ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا ابھی وہ دس برس ہی کا تھا. اس نے کلہاڑی اٹھائی اور پل پر وار کرنے لگا. پل آدھے سے زیادہ کٹ چکا تھا صرف تھوڑا سا حصہ باقی تھا ادھر سے پھر گولیاں برسنے لگیں. البرٹ نے کلہاڑی کی رفتار تیز کر دی مگر بے سود. درخت نہیں کٹ سکا اور کلہاڑی البرٹ کے تھکے ہوئے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر پڑی. دوسری کلہاڑی لانے کا مطلب تھا فرانسیسیوں کو گولی چلانے کا مزید موقع دینا. البرٹ پل کو تباہ کیے بغیر مرنا نہیں چاہتا تھا اور تب ننھے البرٹ نے ایک بھیانک فیصلہ کر لیا. اس نے آنکھیں بند کر کے پوری قوت سے چھلانگ لگائی اور پیڑ کے کٹے ہوئے حصے پر کود پڑا پل ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی البرٹ کا جسم نیچے بہنے والی پُرشور ندی کے بہاؤ میں گم ہو گیا.

فرانسیسی مایوس ہو کر اپنے کیمپوں میں لوٹ گئے.

البرٹ کا گاؤں محفوظ رہ گیا.

فرانسیسی کپتان اور دوسرے افسر البرٹ کی بہادری سے بہت متاثر ہوئے صبح کو ندی میں تیرتی ہوئی لاش نظر آئی. انھوں نے البرٹ کی لاش پر ایک یادگار عمارت بنوادی.

(انگریزی سے آزاد ترجمہ)

(بقیہ ۴۲ کا)

جس پر آج سے ۲۰ سال پہلے انور کے پوچھے ہوئے سوالات لکھے رکھے تھے. انور کو دیتے ہوئے کہا کر یہ کاغذ دیکھو وہی کاغذ ہے جب تم سات سال کے تھے اور تم نے مجھ سے کئی بار کوے کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے. میں نے ہر بار نہایت پیار سے کہا کہ بیٹا یہ کوا ہے. اور آج میں نے تم سے صرف دو بار خط کے بارے میں پوچھا تو تم برداشت نہ کر سکے.

کل کا شرمیلا طالب علم آج کا حاضر جواب وزیر اعظم

نئی دہلی۔ ۱۴ر جولائی (ی ان ا) وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بہت شرمیلے تھے اور بحث و مباحثہ میں حصہ نہیں لیتے تھے آج صبح بچوں کے ایک گروپ کے ساتھ ۴۵ منٹ کی پر لطف ملاقات میں مسٹر راجیو گاندھی نے متعدد سوالات کے شگفتہ جوابات دیے جسے دوردرشن سے براہ راست ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔

اگرچہ اس ملاقات میں شرکت کرنے والے بچے کم عمر تھے مگر اس کے باوجود زراعت سے لے کر اسٹار وار تک کی بات ہوئی۔ اس دوران کئی مرتبہ مزاحیہ سوال و جواب کا منظر بھی دیکھنے کو ملا۔ مسٹر گاندھی نے کہا کہ وہ روزانہ لگ بھگ ۱۷ سے ۱۸ گھنٹے تک کام کرتے ہیں ایک لڑکے کے اس سوال پر کہ جناب آپ یہ بتانا بھول گئے کہ آپ برش بھی کرتے ہیں۔ مسٹر گاندھی نے جواب دیا کہ میں برش کرنا کبھی نہیں بھولتا ایک بچی نے تتلا کر پوچھا کہ آپ کو اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے کا وقت نہیں ملتا تو مسٹر راجیو گاندھی نے کہا کہ اس کے لیے میں عام طور سے اتوار کو اپنی مصروفیت کم رکھتا ہوں اور یہ وقت گھر والوں کے ساتھ گزارتا ہوں۔

وزیر اعظم نے بتایا کہ وہ رات کے ساڑھے آٹھ بجے تک اپنے دفتر میں رہتے ہیں پھر بھی بہت سارے کام گھر کے لیے باقی رہ جاتے ہیں۔ ایک لڑکی کے اس دل چسپ سوال پر کہ جب ہم لوگوں کے امتحانات ہوتے ہیں تو ہم نہیں سو پاتے اور آپ کا تو ہر روز امتحان کا دن ہے تو کیا آپ بالکل نہیں سو پاتے۔ وزیر اعظم [illegible] جواب [illegible] ایسا نہیں ہے میں روزانہ صرف چند گھنٹے [illegible] سوتا ہوں۔ اس [illegible] کے [illegible] کم عمر کا لڑکا دانت سے اپنا ناخن کاٹتا رہا اور [illegible] کا بچہ اپنی سیٹ پر بے قراری اور شرارت کے انداز میں [illegible] رہا۔ ایک لڑکی نے جو کافی گھبرائی ہوئی تھی نے عجیب [illegible] اپنے ہاتھ اِدھر اُدھر کر کے گجرات پر سوال کرنا چاہتی تھی۔

چار سالہ دسان زندہ کیلنڈر ہے

بلغراد۔ چار سالہ دسان جوکی کا ذہن اعداد و حروف میں لگا رہتا ہے اور اگر کسی کو کوئی تاریخ پوچھنا ہو تو اسے کیلنڈر دیکھنے کی ضرورت نہیں بس دسان سے پوچھ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے والدین چاہتے ہیں کہ دسان اعداد و شمار میں الجھا نہ رہے اور دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ لے تاکہ اس کی نشو و نما رکنے نہ پائے لیکن دسان اعداد و شمار کے بلاک اکٹھے کر کے انہیں جوڑتا رہتا ہے۔ دسان آپ کو یہ بتلا سکتا ہے کہ کس تاریخ کو کونسا دن ہوگا اور یہ تاریخ اور دن آئندہ کے واسطے ہی نہیں پچھلی تاریخوں کے لیے بھی وہ صحیح صحیح بتلاتا ہے۔

دو برس کی عمر میں اس نے لاطینی اور سرِیلک زبانوں کے حروف سیکھ لیے تھے اور اب چار برس کی عمر میں وہ یونانی حروف تہجی سے بھی واقف ہو گیا ہے اور جمع، ضرب اور تقسیم ہی نہایت آسانی سے نہیں کر لیتا بلکہ بآسانی لکھ پڑھ بھی لیتا ہے اور اسے لوگ "زندہ کیلنڈر" بھی کہنے لگے ہیں۔

ضروری اطلاع : خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر [illegible] ضرور لکھیں۔

اور عظیم الشان کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اعجاز احمد

سیکریٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، سانگلی ۴۱۶۴۱۶ (مہاراشٹر)

فاروق ہائی اسکول کا ۷۰ فیصد نتیجہ

فاروق ستار عمر بھائی ہائی اسکول برائے طلبہ جوگیشوری کا ایس ایس سی امتحان مارچ ۱۹۸۵ء کا نتیجہ تقریباً ۷۰ فیصد رہا۔ ۵ طلبہ امتیازی درجہ میں ۲۰ طلبہ اوّل درجہ میں ۴۴ طلبہ دوم درجہ میں اور ۳ سوم درجہ میں کامیاب ہوئے اسکول ہذا میں ذاکر حسین سرور حسین نے ۸۵.۸۲ فیصد مختار احمد مرتضیٰ علی بلگی نے ۸۲.۴۲ اور انور علی محمد علی نے ۸۰.۴۴ فیصد مارک حاصل کر کے امتیازی درجہ حاصل کیا۔

ہم اسکول انتظامیہ پرنسپل ابراہیم خاں طالب، اساتذہ کرام اور کامیاب طلبہ کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

شرف الدین شیخ

انجمن اسلام سیف طیب جی گرلس ہائی اسکول کے شاندار نتائج

۸۵-۱۹۸۴ء کے بورڈ امتحانات میں انجمن اسلام سیف طیب جی گرلس ہائی اسکول کا ایس ایس سی کا نتیجہ ۸۵ فیصد ایس ایس سی کی چھے طالبات نے امتیازی نمبر حاصل کیے اور ۴۹ طالبات کو فرسٹ کلاس ملا۔

پرنسپل اساتذہ طالبات اور ان کے والدین کی خدمت میں پرخلوص ہدیہ تہنیت اور مبارکباد پیش کرتے ہیں اور طالبات کی اسی طرح کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔

شعبہ نشر و اشاعت۔ انجمن اسلام سیف طیب جی گرلس ہائی اسکول۔

عثمان آزاد اردو ہائی اسکول کولہ کا ایس ایس سی کا شاندار نتیجہ

مدرسہ ہذا کے امسال کل ۴۹ طلبہ میں ۴۴ طلبا کامیاب ہوئے ہیں مدرسہ ہذا کا نتیجہ ۹۴ فیصد رہا۔ مدرسہ ہذا کے طالب علم نسیم اقبال خاں ولد محمد نعیم اللہ خان ناگپور ڈویژن کی میرٹ فہرست میں چوتھا نمبر حاصل کیا ہے۔ مدرسہ کا شاندار نتیجہ پرنسپل جناب اقبال اللہ خاں کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

یاد رکھیے: اگر مضمون مختصر، خوشخط اور صفحے کے ایک طرف لکھا ہوتا تو جلد از جلد شائع ہو سکتا ہے

ادھر اُدھر سے

بھساول میں انجمن شاہین ادب کا قیام

امسال بھساول میں "انجمن شاہین ادب" کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے مقاصد اردو اسکول (پرائمری اور ہائی اسکول) میں جنرل نالج کے مقابلے کرانا، دینی و دنیاوی تقریری مقابلے کرانا تعلیم کی اہمیت سمجھانا۔ دوسرے ایس ایس سی میں کامیاب طلبا کو انعامات سے نوازنا ان میں تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرنا۔ تیسرے یہ کہ غریب بچوں کی تعلیمی میدان میں ہر ممکن مالی تعاون کرانا مثلاً ہر اسکول میں غریب و نادار طلبا کو ہر مہینے پانچ روپیہ اسکالرشپ دے کر تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کرانا ہے۔ لہٰذا ان تمام کاموں کے لیے مالی تعاون کی ضرورت ہے اس لیے مخیّر حضرات سے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ مالی تعاون دے کر ثواب حاصل کریں۔

محمد عابد، محمد اکرم

سیکریٹری انجمن شاہین ادب ممتاز بلڈنگ نصرو اجی نائل، پوسٹ بھساول، ضلع جلگاؤں (ایم۔ ایس) ۴۲۵۲۰۱

قابلِ صد ستائش مبارکباد

امسال محمدیہ اینگلو اردو ہائی اسکول سانگلی (مہاراشٹر) کا نتیجہ نہایت ہی شاندار رہا، ۸۱ طلبہ و طالبات میں سے ۲۳ فرسٹ کلاس، ۵ سیکنڈ کلاس میں اور دو طالبات امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئیں۔ ہم اس ہائی اسکول کے ہر دل عزیز ہیڈ ماسٹر جناب افضال احمد صاحب اور دسویں جماعت کے پڑھانے والے اساتذہ جناب نہال احمد انصاری، افضال احمد عثمانی، شیخ لعل نداف اور شریف حسن زماں صاحب کو اس شاندار

رومی :۔ کیا پاپا ہم مٹی کے بنے ہوئے ہیں ؟
پاپا :۔ ہاں بیٹی ! ہم لوگ مٹی کے بنے ہیں۔
رومی :۔ لیکن جب ہم لوگ نہاتے ہیں تو پھر کیچڑ کیوں نہیں ہو جاتے۔

●

راہ گیر :۔ (ایک بچے سے) کیا وقت ہوا ہے ؟
بچہ :۔ (گھڑی دیکھ کر) بج کر دس
راہ گیر :۔ کیا کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ؟
بچہ :۔ بج کر دس ۔
راہ گیر :۔ کیوں مذاق کرتے ہو بیٹا ۔ ۔ ۔ ؟
بچہ :۔ جناب دیکھتے نہیں میری گھڑی میں صرف بڑی سوئی لگی ہوئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔

کے. انیس احمد، وانمباڑی

●

نثار :۔ (مظہر سے) درجہ میں کوئی ہے۔
مظہر :۔ درجہ میں تو کوئی نہیں ہے۔
نثار :۔ کمال ہے (حیرت سے)
مظہر :۔ کمال بھی نہیں ہے۔

محمد غفران احمد، اورنگ باد (بہار)

بیوی شوہر سے پوچھتی ہے سنو جی یوم آزادی کب آئے گا۔
شوہر۔ اجی جب تم میکے چلی جاؤ گی۔

نجم الصباح
جامع مسجد دہلی

●

عارف :۔ تمھاری کھوئی ہوئی انگوٹھی ملی یا نہیں ؟
عروج :۔ وہ تو میرے چھوٹے بھائی کو مل گئی۔
عارف :۔ تو اب کسے ڈھونڈ رہے ہو ؟
عروج :۔ اپنے چھوٹے بھائی کو۔

محمد علی ۔ بمبئی

●

استاد :۔ (منان سے) ایسا کون سا جانور ہے جو شیر سے نہیں ڈرتا ؟
منان :۔ شیرنی سر۔

●

حسیب :۔ تم نے لفظ 'غلط' 'ک' 'ت' سے کیوں لکھا ہے ؟
آفاق :۔ غلط کو ہمیشہ غلط ہی لکھنا چاہیے۔

محمد عمر، بستی

●

صیف :۔ بتاؤ شازی امتحان کیوں ہوتے ہیں۔
شازی :۔ جن سوالوں کے جواب ماسٹر صاحب کو معلوم نہیں ہوتے وہ ہم سے معلوم کرنے کے لیے۔

تبارک اللہ
دارو خانہ، بمبئی

●

استاد :۔ (شاگرد سے) قاتل کا کیا مطلب ہے۔
شاگرد :۔ مجھے نہیں معلوم سر۔
استاد :۔ اچھا سمجھ لو کہ اپنے باپ کو تم نے قتل کیا تو تم کیا کہلاؤ گے
شاگرد :۔ یتیم۔

شکیل احمد ۔ لکھنؤ

آدھی ملاقات

محترمی! تسلیم
ہم جیسے بچوں کے لیے پیام تعلیم ایک نہایت ہی مفید پرچہ ہے۔ وہ ہمارے لیے نئی نئی معلومات فراہم کرتا ہے۔ خدا اسے روز افزوں ترقی دے۔ (آمین)

والسلام، عبدالباری کلیم
جامعہ محمدیہ منصورہ

جناب اڈیٹر صاحب!
"آدھی ملاقات" میں ایم شکیل راوت کا خط پڑھا۔ وہ خط کیا ہے۔ جھوٹ کا پلندہ ہے میں پانچ سال سے پیام تعلیم کا خریدار ہوں دو ایک بار تو ایسا ہوا کہ پیام تعلیم کا ٹائیٹل رنگ بدل کر شائع کیا گیا لیکن ایک سال میں پانچ مرتبہ کوئی ٹائیٹل کبھی نہیں چھپا۔ دوسرا اعتراض بھی غلط ہے کہ اس میں جو کہانیاں شائع ہوتی ہیں وہ "ایک راجا تھا" سے شروع ہوتی ہیں، تیسری بات یہ کہ اس میں غیر ممالک کی خبریں نہیں ہوتیں۔
"آدھی ملاقات" کا سلسلہ بھی مستقل ہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ راوت صاحب سوائے اپنی تحریر کے پیام تعلیم میں اور کچھ نہیں پڑھتے ورنہ اتنے ڈھیر سارے اعتراضات نہ کرتے۔ راوت صاحب سے کہیے کہ رسالہ صرف مشوروں سے نہیں چلتا ہے۔ اس کے لیے عملی تعاون دینا ہوتا ہے۔ ذرا بتائیں کہ پیام تعلیم کے کتنے خریدار بنائے انھوں نے۔

مختار احمد، دہلی۔

جناب ایڈیٹر صاحب! آداب و تسلیمات!
عرض تحریر یہ ہے کہ جولائی ۱۹۸۵ء کا شمارہ "پیام تعلیم" نظر نواز ہوا۔ اس میں "کھیر کے پیالے"، "لوٹ کے بدھو" اور مزاحیہ مضمون میں شمار کیا جانیوالا سبق "اپریل فول" کافی پسند آیا۔ اس رسالے میں تمام چیزیں موجود ہیں۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں، کہ اس میں ایک چیز کی کمی ہے اور وہ ہے "اقوال زریں"

انصاری مسعود حسین، اسلام آباد، مالیگاؤں

محترم اڈیٹر صاحب! سلام مسنون!
امید ہے مزاج اچھے ہوں گے۔ عرض میری یہ ہے کہ شمارہ موصول ہوا، میری کہانی "شرارت کا بدلہ" شائع کرنے کا بہت شکریہ! پیام تعلیم دن بدن سنورتا جارہا ہے اس شمارے میں غلام رازق صاحب کے دیئے ہوئے دونوں کھیر کے پیالے بہت ہی میٹھے اور مزیدار لگے۔ نجمہ یوسف کی اپریل فول کہانی بھی اچھی رہی، شیخ رحمٰن اکولوی کی "قسمت کی کہانی" پڑھ کر پسند آئی۔

جناب محترم اڈیٹر صاحب! اسلام علیکم
ماہنامہ "پیام تعلیم" جو کہ ہمارے اسکول (محمدیہ اینگلو اردو ہائی اسکول، سانگلی) میں گزشتہ کئی سالوں سے پابندی سے آتا ہے اس اسکول کے تمام اساتذہ اور بچے بے حد دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور ہر ماہ اس رسالے کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔

سکریٹری: اعجاز احمد
اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سانگلی (مہاراشٹر)

محترمی! اسلام علیکم
پیام تعلیم کا تازہ شمارہ زیر نظر ہے تمام کہانیاں اور نظمیں نہ صرف دلچسپ بلکہ اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ ادھر ادھر سے، گدگدیاں، بچوں کی کوشش وغیرہ اچھے کالم ہیں۔ پیامی ادبی معما بھی بچوں کی دلچسپی اور دماغی ورزش کا خوبصورت ذریعہ ہے۔

ساغر مالک

جناب اڈیٹر صاحب! سلام مسنون!
میں "پیام تعلیم" پابندی سے پڑھتا ہوں اس میں کہانیاں ہیں مجھے بے حد پسند ہیں۔

محمد مظہر نعمانی، رفیع گنج

پیامی ادبی معمّہ ۱۸ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل، غبارے۔ گلابو چوہیا اور غبارے۔ صفحہ ۱۷۔ ۲۔ مکہ۔ پیارے رسول ص ۴۴۔ ۳۔ لوہار۔ سماجی زندگی۔ ص ۴۰۔ ۴۔ سفیر۔ انوکھا عجائب خانہ (چہارم) ص ۲۲ ۵۔ لوگ۔ تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم) ص ۵۳۔ ۶۔ کفر۔ اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل) ص ۲۹۔ ۷۔ استادوں۔ ایک طالب علم کی کہانی۔ ص ۸۸۔ ۸۔ رشتہ داروں رسول پاک۔ ص ۱۰۸

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۲۴ خوش نصیب فی کس ۳۴/۴ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ غزالہ فاطمہ زہرا، معرفت اے۔ ایم قاسمی، مدرسہ اسلامیہ، رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار) ۲۔ کنیز فاطمہ زہرا۔ ۳۔ نور فاطمہ زہرا۔ ۴۔ سعید سلیم جاوید۔ ۵۔ مسعود سعد سلمان۔ ۶۔ محمد اطہر نعمانی۔ پتا مذکورہ بالا۔ ۷۔ وی کاشفہ کوثر نمبر ۱ محمد پورہ تیسری گلی (آمبور) ۸۔ سی ذی شان عالم۔ ۹۔ وی شازیہ کوثر۔ ۱۰۔ سی صبا انجم۔ ۱۱۔ ایس، کے، تابش انصاری۔ ۱۲۔ سی تو نا انجم۔ ۱۳۔ ایس کے، دانش انصاری۔ پتا مذکورہ بالا کاشفہ کوثر۔ ۱۴۔ ایس، شاہد احمد شازی نمبر ۱، باب اللہ مکان اسٹریٹ (آمبور) ۱۵۔ ایس شاداب احمد غوری۔ ۱۶۔ ایس شفیق احمد زبیدی۔ پتا۔ مذکورہ بالا شاہد احمد شازی۔ ۱۷۔ ایس لبنیٰ نشاط شونی۔ ۱۸۔ ایس رعنا نشاط رینو نمبر ملکی شیخ میران اسٹریٹ (آمبور) ۱۹۔ شائستہ خلیل۔ ۲۰۔ عترت خلیل۔ ۲۱۔ عاصمہ خاتون۔ پتا۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱ کا۔ مکان نمبر ۵-۱۳، پہاڑی املی، ٹیا محل۔ دہلی ۶۔ ۲۲۔ خلیق احمد، کمرہ نمبر ۹۳۴، اے، ونگ منسٹری آف لا، نئی دہلی ۱۔ ۲۳۔ ایس غزالہ نشاط غزل۔ پتا مذکورہ بالا لبنیٰ نشاط کا

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب فی کس ۵ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

۱۔ محمد خلیل اللہ شریف، ۱۶/۱۸۲۔ ۲۔ ۱۹، رحمت پورہ (حیدرآباد) ۲۔ محمد سلیم اللہ شریف۔ ۳۔ رحیم اللہ شریف۔ ۴۔ محمد کریم اللہ شریف۔ ۵۔ عقیلہ نسرین ۶۔ عظمیٰ جبیں۔ پتا مذکورہ بالا۔ ۷۔ محمد غفران احمد، معرفت محمد عباس۔ مدرسہ اسلامیہ، رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار) ۸۔ تبسم پروین، معرفت افضل صاحب۔ ۹۔ نثار احمد، معرفت محمد صدیق، انصاری۔ ۱۰۔ محمد مظہر نعمانی، معرفت اجمل قاسمی، پتا: مذکورہ بالا غفران احمد کا۔

قلمی دوستی

نام: محمد مظہر نعمانی عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پابندی سے پڑھنا، کومنٹری سننا، اچھی کتابیں پڑھنا وغیرہ۔
پتا: معرفت محمد اجمل قاسمی، مدرسہ اسلامیہ، رفیع گنج اورنگ آباد (بہار)

نام: گڈی رانی عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، وقت پر اسکول جانا، والدین کی خدمت کرنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، نماز پڑھنا۔
پتا: ذریعہ، جناب عبدالروف صاحب، مقام و پوسٹ جونکا وایا، نین پہاڑ، ضلع صاحب گنج (بہار)

نام: محمد لطیف الکبیر عمر: ۱۷ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، بڑوں کی عزت کرنا، بچوں کو پیار کرنا۔
پتا: شرافت ہاؤس، بلاک ۵/ڈی، لال باغ پٹنہ

نام: خالد گلزار رضا عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، باغبانی کرنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، گھومنا۔
پتا: کیپٹن جی ربانی، باد اچاکند گیا، (بہار) ۸۰۴۴۰۴

نام: مس عنبری خاتون عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: نماز پڑھنا، سب کاموں میں دلچسپی رکھنا، بڑوں کی عزت کرنا۔
پتا: ارشاد عالم، عالم منزل، مقام و پوسٹ اوگانواں ضلع نالندہ۔

نام: کلیم الدین شیخ شبیر عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، بڑوں کی عزت کرنا۔
پتا: پہور گلی، مقام جامنیر ضلع جلگاؤں۔ ۴۲۴۲۰۶

بلّی اور چوہے کی کہانی

ایک بار ایک بلّی رات کے وقت ایک جھاڑی میں گئی کہ کچھ شکار مارے، لیکن اسے کچھ ہاتھ نہ لگا، بلکہ وہ سردی اور بارش کی وجہ سے بیمار اور کمزور ہوگئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ مطلب نکالنے کے لیے کوئی چال چلنی چاہیے۔ اتنے میں اسے ایک درخت کے نیچے ایک بِل دکھائی دیا وہ اس کے قریب جاکر سونگھنے اور میاؤں میاؤں کرنے لگی، یہاں تک کہ اسے پتا چل گیا کہ بِل کے اندر ایک چوہا ہے، ارد گرد گھومنے لگی اور ارادہ کیا کہ چوہے کو پکڑنے کے لیے اندر گھسے۔ چوہا کھٹک گیا۔ اس نے بلّی کی طرف پیٹھ کرکے پانو ٹیک لیے

تاکہ بِل کا منہ بند ہو جائے اور بلّی اندر نہ آسکے یہ دیک
بلّی کمزور آواز میں کہنے لگی "بھائی تو یہ کیا کرتا ہے میں
پاس پناہ لینے آئی ہوں! بڑھاپے اور کمزوری کی
سے بیمار ہوگئی ہوں، چلنے پھرنے سے معذور ہو
اور بڑی مشکل سے اس جھاڑی تک آئی ہوں، ک
ہی بار میں نے موت کی دعا مانگی ہے کہ مجھے آرام
جائے اب میں سردی اور بارش کی ماری تیرے
دروازے پر پڑی ہوں اور تجھے خدا کا واسطہ د
ہوں کہ مہربانی کر اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر
اور اپنے بِل کے دروازے ہی پر مجھے رات بھر
رہنے دے۔ صبح کو چلی جاؤں گی۔"

بلّی کی یہ باتیں سن کر چوہا بولا "تم کیسے میر
بِل میں آسکتی ہو؛ تم میری دشمن ہو، میں ڈرتا ہو
تم مجھے دھوکا دے رہی ہو، عقلمندوں نے کہا ہ
جب دشمن کمزور ہو جاتا ہے تو اس کی دشمنی
جاتی ہے"۔ بلّی نے نہایت دھیمی آواز اور اداس چ
بنا کر کہا "بھائی میں تو خدا کے سامنے عہد و پیماں
ہوں، کہ میں تجھے کبھی نقصان نہ پہنچاؤں گی علاو
کے اب مجھ میں اس کی طاقت بھی نہیں اس لیے
پر بھروسا کرکے میرے ساتھ بھلائی کرو"۔ چوہا
"میں کیسے اس کے عہد و پیماں کو مان سکتا ہوں
کی دشمنی میرے ساتھ ازلی ہے"۔ بلّی نے ناراض
کہا "اب میں پریشان ہوگئی ہوں۔ دیکھ تیرے
پر میری جان نکل جائے گی اور میرا گناہ تیری گ
پر ہوگا"۔ اب چوہے کو ترس آگیا۔ وہ باہر نکل
اور بلّی کو گھسیٹ کر اپنے بِل میں لے گیا۔ بلّی
دیر تک اس کے پاس چپ چاپ بیٹھی رہی
سستا چکی اور ذرا دم لے لیا تو وہ اپنی بیماری
اور دوستوں کی بے مروتی پر افسوس کرنے لگی
اس کو دلاسا دینے لگا، دل جوئی کرنے لگا، کبھی ق
آکر بیٹھتا کبھی آس پاس پھدکتا۔ بلّی بِل کے

لگا کر لیٹ گئی تاکہ چوہا اس کے قبضے میں رہے،
بھاگے۔ ایک مرتبہ وہ بلّی کے قریب آگیا۔ اس نے
پکڑ کر پنجے میں دبوچ لیا۔ کاٹنے، اچھالنے، لڑھکانے
تو چنے لگی۔ اس نے بلّی سے کہا کہ "وہ عہد و پیماں کہاں
میں نے تجھے اپنے بل میں داخل کیا اور اپنی جان
سپرد کر دی لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ جو اپنے
ن کے ساتھ عہد باندھتا ہے وہ اپنی جان کو ہلاکت
ڈالتا ہے۔ خیر بدی کا انجام بھی بد ہوتا ہے"۔ اتنے
شکاری کتے آپہنچے اور بلّی کو بل کے اندر سے کھینچ
باہر نکالا۔ اس کو چیر پھاڑ ڈالا۔ چوہے کو موقع
وہ اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔

مصلحہ سلطانہ
پیرنام بٹ

لوفر

بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک راجا تھا۔
کے تین بیٹے تھے۔ تینوں ذہین تھے۔ ایک دن راجا
انھیں بلایا اور کہا: "فرض کرو میں اپنی عزت اور
ن کی حفاظت کے لیے ایک آدمی پر بھروسا کرتا
ں اور وہ بھروسے کے قابل نہ نکلے تو اس کو
سزا دینی چاہیے؟ بڑے بیٹے نے کہا: "ایسے آدمی
پھانسی دے دینی چاہیئے۔" دوسرے شہزادے نے
"ہاں فوراً موت کی سزا دے دینی چاہیئے۔ سب
چھوٹا شہزادہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔
اس نے کہا: "ایسے جرم کی سزا موت ہے۔ لیکن سزا
ینے سے پہلے اس کا جرم ثابت کرنا چاہیے"۔ راجا نے
تمھارا مطلب کیا ہے؟" شہزادے نے کہا:
"مجھے اپنی بات سمجھانے کے لیے آپ کو ایک کہانی
سنانا پڑے گی سنیے"۔

وردبھ کے راجا کے یہاں بہت سی چڑیاں پلی
ایک توتا بھی تھا۔ اس کا نام لوفر تھا۔ وہ محل
میں رہتا تھا۔ اور دوسری پالتوں چڑیوں کے مقابلے
میں آزادی سے محل میں گھومتا رہتا تھا۔ وہ بہت ہی
چالاک تھا۔ وہ نہ صرف باتیں کر سکتا تھا۔ بلکہ کئی
زبانیں جانتا تھا۔ اس کی سوجھ بوجھ بڑی اچھی تھی۔
راجا اس پر فخر کرتا تھا اور ضروری باتوں میں اس کا
مشورہ لیتا تھا۔ اس لیے راجا کا وزیرِ اعظم اس سے نفرت
کرتا تھا۔ ایک بار لوفر راجا کی اجازت سے جنگل میں
اپنے والدین سے ملنے کے لیے گیا۔ اس کے والدین اپنے
پیارے بیٹے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ لوفر اپنے
والدین کے ساتھ پندرہ دن تک رہا۔ پھر اس نے اپنے
والدین سے کہا: "مجھے اب محل واپس جانا چاہیے"۔ توتے
کے والدین یہ سن کر بہت غمگین ہوگئے۔ توتے کا باپ
دور کی ایک پہاڑی سے سنہرے رنگ کا ایک خوبصورت
پھل لے آیا۔ اس نے وہ پھل لوفر کو دیتے ہوئے کہا:
"اسے لے جاؤ اور راجا کو تحفے کے طور پر دے دینا۔
اس پھل کے کھانے والے کو کبھی موت نہیں آئے گی۔
وہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ اس پھل کا نام ہمیشہ زندہ
رکھنے والا پھل ہے"۔

شام کے وقت لوفر پھل لے کر راجا کے محل کی طرف
چل دیا۔ سورج ڈوبنے لگا تھا اس نے سوچا کہ رات
کسی درخت پر بیٹھ کر گزار دی جائے۔ اس نے درخت
کے ایک تنے میں سوراخ دیکھا۔ اس نے پھل اس سوراخ
میں رکھ دیا۔ اور قریب کی ایک شاخ پر بیٹھ گیا۔ اس
سوراخ میں ایک نہایت زہریلا سانپ رہتا تھا۔
سانپ جب اپنے بل میں واپس آیا تو اس نے سنہرا
پھل دیکھا اس نے پھل کو ڈس لیا۔ لیکن چونکہ پھل
کا مزا اس کو پسند نہیں آیا اس لیے اس نے پھل کو
اسی جگہ چھوڑ دیا اور بل میں چلا گیا۔ لیکن پھل سانپ
کے ڈسنے سے زہریلا ہوگیا تھا۔ صبح ہوتے ہی لوفر نے
پھل اٹھایا اور محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ لوفر محل
تک صحیح و سلامت پہنچ گیا۔

وہ جاتے ہی راجا سے ملا۔ اور باپ کی بات پھل
کے بارے میں دہرائی۔ ہمیشہ زندہ رکھنے والا پھل تحفہ
کے طور پر پیش کر دیا۔ راجا اپنے تخت پر بیٹھا۔ اس نے
اپنے درباریوں سے پھل کی خوبی بیان کی۔ اس نے نوکر
کی طرف دیکھا اور پھل کھانے ہی کو تھا کہ وزیر اعظم
نے کہا: "شہرے مہاراج! پھل کھانے سے پہلے کسی جانور
پر اس کی آزمائش کر لیجیے۔ یہ کام عقل مندی ہی کا نہیں
بلکہ آپ کی جان کی حفاظت کے لیے بھی ہوگا۔" راجا نے
کہا "اچھا مشورہ ہے۔" راجا نے پھل کاٹا اور ایک کوے
کے سامنے ٹکڑا پھینک دیا۔ کوے نے اسے مزے لے
کر کھایا اور کھاتے ہی مر گیا۔ وزیر اعظم نے کہا "مہاراج
آپ کی جان اتفاق سے بچ گئی۔ پھل زہریلا تھا۔ یہ
ہمیشہ رکھنے والا پھل نہیں ہے بلکہ جان لینے والا پھل ہے۔"
وزیر اعظم نے تھوڑی دیر سوچا۔ اس نے موقع سے
فائدہ اٹھایا اور کہا "مہاراج! ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ نوکر آپ کو زہر دینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے یہ
پھل آپ کو دیا ہے۔" راجا کو غصہ آیا وہ آپے سے باہر
ہو گیا اس نے نوکر کو پکڑ کر اپنی تلوار سے اس کے ٹکڑے
ٹکڑے کر دیے۔ اس کے بعد پھل کو شہر کے باہر ایک
گہرے گڈھے میں دفنا دیا گیا۔

پھل کا بیج کچھ دنوں میں اُگ آیا۔ اور چند برس
میں ایک بڑا درخت ہو گیا۔ جس میں سنہرے پھل آنے
لگے۔ راجا نے جب پھل اور درخت کے بارے میں سنا
تو اس کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو درخت
کی نگرانی کا حکم دیا تاکہ کوئی درخت کے قریب نہ جا سکے۔
اس شہر میں ایک بوڑھا اور اس کی بوڑھی بیوی رہتی
تھی۔ وہ بہت ہی غریب تھے۔ اور اپنی زندگی سے
عاجز آگئے تھے۔ اس لیے انھوں نے طے کیا کہ اس جان لیوا
پھل کو کھا کر مصیبت کی زندگی سے چھٹکارا حاصل کر لیا
جائے۔ ایک رات بوڑھا پھل چرا کر لے آیا۔ دونوں نے
پھل کھائے اور سو گئے۔ لیکن اگلی صبح کو جب وہ معمول
کے مطابق جاگے تو انھیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ نہ
صرف زندہ ہیں بلکہ جوان اور تندرست ہو گئے ہیں۔
راجا کو پھل کی یہ کرامت سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ
ان دونوں کو دیکھنے گیا۔ اور پھل کے اثر کو دیکھ کر
اسے بڑا تعجب ہوا لیکن راجا بہت رنجیدہ تھا۔ اس
نے محسوس کیا کہ پھل واقعی ہمیشہ زندہ رکھنے والا پھل
تھا۔ اسے نوکر کے مار ڈالنے پر شرمندگی ہوئی۔

اب شہزادے نے کہا: "ہمیں کسی ملزم کو اس وقت
سزا دینی چاہیے جب اس کا جرم ثابت ہو جائے!"

عارف احمد عثمانی
بھوئی محلہ، جامینر، ضلع جلگاؤں

حکمت کی جیت

ایک دفعہ رستم کا قیمتی قلم کلاس سے چوری ہو گیا
اسے بڑی فکر ہوئی اس نے اپنے تمام دوستوں کو بلایا اور
قلم کے بارے میں پوچھا مگر کوئی پتا نہ چل سکا۔
رستم کو ایک ترکیب سوجھی، اس نے سبھوں کو ایک
ناپ کی ایک ایک چھوٹی لکڑی دی اور کہا "دیکھو یہ
جادو کی لکڑی ہے اسے اپنے پاس رکھو، جو چور ہوگا اس
کی لکڑی رات میں ایک انچ بڑھ جائے گی" سب دوست
اپنی اپنی لکڑی لے کر گھر چلے گئے۔
رات کافی ہو چکی تھی۔ لوگ سو چکے تھے لیکن جس
لڑکے نے قلم چرایا تھا وہ بہت پریشان تھا۔ اسے نیند
نہیں آئی اور رات بھر اس کی نظر لکڑی پر رہی اسے
خوف تھا کہ کل سب لڑکے اپنی اپنی لکڑی لے کر رستم
کے پاس جائیں گے سب لکڑیوں سے میری لکڑی بڑی ہو جائے
گی اور میں پکڑا جاؤں گا۔ آخر اس کو چالاکی سوجھی اس نے اپنی لکڑی
کو ایک انچ کاٹ ڈالا۔
دوسرے دن سب لڑکے اپنی اپنی لکڑی لے کر رستم کے
پاس گئے رستم نے سبھوں کی لکڑیاں دیکھیں اور ان کو ناپنا
شروع کیا۔ آخر چور کا پتا چل گیا اور وہ پکڑا گیا۔

محمد ذاکر حسین [illegible]

گناہ کا بوجھ

"وکیلوں کی بحث سننے اور ثبوت دیکھنے کے بعد جج نے اپنی عینک درست کی اور کنکھیوں سے کٹہرے میں کھڑے ملزم جمیل کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ رنگ ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا تھا اور جو بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

ایک نظر جمیل کی طرف دیکھنے کے بعد جج نے قلم سنبھالا اور چند سطور کاغذ پر لکھنے کے بعد قلم توڑ دیا۔ یہ دیکھ کر جمیل کی حالت متغیر ہوگئی۔ کیونکہ وہ ان سطروں کا مفہوم سمجھتا تھا "سزائے موت یا عمر قید"۔ جج نے فیصلہ پڑھنا شروع کیا۔

"وکیلوں کی بحث اور ثبوت کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ محمد جمیل ولد محمد خلیل۔ رہائش جوہو، بمبئی کو ریش سے غداری اور کئی قتلوں کے اقبالِ جرم کے پیش نظر۔۔۔ (جج نے ایک نظر جمیل پر ڈالی۔ جس کے چہرے سے بے بسی کے آثار صاف نمایاں تھے:) سزائے موت۔۔۔" جج نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک چیخ عدالت میں گونجی۔ سب کی نظریں کٹہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ جہاں جمیل اپنے انجام کی تاب نہ لاتے ہوئے بیہوش ہو چکا تھا۔ "دے دی جائے"۔ جج نے اپنا جملہ مکمل کر دیا۔

اس وقت وہ سینٹرل جیل کی کال کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اپنی بدنصیبی پر نہیں بلکہ اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا۔

آج سے تین دن بعد مجھے سورج کی پہلی کرن کے ساتھ پھانسی دے دی جائے گی۔ ۱۳ جنوری کی صبح میری زندگی کی آخری صبح ہوگی۔ کیا یہ نظارے مجھ سے چھین لیے جائیں گے۔ یہ دنیا کا ہنستا کھیلتا بازار مجھ سے چھین لیا جائے گا۔ وہ رونے لگا۔ لیکن پھر اس کے اندر سے آواز آئی ہوں: اس دنیا نے مجھے کیا دیا؟ ذلت، رسوائی۔ یہ دنیا جس نے مجھے اسمگلر بنا دیا۔ ہاں! مجھے مر جانا چاہیے۔ میں رحم کے قابل نہیں۔ میں نے بہت سے بچوں کو یتیم کیا ہے۔ میں نے کئی سہاگنوں کا سہاگ چھین لیا۔ کتنے بھائیوں کو ان کی بہنوں سے جدا کر دیا۔ میرے مرنے سے کتنے بچے یتیم ہونے سے بچ جائیں گے۔ کتنے سہاگ سلامت رہیں گے۔ میری موت سے اس زمین کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ نہیں۔ نہیں، نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میری موت سے اس زمین کا بوجھ ہلکا نہیں ہوگا۔ اور بہت سے جمیل پیدا ہوں گے۔ آگ اور خون کا بازار گرم ہوگا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا کبھی نہیں ہوگا" وہ چلایا۔

اس کے والد ایک بینک میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ اس کے دو بھائی سہیل اور حلیم ایک چھوٹی بہن فردوس تھی۔ جمیل سب سے بڑا تھا۔

خلیل صاحب نے جمیل کو ایک مدرسے میں داخل کرا دیا۔ جمیل انتہائی شرارتی اور نٹ کھٹ لڑکا تھا۔ روزانہ کسی کی پٹائی کر دیتا۔ گھر میں شکایتوں کے دفتر آتے۔ پھر جمیل کی مرمت ہوتی۔ پیار سے سمجھایا جاتا لیکن اس پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوتا۔ آخر تنگ آکر خلیل صاحب نے اسے مدرسے سے اٹھا لیا۔

پہلے پہل تو وہ گلیوں محلوں میں ہی گھوما کرتا تھا لیکن اب کچھ دنوں سے اس کی دوستی محلے کے چند شرارتی لڑکوں سے ہوگئی تھی۔ اب وہ بمبئی کی شاہراہوں پر بھی نظر آنے لگا۔ اس کی ماں نے ہر طرح سے اسے سمجھایا۔ خلیل صاحب نے بھی سمجھایا بجھایا لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر انھوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

وقت کا دھارا بہتا رہا۔ ۔۔۔ جمیل ۔۔۔

سارا دن غائب رہتا۔ صرف کھانے کے وقت گھر
داخل ہوتا تھا۔ ان شرارتی لڑکوں کی صحبت میں
جمیل بھی اُن جیسا ہی بن گیا تھا۔ اب اس میں وہ
سب عیب موجود تھے جو ایک غنڈے میں پائے جاتے
ہیں۔ اب وہ اپنے کو محلّے کا دادا کہلاتا تھا۔ اس کے ساتھی
اس کے چمچے تھے۔

کچھ دن ہوئے جمیل کے ماموں جان جو کہ پنجاب کے
رہنے والے ہیں بمبئی آئے۔ جب انھیں اپنے بھانجے کے
کرتوت کا علم ہوا تو بہت غصّہ آیا۔ انھوں نے جمیل کو
پیار سے سمجھایا لیکن جمیل نہ مانا تو ان کے ماموں نے
اس کے والد کو ایک صلاح دی کہ یہ لڑکا اب نہ اِدھر کا
رہا نہ اُدھر کا صبر کیجیے۔

وہ ایک خطرناک اسمگلنگ گینگ میں شامل ہوگیا۔
ادھر پولس بھی اس کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ پولس نے
ایک دن اسے رنگے ہاتھوں اس وقت پکڑ لیا جب وہ دھوکے سے
اسمگلنگ کا بیگ ایک بھیس بدلے انسپکٹر کو دینے لگا۔

جمیل کال کوٹھری کی سلاخوں کے پیچھے سوچ رہا تھا۔
کاش میں اپنے خاندان کو چھوڑ کر غیروں کا ساتھ نہ دیتا۔

محمد شکیل راوت
مالیرکوٹلہ

کنجوس

ایک گاؤں میں سومناتھ
نام کا ایک بوڑھا رہتا تھا
وہ اکیلا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ
سے اس کا کاروبار بند ہو چکا تھا۔
اس کی دیکھ بھال پڑوس کا ایک لڑکا رامو کرتا تھا۔
سومناتھ روزانہ رات کو ایک کام ضرور کرتا۔ پہلے
اپنے سونے کا کمرہ اندر سے بند کرلیتا پھر پلنگ پر
آ بیٹھتا۔ اس کے پلنگ کے نیچے ایک پرانا صندوق تھا۔ اسے
نکالتا۔ اس کے اندر سے ایک کپڑے میں لپٹی ہوئی
چار سونے کی اینٹیں نکالتا۔ انھیں بڑی دیر تک
پیار بھری نظروں سے دیکھتا پھر صندوق میں رکھ
دیتا تھا۔ سومناتھ کی یہ بات رامو کے سوا اور
کوئی نہیں جانتا تھا۔ رامو نے چھپ کر کئی بار یہ دیکھا تھا
ایک دن کھانا کھا کر سومناتھ اپنے کمرے میں گیا۔ دروازہ
بند کرکے وہ اطمینان سے پلنگ پر بیٹھا روز کی طرح
اس نے صندوق باہر نکالا۔ صندوق کھلا تو وہ حیران
رہ گیا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ وہ
پسینا پسینا ہوگیا۔ پاگلوں کی طرح باہر بھاگا اور زور
زور سے چیخنے لگا۔ "ہائے میں لٹ گیا، برباد ہوگیا،
میری سونے کی اینٹیں غائب ہوگئیں" اس کا رونا پیٹنا
سن کر آس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے۔ سب لوگ حیران
تھے کہ سومناتھ تو ایک غریب آدمی تھا پھر اس کے پاس
سونے کی اینٹیں کہاں سے آئیں۔ جب ان میں سے ایک
نے سومناتھ سے یہ پوچھا تو وہ بولا "میں نے زندگی میں
نہ تو کبھی اچھا کھایا اور نہ ہی اچھا پہنا۔ پیسے خرچ ہونے
کے ڈر سے میں نے تو شادی بھی نہیں کی۔ یہ اینٹیں میری
عمر بھر کی بچت تھیں۔ میں آپ سب کو کیسے یقین دلاؤں۔
میں روز رات کو انھیں دیکھتا تھا" لوگ سمجھ گئے کہ یہ
اوّل درجے کا کنجوس تھا۔ ایک بوڑھے نے آگے آکر
سومناتھ سے پوچھا "کتنی اینٹیں تھیں؟" "چار"
سومناتھ نے جواب دیا "ان کی چمک سے میری آنکھوں
میں روشنی آتی تھی۔ میری آنکھوں کی روشنی کسی نے
چرالی ہے" اب سومناتھ اور زور زور سے رونے لگا
بوڑھے نے چپکے سے جیب سے چار چمکدار پتھر
نکالے اور بولا "سومناتھ روتے کیوں ہو۔ یہ لو
چار پتھر تم سونے کی اینٹیں صرف دیکھا کرتے تھے
وہ اور تو تمھارے کسی کام نہیں آئیں۔ ان پتھروں
میں سونے سے زیادہ چمک ہے اب راتوں کو انھیں
دیکھا کرو" سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے سومناتھ
ان پتھروں سے اپنا ماتھا پیٹتا رہا۔

منیزہ خاں
وموں کرافٹ کارنر روڈ بمبئی ۵۰

پیامی ادبی معمّا نمبر 21

دفتر پیام تعلیم پہنچ حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۷ راکتوبر ۱۹۸۵ء

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام : بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ دوسرا انعام : ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1. کسی نے میرے گھر کے باہر کچھ ـــــ شروع کی۔ (گڑبڑ / کھڑبڑ / دھڑدھڑ)
2. لیکن یہ ـــــ ستارہ کچھ دیر بعد بادلوں میں چھپ گیا۔ (درخشاں / روشن)
3. ایک ـــــ مداری ایک میلے کی طرف چل پڑا۔ (روز / دن)
4. وہ ـــــ ہوئے پانی کو بہتے ہوئے پانی پر ترجیح دے گی۔ (ٹھہرے / رکے)
5. پرندوں کی اپنی ایک ـــــ بھی ہوتی ہے۔ (زبان / بولی / آواز)
6. مگر اس کی خواہش کہ ـــــ دن بھی نہ لیٹے۔ (ایک / دو)
7. سچائی کا وہ ـــــ جو دکھنی افریقہ میں روشن ہوا تھا، ہندستان میں سورج بن کر چمکا۔ (دیا / چراغ)
8. جب ذرا اندھیرا ہوا تو میں ـــــ گھاس پر سیر کرنے نکلا۔ (ٹھنڈی ٹھنڈی / بھیگی بھیگی)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۲ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا : (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصّہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمّے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

پیامی ادبی معمّہ کا ٹوکن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

(اپنے حل اس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی معمّا نمبر 21 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

تابندہ اور پائندہ مشعل

بچّوں کی
کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے. یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲,۱۵
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے.
قیمت. ۴..
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا.
قیمت. ۵۰/۷
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/..
کھیل سنسار
سطوت رسول
بچّوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچّے شوق سے پڑھتے ہیں۔
قیمت : ۴/۵۰
تین اناڑی
عصمت چغتائی
گڈو، بلو اور ٹیٹو — تین نٹ کھٹ لڑکوں کی شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان میں لکھا گیا ہے.
قیمت ۲/=
ترجمہ.
قرۃ العین حیدر
جن حسن عبد الرحمٰن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پُرانی ہوگئی، لیکن اب تو اُس جن کا قصہ تمام بچّوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے.
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سمعی برمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۴/۵۰
سرکس
زرین کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچّوں کا دلچسپ مشغلہ ہے. اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں. قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمّا
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں.
نام ....
پتہ ....

Regd with R N I at No 10537/64
Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 September, 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، دہلی ۲

21 OCT 1985
Dr. Zakir Husain Library
Jamia Nagar
J.M.I. New Delhi
تعلیم
پیام

پان کھاکر، طبلہ بجاکر رام ناچا
ایک مزے دار کہانی
جو خاص طور سے چھوٹے بچوں کے لیے لکھی گئی ہے
قیمت : ۱/۵۰
پھر میں پچگوں کیا خاک
نہایت آسان زبان میں چھوٹے بچوں کے لیے ایک کہانی
قیمت : ۱/۵۰
تاک دِنا دن تا کے سے
چھوٹے بچوں کے لیے چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھی گئی مزے دار کہانی
قیمت : ۱/۵۰
پکڑ دُم کیڑے کو
ایک گدھے نے شیر کو بھگا دیا۔ بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ چھوٹے بچوں کے لیے۔ قیمت ۱/۵۰
پانچ بونے
پانچ کام چور بونوں کی کہانی چھوٹے بچوں کے لیے۔ قیمت: ۱/۵۰
ہیتو جیتو
یہ کہانی بھی چھوٹے بچوں کے لیے لکھی گئی ہے، انھیں کی زبان میں۔ قیمت: ۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی
چھوٹے بچوں کے لیے انھی کی زبان میں ایک دلچسپ کہانی۔ قیمت: ۲/۵۰
بچوں کے لیے عبدالواحد سندھی جامعی کی کتابیں
بی بینڈکی اور کوا
چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان میں لکھی گئی ایک دلچسپ کہانی
قیمت: ۱/۵۰
جادو کا گھر
چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان میں لکھی گئی ایک مزے دار کہانی۔ قیمت ۱/۵۰
چیونٹی رانی
کہانی کی کہانی اور معلومات کی معلومات۔ قیمت ۱/۵۰
تیجوں کی کہانیاں
کتاب ایک اور کہانیاں سبھی سب کی سب مزے دار۔ قیمت ۱/۵۰
مدو رانا پردیس چلے
مگر کیسے چلے؟ اور راستے میں کیا کیا ہوا، یہ تو پڑھنے سے ہی پتا چلے گا۔
قیمت : ۱/۵۰

ماہنامہ پیام تعلیم نئی دلی ۲۵

اکتوبر ۸۵ء جلد ۷۳ شمارہ ۱۰

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰ سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

مکتبہ جامعہ کا کاروباری سال ۳۰ ستمبر کو ختم ہوکر یکم اکتوبر سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانے میں دفتری کاموں کا وقت پر مکمل کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ رسالہ تاخیر سے پوسٹ کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ نومبر کا پیام تعلیم وقت پر آپ کے ہاتھوں میں ہو۔ ستمبر کے شمارے کے چند معلوماتی مضامین نے آپ کے انتظار کی کوفت کو ضرور دور کردیا ہوگا۔ زیر نظر شمارے میں بھی آپ کی دل چسپی اور معلومات کا کافی سامان موجود ہے۔

آپ کے پیام تعلیم کے ایک قلمی معاون ہیں جناب امان اللہ خاں شیروانی۔ آپ کو یہ سن کر ضرور خوشی ہوگی کہ حکومتِ ہند نے ۸۵ء کا قومی اوارڈ شیروانی صاحب موصوف کو ان کی علمی اور تعلیمی خدمات کے اعتراف میں عطا کیا ہے۔ ہم جناب شیروانی اور حکومتِ ہند کی وزارتِ تعلیم، دونوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ شیروانی صاحب، اسلامیہ کالج اٹاوہ (اتر پردیش) کے پرنسپل ہیں۔ جون ۸۵ء کو پہلی مرتبہ آپ بزم پیام تعلیم میں شریک ہوئے۔ ستمبر میں بھی آپ کی نگارشات شائع ہوئی ہیں۔ امید ہے کہ آپ پیام تعلیم کی قلمی معاونت جاری رکھیں گے۔

"بچوں کی کوششیں" کے لیے کہانی وغیرہ بھیجتے وقت آپ لوگ بڑی لاپروائی برتتے ہیں۔ مضامین صاف طور پر نہیں لکھتے، اس سے بڑی دشواری ہوتی ہے، ہمیں بھی اور کاتب کو بھی۔ تحریر ہمیشہ کاغذ کے ایک طرف لکھنی ضروری ہے۔ عمر بھی لکھنا ضروری ہے ورنہ ہم اس کو شائع نہ کرسکیں گے۔

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

		مسلمان بیبیاں	۴/۰۰	جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
		پیارے رسولؐ	۴/۵۰	چوری کی عادت	۲/۰۰
		اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول)	۴/۰۰	چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰	〃 〃 (دوم)	۴/۰۰	چنبیلی	۱/۲۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰	ہار کی تلاش	۴/-	چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
ننھا جبرو	۲/۵۰	بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰	بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰	بندر اور نائی	۲/۵۰	دھنک (〃)	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰	بلی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰	کھیل سنسار (〃)	۴/۵۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰	تاک دنا دن تا کے سے	۱/۵۰	شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
بابا ناصح	۲/۰۰	پانچ بونے	۱/۵۰	سندر چنار	۱/۵۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰	پھر میں چگوں کیا خاک	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰	پکڑو دم کٹے کو	۱/۵۰	گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰	پان کھا کر طبلہ بجا کر...	۱/۵۰	اچھی کہانیاں	۲/۵
سرخ جوتے	۳/۰۰	جادو کا گھر	۱/۵۰	میر انیس	۲/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰	چیونٹی رانی	۱/۵۰	دادا نہرو	۵/۰۰
شرارت	۲/۰۰	روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰	جلدھر غابی	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰	لال مرغی	۱/۵۰	خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰	لومڑی کا گھر	۱/۵۰	دم کٹا سانپ	۱/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰	مدو دانا پردیس چلے	۱/۵۰	ریڈیو فیچر	۲/۲۵
جدید پہیلیاں	۶/-	ہپو جپو	۱/۵۰	سرکس	۱/۵۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰	بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰	گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ننھا فرشتہ	۳/۵۰	شیر خاں	۱/۵۰	ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰	لومڑی کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)	۱/۵۰
آؤ ڈرامہ کریں	۲/۰۰	میاں ڈھینچول کے بچے	۱/۵۰	تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)	۱/۲۵
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰	ہرن کے بچے	۱/۵۰	سماجی زندگی (سوم)	۱/۴۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰	بہادر	۲/۵۰	کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰	ایک کچوری تیل میں	۱/۵۰	ہمارے محاورے	۷/۵۰
جوہر قابل	۳/۰۰	تانبیل خاں	۱/۵۰	انوکھا عجائب خانہ (اول)	-/۵۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰	تین اناڑی	۳/-	انوکھا عجائب خانہ (دوم)	-/۴۰
موم کا محل	۴/۰۰	پہیلیاں	-/۸۰	انوکھا عجائب خانہ (چہارم)	-/۵۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰	جھوٹا لڑکا	۱/۵۰	ہمارا دین (تین حصے) فی حصہ	۶/۰۰

گوہر امروہوی

بچوں کا باغ

آؤ بچو، باغ لگائیں
اس میں سندر پھول کھلائیں

بیلا، گیندا اور چنبیلی
نرگس، جوہی، رات کی رانی
سوسن، سرسوں، گلاب اور مہندی
مہکے اپنی، اپنی کیاری

آؤ بچو باغ لگائیں
اس میں سندر پھول کھلائیں

علم و فن کے ماہ و اختر
ڈالیں گے کرنوں کی چادر
ہم بھی اک دن خوشبو بن کر
دیکھیں گے دنیا کا منظر

آؤ بچو باغ لگائیں
اس میں سندر پھول کھلائیں

دنیا سے ظلمت کو مٹائیں
علم و ہنر کے دیپ جلائیں
اُمڈ اُمڈ کر طوفاں آئیں
اپنے ارادے ٹوٹ نہ پائیں

آؤ بچو، باغ لگائیں
اس میں سندر پھول کھلائیں

شفاعت پوتہ۔ اسٹریٹ۔ امروہہ۔ مراد آباد یوپی

شہزادہ جواں بخت

مرزا مظفر سیفی دہلوی

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسولؐ بادشاہ

کہتے ہیں پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھے، بہادر شاہ نام۔ بڑے اچھے، بڑے نیک، بڑے بہادر، بہادر ایسے کہ ہر قسم کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا نہایت صبر و شکر اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور شکایت کا ایک حرف بھی زبان پر نہ لائے۔!

یہ بہادر شاہ دلیؔ کے آخری بادشاہ تھے۔ ان کی تین خاص بیگمیں تھیں۔ ایک سے ایک لائق فائق۔ جن میں سب سے چھوٹی بیگم کا نام تھا نواب زینت محل، نہایت تمیز دار، نہایت منتظم، نہایت وفادار، ان کی انھیں خوبیوں کی وجہ سے حضرت بادشاہ سلامت بھی ان کو بہت چاہتے تھے۔ ان کے ایک بیٹے تھے شہزادہ میر جواں بخت۔ بہت فرماں بردار۔ بہت سیدھے، بہت خوبصورت۔ ان کی بھولی بھولی باتیں سن کر ہر شخص کو ان پہ پیار آتا تھا۔ وہ بیگم کے کلیجے کے ٹکڑے تھے تو بادشاہ کے آنکھ کے تارے!

خدا خدا کر کے شہزادہ جواں بخت بڑے اللہ آمین کے ساتھ پل کر جوان ہوئے۔ سارے قلعہ میں ان کی شادی کے ارمان تھے۔ نواب زینت محل بیگم نے اپنی ایک رشتہ دار کی لڑکی شاہ زمانی بیگم سے نسبت ٹھہرا دی۔ دولھا چندے آفتاب تھا تو دلھن چندے ماہتاب! بادشاہ سلامت کی قلعہ کے اندر ہی شادی کرنے کی صلاح تھی۔ بیگم کی ضد تھی کہ "ہم شہر ہی میں شادی رچائیں گے کہ کسی کی شادی ہوئی تھی۔ قلعہ میں کون دیکھنے آئے گا۔" اس پر حضرت بادشاہ سلامت بھی یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ "خیر جیسی بیگم کی مرضی!" پھر کیا تھا ساری دلیؔ میں ڈھنڈورا پیٹ گیا۔ شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ گھر گھر یہی چرچہ تھا۔ مہینوں پہلے سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ہر امیر و غریب اپنے شہزادے کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے نئے کپڑے سلوانے لگا! سڑکوں پر صفائی اور مکانوں پہ قلعی ہونے لگی۔ جگہ جگہ خوشنما دروازے اور پھاٹک بننے شروع ہو گئے۔ صرافہ، خانم کا بازار، پری بازار، فیض بازار، دریبہ، چاندنی چوک سجائے جا رہے ہیں۔ جھنڈیوں اور پھولوں کی بیلوں سے سارے بازار پٹے پڑے ہیں۔ کہیں میوہ فروش نے سیب ناشپاتی، انار اور انگوروں کی بیلیں اور ہار لٹکائے ہیں۔ تو کہیں عطر فروشوں نے اپنی دکانوں کو رنگ برنگ کے شیشوں اور جھاڑ فانوسوں سے آئینہ خانہ بنا رکھا ہے۔ کہیں بزازوں نے ریشم و اطلس، زر بفت و کمخواب کے تھان دروازوں پر لپیٹ رکھے ہیں تو کہیں صرافوں نے ہزاروں روپے کے سونے اور چاندی کے جڑاؤ زیوروں سے اپنی دکانوں کو مالا مال کر دیا ہے! غرض ان دنوں سارا شہر دلھن بنا ہوا نظر آتا ہے!

فراشخانے سے آگے لال کنویں سے ادھر ستور خاں کی مسجد سے ملا ہوا بیگم کا محل اب تک موجود ہے۔ اگرچہ اس محل میں اب بہت کچھ ردو بدل ہوگئی ہے اور بالکل پہچانا نہیں جاتا، لیکن یہی محل اس وقت "نواب زینت محل" کے کمرے کے نام سے مشہور تھا۔ یہیں سے ان شہزادہ جواں بخت کی شادی ہوئی تھی! بیگم کے حقیقی ماموں نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر اس شادی کے منتظم خاص تھے۔ چوں کہ بیگم خود بھی اپنے گھر سے آسودہ تھیں جینا بھر خوب دل کھول کر مہمانی اور دعوتیں ہوتی رہیں رانڈ بیواؤں کی منہ مانگی مرادیں بر آئیں۔ غریب اور یتیموں کو مالامال کر دیا۔ مٹھائی اور نقدی کے علاوہ کئی سو نئے جوڑے اور پوشاکیں غریب غرباء کو پہنچا دی گئیں۔!

برات کی رات دلّی نئی نویلی دلھن کی طرح سجائی گئی تھی۔ اس کی بہار بس دیکھنے ہی کے قابل تھی۔ جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ فتح پوری سے دریا گنج تک سعادت خاں کی نہر کے دو طرفہ درختوں پر رنگ برنگ کے قمقمے ایسے جگمگ جگمگ کر رہے تھے کہ ہر درخت پر نگاہ جم کر رہ جاتی۔ پانی میں ان کا رنگین عکس اور اس میں سجے سجائے خوشنما بجروں اور کشتیوں کا ادھر سے اُدھر گشت کرتے پھرنا کچھ کم دلکش نہ تھا۔ برات کے راستے پر دورویہ بانس کے ٹھاٹھر بندھے تھے جن پر کچّے دو شاخے اور پنج شاخ کنولوں میں موٹی موٹی شمعیں جھلر جھلر جل رہی تھیں! اُن کی روشنی میں رات کو دن کا دھوکا ہو رہا تھا۔

آج کی رات بازاروں میں وہ چہل پہل اور گہما گہمی ہے کہ ایسی کبھی دلّی میں دیکھنے میں نہیں آئی خدا اسے نظر بد سے بچائے۔ چاندنی چوک کیا ہر بازار میں ریل پیل کا یہ حال ہے کہ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے یا ایک کے اوپر ایک گرا پڑتا ہے۔ رنگ برنگ کے لباسوں اور قیمتی پوشاکوں کا ایک زندہ سمندر ہے کہ سارے شہر میں پڑا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔!

سڑکوں پر چھڑکاؤ کے مارے چلنا دشوار ہے بہشتی سرخ قند کے پٹکے اور سبز رنگ کی بلیاں باندھے ان پر سنہری روپہلی گوٹے ٹانکے، بانکے چھیلا بنے کندھوں پر ٹھنڈے پانی کے مشکیزے لیے کٹورے بجاتے تانیں اڑاتے ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے ہیں! کچھ مالی موگرے اور بیلے چنبیلی کے ہار پھول ہاتھوں میں لیے ادھر ادھر ٹہل رہے ہیں۔ لوگ ان کی خوشبو سے خود بخود بے چین ہوکر خریدنے کے لیے پھولوں کی ٹوکریوں پر گرے پڑتے ہیں!

جا بجا شامیانے کھنچے ہوئے ہیں۔ بلکہ بعض بازاروں میں شامیانوں کی کثرت کے سبب سارا بازار چھت سے پٹا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں کہیں سجی سجائی دکانوں کے آگے اونچے اونچے تخت بچھے ہیں۔ جن پر سفید براق سی چاندنیاں بچھائے گاؤ تکیے لگائے، کچھ اجلے پوشش بیٹھے خوش گپیاں کر رہے ہیں۔ کہیں نوبت رکھی ہے۔ خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں۔ کہیں ناچ رنگ کی محفل گرم ہے۔ شوقین لوگ ٹھٹ کے ٹھٹ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کوئی کسی بچے کو کندھے پر سوار کیے ایک کی انگلی پکڑے دو بچوں کو آگے آگے لیے راستہ بناتا چلا جا رہا ہے، کوئی گھوڑے یا بگھی پر سوار ہوکر نکلا ہے دو باوردی سائیس آگے آگے ہٹو بچو کرتے چلے جاتے ہیں مگر راستہ ہے کہ نہیں ملتا۔ بہت سی عورتیں اور بچّے، کمروں، کوٹھوں اور چھتوں پر برات کا سین دیکھنے کے انتظار میں سرِ شام ہی سے پرے کے پرے جمائے بیٹھے ہیں۔

لو جناب وہ برات کا جلوس بھی آ پہنچا، اب ذرا ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔! سب سے آگے آگے ایک سوار تُرہی بجا کر راستہ صاف کرتا چلا آتا ہے۔ اس کے پیچھے دو گھوڑے اور چار سانڈنی سوار نوبت، نقارے اور دھونسے بجاتے، ہٹو بچو کرتے چلے آتے ہیں۔ ان کے بعد دو ہاتھی روشن چوکی رکھے۔ نشان اور پھریرے اڑائے چلے

ہیں۔ پیچھے پیچھے آتش باز ہاتھوں میں سُرخ مہتابیاں
طرح طرح کے پھولدار انار اور طوطاں گولے چھوڑتے،
لوگوں سے سبحان اللہ اور واہ واہ کی داد لیتے ہنستے کھیلتے
چلے جاتے ہیں۔ اور ان کے کچھ نقیب چوبدار اور دوزی جتے
پہنے، ان پر سنہری پٹکے باندھے سونے کے عصا ہاتھوں میں
لیے خبردار ہوشیار باش کہتے چلے جا رہے ہیں۔ پیچھے چوکی
پہرے کے جوان نئی نئی وردیاں پہنے کندھوں پر بندوقیں
رکھے، چار چار کی قطاریں اپنے بینڈ باجے پر چپ چاپ
قدم ملاتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے سواروں کے
رسالے فوجی نشان اور پھریریاں اڑاتے، بینڈ کی آواز پر
ان کے گھوڑے ہنہناتے تیزی سے قدم بڑھاتے چلے جا
رہے ہیں۔! اور ان کے پیچھے چند بینڈ باجے والوں کی
ٹکڑیاں اور ان کے بیچ میں کہاروں کے غول کے غول لال
سبز اور رنگ برنگ کی وردیاں پہنے، جن پر گنگا جمنی
گوٹے ٹکے کندھوں پر علم نشان لیے دو دو کی قطاریں
چلے جا رہے رہیں۔ بعضوں کے ہاتھوں میں خوبصورت
کاغذی پھول ہیں۔ بعضوں کے ہاتھوں میں خوشنما گلدستے
کسی کے ہاتھ میں سونے چاندی کی نقشیں تشتریاں اور
تھالیوں کے کاغذی جھاڑ ہیں۔ اور کسی میں ہلکی پھول
دار کٹوریوں اور گلاسوں کے تختے ہیں۔ کوئی اپنے سر پر
کاغذی ہاتھی گھوڑوں کو بٹھائے چلا جاتا ہے۔ اور کسی کے
سر پر پریوں کا سایہ ہے۔

جلوس کے دونوں طرف قندیلوں اور جھاڑ فانوس
والوں کی قطار نے باغ و بہاری اور برات کی رونق کو
اور بھی دوبالا کر دیا ہے۔ بین باجے والے اپنی مشکیں پھیلا،
سننے والوں کو مدہوش بنائے چلے جا رہے ہیں۔ خدا خدا
کر کے باغ و بہاری ختم ہوئی تھی کہ نقیب و چوبدار
اور ساگر پیشہ زرق برق پوشاکیں پہنے چاندی سونے
کے بھاری بھاری عصا اور گرز کندھوں پر رکھے آداب
و کورنش تسلیمات و مجرا بجالاتے چل رہے ہیں۔ ان کے پیچھے
پیش پیش تیس کہاریاں رنگین جوڑے پہنے زیوروں میں
لدی، سروں پر سونے چاندی کی کشتیاں اور خوان دھرے
ہنستی بولتی چلی جا رہی ہیں۔ ان میں دلھن کے لیے بھاری
بھاری جوڑے اور مٹھائی ہوگی۔ بہت سے لوگ
خوان پوشوں ہی کی خوبی اور بھڑک دیکھ کر دنگ رہ
گئے۔ وہ نقش و بادلے کا کیکری کٹاؤ تھا کہ بیان سے
باہر۔ بھلا دلھن کے جوڑوں کی خوبی اور قیمت کا پوچھنا
ہی کیا، سبحان اللہ۔!

اب نفیریوں والوں کا نمبر تھا۔ شہر کے نامی گرامی نفیری
والے، نیچے نیچے گھیر دار سپید براق سے انگرکھے پہنے سر پر
دو پلی اور کامدار ٹوپیاں بانکپن سے رکھے منہ میں
چاندی کی نفیریاں لیے، مستانے سُروں میں مزیدار غزلیں
ٹھمریاں اور سہاگ کٹوریاں بجاتے تھوڑے تھوڑے
دور پر ٹھہر ٹھہر کر بیلوں پر بیلے لیتے، لوگوں کی تعریف
پر جھک جھک کر چاروں طرف سلام کرتے چلے جاتے ہیں ان کے
پیچھے شہر کے تمام شرفا اور معزز ترین اعلا سے اعلا جوڑے
زیب تن کیے اپنے مہابلی بادشاہ سلامت کی وفاداری کا
دم بھرتے۔ ان کے سب سے لاڈلے بیٹے شہزادہ جواں بخت
کی صورت کے پروانہ بنے دولھا کے ہاتھی کو اپنے جھرمٹ
میں لیے پیادہ پا ساتھ ساتھ چلے جا رہے ہیں۔

اہا ہا ذرا اس ہاتھی کو دیکھنا کیسا سونے چاندی کے
زیوروں میں غرق، جھاڑ فانوسوں کی روشنی میں جھم جھم
کرتا جھومتا جھامتا چلا آ رہا ہے۔ پیٹھ پر مخمل و کمخواب کی
سچے کام کی جھول پڑی۔ گلے میں سونے کی تعویز، ہیکل اور
طوق پہنے مستک پر نہایت خوبصورت جھومر پڑا۔ دانتوں
پر سونے کی جھانجھن اور کھول چڑھے دیکھنے والوں کی
آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہے تھے۔ اس پر سونے
کی عماری میں زربفت و کمخواب کا تموان جوڑا زیب تن
کیے سر پر مندیل اور سندیل پر نیچے موتیوں کا بیش قیمت
زردار سہرا باندھے ہمارے جواں ہمت، جواں سال شہزادہ
میرزا جواں بخت صاحب نوشہ بنے ناز و انداز سے آنکھوں
ہی آنکھوں میں رعایا پرایا کا سلام اور دعائیں لیتے چلے

آرہے ہیں۔ بغل میں ایک نوعمر شہزادے شہ بالا بنے بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔ عماری کی پشت پر دو عمابردار زرق برق پوشاکیں پہنے کھڑے ہیں۔ ایک اپنے ہاتھوں میں طلائی کام کا نہایت بھاری چھتر تھامے تو دوسرا سونے کے دستہ کا قیمتی جھالردار پنکھا لیے جان عالم نوشہ صاحب کی ہوا بازی کر رہا تھا۔ خلقت کی نگاہ جوں ہی دولہا شہزادے کے چہرے پر پڑی ہر چھوٹا بڑا ادب سے ہاتھ باندھ کر ایک دفعہ جھک گیا۔ اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے بندگی و آداب بجالا کر عمر و اقبال کی ترقی کی دعائیں دینے لگا۔ بڑی بوڑھی عورتوں نے دور ہی سے چٹ چٹ بلائیں لے کر ایک ہی سانس میں سینکڑوں دعائیں دے ڈالیں۔ بچوں نے دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلام کرنا اور خوشی کے مارے اچھلنا کودنا شروع کیا۔ دکانوں اور کوٹھوں پر سے گلاب اور چنبیلی موتیا اور بیلے کے ہار پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ چاروں طرف سے اس قدر پھول برسائے گئے کہ سڑکوں پر پھولوں کا فرش بچھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ دکان دار گنگا جمنی کشتیوں میں سونے چاندی کے عطردان لیے، سنہری اور روپہلی ورق لگی ہوئی گلوریاں، پان سپاری لونگ الائچیاں رکھے، زردوزی کے بیش قیمت ہار اور پھول لیے نوشہ اور معزز براتیوں کا خیر مقدم کیا۔ ہر ایک نے بڑھ بڑھ کر معزز مہمانوں کا عطر پان کیا۔ چاندی کے گلاب پاشوں سے کیوڑہ اور گلاب چھڑکا گیا۔ زردوزی ہار گلے میں ڈالے سنہری اور روپہلی پھولوں کے ساتھ روپوں کی مٹھیاں بھر بھر کر نوشہ پر سے نچھاور کیں اور اپنے مقدور کے مطابق نوشہ کو شاہجہانی اور عالمگیری اشرفیاں نذر گزار دیں۔ نوشہ کے اشارے پر تحویل داروں نے نذرانہ قبول کیا۔ اور دکانداروں کی کشتیاں روپوں سے بھر کر اسی وقت واپس کر دیں۔ دکانداروں نے ہاتھ جوڑ کر مجرا عرض کیا اور بے اختیار ہو کر دعائیں دینی شروع کیں۔ "ادھر حضرت نوشہ سلامت زندہ باد" اور "اقبال و دولت پائندہ باد" کا نعرہ بلند ہوا۔ ادھر

"مہابلی صاحب عالم کی جے" "حضور نوشہ میاں کی جے" کے جیکارے رات کے سناٹے میں گونج رہے تھے۔

نوشہ کی سواری کے پیچھے دائیں بائیں دو ہاتھی تھے۔ داہنے جانب کے ہاتھی پر چاندی کے ہودے میں نوشہ میاں کے نانا ضیاء الدین احمد خاں بہادر اور شہزادہ مرزا فخرو ولیعہد بہادر شاہانہ پوشاکیں پہنے، چوگہ سیاہ ٹوپیاں سروں پر رکھے سچے موتیوں کے طرح لگائے ڈاڑھیاں چڑھائے، گھٹنے سے گھٹنا ملائے بیٹھے جلوس و بارات کے انتظام میں مصروف ہیں۔ ساتھ ہی برابر والے ہاتھی پر چاندی کے ہودے پر جناب رزیڈنٹ صاحب بہادر اور ان کے اے ڈی سی انگریزی لباس میں ملبوس بیٹھے اپنے شہزادہ کے ساتھ خلقت اور محبت کو غور سے دیکھ رہے ہیں۔

ان کے پیچھے دو ہاتھیوں کی قطار چلی آ رہی ہے جن میں سے کسی پر نواب صاحب لوہارو سوار ہیں۔ کسی پر نواب صاحب پٹودی کسی پر نواب صاحب دوجانہ کی سواری آ رہی ہے تو کسی پر ٹھاکر صاحب بلول براجمان ہیں۔ ہاتھیوں کے بعد دولہا کی ماں نواب زینت محل صاحبہ کی پینس ان کے پیچھے پینسوں، پالکیوں، ہوادارں، بگھیوں اور گاڑیوں کا دور تک تانتا بندھا ہوا ہے۔

غرض اس شان و شوکت سے شہزادہ جواں بخت کی بارات جا رہی تھی۔ یوں تو آٹھ دن سے گہما گہمی ہو رہی تھی۔ آج برات جاری ہے کل ابٹن آئے گا۔ روز کوئی نہ کوئی چہل پہل کا سامان تھا۔ لیکن آج دولہا کی سواری دیکھ کر خلقت کا دل باغ باغ ہوا جاتا تھا۔ ہر طرف سے ماشاء اللہ اور چشم بد دور کا غلغلہ بلند تھا۔ خدا خدا کر کے پہر رات گئے جا کر کہیں برات دلہن والوں کے گھر پہنچی۔ ایک رات اور ایک دن وہاں ٹھہری۔ دوسرے روز عصر مغرب کے درمیان قاضی شہر نے نکاح پڑھایا۔ شہر کے تمام شریف اور معزز ہندو مسلمان اس نکاح میں شریک تھے۔ پھولدار خوبصورت کشتیوں میں

چاندی اور بلور کی پرچوں میں آدھ آدھ سیر سونے کے
[illegible] ہوئے پالو شاہی ریشمی رومالوں میں بندھے
ہوئے تقسیم کیے گئے۔!!

چنانچہ دوسرے روز شب میں برات دلھن اور جہیز
کو لے کر بڑے دھوم دھام اور شان و شکوہ کے ساتھ
الٹی واپس ہوئی۔ کاغذی باغ و بہار کے تختے اور جھاڑ
دلہن کے گھر پر کل لٹ چکے تھے۔ اس کے بدلے آج چاندی
سونے چینی و بلور کے برتن اور دوسرے قسم کے جہیز
کا سامان کہار اور کہاریوں کے سر پر جس کی خوبی اور
تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک الگ دفتر چاہیے ہوگا۔

آج جلوس کی وہ صورت اور اس کے ساتھ وہ
فوج و خزانہ تھی نہ رزیڈنٹ، جاگیرداروں کے ہاتھی
تھے نہ نوبت نشان اور روشن چوکی! آگے آگے نقیروں
والے دم بدم بیلیں لیے پیچھے دولہا کا ہاتھی، اور ان کے
پیچھے ایک ہاتھی پر نواب صاحب بہادر اور دوسرے پر
ولیعہد صاحب بہادر اس کے بعد دلہن کی پینس اور جہیز
اور اس کے بعد بیگمات کے ہوادار اور دیگر پینس پالکیاں
تھیں۔ اس پر بھی خلقت کا وہی عالم تھا۔ ہر طرف سے مبارک
سلامت کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔ نذرانوں پر نذرانے
پیش ہو رہے تھے۔ ادھر سے روپوں اور اشرفیوں کی بارش
ہو رہی تھی۔ پھر بھی شہدوں کا یہ حال ہے کہ ایک کے اوپر
ایک گرے پڑتے تھے۔ نواب صاحب اور شہزادے صاحب
اور حضرت بادشاہ سلامت اور ولی عہد صاحب کی دہائی
دے رہے تھے۔ بس یہی آوازیں کانوں میں چلی آ رہی
تھیں یہ اللہ کی امان، نبی کا سایہ، رسول کا صدقہ دلوائیے۔
بنے۔ بنی کا جوڑا سلامت رہے، دلوائیے، اللہ رسول کے
سایے میں دونوں پھلیں پھولیں۔ ہم شہدوں کا حق
دلوا دیجئے۔ ہم عمر بھر سے دعا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کچھ
تو پھینکئے کچھ تو دلوائیے۔ غرض نواب صاحب تھیلی کا
منہ کھول کر اشرفیاں، روپے اور پیسے نوشہ پر سے نثار
کر کے پھینکتے۔ شہدے تھوڑی دیر کے لیے ان کے لوٹنے
اور سمیٹنے میں لگ جاتے۔ اس کے بعد پھر وہی آواز۔

غرض خدا خدا کرکے برات آدھی رات گزرے
نوشہ کے مکان پر پہنچی۔ اور ان شہدوں سے جان چھوٹی!
یہ سب کچھ تھا لیکن اس کے برعکس سارے راستے خلقت
کی محبت و عقیدت کا حال عجیب تھا۔ لوگوں کا بس نہ
تھا کہ وہ جوش و خروش میں شہزادے پر سے اپنی جانیں
قربان کر دیتے۔ ایک مقام پر دیکھا سڑک کے کنارے
ایک اونچی جگہ مجمع سے الگ کسی گاؤں کی چار۔ پانچ
جاٹنیاں، لال سبز لہنگے پہنے، چندریاں اوڑھے موٹے
موٹے چاندی کے زیوروں میں لدی لمبے لمبے گھونگھٹ
نکالے سروں پہ پیتل کے گھڑے اور کلسے لیے کھڑی [illegible]
گا رہی ہیں۔ یکایک شہزادہ صاحب کی توجہ ادھر
ہوئی۔ نواب صاحب فوراً سمجھ گئے۔ ایک عصابردار
کو اشارہ کیا۔ اسی وقت راستہ صاف کرا دیا۔ وہ
جاٹنیاں قریب بلائی گئیں۔ پاس پہنچ کر انھوں نے
پاؤں دھوئے۔ دلھا میاں پر سے پوجا اتاری۔ دیوتا
سار وپ شہزادہ صاحب کے درشن کیے۔ اور
ہنسی خوشی اسی طرح گاتی ہوئی جانے لگیں تو نواب
صاحب کے اشارے سے ان کی لٹیاں اشرفیوں اور
روپوں سے بھر کر ان کے سروں پر رکھ دی گئیں۔
اس فیاضی کو دیکھ کر بہت سے دلوں کی کلیاں کھل
گئیں۔ اور بہت سی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہ
نکلے۔!

ایک دوسرے موقع پر کسی بلند جگہ ایک غریب
باپ اپنے اکلوتے بچے کو کندھے پر لیے کھڑا برات کا
تماشا دکھا رہا تھا۔ بچہ نو برس کی جان مخمل کی شیروانی
پہنے، سر پر فیروزی سیلا باندھے، طرہ لٹکائے، گلے میں
ایک زردوزی پرتلہ پڑا۔ اس میں ایک چھوٹی سی تلوار
لٹکتی، باپ کے کندھوں پر کھڑا دونوں ننھے ننھے ہاتھوں
سے شہزادہ صاحب کو مجرا عرض کر رہا تھا۔ شہزادہ
کی نظر ادھر جا پڑی، ننھے سے بچے کا یہ سپاہیانہ لباس

اور اس کی بھولی بھالی ادائیں کچھ دل کو بھا گئیں۔ فوراً عصا بردار کو اشارہ کیا۔ اس نے مہاوت کو، مہاوت نے ہاتھی کو اشارہ کیا۔ ہاتھی نے ایک قدم آگے بڑھ کر بچہ کو باپ کے کندھے سے اٹھا مہاوت کے حوالہ کیا۔ مہاوت نے عصا بردار کو دیا، عصا بردار نے شہزادہ کے حضور میں پیش کیا۔ شہزادہ صاحب نے بچہ کو گود میں لے کر پیار کیا۔ بچے اور اس کے باپ کا نام دریافت کیا۔ سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔ پھر اس کو اسی طرح ہاتھوں ہاتھ باپ کی گود میں واپس کر دیا۔!

تو صاحب اس بچہ کے باپ کی تقدیر جاگ گئی اسی دن سے اس بچے کے نام دس روپیہ کا وثیقہ حضرت بہادر شاہ بادشاہ کی سرکار سے عمر بھر کے لیے مقرر ہو گیا۔

راستہ بھر میں ایسے ہی کتنے واقعات پیش آئے۔ لیکن یہ تماشے دیکھنے والے اب کہاں، اور جو دو، چار جو دیکھی ہیں، ان کی آنکھوں سے کسی طرح آنسو ہی نہیں تھمتے۔ وہ بیان کریں تو کیا ایسے تماشے دیکھنے والے آخر میں یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ میاں دلّی اور دلّی والوں نے ایسی شادی نہ کبھی دیکھی تھی اور نہ کبھی دیکھنے کی امید! میاں دلّی کی رونق اور یہاں کی آخری مسلم سلطنت کو تو دشمنوں کی نظر کھا گئی!

فہمیدہ عتیق

گڑیا میری

لطف بارش لائے گی
گڑیا میری نہائے گی
گرتی پڑتی آئے گی
دل کو میرے بھائے گی
گڑیا میری پیاری گڑیا

میں نہ اس کو ڈانٹوں گی
کپڑے سے میں پونچھوں گی
اس کے کپڑے بدلوں گی
انڈا چائے سجا دوں گی
گڑیا میری پیاری گڑیا

لال فراک میں گھومے گی
چوڑی بندے پہنے گی
لال دوپٹا اوڑھے گی
دلھن یہ بن جائے گی
گڑیا میری پیاری گڑیا

۱۹۵ آر بلاک نمبر ۱۵، دستگیر کالونی فیڈرل بی ایریا کراچی

ڈاکٹر کے بھگتہ وتسل راؤ

آلودگی ایک غیر فطری کیفیت ہے۔ قدرتی ماحول کو پاکیزگی سے محروم رہنے کی کیفیت ہی آلودگی ہے۔ فضائی آلودگی۔ آبی آلودگی، تھرمل آلودگی، نیوکلیائی آلودگی کے ساتھ ساتھ آواز کی آلودگی بھی روز مرّہ کی کیفیت ہے۔

شورش ایک غیر ضروری آواز کا مظاہرہ ہے۔ میکانکی طور پر بھی شورش ہو سکتی ہے۔ آواز کی موجیں ہوا میں سے ہوتی ہوئی کان تک پہنچتی ہیں۔ کان کی بھی ایک خاص سکت ہوتی ہے آواز کو سہنے میں آؤ بھگت کرنے میں۔ سہن کے اس نقطے کو تھرشولڈ بول کہتے ہیں۔ اس کی پیمائش ڈی سبلس (DECIBELS) میں کی جاتی ہے۔ مثلاً راکٹ انجن سے ۱۸۰ ڈی سبلس، کار ہارن سے ۱۲۰ ڈی سبلس۔ چیخ پکار سے ایک سو ڈی سبلس، آہستہ بات کرنے پر ۳۰ ڈی سبلس، بادصبا سے پتوں کی آہٹ سے دس ڈی سبلس۔

کسی نوکری میں لگ جانے سے اس احاطہ کی شورش سے لوگ۔ ملازم واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ عادت میں داخل ہو جاتا ہے آواز کو سہنا۔ چند کارخانوں میں نو وارد سر درد میں مبتلا ہوتا ہے لیکن اس کارخانے کا افسر، کاری گر اس شورش کو سہ لیتے ہیں۔ کپڑے کے کارخانوں میں، چھپائی کے پریس میں، آرہ کے کارخانہ میں، موٹر کے کارخانہ میں آواز کا طوفان ہی رہ پاتا ہے۔

۱۹۶۸ء کے اعداد وشمار کے لحاظ سے ۵ء۴ ملین کاری گر، کرم چاری، مزدور کارخانوں میں آواز کی آلودگی سے دوچار ہو رہے ہیں۔ اس سے بچنے کے لیے ان کاری گروں کو، مزدوروں کو قول کا استعمال ضروری ہے۔

انسان ۲۰ ڈی سبلس سے ایک سو ڈی سبلس تک سہ سکتا ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہو جائے تو چڑچڑاپن شروع ہو جاتا ہے۔ ایک قسم کی بے چینی دیکھی جا سکتی ہے منہمک رہنے کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً شاہراہ پر ٹیلیفون بوتھ پر بات کرنا مشکل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سننا بھی دشوار ہے۔

آواز کی آلودگی کا اثر انسان کی شریانوں پر بھی ہوتا ہے۔ خون کی رفتار میں کمی ہوتی ہے۔ آنکھ کی پتلیاں دھیمی ہو جاتی ہیں۔ جلد پھیکی پڑ جاتی ہے معدہ میں ہاضمی رس کا اخراج سست ہو جاتا ہے۔ اچانک بھیانک آواز سننے سے دل کی حرکت کا بند ہونا بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

شہروں میں سڑکوں گلیوں میں موٹر گاڑیوں کا پلی

بی/۱/۴۴/۱۱ - ۲-۲ پوسٹ آفس لین نیونکہ کنٹا۔ حیدر آباد۔ ۴۴

تیز رفتار موٹر سائکلوں سے ہوائی اڈے میں ہوائی جہازوں کی گونج سے، آواز کی آلودگی میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ آواز کی آلودگی کو کم کرنے کے لیے چند ترکیبوں کی اشد ضرورت ہے۔ شہر کے گنجان علاقوں میں کارخانوں کو تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے۔ سڑک پر باقاعدہ طور پر کولتار چھڑک دینے سے موٹر گاڑیوں کے چلنے سے زیادہ آواز پیدا نہ ہوسکے گی۔ ہوائی اڈے کے دس کلومیٹر کے احاطہ میں کسی مکان کی تعمیر عمل میں نہیں آنا چاہیے۔ اسکول، شفا خانہ، دفاتر کے قرب وجوار میں شورش نہ ہونے کا نشان لگا دینا چاہیے۔ ہر ملک میں قانون کے ذریعہ آواز کی آلودگی کی روک تھام کرنے کی کوشش جاری ہے۔

خیال کے پھول

قرآن مجید:

- مال اور اولاد تو چند روزہ زندگی کے بناؤ سنگھار ہیں۔

حضرت محمدؐ:

- جس نے لوگوں کی حاجت برآری کی اس نے گویا تمام زندگی خدا کی خدمت میں گزار دی۔

حضرت سلیمان:

- علم اور خوف سے عزّت اور زندگی ملتی ہے۔

حضرت عیسیٰ:

- دنیا کی مال و دولت پر غرور مت کر، کیا خبر کہ اسی رات تیری زندگی تجھ سے طلب کرلی جائے۔

بطلیموس:

- انسان کی زندگی دنیا میں اس شمع کی مانند ہے جو ہوا میں رکھی گئی ہو۔

بوعلی سینا:

- زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔ خوفِ مرگ، شدتِ مرض اور ذلتِ قرض۔

افلاطون:

- زندگی جب تک نیک کاموں کا ذریعہ نہ ہو شائستہ نہیں کہی جاسکتی۔

ارسطو:

- حسن اخلاق سے زندگی راحت وآرام سے گزرتی ہے۔

شیخ سعدی:

- صبر زندگی کے مقصد کا دروازہ کھولتا ہے۔

مہاتما گاندھی:

- برداشت زندگی کا اصول ہے۔

ٹیگور:

- زندگی دکھ ہے اور موت نکان۔

احمد جمال پاشا

جادوگر کا تحفہ

(لوک کہانی)
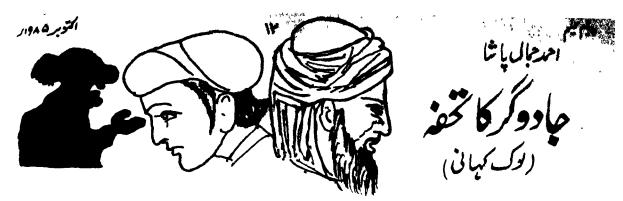
کسی زمانے میں پیکنگ کے شاہی محل کے محافظوں میں وینگ نام کا ایک انتہائی محنتی، ایمان دار اور سمجھ دار محافظ شامل تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ اپنے معمولی درجے سے ترقی کر کے خاقانِ چین کے دربار کے کسی اعلا عہدے تک نہ پہنچ سکا۔

رفتہ رفتہ وینگ کی عمر بڑھتی گئی۔ ترقی کی امید کم ہوتی گئی۔ مگر وینگ ہمت سے کام لے کر اپنے آپ کو خوش رکھتا۔ بڑی قناعت سے زندگی بسر کرتا۔ فرصت کے اوقات میں دل بہلانے کے لیے سیر و شکار پر نکل جاتا۔

موسم گرما کی ایک دوپہر کو وینگ جنگل میں ایک خوبصورت نیلی، جھیل کے کنارے پانی کی لہروں سے کھیل کر دل بہلا رہا تھا۔ اچانک اس نے آسمان پر دیکھا کہ ایک شکرا ایک بہت ہی خوبصورت چڑیا پر حملہ کر رہا ہے۔ چڑیا کو بچانے کے لیے وینگ نے فوراً نشانہ لگا کر شکرے پر تیر مارا۔ شکرا تڑپتا ہوا زمین پر گرا۔ جیسے ہی وہ اسے اٹھانے کے لیے آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت آدمی اس کے سامنے کھڑا جھک کر اسے سلام کر رہا ہے۔ یہ آدمی چین کا بہت بڑا جادوگر تھا جسے اس کے دشمن جادوگر نے ایک خوبصورت چڑیا بنا دیا تھا۔ اور اسے کھانے کے لیے اب وہ اس پر جھپٹ رہا تھا کہ وینگ نے تیر مار کر اسے ختم کر دیا۔

اس بہت بڑے چینی جادوگر کا نام یانگ چو تھا۔ اس نے جان بچانے کے انعام میں وینگ کو ایک جادو کا ڈبا دیا اور کہا "ڈبے" پر لکھا ہوا منتر جب بھی وہ پڑھے گا اور جو بھی چیز مانگے گا وہ اسے فوراً مل جائے گی۔ لیکن جیسے ہی اس جادو کے ڈبے کا راز وینگ کے علاوہ کوئی دوسرا جان جائے تو جادو کے ڈبے کے جادو کا اثر ختم ہو جائے گا۔"

وینگ نے حیرت سے دیکھا۔ مردہ شکرا اسی طرح زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے جادو کے ڈبے کو کھول کر دیکھا۔ اس میں پہاڑیوں میں اسے ننھے منے دریا، آبشار اور جنگل نظر آئے جو باآسانی اس کی ہتھیلی پر آ سکتے تھے۔ پہاڑیوں پر اٹھتے ہوئے بادلوں میں دھواں بن کر جادوگر غائب ہو گیا۔

چین کے سرحدی علاقوں میں لٹیروں کا بڑا زور تھا جو مسافروں اور سوداگروں کے قافلوں کو لوٹ لیتے۔ وینگ نے گھر جا کر اپنا کمرہ اندر سے بند کیا۔ ڈبا کھولا اور منتر پڑھا۔

فوراً یانگ چو نمودار ہوا۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور پوچھا — "آقا! میرے لیے کیا حکم ہے —؟"

وینگ نے کہا — "فوراً ایک فوج لے جا کر سرحدی لٹیروں کا خاتمہ کر دے —" جادوگر سلام کر کے غائب ہو گیا۔

وینگ نے ڈبے میں پہاڑیوں پر دھبے دیکھے جو بڑھ کر ایک بہت بڑی فوج بن گئے جس کا سپہ سالار ایک بہت ہی شاندار شخصیت کا مالک فوجی افسر تھا۔ فوج سرحدی علاقے کی جانب بڑھنے لگی۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد فوج کا سپہ سالار لٹیروں کے سر کاٹ کر وینگ کے پاس لے آیا۔ سر پیش کرنے کے بعد سلام کر کے وہ غائب ہو گیا۔

لوکھی نث لا افزا سیوان (بہار)

پہاڑیوں کے دیکھتے درّوں میں جاکر غائب ہوگئے۔
وینگ لٹیروں کے سرلے کر لٹیروں کے علاقے میں پہنچا۔ شہر والے وینگ کی بہادری سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اس کے اعزاز میں ایک زبردست جشن کیا۔ اس کی بڑی تعریفیں ہوئیں۔
ایک دن وینگ نے جادوگر کو بلاکر کہا "وہ اسے ان جادو کی پہاڑیوں کی سیر کرائے جو جادو کے ڈبے میں نظر آتی ہیں۔"
یانگ چو نے اسے ایک زمرّد کی انگوٹھی پہنا دی۔ وینگ نے اپنے آپ کو ہوا سے بھی ہلکا محسوس کیا۔ وہ اُڑ رہا تھا۔ پہاڑیاں بڑھتے بڑھتے سربفلک پہاڑوں میں تبدیل ہو گئیں۔ جب وہ اڑتا ہوا پہاڑ کے درّہ کے پار پہنچا تو اس کے سامنے ایک عالی شان محل تھا جس کے چاروں طرف ایک خوبصورت باغ میں رنگ برنگی چڑیاں چہچہا رہی تھیں سونے چاندی اور جواہرات سے سجی ہوئی بارہ دریاں بنی ہوئی تھیں کہ ان میں بیٹھ کر باغ کی بہاروں کا لطف اٹھایا جائے۔
وینگ کو یہ محل اتنا پسند آیا کہ وہ باغ کی سیر کے لیے روزانہ آنے لگا۔ ایک دن اس نے اپنے لیے ایسا ہی محل اور باغ بنوانے کا حکم دیا۔ جب محل اور باغ تیار ہوگیے تو وہ اس میں آرام سے رہنے لگا اور شاہی محل کی نوکری چھوڑ دی۔
خاقان چین بڑا لالچی تھا۔ اس نے وینگ کی دولت کا راز معلوم کرنے کے لیے اس کے پیچھے جاسوس لگا دیے۔ مخبروں نے خاقان کو اطلاع دی کہ "محل کے ایک خاص کمرے میں سوائے وینگ کے کوئی اور نہیں جا سکتا۔ اس لیے وینگ کی دولت کا راز ضرور اسی کمرے میں ہوگا۔"
خاقان نے فوج بھیج کر وینگ کو گرفتار کرکے بلوایا اور اس سے اس کی دولت کا راز پوچھا مگر وہ خاموش رہا۔ خاقان نے دھمکی دی۔
"اگر کل تک اپنی دولت کا راز نہ بتاؤگے تو پھر جیل میں تم پر ہر قسم کا ظلم اور سختی کی جائے گی۔"
رات کو جب جیل کے پہرے دار سو گیے تو وینگ نے جیب میں سے جادو کا ڈبا نکالا۔ منتر پڑھا۔ یانگ چو فوراً سلام کرکے ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑا ہوگیا۔ اور پوچھا۔
"آقا! میرے لیے کیا حکم ہے۔؟"
وینگ نے اپنی پریشانی بتائی۔ اور کہا۔
"اس مصیبت سے چھٹکارہ دلاؤ۔!"
یانگ چو نے کہا۔ "آقا! صبح ہونے کا انتظار کیجئے اس کے بعد دیکھیے کہ خاقان کو اس کے کیے کی کیسی سخت سزا ملتی ہے۔"
اس کے بعد جادوگر غائب ہوگیا۔
صبح ہوئی تو خاقان جلادوں کے ساتھ اس کے جیل کے کمرے میں داخل ہوا۔ جلادوں کی خوفناک شکلوں اور ان کے ہتھیاروں کو دیکھ کر وینگ مارے ڈر کے کانپنے لگا۔ وینگ کو ڈرتے دیکھ کر خاقان مارے خوشی کے ہنسنے لگا۔ مگر فوراً ہی خاقان کی ہنسی غائب ہوگئی۔ ایک خوفناک اژدہا خاقان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ خاقان مدد کے لیے چلّایا۔ خاقان کے جلّاد مدد کے لیے چلّائے اژدہے نے جیسے ہی خاقان پر پھونک ماری۔ خاقان بندر کی شکل کا ہوگیا۔ اژدہے نے بندر سے کہا۔
"اے ظالم خاقان! اب تو بندر سے آدمی اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب تو وینگ کا کہنا مانے اور جب بھی تو وینگ کا کہنا نہیں مانے گا فوراً آدمی سے بندر ہو جائیگا۔
"خاقان! پہلے تو چین بھر میں یہ اعلان کرنے کا حکم دے کہ "وینگ پر لگائے گئے سارے الزامات جھوٹے تھے۔ وینگ بہت ہی ایماندار اور شریف انسان ہے۔ دوسرے سزا کے طور پر پیکنگ کے غریبوں میں ایک لاکھ روپے فوراً تقسیم کیے جانے کا حکم دے۔ تیسرے یہ وعدہ کرکہ تو آئندہ کبھی کسی پر ظلم نہ کرے گا اور ہمیشہ انصاف سے حکومت کرے گا۔"
خاقان نے جو اب ایک بندر تھا فوراً سارے احکامات جاری کیے ظلم نہ کرنے انصاف سے حکومت کرنے کا وعدہ کیا اور وینگ کی سب باتیں مان لیں۔ (باقی صفحہ ۲۵ پر)

مناظر عاشق ہرگانوی

شبانہ اس گوریا کو پہچان گئی تھی۔ چھوٹی سی، ننھی منی پھر پھر اڑنے والی گوریا۔ شبانہ اسے روز دیکھتی جب صبح اٹھ کر پڑھنے بیٹھتی تو وہ 'چوں چوں' کر کے ایک خوبصورت سا گیت گاتی ہوئی کھڑکی پر آکر بیٹھ جاتی۔ شبانہ اسے دیکھ کر کہتی:

'اوہو، تو آپ آگئیں۔ میں نے کہا آداب عرض۔'

گوریا "چوں چوں" کر کے آداب عرض کا جواب دیتی۔ پھر ممی کے ڈریسنگ ٹیبل پر جا کر بیٹھ جاتی۔ پھدک پھدک کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی اور چونچ مار کر خود کو ہی چومتی۔ شبانہ کو ہنسی آجاتی۔ سوچتی، کتنی پاگل ہے گوریا۔ اپنے آپ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ بیچاری! اس کے گھر میں ڈریسنگ ٹیبل ہی کہاں ہوگا جو اپنا چہرہ دیکھتی۔

کبھی کبھی پھدکتی ہوئی وہ شبانہ کے بالکل قریب آجاتی۔ اس کی کتاب پر بیٹھ جاتی۔ تب بھی وہ "چوں چوں" کا گیت ہی گاتی رہتی۔ ایک دن شبانہ نے اسے ہاتھوں میں اٹھا لیا تو وہ سہم گئی۔ شبانہ کے ہاتھوں میں گدگدی ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ گوریا ڈر رہی ہے۔ اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا،

'ارے گوریا رانی! ڈرو مت، تمھیں چھوڑ دوں گی مجھے گانا سنائے گی نا؟'

اس نے اسے چوم کر چھوڑ دیا تھا اور گوریا پھدکتی ہوئی آئینہ میں جا کر اپنا چہرہ دیکھنے لگی۔

ایک دن بڑا برا ہوا۔ شبانہ چپ چاپ بیٹھی پڑھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ابھی تک گوریا آئی کیوں نہیں، دھوپ کے پیسے روشندان سے گر کر ایک کونے میں بکھر گئے تھے۔ اسکول جانے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ یکایک "چوں چوں" کی آواز سن کر شبانہ چونک پڑی۔ گوریا آگئی تھی اور آداب عرض کر رہی تھی۔

'آج بڑی دیر کر دی۔ اب تک کیا کر رہی تھیں؟

کوہسار، برہ پورہ، بھاگلپور (بہار)

شبانہ نے اس سے پوچھا۔ اسی وقت اسے اس کا ٹوٹا
ہوا پیر نظر آگیا۔ "ارے یہ چوٹ کیسے لگی؟ آؤ میں
دوا لگا دوں" اور اس نے اسے کھڑکی پر سے اٹھا لیا۔
اس دن گوریّا بالکل نہیں ڈری۔ ہتھیلیوں پر آکر
پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ سمجھ گئی
تھی کہ شبانہ اسے پیار کرتی ہے۔ وہ اسے نقصان
نہیں پہنچا سکتی۔

شبانہ اسے ممّی کے پاس لے گئی۔ ممّی کسی کام میں
لگی ہوئی تھیں۔ شبانہ نے کہا "دیکھو ممّی، اس بچاری
کو کتنی چوٹ لگی ہے۔ جانے کیسے؟"

ممّی نے اسے دیکھا پھر ڈرائنگ روم میں آکر
ٹنکچر کا پھاہا بنا کر لگا دیا۔ گوریّا چپ چاپ دوا لگواتی
رہی۔ دوا لگا کر ممّی پھر کچن میں واپس لوٹ گئیں۔
شبانہ نے اس سے کہا، "دیکھو، میری ممّی کتنی اچھی ہیں!
خیر، اب جب تک تمھاری چوٹ ٹھیک نہیں ہو جائے
تمھیں دوا لگوانے روز آنا ہوگا۔ اس میں ٹال مٹول نہ ہو،
ورنہ پریشانی اٹھاؤگی۔"

گوریّا نے اسے "تھینک یو" کہا اور ہتھیلی سے اُڑ کر
ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں ذرا اپنا چہرہ دیکھ کر اُڑ گئی۔
کچھ دنوں تک گوریّا روز آتی رہی۔ شبانہ اسے
ٹنکچر کا پھاہا بنا کر لگا دیتی۔ وہ تھینک یو کہتی اور چلی
جاتی۔ ایک دن جب وہ آئی تو مزے سے پھدک
پھدک کر چل رہی تھی۔ اس کی چوٹ اچھی ہو گئی تھی۔
اس نے کھڑکی پر کھڑی ہو کر کہا تھا:
"تھینک یو ویری مچ، میری ننھی نرس!"

شبانہ یہ سن کر پھولی نہیں سمائی۔ لیکن اس دن
شام کو شبانہ یکایک بیمار پڑ گئی۔ اسکول سے لوٹی تو
بڑی تھکی تھکی سی معلوم ہو رہی تھی۔ پھاٹک کھولنے پر
روز کی طرح اس نے اپنی ممّی کے استقبال کا جواب مسکرا کر
نہیں دیا۔ اور نہ یہ بتایا کہ اسے سارے سوال صحیح حل کرنے
پر پانچ میں پانچ نمبر ملے تھے۔ جی ہی نہیں کر رہا تھا کچھ
بتانے کو۔ ٹامی اچھل کر جب اس سے لپٹ کر پیار جتانے لگا تو اس نے دھتکار
دیا ورنہ روز وہ اس کے گلے سے لپٹ جاتی تھی اور ڈانٹ پلاتی تھی۔ "آج
میرے اسکول کیوں نہیں آیا مجھے لینے؟ دیکھ میں اکیلی آئی ہوں؟"

لیکن اس دن اس نے کچھ نہیں کہا۔ کسی طرح
بھاری بستے کو اٹھائے ہوئے وہ برآمدے تک آئی
ممّی نے چہرہ اُترا ہوا دیکھا تو پوچھ بیٹھیں "کیا ہوا شبانہ؟"
وہ بولی کچھ نہیں۔ صرف ممّی سے لپٹ گئی۔ انھوں نے
اسے چوما تھا اور چونک پڑی تھیں "ارے تیرا بدن
تو تپ رہا ہے۔ بخار ہے تجھے؟" ممّی نے اس کی
آنکھوں میں دیکھا، گیلی تھیں۔ وہ متفکر ہو گئیں۔
فوراً شبانہ کو کمرے میں لے جا کر لٹا دیا۔ پھر کمبل
اڑھا کر اس کے پاپا کو آفس فون کیا۔ اور جب تک
وہ آتے، اس درمیان انھوں نے اسے دودھ دیا اور
اس کی گڑیا کو اس کے پاس لا کر لٹا دیا۔ شبانہ چپ چاپ
ایک کروٹ پڑی رہی۔

پاپا آئے تو ان کے ساتھ ڈاکٹر انکل بھی تھے۔
انھوں نے شبانہ کو دیکھتے ہی کہا: "کیا ہوا ہماری
شبانہ کو؟ ارے کچھ نہیں ہوا۔ دیکھیے نا کتنی خوش
ہے رانی بٹیا۔ بس ذرا تھک گئی ہے" اور انھوں نے
اس کے گلابی گالوں کو چوم لیا۔ پھر تھرمامیٹر نکال کر
بخار ناپا، کافی تھا۔ وہ تھوڑے فکر مند ہو گئے۔ بیگ
سے دوا نکال کر دی۔ شبانہ نے ایک خوراک پیتے
ہی منہ بنایا۔ دوا کڑوی تھی۔

پھر ڈاکٹر انکل دروازے پر جا کر پاپا کو بتانے
لگے "فکر نہ کریں۔ معمولی بخار ہے، دوا دے دی ہے،
ٹھیک ہو جائے گی۔ لیکن دیکھیے اس پر زیادہ 'اسٹرین'
نہ پڑے۔ جہاں تک ہو اس سے بات چیت کم کیجیے۔
کوئی اس کے پاس زیادہ نہ بیٹھے۔ اور ہاں، دوا
وقت پر دینے کا خیال رکھیے گا" اور پھر گھوم کر
ایک نظر شبانہ کو دیکھتے ہوئے وہ چلے گئے۔
اس دن کے بعد سے شبانہ بالکل اکیلی رہ گئی۔

پیتا ہوا بدن لیے چپ چاپ پڑی رہتی۔ اسکول کی
کتابیں پڑھنے کو ڈاکٹر انکل نے منع کر دیا تھا۔ کھلونے
سے بھی کب تک کھیلتی۔ تھک جاتی تو انھیں ایک طرف
پھینک کر لیٹ رہتی۔ دائیں طرف اسٹول پر رکھی دوا
کو دیکھ کر اسے گھبراہٹ ہوتی۔ اُف کتنی کڑوی دوا ہے،
وہ سوچتی۔ ممی جب بھی آتیں، اسے دوا پلاتیں، موسمی
کا رس دیتیں اور جاتے وقت اس کا منہ چوم لیتیں،
پھر کہتیں "بیٹی رہنا شبانہ، اچھی ہو جاؤ گی تو تمھارے
لیے ایک بڑھیا فراک بنوا دوں گی"

شبانہ بدبداتی "تھینکس ممی" اور انھیں جاتے
ہوئے دروازے کے دوسری طرف دیکھتی رہتی۔ پاپا
شام کو آتے اور اپنے ساتھ غبارے لاتے۔ لیکن
افسوس، کوئی بھی اس کے پاس دیر تک نہیں بیٹھتا۔ اور
تو اور وہ باتیں کرنے والا رامو چاچا بھی جب کمرے
جھاڑنے آتا تو صرف اتنا ہی پوچھتا "کیسا جی ہے شبّو بٹیا؟"

"اچھی ہوں، تھینک یو، رامو چاچا" وہ کہتی۔
اور رامو چاچا ہنس دیتا۔ پھر وہ جانے لگتا تو شبانہ
کہتی "بیٹھو نا رامو چاچا، مجھ سے باتیں کرو"

"کروں گا، ضرور کروں گا، اپنی بٹیا سے باتیں۔ اچھی
ہو جاؤ تم۔ تو پھر ہم چڑیا گھر بھی چلیں گے" اور وہ
انگوچھا کندھے پر ڈالتا ہوا باہر چلا جاتا۔

شبانہ کو گوریا کی یاد آجاتی۔ کتنے دن ہوگئے۔
نہیں آئی۔ کوئی گانا بھی نہیں سنا اس کا۔ ایک دن
اس کی طبیعت کچھ اچھی تھی۔ گڑیوں سے الگ ہو کر
وہ روشندان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تبھی اس پر گوریا
آ بیٹھی۔ شبانہ اسے فوراً پہچان گئی۔ گوریا بھی اسے
دیکھتے ہی گانے لگی۔ لیکن شبانہ روٹھ گئی تھی۔

"چپ۔ میں تم سے نہیں بولتی۔ میں بیمار ہوں
اور تو مجھے دیکھنے تک نہیں آئی۔ کہاں تھی اب تک؟"
گوریا اڑ کر اس کے پلنگ کے پائینتی آ بیٹھی اور
اس کی طرف اس طرح دیکھنے لگی، جیسے کہہ رہی ہو

"مجھے معاف کر دو، شبانہ، سچ مجھے پتا نہیں تھا۔
میں تو جانے کب سے تمھیں کھوج رہی ہوں۔ تمھارا
اس کمرے میں "ٹرانسفر" ہو گیا، لیکن مجھے معلوم ہی نہ
تھا۔ وہ تو کہو میں یکایک روشندان پر آ بیٹھی جو تم
نظر آ گئیں"

شبانہ اسے دیکھتی رہی، پھر بولی "خیر۔ لیکن اب
آ جایا کرو۔ تم ہی تو میری دوست ہو۔ میرے پاس کوئی
نہیں آتا۔ ممی اور پاپا بھی اب بہت کم آتے ہیں۔ میں
دن بھر اکتا جاتی ہوں۔ تم آکر میرا دل بہلایا کرو"

اس دن گوریا تھوڑی دیر تک گیت گا کر چلی
گئی۔ لیکن اس کے بعد وہ روز آنے لگی۔ ممی کے دوا پلا کر
جانے کے بعد وہ روشندان سے اڑ کر پلنگ پر آ بیٹھتی
اور گانے لگتی۔ تھوڑی دیر بعد پھر سے اڑ جاتی۔ پھر
دن میں کئی بار آتی اور جاتی۔ شبانہ کا جی بہلا رہتا۔

ایک دن اس نے دیکھا، گوریا کے ساتھ ایک اور
گوریا آئی۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتی
رہیں۔ پھر چلی گئیں۔ پھر وہ تھوڑی تھوڑی دیر پر
آتی رہیں۔ شبانہ نے دیکھا کہ ان کی چونچ میں روئی،
لکڑی کے ٹکڑے اور تنکے دبے رہتے تھے، اور وہ اسے
لے جا کر وارڈروب پر رکھ رہی تھیں۔ شبانہ سمجھ گئی
کہ وہ اپنا گھونسلا بنا رہی ہیں۔ اور ان میں ایک نر
گوریا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے سوچا،
"چلو، اب ان کو کہیں جانا نہیں ہوگا۔ یہ یہیں رہیں
گے۔ پھر کتنا اچھا ہوگا جب ان کے پاس کوئی بے بی
گوریا آئے گی۔ یہ اسے مل کر پھدکنا، اڑنا، اور چگنا
سکھائیں گے اور وہ اسے دیکھا کرے گی۔"

جب گھونسلا بن چکا تو گوریا اور مسٹر گوریا
دونوں اس کے پاس آکر گیت گانے لگے۔ جب شبانہ
سو جاتی تو دونوں لنچ کے لیے باہر چلے جاتے اور
اور جب وہ جاگتی تو اسے گیت سناتے۔ رات میں
وہ اسے "گڈ نائٹ" کہہ کر اپنے گھونسلے میں جا چھپتے۔

اسی طرح کتنے ہی دن گزر گئے۔ اب شبانہ کی طبیعت ٹھیک ہو رہی تھی۔ اسے دودھ کے ساتھ روٹی بھی دی جانے لگی تھی۔ اور ڈاکٹر انکل نے ایک ٹافی روز کھانے کو کہہ دیا تھا۔ لیکن بخار نے ابھی پوری طرح پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

ایک دن دوپہر کے وقت اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا رامو چاچا وارڈروب کی صفائی کر رہا ہے اور دھیرے دھیرے وہ ان کے گھونسلے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ روشندان پر گوریا اور مسٹر گوریا سہمے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شبانہ سمجھ گئی کہ وہ ڈر رہے ہیں کہ اب ان کے گھونسلے کو باہر پھینک دیا جائے گا۔ اور ان کی ننھی بے بی اڑ کر بھاگ نہ سکے گی۔

رامو چاچا گھونسلے کے پاس ہی تھا کہ شبانہ چلائی،
"ارے مت چھوؤ، رامو چاچا، وہ میرے دوست کا گھر ہے۔ میں نے انھیں یہاں بنانے کی اجازت دی ہے:
"اچھا بیٹی اچھا" وہ سیڑھی سے نیچے اتر آیا، پھر بولا "پہلے کیوں نہیں بتایا شبانہ بٹیا کہ یہ تمھارے دوست ہیں"

جب رامو چاچا گیا تو دونوں گوریا اڑ کر پلنگ پر آ بیٹھے۔ شبانہ نے محسوس کیا جیسے وہ کہہ رہے ہوں "تھینک یو"
شبانہ نے اور غور سے سنا۔ وارڈروب سے ہلکی ہلکی "چیں چیں" کی آواز آ رہی تھی۔ ضرور بے بی گوریا بھی "تھینک یو" کہہ رہی ہوگی۔

سدا بہار بادشاہ

وائی۔ پرمیاک

ایک بار ایک مغرور بادشاہ نے ایک دوسرے بادشاہ سے کہا:
"تم کتنے چھوٹے اور احمق ہو! تمھیں کوئی بھی سلام نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ تمھیں کوئی شخص عزت مآب کہہ کر بھی مخاطب نہیں کرتا۔ تم کس طرح کے بادشاہ ہو؟"

دوسرے بادشاہ نے جواب دیا: "جو کچھ تم نے کہا وہ ٹھیک ہے لیکن مجھے پھر بھی سب لوگ پسند کرتے ہیں۔ مجھے ساری دنیا جانتی ہے اور میرے بارے میں ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ میں مسلسل جنگیں لڑ رہا ہوں مگر مجھے کوئی بھی خونی بادشاہ نہیں کہتا۔ میں نے خون بہائے بغیر جیت حاصل کی ہے۔ مجھے اس وقت بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا جب میری ہار ہوتی ہے۔ میری فوج بہت چھوٹی ہو سکتی ہے لیکن وہ امر ہے۔ میرے پاس صرف دو ہی قلعے ہیں لیکن ایسے کہ کوئی انھیں جیت نہیں سکتا۔ صرف میں ہی ایک ایسا بادشاہ ہوں جسے کسی قسم کے انقلاب کا خطرہ نہیں ہے۔"

دنیا بھر میں مشہور یہ بادشاہ نہ بڑ ہانک رہا تھا اور نہ جھوٹ بول رہا تھا کہ یہ شطرنج کا بادشاہ تھا جو اپنی فوج اور ساتھیوں کے ساتھ شطرنج کی بساط پر کھڑا تھا۔

(بشکریہ: سوویت دیس)

شہزادہ ٹھیر

ظہور الدین بٹ

بہت دن گزرے یونان میں ایک بہادر شاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا نام کانستائن تھا۔ اس کی حکومت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کے زمانے میں جادو کا بڑا زور تھا چھوٹا بڑا ہر شخص جادو میں ماہر ہوتا تھا۔ کانستائن بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھا۔ اُس نے ایک کے بعد ایک شادی کی مگر چھے شادیاں کرنے کے باوجود وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ اُس کی رانیاں اردگرد کے بادشاہوں کی بیٹیاں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دشمن اُس کی طرف منہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرات نہیں کرتا تھا۔

چھے شادیاں کرنے کے باوجود جب اس کے گھر اولاد نہ ہوئی تو کانستائن کے درباریوں نے اس پر ساتویں شادی کرنے کے لیے دباؤ ڈالا۔ ان کا خیال تھا کہ ساتویں رانی سے بادشاہ کے یہاں اولاد ضرور ہو گی۔

کانستائن ایک دن اپنے درباریوں کے ساتھ شکار پر نکلا ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے وہ اپنے ساتھیوں سے بہت آگے نکل آیا۔ شاید وہ راستہ بھی بھٹک گیا تھا۔ پیاس کے مارے اُس کے گھوڑے اور اُس کا اپنا برا حال تھا۔ آخر کار پیاس سے نڈھال ہو کر وہ اور اس کا گھوڑا زمین پر گر پڑے۔ خدا جانے وہ کب تک زمین پر بے ہوش پڑا رہا۔

خدا کی قدرت ایک چرواہا اور اُس کی بہن وہاں سے گزرے تو انھوں نے ایک امیر آدمی کو زمین پر بے ہوش گرا دیکھا۔ اُس کا گھوڑا مر چکا تھا۔ چرواہے نے اپنی بہن کی مدد سے اس آدمی کو زمین پر سے اٹھا کر درختوں کی چھاؤں میں لٹا یا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے چرواہے کو بتایا کہ وہ یونان کا بادشاہ کانستائن ہے۔ انھوں نے کانستائن کو بھیڑ بکریوں کا دودھ پینے کو دیا اور اپنے ساتھ بادشاہ کو لے کر اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیے۔

انھوں نے بادشاہ کو بتایا کہ انھیں یونان نام کے ملک

کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ اس پہاڑ کی دوسری جانب پولس اسٹیٹ ہے۔ وہاں کے لوگ روزانہ آکر اپنی ضرورت کا دودھ اور بھیڑیں لے جاتے ہیں اور کھانے اور دوسری ضرورت کی چیزیں دے جاتے ہیں۔ چرواہے اور اُس کی بہن نے بادشاہ کی اتنی خدمت کی کہ کانسٹائن نے اس سے شادی کرنے کا دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا۔ چند دنوں کے بعد کانسٹائن کے ساتھی اُسے تلاش کرتے ہوئے چرواہے کی جھونپڑی تک پہنچ گئے۔

چرواہے اور اس کی بہن نے اُن کی بھی خدمت کی دوسرے دن کانسٹائن اپنے ساتھیوں سمیت یونان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے کانسٹائن نے چرواہے اور اس کی بہن کا شکریہ ادا کیا کہ اُن کی مدد سے اس کی جان بچ گئی ورنہ شاید بھوک اور پیاس کی وجہ سے جنگل میں اُس کی جان ہی نکل جاتی۔ کانسٹائن نے چرواہے سے جب یہ کہا کہ وہ اس کی بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے تو چرواہے کو یقین نہ آیا۔

چند دنوں بعد کانسٹائن نے چند معماروں اور غلاموں کو چرواہے کے علاقے میں روانہ کیا تاکہ اُس کی ہونے والی ملکہ کے لیے ایک خوبصورت محل بنائیں۔ ان لوگوں نے رات دن کام کر کے وہاں ایک خوبصورت محل بنا ڈالا جب محل بن گیا تو کانسٹائن بھی محل دیکھنے آیا۔ محل اس کی امید سے بڑھ کر خوبصورت تھا اس لیے وہ اسے بہت پسند آیا۔

پھر کانسٹائن بڑی دھوم دھام سے بارات لے کر آیا اور چرواہے کی بہن کو بیاہ کر لے گیا۔ اس کی ساتویں کا نام جولیانہ تھا۔ اس کی اس شادی پر یونان کے لوگ بہت خوش تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اس ملکہ سے اُن کے بادشاہ کے یہاں اولاد ضرور ہوگی۔ اگر کوئی خوش نہیں تھا تو کانسٹائن کی وہ چھے رانیاں تھیں جنھوں نے جادو کے زور سے معلوم کر لیا تھا کہ اب کانسٹائن کے اولاد ضرور ہوگی۔ وہ ہر دم اس فکر میں رہنے لگیں کہ کس طرح بادشاہ کو جولیانہ سے دور کیا جائے۔

ایک دن جولیانہ یونان میں اپنے محل کی کھڑکی میں کھڑی سمندر کا نظارہ کر رہی تھی تو اس کی نظر ایک بوڑھی عورت پر پڑی جو سر پر بھاری بوجھ اٹھائے جا رہی تھی۔ بوجھ کی وجہ سے اس کی کمر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو اُسے بوڑھی عورت پر بہت ترس آیا۔ اس نے ایک غلام کو اشارے سے کہا کہ وہ بوڑھی عورت کا بوجھ خود اٹھائے اور بڑھیا کو وہاں بحفاظت پہنچا دیا جائے جہاں وہ جانا چاہتی ہے۔

بوڑھی عورت کو جب پتا چلا کہ ان کی نئی ملکہ نے غلام کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اس کا بوجھ اٹھا کر اس کے گھر تک چھوڑ آئے تو اس کے دل سے بے اختیار دعا نکلی۔

" اے اللہ! اس نیک دل ملکہ کو اولاد کی نعمت سے نوازیے۔"

اللہ کی شان، ملکہ کے گھر ایک چاند سی بیٹی پیدا ہوئی مگر بادشاہ کی پہلی چھے رانیوں نے آپس میں مل کر یہ فیصلہ کیا کہ لڑکی کو جادو کے زور سے خرگوش بنا کر جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔ ان میں سے ایک نے جو جادو میں بڑی ماہر تھی شہزادی کو خرگوش بنا کر جنگل میں چھوڑ دیا اور مشہور کر دیا کہ ملکہ کے گھر پتھر پیدا ہوئے تھے۔

بادشاہ کو جب یہ پتا چلا کہ اُس کی نئی ملکہ کے ہاں پتھر پیدا ہوئے ہیں تو وہ بہت حیران ہوا کیوں کہ کسی کو اس بات پر یقین نہ آتا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ خدا کی قدرت دو سال بعد ملکہ کے گھر بہت پیارا سا بیٹا پیدا ہوا۔ اس مرتبہ ملکہ کی ایک خادمہ جسے کسی نہ کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ پہلے انھوں نے ملکہ کی پہلی بیٹی کو جادو کے زور سے خرگوش بنا کر کہیں جنگل میں چھوڑ دیا ہے۔ شہزادے کو لے کر محل سے کہیں بہت دور چلی گئی۔ جانے سے پہلے اُس نے ملکہ کو بتا دیا کہ وہ مجبوراً ایسا کر رہی ہے کیوں کہ اگر دوسری رانیوں کو شہزادے کے بارے میں پتا چل گیا تو وہ اسے قتل کرا دیں گی۔

دوسری طرف انھوں نے خدا جانے بادشاہ کے کیا کان بھرے کہ وہ جولیانہ سے ناراض ہو گیا اور اُس نے اُسے ایک محل میں قید کروا ڈالا۔ بادشاہ اتوار کے دن اُس محل میں جاتا اور ملکہ سے پوچھتا ملکہ جولیانہ! تمھاری کوئی خواہش ہے تو مجھے بتاؤ۔ ملکہ اُس سے کہتی: " اے بادشاہ! اللہ نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دن جب بادشاہ نے بہت اصرار کیا تو ملکہ نے اس سے کہا " مجھے چند خوبصورت خرگوش پہنچا دیے جائیں تاکہ میں تنہائی میں اُن کے

ساتھ وقت گزار سکوں۔
بادشاہ کے حکم پر ملکہ جولیانہ کو بہت سے خوبصورت خرگوش محل میں پہنچا دیے گئے۔ اب ملکہ جولیانہ دن رات ان خرگوشوں سے کھیلتی رہتی۔ بادشاہ اتوار کے دن محل میں آتا۔ وہ اپنے ساتھ ملکہ کے لیے ہفتہ بھر کا راشن اور پانی لاتا۔ شام تک وہاں رہتا اور سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں سے چلا جاتا۔
ایک دن ملکہ جولیانہ محل کی کھڑکی میں کھڑی تھی کہ اس نے اسی بڑھیا کو دیکھا جس کا سامان اس کا غلام اس کے گھر تک پہنچا گیا تھا۔ اس نے بوڑھی عورت کو آواز دی تو بڑھیا نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی محل کے دروازے تک آپہنچی لیکن وہ محل کے اندر داخل نہیں ہوسکتی تھی کیوں کہ وہاں پر تالا لگا ہوا تھا۔ اور تالے کی چابی بادشاہ کے پاس تھی۔ ملکہ جولیانہ کو وہاں قید دیکھ کر بوڑھی عورت بہت حیران ہوئی۔ جب ملکہ نے اسے درد بھری کہانی سنائی تو اس نے ملکہ سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی بیٹی کو تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی جسے دوسری ملکہ نے جادو کے زور سے خرگوش بنا ڈالا ہے۔ کافی دیر تک ملکہ اور بوڑھی عورت آپس میں باتیں کرتی رہیں۔ بوڑھی عورت نے اگلے پیر کو آنے کا وعدہ کر لیا اور پھر وہ وہاں سے چلی گئی۔
بوڑھی عورت ملکہ جولیانہ سے ملنے کے بعد سیدھی ایک جادوگرنی کے پاس گئی۔ اس کی عمر سو سال سے کہیں زیادہ تھی وہ پہاڑوں کے درمیان ایک غار میں رہتی تھی۔ بوڑھی عورت نے جادوگرنی کو بتایا کہ ملکہ جولیانہ ایک نیک دل عورت ہے۔ کانسٹائن کی دوسری رانیوں میں سے ایک نے اس کی بیٹی کو پیدائش کے وقت خرگوش بنا کر کہیں چھپا دیا ہے اگر تم اس کی مدد کرو تو ملکہ کو اس کی بیٹی مل سکتی ہے۔
بوڑھی جادوگرنی اس کی یہ بات سن کر ایک بہت بڑے بت کے پاس جا کر رک گئی۔ وہاں اس نے خدا جانے کیا جنتر منتر پڑھے کہ بت کی آنکھوں میں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ پھر اس نے بولنا شروع کر دیا۔ "اے جادوگروں کی ملکہ! بتا تو نے مجھے کیوں یاد کیا ہے؟

"اے شاہِ جنات! ملکہ جولیانہ کی بیٹی کو خرگوش بنا دیا گیا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو وہ اس وقت کہاں ہے اور دوبارہ کس طرح اصلی حالت میں آئے گی۔ یہ کہ کر بوڑھی عورت خاموشی سے بت کی طرف دیکھنے لگی۔ شاہ جنات جس کی آنکھوں سے تھوڑی دیر پہلے آگ برس رہی تھی اب یوں بند ہوگئیں جیسے کچھ سوچ رہی ہوں۔ چند لمحوں کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور بولنا شروع کیا۔
"جادوگروں کی ملکہ! جب شہزادی بارہ سال کی ہوگی تو اپنی ماں باپ یا بھائی کو دیکھنے سے اپنی اصلی حالت میں آجائے گی۔ بوڑھی عورت جو شاہ جنات کی بات سن رہی تھی خوشی خوشی ملکہ جولیانہ کے محل کی طرف چل دی تاکہ وہ ملکہ کو بتا سکے کہ اس کی بیٹی چند سالوں بعد اسے واپس مل جائے گی۔
بوڑھی عورت نے جب ملکہ جولیانہ کے محل پہنچ کر شاہ جنات اور جادوگروں کی ملکہ کے درمیان ہونے والی بات چیت سنائی تو ملکہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس نے حساب لگایا تو اسے پتا چلا کہ اس واقع کو چھے سال گزر چکے ہیں۔ بیٹی کی یاد کے ساتھ ساتھ اسے بیٹے کی یاد بھی ستانے لگی جو اب چار سال کا ہو چکا تھا۔
بوڑھی عورت کے جانے کے چھے سات دن بعد کانسٹائن ملکہ جولیانہ سے ملنے آیا تو اس نے پوچھا، اے ملکہ! تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتاؤ۔ نہیں بادشاہ سلامت مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ آپ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر جتنے زیادہ سے زیادہ خرگوش آپ کو اپنے ملک میں ملیں انھیں آپ میرے محل میں پہنچا دیں۔ میں ان کے ساتھ اپنا وقت آسانی سے گزار لیا کروں گی۔
بادشاہ نے یہ سوچ کر ملکہ سے دریافت کیا تھا کہ وہ اسے کہے گی کہ اس کو رہا کر دیا جائے لیکن جب اس نے ملکہ کی یہ انوکھی خواہش سنی تو اسے ملکہ پر غصہ بھی بہت آیا اور وہ حیران بھی ہوا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر پتا چلائے گا کہ ملکہ خرگوشوں کی خواہش کیوں کرتی ہے۔
بادشاہ کانسٹائن نے محل پہنچتے ہی اپنے وزیر کو

طلب کیا اور اُسے حکم دیا۔ ہماری حکومت میں جتنے بھی خرگوش ہیں خرید لیے جائیں اور انھیں ملکہ جولیانہ کے محل میں پہنچا دیا جائے۔ کانسٹائن کا وزیر اُس کا یہ حکم سن کر بہت حیران ہوا لیکن کر بھی کیا سکتا تھا۔ خاموشی سے بادشاہ کے محل سے نکلا اور اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

اگلے دن کانسٹائن نے دربار میں اپنے مشیروں کو جمع کیا اور ان سے کہنے لگا: "ملکہ جولیانہ نے ہم سے خواہش کی ہے کہ ملک بھر میں جتنے خرگوش ہیں وہ سب کے سب اُن کے محل میں پہنچا دیے جائیں۔ آپ بتا سکتے ہیں اس کی اس خواہش کا مطلب کیا ہے؟"

مشیروں نے بادشاہ کا سوال سُنا تو وہ سر جوڑ کر اُس کا حل تلاش کرنے بیٹھ گئے۔ وہ عجیب پریشانی کا شکار ہو گئے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بادشاہ کو کیا جواب دیں؟ بالآخر اُن میں سے ایک کانسٹائن کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"بادشاہ سلامت! آپ کا اقبال بلند رہے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیے ہمیں کچھ وقت دیا جائے۔"

کانسٹائن نے اُس کی یہ بات سن کر کہا۔

"ہم بدولت ایک ہفتے کے اندر اندر اس سوال کا جواب چاہتے ہیں۔" پھر اس نے اپنے وزیر سے پوچھا۔ "ہم نے آپ کو حکم دیا تھا کہ ملک بھر سے خرگوشوں کو جمع کیا جائے۔ آپ نے کیا بندوبست کیا؟"

"جی، بادشاہ سلامت! میں نے گاؤں گاؤں ہرکارے بھیج دیے ہیں جو نوبت بجا بجا کر لوگوں کو آپ کا حکم سنائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد یہ کام مکمل کر لیں گے۔"

چند دنوں بعد کانسٹائن اُن دونوں باتوں کو بھول گیا۔ وہ محل سے اکیلا سیر کے لیے نکلا اور سمندر کے کنارے کنارے سفر کرتے دور نکل گیا۔ سیر کے دوران اُس نے سمندر کے کنارے ایک جھونپڑی بنی دیکھی تو وہ اُس طرف نکل گیا۔ جھونپڑی کے باہر اس نے تین چار سال کا ایک بچہ لکڑی کے بنے ہوئے گھوڑے پر [illegible] دیکھا۔ بچہ بہت خوبصورت اور صحت مند دکھائی دیتا تھا۔ معصوم اور خوبصورت بچہ دیکھ کر بادشاہ کو اُس پر بہت پیار آیا۔ وہ اُس کے قریب چلا گیا۔ اُسے اُس نے گود میں اٹھا کر پیار کرنا شروع کر دیا۔ بچہ اتنا خوبصورت تھا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا "بے شک یہ کوئی شہزادہ ہے۔"

پیار کرتے کرتے بادشاہ نے بچے سے پوچھا: "بیٹا! ہمیں بھی بتاؤ کاٹھ کے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے تم کیا کہہ رہے تھے۔" بچے نے مسکرا کر بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"جناب اعلا! میں کہہ رہا تھا، کاٹھ کے گھوڑے پی پانی۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ لکڑی کا گھوڑا پانی نہیں پی سکتا۔ پانی تو زندہ جانور پیتے ہیں۔" بادشاہ نے اُسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"اگر لکڑی کا گھوڑا پانی نہیں پی سکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ملکہ کے گھر بچے کی جگہ پتھر پیدا ہوں؟" بچے نے بڑی معصومیت سے سوال کیا؟

کانسٹائن نے بچے کی بات سنی تو پریشان ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس بچے کو کیا معلوم کہ ملکہ جولیانہ کے یہاں بچے کی بجائے پتھر پیدا ہوئے تھے۔ کیا اس بچے کا تعلق ہمارے محل کے کسی شخص سے ہے یا محل کی باتیں عام لوگوں تک پہنچنا شروع ہو گئی ہیں۔ یہ سوچتے سوچتے اُس نے دوبارہ بچے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! تمھارے ابو یا امی کہاں ہیں؛ کیا وہ اندر جھونپڑی میں ہیں؟"

"جی نہیں، میری امی اس وقت گھر پر موجود نہیں ہیں. وہ جنگل سے روٹیاں پکانے کے لیے لکڑیاں چننے گئی ہیں. آپ انتظار کریں. ابھی تھوڑی دیر تک واپس آ جائیں گی۔" بچے نے جواب دیا۔ "اور تمھارے ابا کہاں ہیں؟" بادشاہ نے بچے سے پوچھا.

"میں نے آج تک اپنے ابو کو نہیں دیکھا۔" بچے نے کانسٹائن کو جواب دیا.

"کیا تمھیں جنگل میں اکیلے رہتے ہوئے ڈر محسوس نہیں ہوتا؟" بادشاہ نے پوچھا.

"اگر اس ملک کی ملکہ ایک ویران محل میں رہ سکتی ہے.

میں اکیلا اپنے کاٹھ کے گھوڑے کے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتا" بچے نے جواب دیا۔

بچے کی گفتگو نے بادشاہ کو پریشان کر دیا۔ اس نے ہر قیمت بچے کی ماں سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس خیال سے کہ اس کے ساتھی جنگل سے باہر اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس نے شام کو دوبارہ آنے اور بچے کی ماں سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اس نے بچے کو جانے سے پہلے پیار کیا اور یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار وہاں سے چل دیا کہ وہ شام کے وقت دوبارہ آئے گا۔

ابھی وہ گھوڑے پر سوار تھوڑی دور ہی گیا ہوگا کہ خدا جانے ایک بوڑھی عورت کہاں سے نکلی۔ اس نے بچے کا منہ چومتے ہوئے کہا: "بیٹے! واقعی آج تم نے کمال کر دیا۔"

وہ بچے سمیت جھونپڑی میں گئی۔ وہاں سے اس نے بچے کے اور اپنے کپڑے اور سامان سمیٹا اور جھونپڑی سے نکل کر ایک سمت کو روانہ ہو گئی۔ جھونپڑی سے کچھ فاصلے پر ایک تیار گھوڑا کھڑا تھا۔ بوڑھی عورت نے بچے کو گھوڑے پر سوار کیا، خود بھی گھوڑے کی پشت پر بیٹھی اور گھوڑے کو دوڑاتی ہوئی مشرق کی جانب چل دی۔

شام کے وقت بادشاہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس جگہ پہنچا جہاں اسے خوبصورت بچہ لکڑی کے گھوڑے پر سواری کرتے ہوئے ملا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جھونپڑی میں بچہ ہے اور نہ اس کی ماں۔ البتہ لکڑی کا گھوڑا اسی جگہ پڑا تھا جہاں اس کی بچے کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے بیٹے کو لے کر یہاں سے کہیں چلی گئی ہے۔ بادشاہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

بادشاہ نے محل پہنچتے ہی اپنے وزیر کو بلایا۔ بچے کا حلیہ بتاتے ہوئے جو اسے جنگل میں جھونپڑی کے قریب ملا تھا بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ اسے ہر حالت میں تلاش کیا جائے۔ اس کام سے فارغ ہو کر بادشاہ نے کھانا کھایا۔ کپڑے بدلے اور ایک غلام کو سواری کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔

کانسٹائن چھے گھوڑوں کی بگھی پر سوار ہو کر ملکہ جولیانہ کے محل کی طرف چل دیا۔ راستے بھر وہ اس بچے کے بارے میں سوچتا رہا۔ جو اسے سمندر کے کنارے بنی ہوئی جھونپڑی میں ملا تھا۔ ملکہ کے محل پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ملکہ خرگوشوں میں گھری بیٹھی ہے۔ اور ان سے کھیل رہی ہے۔ وہ خرگوشوں سے کھیلنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے بادشاہ کے آنے کا بھی پتا نہ چلا۔

بادشاہ نے ملکہ کو اس خوبصورت بچے کا حلیہ بتاتے ہوئے جو اسے سمندر کے کنارے ملا تھا پوچھا: "کیا تم ایسے کسی بچے کو جانتی ہو؟" "بادشاہ سلامت! ذرا حساب لگا کر دیکھیں، میں کتنے سالوں سے اس محل میں رہ رہی ہوں۔ یہاں پر مجھے کسی سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ حد یہ کہ میں نے اپنے بھائی کو بھی کتنے سالوں سے نہیں دیکھا۔ پھر میں کسی بچے کے بارے میں کیا جان سکتی ہوں"؟

بادشاہ نے ملکہ کی یہ بات سنی تو اسے اس پر بہت ترس آیا۔ یہ سوچ کر کہ شاید اب ملکہ اسے اپنے ساتھ محل لے جانے کی درخواست کرے گی، بادشاہ نے ملکہ سے پوچھا:

"جولیانہ! اگر تمھاری کوئی خواہش ہے تو ہمیں بتاؤ"۔

ملکہ نے بادشاہ کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ آپ سے درخواست کی تھی کہ میرے اس محل کو خرگوشوں سے بھر دیا جائے لیکن میری اس خواہش کو ہی پورا نہیں کیا گیا تو میں دوسری خواہش کا اظہار کیوں کروں"۔

بادشاہ غصے کی حالت میں وہاں سے چل پڑا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس نے محل کے باہر دروازے پر تالا لگا دیا تاکہ کوئی دوسرا آدمی محل میں داخل نہ ہو سکے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک بوڑھی عورت ایک خوبصورت بچے کو ساتھ لے کر اس محل میں پہنچی جہاں پر ملکہ جولیانہ قید تھی۔ سیڑھیاں چڑھ کر بوڑھی عورت اوپر پہنچی تو اس نے وہاں تالا لگا دیکھا۔ قدموں کی چاپ سن کر ملکہ دروازے کے دوسری جانب پہنچ گئی اس نے بوڑھی عورت کو فوراً پہچان لیا۔ یہ اس کی وہ خادمہ تھی جو شہزادے کو دوسری رانیوں کے ظلم سے بچانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئی تھی، ملکہ کو اپنے بچے

پر بہت پیار آیا جو تقریباً دس سال کا ہو چکا تھا، لیکن وہ پیار نہ کر سکی کیوں کہ اُن کے درمیان ایک دروازہ تھا جس کو تالا لگا ہوا تھا۔ خاصی دیر تک باتیں کرنے کے بعد بوڑھی عورت شہزادے کو ساتھ لے کر چلی گئی۔

بادشاہ کے حکم پر خدا جانے کہاں کہاں سے خرگوش جمع کر کے ملکہ کے محل میں پہنچائے گئے تھے۔

ایک دن وہ معمول کے مطابق ایک ایک خرگوش کو پیار کر رہی تھی اچانک اس کا ہاتھ ایک خرگوش کے پانو سے چھو گیا۔ اُس پانو پر کوئی سخت سی چیز چبھتی محسوس ہوئی۔ ابھی وہ اُسے دیکھ ہی رہی تھی کہ کانسٹائن وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ملکہ کو خرگوش سے یوں پیار کرتے دیکھا تو اسے بہت غصّہ آیا، مگر وہ اپنے غصّے کو پی گیا۔

بادشاہ کو محل میں پہنچے ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ سپاہی ایک بوڑھی عورت اور ایک خوبصورت بچّے کو گرفتار کیے ملکہ جولیانہ کے محل میں پہنچ گئے۔ ملکہ انھیں دیکھ کر گھبرا گئی کیوں کہ وہ اس کی خادمہ اور بیٹا تھے۔

بادشاہ بچّے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور خادمہ چلّا اٹھا، "ہاں ہاں یہی وہ بچّہ ہے جو مجھے سمندر کے کنارے ملا تھا۔" اتنے میں ملکہ نے خرگوش کے پانو کو ٹٹولا تو اسے وہاں کوئی نوکیلی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا۔ یہ ایک سوئی تھی۔ سوئی نکلنے کی دیر تھی کہ خرگوش کی جگہ ایک خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ بادشاہ لڑکی کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ تب ملکہ اور خادمہ نے اسے باقی رانیوں کے ظلم کی ساری کہانی سنائی۔

بادشاہ نے محل واپس پہنچ کر چھے کی چھے رانیوں کو قتل کروا ڈالا اور ملکہ شہزادے اور شہزادی کے ساتھ اس محل میں رہنے لگا جہاں اُس نے ملکہ کو قید رکھا تھا۔ اب وہ سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ جب رعایا کو پتا چلا کہ کانسٹائن کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے جو ایک عرصے کے بعد اُسے ملے ہیں تو انھوں نے گھی کے چراغ جلائے اور خوشیاں منائیں۔

(بشکریہ، بچوں کا باغ)

محبوب اسلم

راتوں رات داڑھی لمبی

گنگا رام کاشی کا ایک مشہور فیجی تھا۔ وہ پہلے فوج میں تھا۔ جب انھیں نے فوج سے پنشن لے لی، تو اسے سرکار کی طرف سے جو پیسے ملتے تھے انھیں سے وہ اپنا گزارا کرتا تھا۔ نہ اس کی بیوی تھی نہ کوئی بال بچہ، وہ اپنے گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ اپنا کھانا خود ہی پکا کر کھاتا تھا افیم کھا کر دیر تک سویا کرتا تھا۔

ایک دن رات کے دس بجے اُس کی آنکھیں کھلیں، اسے بھوک لگی اور حلوا کھانے کی خواہش ہوئی۔ وہ اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا بازار کی طرف چلا۔ بازار میں دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ جو ایک دو کھلی ہوئی تھیں وہ بھی بند ہو رہی تھیں۔ گنگا رام مٹھائی کی ایک دکان پر پہنچا، دکاندار ساری چیزیں اندر رکھ کر دکان بند کر رہا تھا۔ گنگا رام نے اس سے ایک روپیا کا حلوا طلب کیا تو دکاندار نے کہا۔ ”ابھی دیکھتے نہیں، دکان بند کر رہا ہوں، کل سویرے آؤ۔“

گنگا رام کو حلوا کھانے کی خواہش تھی۔ اس لیے بولا۔ ”تول کر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی مرضی سے جتنا چاہیں دے دیں۔ آج حلوا کھانے کی بے حد خواہش ہے“ دکاندار نے من ہی من کڑھتے ہوئے ایک روپیا کا حلوا تول کر دیا۔ حلوا ہاتھ میں لے کر گنگا رام نے دو روپے کا نوٹ بٹوے میں سے نکال کر دیا۔ اب دکاندار نے غصّہ میں آ کر کہا ”ایک روپیا دیجیے۔ یا حلوا واپس کر دیجیے۔ اس وقت میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں۔“

گنگا رام کے پاس صرف ایک نوٹ تھا۔ اس لیے اس نے دکاندار سے کہا ”آپ اسے لے لیجیے۔ میں کل سویرے آ کر باقی پیسے لے جاؤں گا۔“ دکاندار نے کہا۔ ”ٹھیک ہے، کل سویرے ضرور لے جائیے۔“

گنگا رام حلوا لے کر گھر واپس آیا۔ واپس لوٹتے وقت اس نے دیکھا کہ اس دکان کے سامنے سڑک پر ایک سانڈ لیٹا ہوا پتے چبا رہا ہے گنگا رام نے گھر واپس آ کر حلوا کھایا۔ پھر تھوڑی سی افیم کھائی اور سو گیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے اُس کی آنکھ کھلی۔ اٹھتے ہی باقی پیسے وصول کرنے کے لیے وہ بازار کی طرف چل پڑا۔ اب بازار کی ساری دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ اسے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں آیا کہ اس نے کس دکان سے حلوا خریدا تھا۔ بازار کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک چھان مارا۔ لیکن اسے مٹھائی کی دکان کا پتا نہ چلا۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اس مٹھائی والی دکان کے سامنے اس نے پچھلی رات ایک سانڈ کو دیکھا تھا۔ چنانچہ اس نے من ہی من فیصلہ کر لیا کہ سانڈ کے سامنے جو دکان تھی۔ اسی سے کل میں نے حلوا خریدا تھا۔ اس لیے اسی دکان سے باقی پیسے وصول کرنا ہیں۔ اب اس نے سانڈ کی تلاش شروع کر دی، وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک سانڈ پتے چبا رہا تھا۔ گنگا رام جلدی جلدی وہاں پہنچا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہاں مٹھائی کی دکان نہیں تھی۔ وہ ایک درزی کی دکان تھی۔ درزی مسلمان تھا۔ اور اس کی داڑھی کافی لمبی تھی۔ وہ اپنی دکان میں بیٹھا کپڑے سی رہا تھا۔

گنگا رام نے اس سے کہا۔ ”بھائی کل رات کا ایک روپیا لینے کے لیے آیا ہوں مہربانی کر کے جلدی دے دیجیے۔ درزی نے تعجب سے پوچھا ”کیا آپ نے کل رات کو مجھے ایک روپیا دیا تھا“ گنگا رام اونچی آواز میں بولا۔ ”جناب کل رات کو میں نے اسی دکان سے ایک روپے کا حلوا خریدا تھا۔ اور دو روپے کا نوٹ دیا تھا۔ ایک

۴۹۱/۴ ایم۔ بی۔ اسٹریٹ۔ پیری پیٹ۔ وانم باڑی

روپیا باقی ہے - اب اسی کو لینے آیا ہوں -،، درزی نے پوچھا - ،، کیا یہ حلوائی کی دکان ہے؟

گنگا رام نے جھٹ سے جواب دیا،، آپ مجھے دھوکا دینا چاہتے ہیں - ارے بھگوان! یہ کیسا برا زمانہ آگیا ہے - آپ نے میرا ایک روپیا ہڑپنے کے لیے راتوں رات اپنا دھندہ بھی بدل دیا ہے -،، پھر ایک لمبی سانس لیتے ہوئے اس نے پوچھا،، اجی یہ تو بتایئے - آپ نے دھندا تو بڑی آسانی سے بدل دیا - لیکن راتوں رات اتنی لمبی داڑھی کیسے بڑھا لی؟ درزی کچھ بھی نہ سمجھ سکا - وہ خاموش بیٹھا رہا۔

گنگا رام کو اس پر بہت غصہ آیا - اس نے کہا،، آپ نے مجھے تو دھوکا دے دیا - لیکن بھگوان سب کچھ دیکھ رہا ہے - اس کو آپ دھوکا نہیں دے سکتے - اتنا کہہ کر وہ اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا گھر کی طرف چل پڑا -

(ہندی سے)

بقیہ صفحہ ۱۴

اژدہے نے پھنکار ماری - بندر فوراً خاقان میں تبدیل ہو گیا -

اژدہے نے کہا -

" اگر آئندہ کبھی بھی خاقان تم نے وعدہ خلافی کی تو تمہیں بندر بننے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور دوبارہ جب بھی بندر بنے - میں فوراً اس بندر کو سمندر پار جنگل میں چھوڑ آؤں گا -،،

خاقان نے اپنا وعدہ پورا کیا - وہ بہت عزت و احترام کے ساتھ وینگ کو پہنچانے اس کے محل تک گیا - اس نے چین پر بڑے انصاف کے ساتھ حکومت کی -

وینگ آرام و چین سے محل میں رہنے لگا - وہ ہمیشہ غریبوں کی مدد کرتا رہتا - جب وہ سکون سے اپنے آخری سفر پر روانہ ہونے لگا تو اس نے وصیت کی :-

" جو بھی سب سے بہادر، ایماندار اور غریبوں کا خیال رکھنے والا ہو - یانگ چو اسے اس کا محل اور جادو کا ڈبا دے دے گا - لیکن چین کے لوگ وینگ کی یہ وصیت بھول گئے - کیا تم وینگ کی طرح بہادر، ایماندار، نیک اور غریب نواز بن کر اس کے محل اور جادو کے ڈبے کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو گے -

ضروری اعلان

طباعت اور کاغذ کی بڑھتی ہوتی قیمتوں کی وجہ سے ہمیں مجبوراً پیام تعلیم کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے اب جنوری ۸۶ء سے عام شمارے کی قیمت ۲/۰۰ روپے ہوگی اور سالانہ ۲۵ روپے ہوگی -

جناب ایڈیٹر صاحب سلام مسنون

ہمارے پاس جتنے پرچے آئے مجھے بے حد پسند آئے اس میں جتنی کہانیاں ہیں مجھے بہت پسند ہیں۔ اب تو پیام تعلیم میں اچھی اچھی کہانیاں آنے لگی ہیں۔

محمد مظہر نعمانی، رفیع گنج - اورنگ آباد (بہار)

جناب ایڈیٹر صاحب سلام مسنون

ستمبر کا پیام تعلیم مجھے مل چکا اس میں جتنی کہانیاں ہیں مجھے بہت پسند آئیں۔ میں پیام تعلیم کا پابندی سے مطالعہ کررہا ہوں۔

محمد شبیر الاسلام، مہراج گنج، اورنگ آباد (بہار)

مکرمی! سلام مسنون

پیام تعلیم میں دلچسپ خبریں پڑھ کر کافی محظوظ ہوا۔ ایک نظم "اندرا جی کا نام رہے گا" پڑھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ میری جانب سے اس نظم کے لکھنے والے وفیل منظور صاحب کی خدمت میں ہدیۂ مبارک باد۔

محمد نسیم احمد قریشی، شاہ گنج۔ پٹنہ ۶

جناب اڈیٹر صاحب سلام مسنون،

ہمارا پیام تعلیم وہ پیام تعلیم ہے جو کہ دنیا کا بہترین اعزاز حاصل کرسکتا ہے۔ جناب اڈیٹر صاحب کو میرا مشورہ ہے کہ آپ ہر مہینے پیام تعلیم کے اوراق میں اضافہ کریں۔

فیضان احمد، کامٹی (ناگپور)

مکرمی! سلام مسنون

جس طرح ریگستان میں پانی کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی طرح ہمیں بھی پیام تعلیم کی ہر مہینے سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے اڈیٹر صاحب سے اپیل کرتا ہوں کہ پیام تعلیم ماہانہ کے بجائے ہفتہ وار کردیں ایک مہینے کون صبر کرے۔

ابرار خاں ٹیلر، السنا، شی کانو (بلڈانہ)

مکرمی! سلام مسنون

پیام تعلیم پرچہ مجھے بہت پسند ہے یہ بہت خوبصورت ڈھنگ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کا سرورق بہت خوبصورت لگتا ہے۔ بچوں کی کوششوں میں کہانیاں اور نظمیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ معلومات کے بارے میں بھی کوئی کالم نکالیں۔ تو پیام تعلیم کے باغ میں ایک پھول اور بڑھ جائے گا۔

سید افسر حسین، (ویسٹ بلاک) نیوکریم گنج (گیا)

محترمی جناب مینیجر صاحب! تسلیمات

میں نے آپ کے ماہنامہ پیام تعلیم کو دیکھا اور پڑھا واقعی یہ رسالہ بچوں کی علمی لیاقت کو بڑھانے کے لیے بہت موثر ہے۔

تشہیر الاسلام، کھریا۔ پورنیہ (بہار)

محترم ومکرم جناب اڈیٹر صاحب اسلام علیکم

میں بھی چند روز سے پیام تعلیم کو پڑھتی ہوں اور مجھے ہر ماہ رسالہ کی انتظاری بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور جب رسالہ ہمارے بھائی محمد مبین صاحب کے پاس آتا ہے تو انھی سے لے کر پڑھتی ہوں تو دل کو اطمینان ہوتا ہے۔

مصلحہ سلطان، ۶۵، عمرا سٹریٹ (پرنام بٹ)

ایڈیٹر صاحب اسلام علیکم

آپ سے ایک درخواست کی اعانت کرتا ہوں کہ کلیم الدین عثمانی نام کا لڑکا ہمارا دشمن ہو چکا ہے۔ وہ لڑکا دشمنی کے تحت ہم کو نوٹس بھیجتا ہے اور ہمیں دھمکی دیتا ہے کہ آپ فلاں فلاں تاریخ کو دہلی آجانا اگر نہیں آئے تو تمھیں وارنٹ کے ذریعے پکڑا جائے گا۔ اس لڑکے کا پتا:

کلیم الدین شیخ بہور، گلی جام نیر ضلع جلگاؤں۔

(یہ بہت بری حرکت ہے۔ کلیم الدین کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے)۔ (ایڈیٹر)

نام: شیخ محمد رفیع عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: اپنے دوستوں کو دین اسلام کی باتیں بتانا، اخبار اور کتابیں پڑھنا۔
پتا: شیخ محمد رفیع، سینٹرل ریلوے بلڈنگ، روم نمبر ۱۶۶ واڑی بندر روڈ جگنانو، بمبئی ۱۰

نام: کے انیس احمد عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: نماز پڑھنا، کرکٹ کھیلنا، والدین کی عزت کرنا، اچھے کھانے کھانا۔
پتا: کے انیس احمد ۲/۹۳ ایچ۔ایم۔او اسٹریٹ، بڑی پیٹ، وانمباڑی۔

نام: عبدالہادی علیم عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: مضمون نگاری، افسانہ نویسی، قلمی دوستی۔
پتا: جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴۔ ضلع ناسک، مہاراشٹر، ۴۲۳۲۰۳۔

نام: عبدالباقی نسیم عمر: ۹ سال
مشغلہ: قرآن حفظ کرنا، ماہناموں کا مطالعہ کرنا۔
پتا: جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں (ناسک) ۴۲۳۲۰۳۔

نام: محمد غفران احمد صدیقی عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، فٹ بال کھیلنا، نماز پڑھنا اور اخبار پڑھنا۔
پتا: معرفت محمد عباس احمد صدیقی صاحب۔ محلہ مہراج گنج ڈاک خانہ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار)

نام: کے محسن الدین بہار عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: پیام تعلیم اور دیگر رسالوں کا مطالعہ کرنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: محسن الدین محلہ مکرم پورہ مکان نمبر ۲-۷-۱۰-۵۔ ضلع کریم نگر۔

پیامی ادبی معمہ ۱۹ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۱۔ پانی۔ گلابو چوہیا اور پری زاد۔ ص ۱۲۔ ۲۔ ہاتھی۔ پلک نہ مارو۔ ص ۶۲۔ ۳۔ غربت۔ مسلمان بیبیاں۔ ص ۷۷۔ ۴۔ اندر۔ رنگوں کی بستی۔ ص ۴۲۔ ۵۔ فرانسسی۔ اندرا گاندھی کی کہانی ص ۱۲۴۔ ۶۔ رو کنے۔ ایک طالب علم کی کہانی۔ ص ۱۴۔ ۷۔ برف۔ انوکھا عجائب خانہ (حصہ اول) ص ۱۱۔ ۸۔ بھرا۔ گلابو چوہیا اور پری زاد۔ ص ۱۲

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۸ خوش نصیب
فی کس ۵۰/۱۲ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ محمد کریم اللہ شریف، ۱۶/۱۸۲-۲-۱۹۔ نصت پورہ حیدرآباد ۵۰۰۲۶۴
۲۔ محمد خلیل اللہ شریف۔ ۳۔ عقیلہ نسرین۔ ۴۔ محمد رحیم اللہ شریف۔ ۵۔ محمد سلیم اللہ شریف۔ ۶۔ عظمیٰ جبیں۔ ان سب کا پتا مذکورہ بالا۔ ۷۔ معشوق الہی۔ ۷۔ ۳۔ اے جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ ۸۔ علیق احمد، کمرہ ۹۳۴۔ اے ونگ منسٹری آف لا۔ شاستری بھون نئی دہلی۔ ۲۵

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب
فی کس ۵ روپے کی کتابیں دی گئیں۔

۱۔ عترت خلیل، مکان نمبر ۱۳۵۰، پہاڑی املی، مٹیا محل دلی ۶
۲۔ شائستہ خلیل۔ ۳۔ عاصمہ خاتون۔ ۴۔ ایم ارشد (عرف) گڈو۔ ان سب کا پتا مذکورہ بالا۔ ۵۔ مسعود سعد سلمان۔ معرفت ۱۰ اے۔ ایم قاسمی، رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار) ۶۔ نور فاطمہ زہرا۔ پتا مذکورہ بالا ۵ نمبر۔ ۷۔ علیق احمد، روم نمبر ۹۳۴۔ اے ونگ، منسٹری آف لا، شاستری بھون نئی دہلی ۱۔ ۸۔ غلام سعیدانی، جماعت دہم۔ مدرسہ فرقانیہ ویلولہ۔ پوسٹ ویلولہ۔ تعلقہ، مٹ پلی، ضلع کریم نگر، آندھرا پردیش۔ ۵۰۵۳۲۵۔ ۹۔ شاہکار فیصل۔ معرفت، ایس۔ آئی، حق۔ شنکر پور، چھانی پور کٹک، اڑیسہ۔ ۱۰۔ سفیان خلیل انصاری۔ بی آئی ٹی بلڈنگ ۲ کمرہ نمبر ۲۹۔ دوسری منزل سوسن پورہ۔ انصاری مارگ بمبئی ۴۰۰۰۱۱

مرتبہ:۔ موثق الدین

ادھر ادھر سے

وزیراعظم راجیو گاندھی کی سال گرہ آج

نئی دہلی: ۱۹ اگست سال گرہ خوشی کی ایک تقریب ہے لیکن سرکردہ شخصیتوں کا اس موقع پر ان کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔

وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی جو کل ۲۰ اگست بروز منگل اپنی ۴۱ ویں سال گرہ منا رہے ہیں اس بات سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں کہ انھوں نے بہت ہی مختصر مدت میں بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔

یوم آزادی پر پرچم کشائی اور تقسیم انعامات

دہلی ۱۹ اگست گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول اردو میڈیم قریش نگر میں یوم آزادی پر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں طالبات کے والدین، سرپرستوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ تقریب کا افتتاح مولانا عطاءالرحمان نے قومی پرچم لہرا کر کیا۔ تقریب کی صدارت علاقے کے ہردلعزیز عوامی و سماجی رہنما الیاس قریشی نے کی۔ اس موقع پر طالبات نے ایک رنگا رنگ کلچرل پروگرام پیش کیا اور قومی گیت، ترانے، تقاریر اور ڈرامے وغیرہ پیش کر کے داد تحسین پائی۔ بہترین پروگرام پیش کرنے والی طالبات کو علاقے کی سماجی انجمن قریش نگر پبلک ویلفیر سوسائٹی نے انعامات تقسیم کیے باقی تمام بچوں میں محمد نعیم قریشی نے مٹھائی و پھل تقسیم کیے۔

وزیراعظم بچوں سے ملے

نئی دہلی ۲۳ ستمبر (یو این آئی) وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی نے آج دو سو پچاس اسکولی بچوں کو مشعلیں پیش کیں۔ ان بچوں نے ۱۹ مئی کو اندرا گاندھی انڈور اسٹیڈیم میں کانگریس کی صدسالہ تقریبات کے دوران مشعل جلوس میں حصہ لیا تھا۔ مسٹر گاندھی اپنی کوٹھی میں ان بچوں کے ساتھ گھل مل گئے اور ان سے بات چیت کی۔

مدرسہ وصیۃ العلوم

شب برات کے موقع پر امام باڑہ بمبئی ۹ کے مدرسہ وصیۃ العلوم، زیر اہتمام برائٹ فیوچر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی نے ہر سال کی طرح اس مرتبہ بھی دینی تعلیم کے کمسن طلبہ و طالبات کے ایک تقریری پروگرام کا اہتمام کیا جس میں مدرسہ کے معصوم طلبہ و طالبات نے معصومانہ انداز میں شب برات کی فضیلت اور عبادتوں کے طریقے اس مقدس رات میں ہونے والے لہو و لعب کی مذمت جیسے اہم ترین موضوعات پر تقریریں کیں۔

حرکت کرتے ہوئے پہاڑ

تاشقند۔ ۲۷ جولائی۔ سوویت تاجکستان کے سائنسدانوں نے یہ معلوم اور طے کرنے کے لیے ایک لیزر استعمال کیا ہے کہ پامیر کے دو پہاڑی سلسلے حرکت کرتے ہوئے گذشتہ تین دہائیوں کے دوران ایک دوسرے سے نصف میٹر زیادہ قریب آگئے ہیں۔ انھوں نے کرایکینیسکی اور پیٹر کے بڑے پہاڑی سلسلوں کا درمیانی فاصلہ ایک روشنی کی شعاع کے ذریعے ناپ کر ایک ایسے منظر کا مشاہدہ کیا جو اب تک نامعلوم تھا۔ یہ ثابت ہوا کہ دو پہاڑی سلسلے حرکت کر کے ایک دوسرے سے قریب آتے یا ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے حرکت کرنے کا مشاہدہ سلسلہ پامیر کے مطالعے کے اس جامع پروگرام کے دائرے کے اندر کیا گیا ہے جو تاجک سائنس اکادمی نے تیار کیا ہے۔

گیت سیٹھی کو ۵ ہزار روپے کا انعام

نئی دہلی۔ ۸ اگست۔ دہلی اینڈ ڈسٹرکٹ کرکٹ ایسوسی ایشن نے عالمی بلیرڈ چمپین گیت سیٹھی کو ۵ ہزار روپے انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ ڈی ڈی سی اے کے سکریٹری مسٹر سنیل دیو نے کہا کہ یہ انعام ایک خصوصی تقریب میں دیا جائے گا۔

ماسٹر نے پوچھا۔ ایسی کون سی چیز ہے جو ۵۰ سال پہلے نہیں تھی۔ ننھے منے لڑکے نے کہا۔ میں۔

•

ننھا : چوہوں کا نام تو بلّی ہونا چاہیے تھا۔
منّا : وہ کیوں ؟
ننھا : کیوں کہ چوہے بل میں رہتے ہیں۔

محسن الدین، بہار۔

•

باپ (بیٹے سے) مرغیوں پر گرم پانی کیوں ڈال رہے ہو۔
بیٹا : اس لیے کہ مرغیاں اُبلا ہوا انڈا دیں۔

•

باپ (بیٹے سے) ارے کمرے سے لالٹین کیوں لیے جارہے ہو۔
بیٹا : یہ دیکھنے جارہا ہوں کہ بجلی جل رہی ہے یا نہیں۔

•

نثار : جہاں پانی برستا ہے وہاں کیا پیدا ہوتا ہے۔
مظہر : کیچڑ۔

محمد شبیر الاسلام اورنگ آباد (بہار)

•

استاد (مظہر سے) اکبر نے پہلی لڑائی کس سے لڑی۔
مظہر : تلوار سے۔

استاد : (غفران سے) بتاؤ نقشے میں گنگا جمنا کہاں ہے۔
غفران : اگر نقشے میں گنگا جمنا ہوتا تو نقشا بھیگ جاتا۔

محمد نثار احمد صدیقی
اورنگ آباد (بہار)

•

باپ : بیٹا تم شریر لڑکوں کے ساتھ نہ رہا کرو۔
بیٹا : اس لیے تو میں نے اسکول جانا چھوڑ دیا ہے۔

شبنم اوگانوی

•

ننھی : امّی آج میں اسکول نہیں جاؤں گی۔
امّی : کیوں ؟
ننھی : استانی ہر وقت مجھ سے یہ پوچھتی رہتی ہیں کہ فلاں چیز کہاں ہے، فلاں چیز کہاں ہے ؛ پھر اسکول جانے کا فائدہ کیا ؟

•

باپ : بیٹا تم نے شیشہ کیوں توڑ دیا ؟
بیٹا : ابّا جان یہ میری نقلیں اُتارا کرتا تھا۔

•

پروفیسر : بیٹا ہم نے کس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی۔
بیٹا : ابا جان مجھے بھی یاد نہیں، شاید منگل کا دن تھا۔

•

دوست (افیمی سے) تمہارے لیے ایک خوشخبری لایا ہوں۔
افیمی : میری الماری میں رکھ دو۔
دوست : ارے بے وقوف! کیا خوشخبری الماری میں رکھنے کی چیز ہے!
افیمی : تو پھر بچے بھوکے ہیں ان میں بانٹ دو۔

•

ایک شخص : تمہارا کیا نام ہے بچے ؟
لڑکا : شیطان۔
وہی شخص : نام تو خوب ہے۔
لڑکا : اوہ !! آپ کو پسند ہے تو آپ رکھ لیجیے میں دوسرا نام ڈھونڈ لوں گا۔

محمد منظر نعمانی گیا
(بہار)

•

بچوں کی کوششیں

حیا: عورت کا زیور شرم وحیا ہے۔ ہمارے رسولؐ کا ارشاد ہے کہ حیا اور ایمان دونوں چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں لباس پر بھی دھیان دینا ضروری ہے۔

بی بی عائشہؓ لباس کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ ایک بار ان کی بھتیجی حضرت حفصہؓ باریک دوپٹا اوڑھ کر ان کے گھر تشریف لائیں۔ بی بی عائشہؓ کو ناپسند ہوا۔ فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ سورۂ "نور" میں عورتوں کے لیے کیا احکام ہیں" پھر ایک موٹے کپڑے کا دوپٹا منگوا کر اوڑھنے کو دیا۔

حضرت عائشہؓ کو پردے کا اس قدر خیال تھا کہ ایک دفعہ ان کے پاس ایک نابینا بزرگ اسحاقؓ تابعی آئے تو آپ ان سے چھپنے لگیں۔ حضرت اسحاقؓ نے کہا "آپ مجھ سے پردہ کیوں کرتی ہیں میں تو آپ کو دیکھ نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا آپ مجھ کو نہیں دیکھ سکتے مگر میں آپ کو دیکھ سکتی ہوں۔"

حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارک میں مزار رسول کے قریب دفن کیے گئے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ رسول پاکؐ کے مزار مبارک پر کبھی بے پردہ نہیں گئیں۔

رسول پاکؐ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ زہراؓ نے حضرت اسماؓ سے کہا کہ مجھے یہ بھلا نہیں معلوم ہوتا کہ مردوں کی طرح عورتوں کا جنازہ قبر تک کھلا جائے اس میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ حضرت اسماؓ نے فرمایا کہ میں نے حبش میں ایک دستور دیکھا ہے یہ کہہ کر کھجور کی کچھ ٹہنیاں منگائیں اور اس پر کپڑا تانا جس سے پردے کی شکل پیدا ہوگئی۔ بی بی فاطمہ زہراؓ نے اس کو پسند فرمایا اور ان کی وفات کے بعد جنازہ بی بی اسماؓ کے بتائے ہوئے قاعدے سے اٹھایا گیا۔

اپنی بہنوں سے دست بستہ درخواست کرتی ہوں کہ وہ اس زیور کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنائیں۔

عظمیٰ عارف
گورنمنٹ اسکول، کدورا (جالون)

وفادار گھوڑا

پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک گھوڑا تھا۔ بادشاہ روزانہ شکار کے لیے جاتا تھا۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے بہت محبت کرتا اور گھوڑا اپنے مالک سے بڑا پیار کرتا تھا۔ بادشاہ نے بھیس بدلا اور شکار کرنے کے لیے جنگل کی طرف چل دیا۔

بادشاہ گھوڑے پر سوار تھا کہ اچانک گھوڑے کے سامنے شیر آگیا۔ اسی وقت فوراً بادشاہ نے اپنی بندوق اٹھائی اور گولی چلا دی۔ مگر گولی کا نشانہ چوک گیا اور شیر بادشاہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ گھوڑے نے اپنی جان کی پروا نہ کی تیزی سے دوڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد بادشاہ گھوڑے سے اچانک گر پڑا۔ گھنا جنگل تھا، جنگلی جانوروں کا ڈر تھا مگر گھوڑے نے اپنی چاروں ٹانگیں پھیلادیں اور بادشاہ سلامت کی

حفاظت کی۔ دیر ہوگئی، مگر بادشاہ کو ہوش نہ آیا۔ گھوڑا پریشان ہوگیا۔ گھوڑا فوراً دربار کی طرف بھاگا اور ایک سپاہی کی وردی دانتوں سے پکڑ اور کھینچتا ہوا بادشاہ کے پاس لایا۔ بادشاہ کو دیکھا تو بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ دوسرے سپاہی بھی آگئے۔ بادشاہ کو اٹھا کر دربار میں لایا گیا۔ علاج ہوا۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ کو ہوش آیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مجھے یہاں کون اٹھا کر لایا۔ وزیر نے کہا اپنے سپاہیوں نے یہ خدمت کی ہے۔ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا تھیں یہ خبر کس نے دی تھی۔ سب سپاہی بول اٹھے آپ کے وفادار گھوڑے نے۔

بادشاہ کو گھوڑے کے بارے میں پوری بات سنائی گئی۔ وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ بہت سے جانور بھی وفادار ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے تو وہ بھی ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

تمیز الدین عثمانی (جام میر)

اونٹ کی خوشبو دار دُم

ہر شام کو جب وہ اپنے اپنے کھیل ختم کر لیتے تھے تو بڑے کالونی کے کمیونٹی ہال کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ حسبِ معمول وندنا اور نسیم سب سے پہلے آئے۔ ان کے بعد مینی اور جان آئے۔ ان کے آنے کے فوراً ہی بعد رفیق، رمیش اور گربچن سنگھ آئے۔ ان سب کی آنکھیں میجر آنند اور شیکھر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

میجر آنند کا ایک پیر بنگلا دیش کی لڑائی میں بیکار ہوگیا تھا۔ اب وہ ناگپور کے این سی سی آفس میں کام کر رہے تھے۔ لانبے قد کے اور خوبصورت آدمی تھے۔ اور ہر وقت خوش رہتے تھے۔ ہر ایک کو دیکھ کر مسکرانے لگتے تھے۔ ہر ایک ملک کے دلچسپ واقعات، کہانیاں ان کو یاد تھیں۔ بچے ان کی کہانیوں کی وجہ سے ان کو بہت چاہتے تھے۔ اور پیار سے انھیں آنند کا کا کہتے تھے۔

جب بچے ہال میں آگئے تو آنند کا کا نے ان سے شام کا مناجات گانے کو کہا۔

"پہلے ایک کہانی سنائیے" رمیش اور جان نے بے قراری سے کہا۔ آنند کا کا نے محبت سے ان کے کندھوں کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "ہمارے دل پاک وصاف ہونے چاہییں؛ مناجات ہمارے دلوں کو پاک کرتی ہے۔ اچھے خیالات صرف دل کی صفائی سے پیدا ہوتے ہیں۔ پہلے مناجات پڑھو۔"

سب نے مل کر مناجات پڑھی اور جب انھوں نے مناجات ختم کر لی تو آنند کا کا نے کہا:

"بچو! تم کو وہ کہانی سناؤں گا جو میں نے افغانستان میں سنی تھی۔"

"محمود بہاء الدین ایک فوجی سردار تھا۔ اس کے قافلے میں ۲۵ آدمی اور کئی اونٹ تھے۔ بہاء الدین کی سواری کا ایک خاص اونٹ تھا۔ ایک شام بہاء الدین اپنے خیمے سے باہر آئے۔ ستارے نکل رہے تھے۔ اچانک انھوں نے ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ بہاء الدین کے قریب آیا تو اس نے اونٹ کی پشت پر تھپکیاں دیں اور بہاء الدین کو سلام کیا۔

"اجنبی نے کہا" میں عبدالعزیز ہوں اور حج کرنے جا رہا ہوں۔ بہاء الدین نے مہمان کی خاطر تواضع کی۔

"عبدالعزیز کے پاس چمڑے کی ایک تھیلی میں سو اشرفیاں تھیں۔ رات کو تھیلی تکیے کے نیچے رکھ لیتا۔ صبح کو وہ روزانہ تھیلی میں ہاتھ ڈال کر یہ اطمینان کر لیتا تھا کہ اشرفیاں تھیلی کے اندر محفوظ ہیں۔

"آٹھویں دن صبح کو چمڑے کی تھیلی غائب تھی۔"

وہ فوراً ہی اپنے میزبان کے پاس گیا اور چوری کی بات بتائی۔ جب وہ اپنی بات کہہ چکا تو بہاء الدین نے اس سے چند سوالات کیے پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"شام ہونے سے پہلے آپ کو سونے کی تھیلی مل جائے گی۔"

"بہاء الدین نے اپنے آدمیوں سے گرج کر کہا:

"آج کوئی اپنے اپنے خیموں سے باہر نہیں جائے گا۔"
پھر وہ اپنے خیمے میں گئے اپنے خیمے سے نکل کر اونٹ کے خیمے میں گئے اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے خیمے میں واپس آگئے
دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو عبدالعزیز سے اپنے پاس بیٹھنے کے لیے کہا۔

اب انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے سامنے قطار باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ انھوں نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور دیر تک ہر ایک آدمی کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ بہارالدین نے اپنے آدمیوں سے کہا:

"آج ایک خلاف معمول بات ہوئی ہے۔ ہمارے مہمان کی سونے کی تھیلی چوری ہوگئی۔ یہاں باہر کا کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ یاد رکھو چوری گناہ ہے میں چور کا پتا چلا لوں گا۔ اب تم میں سے ہر ایک اونٹ کے پاس جاؤ، اکیلے اکیلے جاؤ اور اونٹ کی دم پکڑ کر کھینچو۔ اگر تم بے گناہ ہوگے تو وہ خاموش رہے گا اور جب چور اس کی دم پر ہاتھ رکھے گا تو وہ مجھے بتا دے گا۔ چور کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد ہر آدمی اونٹ کے خیمے میں باری باری گیا۔ اور جب سب کی باری ختم ہوگئی تو بہارالدین نے سب کو دوبارہ قطار میں کھڑا ہونے کے لیے کہا۔

عبدالعزیز حیران تھا اس نے اونٹ کو بولتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اونٹ چور کی نشاندہی میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

بہارالدین نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ اپنے اپنے ہاتھ اس طرح سے اوپر اٹھائیں کہ سب کی ہتھیلیاں اوپر کی طرف ہوں۔ اس کے بعد وہ پہلے آدمی کے پاس گئے انھوں نے اس کی ہتھیلی پر اپنا چہرہ جھکایا۔ پھر دوسرے کے پاس جا کر ایسا ہی کیا اور اسی طرح باری باری سے ہر ایک کے پاس جاتے رہے۔ لیکن جب ساتویں آدمی کی ہتھیلی کے پاس اپنا چہرہ لے گئے تو انھوں نے اچانک اپنا چہرہ بلند کیا اور اعلان کیا کہ یہی چور ہے

وہ آدمی ان کے قدموں پر گر پڑا اور رحم کی بھیک مانگنے لگا۔

بہارالدین نے تھیلی طلب کی۔ اس نے تھیلی لا کر عبدالعزیز کو دے دی۔ عبدالعزیز کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے میزبان سے پوچھا آپ نے چور کو کس طرح پکڑا۔

"آنند کا کا تھوڑی دیر چپ رہے۔
"بچو! کیا تم اس کا جواب دے سکتے ہو؟"
سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔
آنند کا کا نے بہارالدین کا راز بتایا۔

بہارالدین نے اونٹ کی دم خوشبودار پانی میں ڈبوری تھی جس سے وہ مہک رہی تھی۔ سب نے اونٹ کی دم پکڑی لیکن چور نے ڈر کے مارے اس کی دم کو ہاتھ نہیں لگایا اس طرح آسانی سے چور پکڑا گیا۔ عبدالعزیز کی سفارش پر چور کو معمولی سزا دے کر معاف کر دیا گیا
کہانی ختم ہوگئی تو بچوں کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔

زاہدا حمد (جام نیر)

جوار اور بکری

بہت دنوں پہلے کی کہانی ہے کہ کسی گانو میں ایک لڑکا بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس کے پاس پورے گانو کی بکریاں تھیں۔ وہ پہاڑ یا جنگل میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ تین بجے وہ ندی پر بکریوں کو پانی پلانے لے جاتا تھا اور شام ہوتے ہی گھر لوٹ جاتا تھا۔

ایک دن اس کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میری بھی ایک بکری ان میں شامل کرلو۔ لڑکے نے کہا اچھی بات ہے۔ وہ آدمی گھر گیا اور اپنی بکری لا کر بکریوں میں شامل کردی۔ لڑکا جنگل میں پہنچا بکریاں چرنے لگیں لڑکا درخت پر چڑھ گیا۔ پھر جنگل میں کھیلتا کودتا رہا۔ اس کا کتا بکریوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ شام کو سب بکریاں اپنے اپنے گھر چلی گئیں لیکن اس آدمی کی بکری

اس کے گھر نہیں پہنچی۔

وہ آدمی اس لڑکے کے گھر گیا اور کہا۔ ہماری بکری ابھی تک گھر نہیں آئی۔ لڑکا بولا۔ تمھاری بکری تو سب سے پہلے گھر آگئی تھی، اور تم کہہ رہے ہو بکری ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔ آدمی بولا تم میرے گھر چل کر دیکھ لو۔ لڑکے نے کہا میں تمھاری بکری صبح کو لا دوں گا۔ آدمی اطمینان سے گھر چلا گیا۔

رات بھر لڑکے کو نیند نہیں آئی۔ صبح ہوتے ہی لڑکا اپنے کتے کو لے کر جنگل میں پہنچا۔ لیکن بکری نہیں دکھائی دی ڈھونڈتے ڈھونڈتے بہت دور نکل گیا۔ لڑکا ایک گانو میں پہنچا۔ ایک مکان میں بکری بندھی تھی۔ مالک نے کہا کہ میرے کھیت میں بکری نے جوار کھائی ہے۔ پیسے دے دو۔ بکری لے جاؤ۔ لڑکے نے بکری کے مالک کو خبر کی دونوں گانو پہنچے۔ مگر جوار کی قیمت کون دے۔ جھگڑا شروع ہو گیا۔ آخر کار اس گانو کے آدمی نے کہا کہ لڑکے نے تمھاری بکری تلاش کر دی۔ وہ غریب پیسے کہاں سے دے۔ تمھاری بکری ہے پیسے دو ورنہ بکری چھوڑ دو۔ شام ہو رہی تھی۔ آخر کار بکری کے مالک نے جوار کی قیمت ادا کر دی۔ اور بکری لے کر گھر واپس آیا۔

شیخ اکبر عثمانی (جامعہ)

بکری اور لومڑی

ایک جنگل میں ایک بکری اور ایک لومڑی رہتی تھی۔ دونوں میں بہت دوستی تھی۔ ایک دن اچانک وہ سفر پر نکلیں۔ راستے میں انجیر کا درخت ملا۔ بکری نے لومڑی سے کہا "تم درخت پر چڑھ جاؤ میں نیچے کھڑی ہوں۔ تم اوپر سے انجیر گرانا میں جمع کر لوں گی پھر دونوں آپس میں بانٹ لیں گے۔"

لومڑی درخت پر چڑھ گئی۔ وہ انجیر کھا لی تھی اور پتے نیچے گرا دیتی تھی۔ یہ دیکھ کر بکری کو غصہ آگیا۔ وہ وہاں سے چل پڑی۔ بکری کو راستے میں حلوائی کی دکان ملی۔ بکری چپکے سے اندر گھس گئی۔ حلوائی کو ضروری کام سے دکان بند کر کے چلا گیا۔ بکری ساری مٹھائی چٹ کر گئی۔ دکان دار واپس آیا تو دیکھتا ہے کہ اندر سے کوئی دروازہ بند کیے ہوئے ہے۔

دکان دار نے آواز لگائی۔ "اے بھائی! کھول۔ اندر سے کس نے بند کر لیا ہے؟"

بکری بول اٹھی "میں ہوں، دو سینگوں والی، ڈیڑھ سو سپاہی مارے، شیر کے دو تھپڑ لگائے ہاتھی کے دانت توڑے۔" اتنا سننا تھا کہ دکاندار چونک پڑا۔ اس نے ڈیڑھ سو سپاہی بلائے۔ انھوں نے کہا "کھولو دروازہ تم کون ہو؟" اندر سے آواز آئی "میں ہوں دو سینگوں والی، ڈیڑھ سو سپاہی مارے، شیر کے دو تھپڑ لگائے ہاتھی کے دانت توڑے۔" اتنا سننا تھا کہ سپاہی بھاگ گئے۔ دکاندار نے شیر کو بلایا۔ شیر نے آکر بولا "کھولو دروازہ تم کون ہو؟"

بکری نے وہی آواز لگائی۔ شیر خوف کے مارے بھاگ گیا۔ اب دکاندار ہاتھی کو لایا، ہاتھی دروازے پر جاکر بولا "کون ہو تم؟ دروازہ کھولو" پھر وہی آواز آئی "میں ہوں دو سینگوں والی۔ ڈیڑھ سو سپاہی مارے شیر کے دو تھپڑ لگائے، ہاتھی کے دانت توڑے" اتنا سننا تھا کہ ہاتھی بھی ہمت ہار کر بھاگ گیا۔ آخر کار حلوائی نے پریشان ہو کر کہا:

"اے بھائی! کھولو دروازہ میں تمھارے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا۔ جو مانگو گے وہی دوں گا" اتنا سننا تھا کہ بکری نے دروازہ کھول دیا۔ دکاندار بکری کو دیکھ کر پریشان ہو گیا اور بکری سے کہا "تم نے مجھے بے وقوف بنایا میں اپنی بیٹی سے تمھاری شادی نہیں کروں گا۔"

بکری نے معصومیت سے جواب دیا "بیٹی نہ دو مٹھائی دے دو۔" بکری مٹھائی لاد کر چل پڑی راستے میں اس کی دوست لومڑی ملی۔ بکری سے کہا کیا

مجھے بھی کھلاؤ۔ بکری نے کہا۔
"اب بے وقوف بننے کا وقت نہیں۔ تم نے انجیر تنہا اڑائے میں مٹھائی اکیلے کھاؤں گی۔"

محمد شہید حسین

ماں

ماں: ماں جس کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ ماں ایک ایسا لفظ ہے جس کی ہم جتنی تعظیم کریں کم ہے ماں کا احسان ہم پر اتنا بڑا ہے کہ ہم اس احسان کو کسی قیمت پر اور کبھی بھی پورا نہیں کر سکتے!

ایک بچّہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اسے عقل نہیں ہوتی اس میں بُرے بھلے کو پہچاننے کی تمیز نہیں ہوتی۔ وہ رونے اور ہنسنے کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اس کا جسم کمزور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوتا ہے۔ ماں اس بچّے کو پال پوس کر بڑا کرتی ہے۔ اپنا ہر کام چھوڑ کر اس کے ہر دکھ درد میں اس کا لمحہ بہ لمحہ ساتھ دیتی ہے۔ ہمیشہ اس کی صحت کا خیال رکھتی ہے۔ اسے اپنی جان سے عزیز رکھتی ہے۔ ماں کی اس سخت محنت کے بعد بچّہ بڑا ہوتا ہے۔ اسے عقل آتی ہے وہ برے بھلے کی تمیز کرنے لگتا ہے۔ آخر اس ماں کو وہ دن دیکھنا نصیب ہوتا ہے جب وہ اسکول جاتا ہے۔ ماں کو اس وقت جو مسرت ہوتی ہے اس کے اسکول جانے کی وہ مسرت ماں کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔

ماں اپنے بچے کو پہلے دن اسکول روانہ کرتی ہے تو یہ دعا کرتے ہوئے کہ میرا بچّہ اسکول برابر جائے۔ وہ آیندہ اچھا پڑھ لکھ کر اپنے خاندان اور ملک کا نام روشن کرے بچّے میں جب برے اور بھلے کو پرکھنے کی تمیز آتی ہے تو وہ اپنی ماں کے کیے ہوئے تمام احسانات کو فراموش کر دیتا ہے۔ ماں جب اسے کوئی کام کرنے کو کہتی ہے تو وہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کر کے اس کے دل کو رنج پہنچاتا ہے۔ بعض اوقات ماں اسے سیدھے راستے پر لانے کے لیے مارتی ہے تو بچّے کو اس پر بہت غصّہ آتا ہے۔ ماں کی مار، مار نہیں یہ اس کی ممتا ہے۔ ماں کی مار یا ممتا اسی بچّے کو نصیب ہوتی ہے جس کی ماں زندہ ہو۔ آج دنیا میں کئی ایسے بد نصیب بچّے ہیں جو ماں اور اس کے پیار کے لیے تڑپتے ہیں۔ انھیں بچپن کے دن یاد آتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ جس بچّے کی ماں زندہ ہے بہت خوش نصیب ہے۔ لیکن ان خوش نصیب بچّوں میں بہت کم بچّے ایسے ہیں جو ماں کا کہنا مانتے ہیں اور اسے دُکھ نہیں پہنچاتے۔ ان میں ایسے بچّوں کی تعداد زیادہ ہے جو ماں کی قدر و منزلت نہیں جانتے۔ وہ ہمیشہ دُکھ پہنچانا جانتے ہیں۔ جس بچّے کی ماں نہیں ہے اس کی حقیقت کا اندازہ اس طرح ہے کہ اسے وقت پر کھانا نہیں ملتا! وہ برا کام کرتا ہے تو اسے روکنے کے لیے کوئی نہیں کہتا۔ اس کے دکھ درد میں کوئی شریک نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اپنی ماں کو یاد کر کے روتا رہتا ہے۔

بچّو! تم نے سُنا ہوگا کہ "ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں کے لیے اچھے کام کروگے اور اس کا دل نہ دکھاؤ گے تو وہ تمھارے حق میں ایسی دعا کرے گی کہ تمھیں جنت نصیب ہو۔ ماں کی دعا بہت پُر اثر ہے۔

اس لیے بچّو! تم ہمیشہ ماں کی بات مانو کیوں کہ اس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

خدا مجھے بھی ماں کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب کرے۔ آمین۔ ثمہ آمین۔

امتیاز شبنم
فرقان انٹر پرائیزر، نئی گلی،
وانمباڑی ۱

مسٹر ایم افضل خاں جنھیں آل انڈیا اردو تعلیمی بورڈ کی دہلی شاخ کا کنوینر نامزد کیا گیا ہے

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ر نومبر ۱۹۸۵ء

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 22

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1 ...... بھی اس کو دیکھ کر بس ـــ ہی تو گئی (مچل/لوٹ)
2 آہا آج تو بڑی ـــ کے بعد یہ موٹا شکار ہاتھ آیا۔ (تلاش/دوڑ دھوپ)
3 تمھاری ہڈیوں پر ـــ ہے۔ میرا ایک نوالہ ہوگا۔ (گوشت ہی گوشت/کھال ہی کھال)
4 پیالے اور گلاس اچھی ـــ لکڑی کے تھے۔ (سبز/پیلی/نیلی)
5 ـــ کو دوسرے جانور پسند نہیں کرتے۔ (اونٹ/ہاتھی/لومڑی)
6 مسلمانوں کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ـــ ہے۔ (احساس کمتری/فضول خرچی)
7 دیس کو آزاد کرانے کا بیڑا ـــ ہی نے اٹھا رکھا تھا۔ (گاندھی جی/کانگریس/سبھاش چندر بوس)
8 رفتہ رفتہ ـــ کی آوازیں کم ہوتی جاتی تھیں۔ (رونے/گھونسوں/چلانے)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۲ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپیوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

(اپنے حل اس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی معمّا نمبر 22 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

پیامی ادبی معمہ کا ٹوکن ٹائٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

"میری زندگی ہی میرا پیغام ہے"

صداقت
عدم تشدد
امن
محبت
رواداری
بے خوفی
مساوات
سادگی
سودیشی

گاندھی جی کے لئے، یہ صرف کھوکھلے الفاظ یا علامتیں نہیں تھیں۔ یہ ان کے ہر عمل، ہر قدم کی کسوٹی تھی، انہیں خوبیوں نے ان کی زندگی کو انسانی قدروں کا بہترین نمونہ بنا دیا، ان کے ہر قول کو ایک پیغام کی حیثیت دے دی۔

ایک پیغام، جو ہمارے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ ہے

بچوں کی کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دلچسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت : ۷/۵۰
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت : ۴/۰۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دلچسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/۰۰
کھیل سنسار سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔
قیمت : ۴/۵۰
تین اناڑی عصمت چغتائی
گٹو، بلو اور ٹیٹو — تین نٹ کھٹ لڑکوں کی شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۳/=
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمٰن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہوگئی، لیکن اب تو اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(آمنی بریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرّہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت : ۲/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمّا
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں۔
نام
پتہ

Regd. with R.N.I. at No 10537/64
Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 Oct, 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

بچّوں کی مذہبی کتابیں

پیارے رسولؐ	سلطانہ آصف فیضی	۴/۵۰
اللہ کے صفی	خلیل احمد جامعی	۲/۰۰
حضرت نظام الدّینؒ	مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی	۲/۰۰
سرکار کا دربار	الیاس احمد مجیبی	۴/۵۰
قاعدہ یسّرنا القرآن		۲/۲۵
ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم)	سیّد شہاب الدّین دسنوی (فی حصّہ)	۹/۰۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل، دوم)	عبدالواحد سندھی (فی حصّہ)	۴/۰۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	〃 〃	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ (اوّل، دوم)	〃 〃 (فی حصّہ)	۴/۵۰
قرآن پاک کیا ہے؟	〃 〃	۳/۰۰
اسلام کیسے شروع ہوا؟	〃 〃	۴/۵۰
رسولِ پاکؐ	〃 〃	۶/۰۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۳/۰۰
رسولؐ پاک کے اخلاق	〃 〃	۳/۰۰
اللہ کے خلیل	〃 〃	۳/۰۰
تحسین القرآن	تالیف: خدیجہ سیّدنا طاہر سیف الدّین	۴/۵۰
منہاج القرآن	〃 〃	۴/۵۰
ارکانِ اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۲/۵۰
عقائدِ اسلام	〃 〃	۱/۵۰
چار یار	الیاس احمد مجیبی	۴/۵۰
آں حضرتؐ	〃 〃	۳/۰۰
خلفائے اربعہ	خواجہ عبدالحیٔ فاروقی	۹/۷۵
نبیوں کے قصّے	〃 〃	۴/۵۰
ہمارے رسولؐ	〃 〃	۴/۰۰
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدّوسی	۴/۰۰
ہمارے نبیؐ	سیّد نواب علی	۲/۰۰
سرکارِ دو عالمؐ	محمد حسین حسّان	۳/۰۰

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، دہلی ۲

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

نومبر ۸۵ء　　جلد ۲۲　　شمارہ ۱۱

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰　سالانہ ۲۰ روپے

غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچّوں سے باتیں

آج سے ۶۵ سال قبل ۱۹۲۰ء میں ۲۹ اکتوبر کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس تقریب کا افتتاح علی گڑھ میں مولانا محمود الحسن کے ہاتھوں ہوا تھا۔ جب سے اب تک ہر سال اس تاریخ کو یوم تاسیس منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر جامعہ ملیہ میں تعلیمی میلا بھی ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ میلا تین دن ہوتا تھا لیکن اس مرتبہ یہ پانچ دن کا ہوا۔ اس میں بچّوں کے رنگا رنگ پروگرام ہوتے ہیں۔ علمی مباحثوں، کہانیوں کے مقابلے، موسیقی اور ڈراموں کے باعث یہ دن جامعہ نگر میں عید جیسا منظر پیش کرتے ہیں۔

نومبر کی ۱۴ تاریخ کو آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کا یوم پیدائش منایا جاتا ہے اس کو یوم اطفال کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ پنڈت جی کو بچّوں سے بڑا لگاو تھا اور بچّے اُنھیں "چاچا نہرو" کہا کرتے تھے۔ پورے ملک میں عموماً اور دہلی میں خصوصاً یہ دن بڑی شان سے منایا جاتا ہے۔

اسی مہینے کی ۱۹ تاریخ کو مسز اندرا گاندھی بھی پیدا ہوئی تھیں۔ افسوس کہ اس سال ان کی سال گرہ سے پہلے ۳۱ اکتوبر کو اُن کی پہلی برسی پُروقار طریقے سے منائی گئی۔

زیرِ نظر شمارے میں آپ کی دلچسپی کا بہت سامان ہے ہمیں امید ہے کہ آپ کی دلچسپی اور معلومات کا بہت کچھ سامان اس میں مل جائے گا۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

بچوں کے لئے نئی اور دلچسپ کتابیں

مسلمان بیبیاں ۴/۰۰ جین حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ
پیارے رسولؐ ۴/۵۰ چوری کی عادت
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول) ۴/۰۰ چمپاوت کا آدم خور شیر
اندرا گاندھی ۴/۵۰ ” ” (دوم) ۴/۰۰ چنبیلی
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں ۴/۰۰ ہار کی تلاش ۴/۰۰ چٹانوں کی کہانی
ننھا جھرو ۲/۵۰ بچوں کی کہانیاں ۱/۵۰ بچوں کے اقبال (نظمیں)
مرغی کی چار ٹانگیں ۳/۰۰ بندر اور نائی ۲/۵۰ دھنک (”)
پلک نہ مارو ۴/۰۰ بی مینڈکی اور کوا ۱/۵۰ کھیل سنسار (”)
ایک کھلا راز ۳/۰۰ تاک دنادن تا کے سے ۱/۵۰ شہزادہ اور ٹھگ
بابا ناصح ۲/۰۰ پانچ بونے ۱/۵۰ سندر چنار
بچوں کے افسر ۵/۰۰ پھر میں چگوں کیا خاک ۱/۵۰ گلابو چوہیا اور غبارے
پہاڑ کی چوٹی پر ۵/۰۰ پکڑو دم کٹے کو ۱/۵۰ گلابو چوہیا اور پری زاد
رنگوں کی بستی ۳/۵۰ پان کھا کر طبلہ بجا کر... ۱/۵۰ اچھی کہانیاں
سرخ جوتے ۳/۰۰ جادو کا گھر ۱/۵۰ میرانیس
سلامہ و صمصامہ ۴/۵۰ چیونٹی رانی ۱/۵۰ دادا نہرو
شرارت ۲/۰۰ ردی کس نے پکائی ۱/۵۰ جلوہ غالب
صحت کے ۹۹ نکتے ۱/۵۰ لال مرغی ۱/۵۰ خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا
صحت کی الف بے ۳/۰۰ لومڑی کا گھر ۱/۵۰ دم کٹا سانپ
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں ۲/۰۰ مدورا نا پردیس چلے ۱/۵۰ ریڈیو فیچر
چار سو پہیلیاں ۶/۰۰ ہیو جیو ۱/۵۰ سرکس
مچھر اور اس کی بیوی ۲/۵۰ بھیڑیے کے بچے ۱/۵۰ گاندھی بابا کی کہانی
ننھا فرشتہ ۴/۵۰ شیر خاں ۱/۵۰ ایک طالب علم کی کہانی
نیلا ہیرا ۴/۵۰ لومڑی کے بچے ۱/۵۰ تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)
آؤ مذاق کریں ۲/۰۰ میاں ڈھینچوں کے بچے ۱/۵۰ تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)
اس نے کیا کر نہ جانا ۱/۲۰ ہرن کے بچے ۱/۵۰ سماجی زندگی (سوم)
خرگوش کی چال ۲/۵۰ بہادر ۲/۵۰ کہاوت اور کہانیاں
بھوتوں کا جہاز ۶/۰۰ ایک کٹوری تیل میں ۱/۵۰ ہمارے محاورے
جوہر قابل ۳/۰۰ تانبیل خاں ۱/۵۰ انوکھا عجائب خانہ (اول)
خرگوش کا سپنا ۵/۰۰ تین اناڑی ۳/۰۰ انوکھا عجائب خانہ (دوم)
دم کا محل ۴/۰۰ پہیلیاں ۰/۸۰ انوکھا عجائب خانہ (چہارم)
محمد شفیع الدین نیر ۷/۵۰ چھوٹا لڑکا ۱/۵۰ ہمارا دین (تین حصے) فی حصہ

سطوت رسول

بچّوں کے تھے چاچا نہرو

بھارت کی قسمت کے اب روشن ہیں اندھیارے
بچّوں کے وہ چاچا نہرو، جگ کے راج دُلارے
گاؤ مل کر زندہ باد
نہرو یگ پائندہ باد

بچّو بچّو دیش کا رہبر، دیش بنانے والا
آج نہیں ہے ہم میں وہ ہی سب کو ہنسانے والا
گاؤ مل کر زندہ باد
نہرو یگ پائندہ باد

ہنستے بچّوں کے چہروں پر آتی تھی شادابی
چم چم چمکے جیسے سورج، چہرہ لال گلابی
گاؤ مل کر زندہ باد
نہرو یگ پائندہ باد

اس کا ساہس اس کا جیون جیسے کوہ ہمالا
ہری بھری فصلوں نے پہنا، رنگیں نیا دوشالا
گاؤ مل کر زندہ باد
نہرو یگ پائندہ باد

ناچتے گاتے دریا آئیں، میداں میں ہو جل تھل
چڑیاں جس پہ پھُدک رہی ہیں، جھوم رہے ہیں جنگل
گاؤ مل کر زندہ باد
نہرو یگ پائندہ باد

نہرو جی اک یگ کے نیتا، امن واماں کے بانی
بچّوں کے ذہنوں کا اُجالا، کل کی نئی کہانی
گاؤ مل کر زندہ باد
نہرو یگ پائندہ باد

احمد جمال پاشا

جادو کی کیتلی
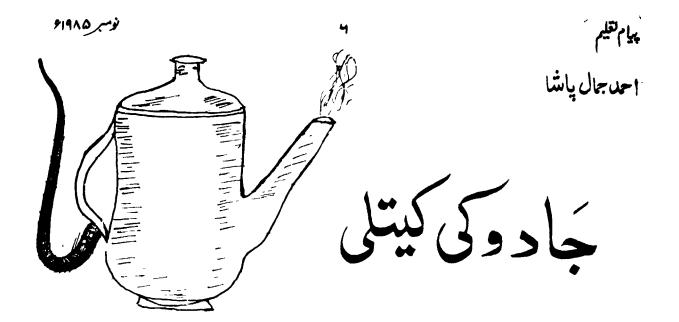
کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں کسی ملک کے عبادت خانے میں ایک بزرگ اور ان کے بہت سے شاگرد رہا کرتے تھے۔ عبادت خانہ ایک بہت خوبصورت اور شاداب پہاڑ کے دامن میں ایک چشمے کے کنارے واقع تھا۔

ہر صبح بزرگ چشمے پر کیتلی میں پانی بھرنے جاتے کیتلی میں ایک ڈور لٹکتی رہتی جس کے سرے پر ایک کانٹا تھا۔ جب وہ چائے بنانے کے لیے پانی بھرتے تو ایک مچھلی بھی پھنس جاتی۔

ایک دن بزرگ نے حسبِ معمول مچھلی پکڑلی کیتلی میں پانی بھرا۔ جب وہ واپس لوٹے تو اُن کے اوپر پانی کی بوندیں گرنا شروع ہوگئیں اور وہ بالکل بھیگ گئے۔ انھوں نے کیتلی دیکھی تو آدھی خالی ہوچکی تھی۔ وہ ٹپک رہی تھی۔

"چہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" بزرگ نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ "اب دوسری کیتلی میں پانی بھرنا ہوگا۔ یہ تو ٹپک رہی ہے ۔"

جب وہ عبادت خانے میں واپس لوٹے تو کیتلی خالی ہوچکی تھی۔ وہ تھک گئے تھے۔ مگر چائے کی خواہش شدید تھی۔ انھوں نے دوسری کیتلی ڈھونڈنا شروع کردی۔ دیوار کے ایک کونے میں کھونٹی پر ایک پرانی مٹی کی کیتلی لٹک رہی تھی۔ انھوں نے اسٹول پر چڑھ کر کھونٹی پر سے کیتلی اتار لی اسے صاف کیا اور پانی بھرنے چشمے کی جانب چل دیئے۔

وہ کیتلی میں پانی بھر کر فوراً ہی واپس آگئے، انھوں نے انگیٹھی سلگائی۔ کیتلی رکھ دی۔ یہاں تک کہ پانی کھولنے لگا اچانک کیتلی کے ایک عدد دُم نکلنا شروع ہوگئی۔ ایک بہت بڑی بالدار دُم۔ وہ دُم اُوپر کو اٹھا کر آہستہ آہستہ آگے اور پیچھے کی طرف بڑھنا شروع ہوئی۔ دُم نے بڑھنا اور ہلنا شروع کردیا۔

"خوں! خوں! فوں! فوں! کھڑ بڑ! کھڑ بڑ! کھڑ بڑ! کھڑ بڑ! سی یوں! سی یوں!" کی آوازیں کیتلی میں سے نکلنا شروع ہوگئیں بزرگ بے چارے ڈر گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ کیتلی میں سے غرا کی خوں! خوں! غوں! غوں! آوازیں آرہی ہیں۔ اور کیتلی کی دُم میں سے "شڑاپ! شڑاپ! شڑاپ! شڑاپ!" کی آوازیں آرہی ہیں یہ دیکھ کر بزرگ بڑے زور سے چلّائے

"ارے باپ رے باپ! یہ کیا ہے؟ مدد مدد! عبادت خانے کی بانس کی چھت پر ہر طرف سے دھپ دھپ کی آوازیں آنے لگیں۔ سارے شاگرد دوڑ پڑے۔

ایک شاگرد نے پوچھا۔

"استاد! کیا آپ بیمار ہیں۔؟"

اُستاد نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو کیتلی کے تو دُم نکل آئی ہے ۔"

کیتلی کی دُم دیکھ کر تمام شاگردوں نے چلّانا شروع کر دیا۔ ایک شاگرد چلّایا۔

"ہُو! ہُو! ہُو!"

دوسرا چلّایا۔

"اوہ! اوہ! اوہ!"

تیسرا چلّایا۔

"آہ! آہ! آہ!"

چوتھا چلّایا۔

"ای! ای! ای!"

پانچواں چلّایا

"ہائے! ہائے! ہائے!"

اس دوران کیتلی کی دُم شڑاپ! شڑاپ! کر کے چاروں طرف گھومتی رہی۔ بزرگ کے شاگرد مارے ڈر کے پیلے پڑتے گئے۔ مارے ڈر کے خاموش ہو کر سوچنے لگے کہ اب کیا کریں؟

کیتلی کی دُم پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے "شڑاپ! شڑاپ! شڑاپ!" کرنے لگی۔

کیتلی کے اندر بہت ہی خوفناک طریقہ سے پانی اُبل رہا تھا "ہُبل! ہُبل! ہُبل!" کیتلی کے دُم کے سامنے کا حصّہ اچانک پھٹ گیا۔ اس میں سے پانی کے بجائے ایک قسم کا شور نکلنا شروع ہوا۔

شور میں سے ایک ناک نکلنا شروع ہوئی۔ اس کے بعد پورا سر نکل آیا۔ ایک بجو نما بالدار سر جس میں دو بھوری آنکھیں، اور سفید تیز دانت چمکنے لگے۔

ایک ایسی کیتلی جس کے بالدار لہرانے والی دُم اور سر نکل آتے۔ اس میں نہ تو چائے بنائی جا سکتی تھی۔ نہ کوئی دوسرا کام لیا جا سکتا تھا۔ کوئی بھی کیا کر سکتا تھا۔ کیتلی چلّا رہی تھی۔ بزرگ چلّا رہے تھے۔ اُن کے شاگرد چلّا رہے تھے۔ یہ جگہ اب ایک عجائب گھر معلوم ہو رہی تھی۔ جس میں ہر جانور کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اتنا زیادہ شور ہوا کہ آخر کیتلی ڈر گئی۔ کیتلی کے پانی میں کھڑ بڑ ہوتی رہی، اس کی دُم شڑاپ! شڑاپ! کرتی رہی، اس کے دانت کٹ کٹانے رہے ڈر کے مارے کیتلی آگ پر سے کود کر کمرے میں دوڑنے لگی۔

"وہ فو فو" کر رہی تھی۔ یہ بہت خطرناک اور بھیانک منظر تھا۔ کمرے میں ہر طرف "اُوہ! اُوہ! آہ! آہ! ای! ای! او! او! اور بھوں بھوں!" کی آوازیں آ رہی تھیں۔

شاگردوں نے چلّا کر بھاگنا شروع کیا۔

"ارے اس کو دُم سے پکڑ لو ۔۔"

کیتلی یہ سُن کر اپنی دُم کو پیچھے کر کے کمرے میں دوڑنے لگی۔ سامنے اس کا بجو سا منھ نکلا ہوا تھا۔ بھاپ سے کیتلی کا ڈھکن اوپر نیچے ہو کر الگ شور کر رہا تھا۔ عجب طریقے سے بھاپ نکل رہی تھی۔ سب شاگرد کیتلی کو دوڑا رہے تھے۔ انہوں نے اس پر ایک رسّی کا پھندا پھینک کر کیتلی کو رسّی سے باندھ دیا۔ تمام پانی گر گیا۔ لیکن کیتلی برابر دانت پیستی اور دُم لہراتی رہی۔ انہوں نے اسے ایک بکس میں بند کر دیا۔ سب تھکے ہوئے تھے۔ اور چائے نہ ملنے پر افسوس کر رہے تھے۔ اتنے میں دروازہ پر ایک کباڑی نے آواز لگائی۔

"پُرانی دھُرانی چیزیں بیچ ڈالیں"۔
پرانے چاقو پرانی پتیلی،
پرانی کیتلیاں بیچ ڈالیں۔!

بزرگ اور اُن کے شاگردوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بزرگ نے بکس کھولا۔ کیتلی پڑی تھی بجو والا سر اور دُم غائب تھی انہوں نے کباڑی کو بلا کر کیتلی دے دی۔ سب کا ڈر کے مارے بُرا حال تھا کہ اچانک کیتلی کی خوفناک دُم نہ نکل آئے۔ اور کیتلی کا بھوت کباڑی کے سامنے دوڑ شروع نہ کر دے۔

کباڑی نے اطمینان سے کیتلی کا ڈھکن کھول کر دیکھا پسند کیا اور کچھ سکّے بزرگ کے ہاتھ میں رکھ دیئے اور کیتلی بغل میں دبا کر باہر نکل گیا۔ جیسے ہی کباڑی جانے لگا کیتلی کی دُم باہر نکل آئی اس نے بزرگ اور اس کے شاگردوں کو الوداع کہا۔ اور پھر کیتلی کے اندر گھُس کر غائب ہو گئی۔ خوش قسمتی سے کباڑی نے کیتلی کی دُم نہیں دیکھی وہ گھومتا ہوا اپنے گھر واپس پہنچا۔ کیتلی کباڑ کے ڈھیر پر ڈال دی اور چٹائی بچھا کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔

رات کو عجیب و غریب آوازوں سے کباڑی کی آنکھ کھُل گئی تو اُس نے دیکھا کہ عبادت خانے سے وہ جو کیتلی لایا تھا۔ وہ چار غضبناک

ٹانگوں پر غصے میں بھری کمرے میں ہر طرف گھوم رہی ہے۔ کیتلی کا بجو کا سر نکلا ہوا۔ اپنے دانت کٹکٹا رہا ہے۔ اس کی دم شائیں شائیں، شڑاپ شڑاپ کرتی چل رہی ہے۔ غریب کباڑی نے بارے ڈر کے بھاگنے کے لیے چھلانگ لگائی تو کیتلی نما بجو پھر کیتلی ہو گیا۔ وہ گھبرا کر بیٹھ گیا۔ ساری رات اسی پریشانی میں گزر گئی۔ اس نے کیتلی کے بجو کو کھانے کے لیے چیزیں دیں وہ ایک رحم دل انسان تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر کیتلی میں پانی گرم کیا جاتا تو کیتلی کی اس مخلوق کا کیا ہوگا؟

دوسرے دن اس نے اپنے ایک دوست کو کیتلی کا معاملہ دکھایا کیتلی کی دم شڑاپ شڑاپ کر رہی تھی۔ بجو کے دانت بج رہے تھے اور وہ اپنے چاروں پیروں سے کمرے میں ہر طرف دوڑ رہی تھی۔

کباڑی کے دوست نے کہا۔

"میرے دوست! یہ تو جادو کی کیتلی ہے۔ خوش قسمتی سے تمہیں مل گئی ہے۔ اب تم تماشا دکھانے والے مداری بن جاؤ۔

تم اس کیتلی کو رسی پر چڑھنا، چھتری لے کر تار پر چلنا سکھا دو۔ اور پیسے لے کر اس کا تماشا دکھایا کرو۔ پھر تم بہت جلد بہت امیر آدمی بن جاؤ گے۔"

کباڑی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اسے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ کیتلی بہت جلد چھتری لے کر بانس پر چڑھنے اور تار پر تماشا دکھانے لگی چھوٹی سی کیتلی دانت چمکا چمکا کر ناچ رہی ہے۔ اس کی دم گردش میں ہے ایک چھوٹے سے بالدار ہاتھ میں چھوٹی سی رنگ برنگی چھتری پکڑے رسی یا تار پر بڑے پیارے انداز میں ناچ رہی ہے۔ جب کیتلی نے تماشا دکھانے شروع کیے تو ملک بھر کے لوگ اسے دیکھنے کے لیے نکل پڑے۔ کباڑی نے بھیڑ کم کرنے کے لیے ٹکٹ لگا دیا۔ دام بڑھا دیتے۔ دام اور زیادہ بڑھا دیتے۔ وہ ٹکٹ مہنگا کرتا گیا۔ بھیڑ بڑھتی گئی، بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ غریب بوڑھا کباڑی بہت زیادہ مالدار ہو گیا۔ اس کی تندرستی بہت اچھی ہو گئی۔ وہ ہر وقت بہت زیادہ خوش رہنے لگا۔ اس کے پاس اتنی زیادہ خوش رہنے لگا۔

اس کے پاس اتنی زیادہ دولت ہو گئی کہ پھر اسے ٹکٹ لگا کر دولت کمانے کی ضرورت نہیں رہ گئی۔

ایک دن وہ جادو کی کیتلی بزرگ کے پاس واپس لے گیا۔

بزرگ نے شیشے کے ایک بہت بڑے شوکیس میں کیتلی کو رکھ دیا۔ شوکیس کے برابر میں ایک اور بکس تھا۔ آنے والے کیتلی کا تماشا دیکھتے اور بزرگ کے لیے بکس میں روپے پیسے ڈال دیتے۔

یہاں تک کہ بزرگ اور ان کے تمام شاگردوں کی صحت بہت اچھی ہو گئی۔ اور سب بہت زیادہ دولت مند ہو گئے۔

جادو کی کیتلی بھی یہی چاہتی تھی۔ اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس لیے کیتلی کا بھوت آرام کرنے کے لیے غائب ہو گیا۔ اور خالی کیتلی شوکیس میں زندگی کے بقیہ دن بزرگ اور ان کے شاگردوں کی طرح خاموشی سے گزارنے لگی۔
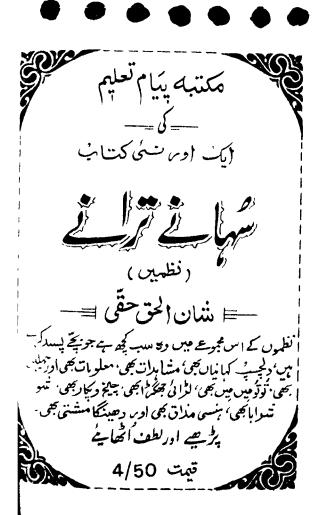
●●●●●●●

اندرا گاندھی اپنی والدہ اور والد کے ساتھ ←

اندرا گاندھی باپو کے ساتھ ←

اندرا گاندھی اپنے شوہر فیروز گاندھی کے ساتھ

اندرا گاندھی شانتی نکیتن میں

اندرا گاندھی
بڑوں اور
چھوٹوں کے
ساتھ

اناڑی مُعَالج

ایک دن شام کے وقت جب کہ سورج غروب ہو رہا تھا چند مسافر درختوں کے سائے میں آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور اپنے اونٹوں کو کھول دیا تاکہ وہ گھوم پھر لیں اور کھا پی لیں۔ اتفاق سے ایک اونٹ خربوزوں کے کھیت میں چلا گیا اور ایک خربوزہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔ اونٹ کے مالک نے جو یہ دیکھا تو ڈرا کہ کہیں اونٹ مر نہ جائے لہذا اس نے جلدی سے ایک کمبل اونٹ کی گردن پر باندھ دیا اور گلے میں جس جگہ خربوزہ اٹکا ہوا تھا وہاں لکڑی سے مارنا شروع کر دیا۔ خربوزہ ضرب لگنے سے ٹوٹ گیا
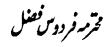
اور اونٹ کے حلق کے نیچے اتر گیا۔

ایک آدمی جو اسی وقت وہاں آ گیا تھا اس نے یہ سب دیکھ لیا۔ چنانچہ اس نے اپنی گٹھری اٹھائی اور قریب کے گانو میں پہنچ گیا۔ اس نے وہاں یہ ظاہر کیا کہ وہ معالج ہے۔ ایک دیہاتی نے اس سے پوچھا، "تم کس مرض کا علاج کر سکتے ہو؟"

اناڑی معالج بولا، "میں گھینگا کا علاج کر سکتا ہوں۔"

ایک بوڑھی عورت اسی مرض میں مبتلا تھی۔ اس کا گلا بہت زیادہ پھولا ہوا تھا وہ بولی "اے بیٹا اگر تم میرا علاج کر دو تو میں تم کو ہمیشہ دعائیں دیتی رہوں گی۔"

اناڑی معالج نے کہا، "ہاں میں تمھارا علاج کر دوں گا لیکن پہلے ایک کمبل اور ایک بڑی سی موگری لے آؤ۔" جب یہ چیزیں آ گئیں تو اناڑی معالج نے عورت کے گلے پر کمبل باندھ دیا اور گلے کے پھولے ہوئے حصے پر موگری زور زور سے مارنی شروع کر دی۔ بوڑھی عورت مر گئی۔ اب تو سب لوگ چلّانے لگے۔ "ارے یہ آدمی تو شیطان ہے۔"

چنانچہ سب لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اسے بادشاہ کے پاس لے جانے لگے۔ اتنے میں ایک

آدمی بولا، "ارے بھائیو! وہ عورت تو بہت بوڑھی تھی یوں بھی وہ چند روز میں مر جاتی۔ لہٰذا اس آدمی سے بڑھیا کی قبر کھدوا لو اور پھر اس کو مار پیٹ کر یہاں سے بھگا دو۔"

لہٰذا لوگ اس اناڑی معالج کو قبرستان لے گئے اور اس کو قبر کھودنے پر مجبور کیا۔ مگر زمین بہت سخت تھی، اس لیے بہت دیر کے بعد وہ صرف تھوڑا کھود پایا۔ یہ دیکھ کر لوگ بولے "دیکھو! اگر تم ٹھیک سے نہیں کھودتے ہو تو پھر ہم تم کو بادشاہ کے پاس لے جائیں گے اور تم پھانسی پر لٹکا دیئے جاؤ گے۔"

اس دھمکی کا اثر ہوا اور زور زور سے پھاوڑا چلانے لگا آخر قبر کھد گئی اور بڑھیا کو اس میں دفن کر دیا گیا۔ ان سب لوگوں نے اناڑی معالج کو پیٹنا شروع کر دیا۔ جب خوب مار چکے تو اس کو وہاں

سے بھگا دیا، مگر اتنی مار کھانے کے بعد بھی اس آدمی کو سبق نہیں ملا۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اگلے گاؤں پہنچ گیا اور وہاں بھی اپنے آپ کو طبیب ظاہر کیا، کسی نے پوچھ لیا "تم کس بیماری کا علاج کرتے ہو؟"

"میں گھینگا کا علاج کرتا ہوں"! اناڑی بولا۔

اس گاؤں میں ایک بوڑھا آدمی اس مرض میں مبتلا تھا وہ آگے بڑھا۔ مگر نقلی طبیب نے کہا "دیکھو بھائی میں تو اپنے طور پر علاج میں کوئی کسر نہ رکھوں گا، لیکن اگر مریض مر جائے تو تم لوگ مجھ سے اس کی قبر نہ کھدوانا یہ سن کر لوگ چلاّنے لگے "تم بھی عجیب طبیب ہو کر علاج شروع کرنے سے پہلے ہی قبر کھودنے کی بات کرتے ہو۔ چلو بھاگو یہاں سے۔ ہم کو ایسے طبیب کی ضرورت نہیں۔"

یہ سن کر اناڑی طبیب نے اپنے دل میں کہا "یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی۔ میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں اونٹ والوں کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ تم نے مجھے صحیح علاج نہیں بتایا شاید وہ کوئی ترکیب بتا دیں"۔ چنانچہ یہ اپنے اونٹ پر روانہ ہو گیا اور تھوڑی دور جا کر اسے وہی اونٹ والے مل گئے اس نے پہنچتے ہی ان سے کہا، "تم لوگ بڑے بے وقوف ہو۔ مجھے ایک بوڑھی عورت ملی جس کے گلے میں گھینگا تھا میں نے کمبل اس کی گردن پر لپیٹ دیا اور ایک موگری سے اس کی گردن پر مارنا شروع کر دیا، لیکن وہ صحت یاب ہونے کے بجائے مر گئی اور ان لوگوں سے فیس ملنے کے بجائے مجھے اس بڑھیا کی قبر کھودنی پڑی۔"

یہ سن کر اونٹ والوں نے کہا، "بے وقوف ہم نہیں، تم ہو" یہ اونٹ تو بہت بڑے اور طاقت ور ہیں بھلا بوڑھی عورت موگری کی مار کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

اتنے میں ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "تم لوگ ذرا خاموش رہو اس کو میں سمجھائے دیتا ہوں۔ پھر اس نے اناڑی معالج سے کہا، یہ لوگ تمھاری بات نہیں سمجھ سکتے

میں تم کو ایک منٹ میں سمجھائے دیتا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے ایک بڑا سا ڈنڈا اٹھالیا جس پر لوہے کے چھلّے جڑے ہوئے تھے اور ایک اونٹ جو قریب تھا اُس کو زور سے مارا۔ اونٹ پر ڈنڈے کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ وہ صرف ذرا آگے بڑھ گیا۔ وہ آدمی بولا "تم نے اس ڈنڈے کا اثر اونٹ پر تو دیکھ لیا۔ اب دیکھو کہ آدمی پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔"

اتنا کہہ کر اس نے خود اناڑی طبیب کو ایک ڈنڈا رسید کیا۔ ڈنڈا پڑتے ہی وہ دھڑام سے زمین پر ڈھیر ہوگیا اور بے ہوش ہوگیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو گھبرا کر پوچھنے لگا۔ "تم نے یہ ظلم میرے ساتھ کیوں کیا؟"

وہ آدمی بولا "تم سمجھے نہیں" میں تم کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ جو چیز اونٹ کے لیے مناسب ہے وہ بوڑھے مرد اور عورتوں کے لیے مناسب نہیں۔"

یہ سن کر اناڑی معالج بولا "ارے اب میں سمجھ گیا کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی۔ اب میں کبھی معالج بننے کی کوشش نہیں کروں گا۔" (بہ شکریہ نونہال)

مرغوب صہبا

چوہیا کی اسکیم

بلّی پر رُعب جمانے کی
چوہیا نے اسکیم بنائی
جھٹ پھٹ جا بازار سے
ڈھیر سارے پٹاخے لائی

باندھ دُم سے ایک لڑی
پھر اس میں آگ لگائی
سُن پٹاخوں کی آواز
خود ہی وہ یوں گھبرائی

لگا دُم کو شعلہ تو
"بچاؤ بچاؤ" چلّائی
رُعب جمانے کے چکّر میں
خود ہی اپنی آفت بلائی

قاسمی منزل، محلہ سپاہی ٹولہ ضلع پورنیہ ۸۵۴۳۰۱ (بہار)

[illegible]

پہیلیاں

آج سے تقریباً پچاس سال پہلے سرسید کی قائم کی ہوئی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے قدیم و جدید پوریوں اور پہیلیوں کی ایک چھوٹی سی کتاب چھاپی تھی، اسی کتاب سے پیامی بھائی بہنوں کے لیے اختر الواسع نے یہ چند پہیلیاں منتخب کرکے ہمیں دی ہیں، جنھیں ہم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

۱
ایک اکیلا سب کے ساتھ

۲
سو نمازی ایک امام ، چلتے پھرتے پڑھیں تمام

۳
ایک دیا بالا ، سارے جگ میں اُجالا

۴
ایک صندوقچہ، بارہ خانے ، ہر خانے میں تیس تیس دانے

۵
ایک پیڑ کے دو تنے ، دو شاخیں ، دس پھلیاں
ایسا پیڑ کہیں نہ دیکھا ، چھان ماریں سب گلیاں

۶
چوری کی ناحق کیا ، اس کا سر کیوں کاٹ لیا

۷
نوکر نہ چاکر دولت سمیٹے ، ایک کو چھوڑے ایک کو لپیٹے

۸
آدھا پھول آدھا پانی ، عرق کھینچوں تو سارا پانی

۹
شب بیداری کرے ، ریاضت سے کمائے
خدا کا دشمن ، حاکم سے منہ چھپائے

۱۰
چاندپور سے چل کر آئی ، کان پور میں پکڑی گئی
ہاتھرس میں ہوا انصاف ، ناخن پور میں ماری گئی

۱۱
اونٹ کی بیٹھک ، ہرن کی چال
عجب ہے وہ جانور ، دُم ہے نہ بال

۱۲
آر کھونٹا پار کھونٹا ، گائے مرکھنی دودھ میٹھا

۱۳
جنابِ عالی، سر پر جالی ، پسلیاں بہت، پیٹ ہے خالی

۱۴
دن بھر لٹکے، رات کو اٹکے

۱۵
سر پر پتھر، پیٹ میں انگلی

۱۶
ایک پھول ہے کالے رنگ کا سب کے سروں سوہائے
تیز دھوپ میں کھلا رہے، سایہ دیکھ کمھلائے

(تمام پہیلیوں کے جوابات اسی شمارہ کے صفحہ پر دیکھیے)

سردار احمد (علیگ) اُردو لکچرار۔

تم کچھ تلاش کر لو

یہ پھول اور تارے فطرت کے یہ نظارے
تم کچھ تلاش کر لو کرتے ہیں یہ اشارے
بادل کا گھر کے آنا
پیڑوں کا جھوم جانا
ٹھنڈی پھوار میں پھر
گلشن کا ڈوب جانا
تم کچھ تلاش کر لو کرتے ہیں یہ اشارے
کلیوں کا مُسکرانا
سبزے کا لہلہانا
باغوں میں تازہ میوے
ہر رُت کو ساتھ لانا
تم کچھ تلاش کر لو کرتے ہیں یہ اشارے
چشموں کا صاف پانی
دریا کی یہ روانی
ان سب میں ایک حرکت
حرکت میں زندگانی
تم کچھ تلاش کر لو کرتے ہیں یہ اشارے
یہ صبح کے خزانے
یہ شام کے فسانے
گاتی ہوئی یہ چڑیاں
یہ اُن کے آشیانے
تم کچھ تلاش کر لو کرتے ہیں یہ اشارے
یہ ننھے ننھے بچے
معصومیت کے پُتلے
یہ ماں کی گود پا کر
پھولے نہیں سماتے
تم کچھ تلاش کر لو کرتے ہیں یہ اشارے
موسم یہ پیارے پیارے
ٹھنڈک بھرے یہ جاڑے
برسات کی یہ مستی
گرمی کے یہ شرارے
تم کچھ تلاش کر لو کرتے ہیں یہ اشارے

سیڑھی والا گھر، کٹرہ شہاب خاں، اٹاوہ (یو۔پی)

بہت دنوں کی بات ہے، ایک غریب کسان کھیت جوت رہا تھا۔ اس کے ہل کا پھل زمین میں کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جوتنا بند کردیا اور جھک کر زمین پر غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے اپنی نظروں کے سامنے ایک سونے کی اوکھلی پڑی دیکھی وہ خوشی خوشی گھر بھاگا۔

"اتنی جلدی آج گھر کیوں آگئے؟" اس کی بیٹی نے پوچھا۔

اس نے کہا میرے تو بھاگ کھل گئے۔ تم کو معلوم ہے مجھے ایک سونے کی اوکھلی زمین میں گڑی ہوئی ملی ہے۔ میں اس کو زار کی خدمت میں پیش کروں گا اور اس کے بدلے میں زمین مانگوں گا۔"

"مگر ابا ذرا سوچ لیجیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زار یہ سوچے کہ موسل بھی رہا ہوگا جو آپ نے رکھ لیا۔"

بیٹی نے باپ کو بہت سمجھانے کی کوشش کی اس نے ایک نہ سنی وہ اوکھلی زار کے پاس لے گیا کہا: "حضور والا یہ سونے کی اوکھلی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اس کے بدلے میں مجھے تھو[ڑی] سی زمین دے دیجیے۔"

"مگر موسل کہاں ہے؟" زار نے جواب طلب [کیا]

"وہاں اس اوکھلی کے علاوہ اور کچھ نہیں [تھا]"

"بیوقوف انسان؟ کیا بکتے ہو، جہاں او[کھلی] ہوگی وہاں موسل بھی ہوگا۔ جاؤ اور تلاش [کرو] اگر تم نے ڈھونڈ نہ لیا تو میں تمہاری زبان کھنچ[وا دوں گا]"

وہ آدمی اداس ہوگیا اور کہنے لگا۔ بات نہ ما[ننے کا] یہی نتیجہ ہوتا ہے۔"

"کس کی بات؟" زار نے پوچھا۔

"...پنی بیٹی کی، اس نے کہا تھا کہ حضور یہ ضرور پوچھیں
...گے کہ موسل کہاں ہے؟ اور اس کی بات بالکل ٹھیک
...کلی:

"اس کو کیسے معلوم ہوا کہ میں موسل مانگوں گا؟"
"اگر عقل ہو تو یہ سوچا جا سکتا ہے؟"
"اگر تمھاری بیٹی اتنی عقل مند ہے تو اس کو
...رے پاس بھیجو؟" وہ آدمی واپس اپنے گھر آیا اور اس
...ساری بات اپنی بیٹی کو بتائی۔
"ابا آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں جاؤں گی؟"
"کیا حکم ہے حضور والا؟" لڑکی نے زار سے پوچھا۔
"مجھے دیکھنا ہے کہ تم کتنی عقل مند ہو۔ تم
...ی گھر جاؤ کل صبح واپس آنا وہ بھی اس طرح کہ
...کپڑے پہنے ہوں اور نہ ہی ننگی ہو نا، نہ گھوڑے
...پڑھ کر آنا نہ پیدل آنا اور نہ کسی گاڑی میں بیٹھ
...آنا۔ اگر تم اس امتحان میں کامیاب ہو گئیں تو میں
...ارے باپ کو وہ اوکھلی واپس کردوں گا۔ اگر
...ام رہیں تو سزا پاؤ گی؟"
دوسرے دن لڑکی نے اپنے کپڑے اتار کر مچھلی
...ڑنے کے جال کو اپنے جسم پر خوب لپیٹا پھر اسے
...ڑسے باندھ دیا جو اسے گھسیٹتا ہوا دربار تک
...گیا۔

زار اس کی عقل مندی دیکھ کر تعجّب میں پڑ گیا
... اس نے سونے کی اوکھلی اس غریب آدمی کو واپس
...دی۔ مگر اس نے لڑکی کو اپنے دربار میں رکھ لیا تاکہ
...اسے مشورے لیا کرے۔
ایک دن کچھ چرواہے جو اپنے مویشیوں کو
...ری چراگاہوں میں چھوڑنے جا رہے تھے شہر کے
...رات گزارنے کے لیے ٹھہر گئے۔ انھوں نے اپنے
...ڑوں کی پیٹھ سے سامان اتارا اور کھا پی کر سو گئے۔
رات کو ایک چرواہے کی گھوڑی نے بچّہ دیا۔
...رے چرواہے کی آنکھ کھلی تو اس نے بچّہ کو لے

جاکر اپنے بیل کے پیروں سے باندھ دیا۔
صبح گھوڑی کے مالک نے دیکھا کہ گھوڑی کا بچہ
بیل کی ٹانگوں سے بندھا ہے۔ اس کو بہت تعجب ہوا
اور وہ اسے کھولنے لگا۔
"یہ میرا بچّہ ہے، یہ میرے بیل سے پیدا ہوا ہے؟"
اس چرواہے نے کہا جس نے بچّہ چرایا تھا۔
وہ دونوں بحث کرتے کرتے جھگڑنے لگے مگر کسی
نتیجے پر نہیں پہنچے۔ تب وہ زار کے دربار میں پہنچے۔
"اگر بچّہ بیل کے پاس پایا گیا تو اس کا مطلب ہے
کہ وہ بیل سے پیدا ہوا ہے"۔ زار نے فیصلہ سنایا۔
بچارا گھوڑی کا مالک سکتے میں رہ گیا۔ واپس
جانے لگا۔
کسان کی بیٹی اس کے پیچھے پیچھے گئی اور اس نے
چپکے سے کہا "تم پریشان نہ ہو سانچ کو آنچ کہاں۔
جاؤ ایک مچھلی کا جال لاؤ اور دربار کے صحن میں بچھا کر
بیٹھ جاؤ۔ زار کو یقیناً اس بات پر حیرت ہو گی کہ
تم خشکی میں مچھلی پکڑنے کی کوشش کر رہے ہو مگر تم
خاموش رہنا۔ میں تمھاری طرف سے اس کا جواب دوں گی؟"
جیسا کہ اس نے کہا تھا گھوڑی کے مالک نے ویسا
ہی کیا۔ زار نے دیکھا کہ دربار کے صحن میں مچھلی مارنے
کی کوشش کی جا رہی ہے اس کو اپنی آنکھوں پر یقین
نہیں آیا۔
"یہاں خشکی پر کسی کو مچھلی کیسے ملے گی؟" زار نے پوچھا۔
"اس میں تعجب کی کیا بات ہے" لڑکی نے ہنستے
ہوئے کہا "اگر بیل گھوڑی کا بچّہ پیدا کر سکتا ہے تو
خشکی میں مچھلیاں کیوں نہیں پیدا ہو سکتیں؟" زار سمجھ
گیا کہ یہ ترکیب چرواہے کو اس لڑکی نے سمجھائی ہے
زار کو اس پر بہت غصّہ آیا اور اس نے لڑکی کو اس کے
گھر روانہ کر دیا مگر یہی تو وہ لڑکی چاہتی تھی۔

(بشکریہ سوویت دیس)

ظہور الدین بٹ

فاتحِ عالم کا اُستاد

صدیوں پرانی بات ہے، اس زمانے کی جب لوگ ابھی پتھر کے دور سے نہیں نکلے تھے۔ کوئی طاقتور سردار کسی ملک پر حملہ کرتا اور وہاں قبضہ کر کے بادشاہ بن بیٹھتا اس وقت ملک چھوٹے چھوٹے ہوا کرتے تھے، ہمارے آج کے شہروں کی طرح۔ اس لیے انھیں "سٹی سٹیٹ" شہری ریاستیں کہا جاتا تھا۔

ایسی ہی ایک شہری ریاست کے باہر پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں ایک دانش مند رہا کرتا تھا۔ اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ بادشاہوں کی خواہش تھی کہ وہ اُن کی اولاد کی تربیت کرے۔ بادشاہوں کے امیر یا درباری اسے لینے کے لیے آتے مگر وہ کسی نہ کسی بنا پر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا۔ اُس کے انکار کے سبب کئی ملکوں کے بادشاہ اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ مگر ان کی دشمنی کی اُس دانش ور کو کوئی پروا نہ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ان سے قطعی طور پر خوفزدہ نہ ہو۔

ایک دن دانشور اپنی جھونپڑی میں آرام کر رہا تھا۔ اچانک اسے کئی رتھوں کے دوڑنے کی آواز آئی۔ رتھوں کی آواز سن کر وہ جھونپڑی کے ایک کونے میں بنی ہوئی ایک کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ اس نے اگلے چند رتھوں کے بعد شاہی رتھ میں سوار بادشاہ کو پہچان لیا۔ یہ مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ جھونپڑی کے قریب پہنچ کر بادشاہ کے محافظ میں سے ایک نے آگے بڑھ کر جھونپڑی کا دروازہ کھٹکھٹا[illegible] مگر بادشاہ کے ہاتھ کا اشارہ دیکھ کر وہ وہیں رک گیا۔ دا[illegible] نے کھڑکی کی اوٹ سے بادشاہ کی حرکات دیکھ لی تھیں وہ خاموش رہا۔ اتنی دیر میں بادشاہ آگے بڑھا۔ اس [illegible] دروازے پر دستک دی۔ دستک کی آواز سن کر دانش[illegible] جھونپڑی کا دروازہ کھولا اور آگے بڑھ کر بادشاہ کا ہا[illegible] ہوئے کہا۔ "بادشاہ سلامت! آپ اور اس درویش [illegible] خانے پر! "

بادشاہ نے دانش ور کی بات سن کر کہا۔ "بادشا[illegible] ایک حقیر انسان، شہنشاہ علم و دانش کے دربار میں ح[illegible] ہے۔"

دانشور نے بادشاہ کی یہ بات سُنی تو اس نے [illegible] کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ یہ جھونپڑی آپ کے ش[illegible] شان تو نہیں مگر میں آپ سے اندر چلنے کی درخواست کروں گا۔" یہ کہہ کر دانشور وہیں کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ نے دانشور کو وہیں کھڑا دیکھا تو اس [illegible] جھونپڑی کی طرف بڑھتے ہوئے قدم روک لیے چند [illegible] کے بعد دانشور نے پہل کی اور بادشاہ اس دانشو[illegible]

پیچھے جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ دانشور نے بادشاہ کو جھونپڑی کے ایک کونے میں پڑی ہوئی خشک گھاس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسرے کونے کی طرف بڑھا، جہاں پر بیٹھ کر وہ لکھنے پڑھنے کا کام کیا کرتا تھا۔

اس کونے میں ایک میز تھی، جس پر رکھے ہوئے برتن میں سے اس نے کوئی سیال شے نکال کر لکڑی کے بنے ہوئے ایک مگ میں انڈیلی اور بادشاہ کے حضور پہنچ کر کہنے لگا۔ "یہ مشروب میری طرف سے نذرانے کے طور پر قبول فرمائیں۔"

بادشاہ نے مگ ہاتھ میں لیتے ہوئے دانشور کا شکریہ ادا کیا لیکن مگ ہونٹوں سے لگانے کے بجائے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا رہا۔ دانشور نے یہ دیکھ کر کہا۔ "جناب والا مشروب نوش فرمائیں۔"

بادشاہ نے مسکرا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اور آہستہ آہستہ کہا۔ "عالم دوراں! یہ شربت میں تب پیوں گا جب آپ میری ایک ادنا خواہش پوری فرما دیں گے۔"

"وہ کیا؟" دانشور نے سوال کیا۔

"استاد محترم! میں اپنے بیٹے کو آپ کے حضور تربیت کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں، اسے قبول فرمائیں۔"

دانشور نے چند لمحے بادشاہ کی بات پر غور کرنے کے بعد کہا۔ "بادشاہ عالم! شہزادے کو میں اس شرط پر اپنی شاگردی میں لے سکتا ہوں کہ وہ ایک ماہ تک میرے ساتھ اس جگہ پر رہے۔ اس دوران اگر میں نے سمجھا کہ اسے تربیت کی ضرورت ہے تو پھر میں آپ کو اپنے اور شہزادے کے محل میں جانے کی اطلاع کر دوں گا۔"

بادشاہ نے یہ بات سنی تو اس نے غٹاغٹ مشروب حلق سے اتارا اور خوشی کے اظہار کے طور پر اس نے دانشور کے ہاتھ چوم لیے۔ اس نے دانشور سے واپسی کی اجازت چاہی اور اپنے رتھ پر سوار ہو کر گھوڑے کا رخ محل کی طرف موڑ دیا۔ وہ جلد از جلد شہزادے کو خوش خبری سنانا چاہتا تھا۔ دانشور اس وقت تک دروازے پر کھڑا رہا، جب تک اسے گھوڑے

کے سموں اور پہیوں سے اٹھنے والی دھول اڑاتی رہی۔

مقدونیہ کا بادشاہ بہت خوش تھا اس کی خوشی کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو اس کے بیٹے کی آرزو پوری ہو رہی تھی کہ وہ مقدونیہ سے باہر خوبصورت وادی میں رہنے والے عظیم استاد سے تعلیم حاصل کر سکے گا جس کا شہرہ چار دانگ تھا۔ دوسرے اُسے اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔ وہ اس عظیم دانشور کو اپنے بیٹے کی تربیت کے لیے راضی کر چکا تھا جس نے ارد گرد کے کئی ملکوں کے بادشاہوں کو ٹکہ سا جواب دے دیا تھا اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے رتھ زمین پر نہیں، ہوا میں تیر رہے ہوں۔ اُسے وادی سے محل تک، چند میل کا فاصلہ یوں لگا جیسے صدیوں میں طے ہوگا۔ وہ یہ خوشخبری ابھی اور اسی وقت شہزادے کو سنانا چاہتا تھا۔ مقدونیہ کا بادشاہ رتھ دوڑاتا ہوا قلعہ کے دروازے پر پہنچا تو اس نے شہزادے اور ملکہ کو دروازے پر کھڑا پایا۔ بادشاہ کو خوش دیکھ کر ماں بیٹے دونوں نے اندازہ لگا لیا کہ قسمت نے یاوری کی ہے، اور بادشاہ ضرور کوئی اچھی خبر لایا ہے۔

بادشاہ نے قلعے کے دروازے کے قریب پہنچ کر رتھ کو آہستہ کیا اور رتھ سے زمین پر چھلانگ لگا دی۔ شہزادے نے باپ کو چھلانگ لگاتے دیکھا تو اس نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔ "شہزادے! مجھے یقین ہے کہ اگر تم یونان کے عظیم دانشور کے معیار پر پورے اترے اور اس نے تمہاری تربیت کا ذمہ لے لیا تو وہ دن دور نہیں جب زمین تمہارے لیے سمٹ جائے گی۔ اور تم اس کے چپے چپے پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ سکو گے۔ خدا بہتر جانتا ہے، ہمیں وہ دن دیکھنا نصیب ہوگا کہ نہیں، مگر اتنا یقین ضرور ہے کہ پھر گردش زمانہ بھی تمہارے نام کو کبھی نہ مٹا سکے گی۔"

شہزادے نے باپ کے منہ سے یہ بات سنی تو اس نے محبت سے باپ کا ہاتھ چوم لیا۔ اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”اگر قسمت نے ساتھ دیا، آپ کی محبت اور یونان کے عظیم استاد کی محبت حاصل ہوئی تو میں آپ کا خواب پورا کر کے دکھاؤں گا۔“ یہ کہہ کر اس نے رتھ کے گھوڑوں کی باگیں دوڑ کر تھام لیں، جس پر اس کا باپ سوار ہو کر آیا تھا۔ باگیں اس کے ہاتھوں میں دیکھ کر ملکہ اور بادشاہ دونوں رتھ پر سوار ہو گئے۔ شہزادے نے رتھ کا رخ محل کی طرف موڑ دیا۔ اس کے ایسا کرتے ہی محافظ سواروں نے بھی اپنے اپنے گھوڑوں اور رتھوں کا رُخ محل کی جانب موڑ دیا۔

صبح ہوئی تو مقدونیہ کے ہزاروں شہری، درباری اور امرا، شہر پناہ سے باہر اپنے شہزادے کو رخصت کرنے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ملکہ اور بادشاہ شاہی رتھ میں قلعہ کے دروازے پر پہنچے۔ ان کے پیچھے محافظ اور پھر شہزادہ تھا۔ شہزادے کی روانگی پر بگل اور نقارے بجائے گئے۔ ملکہ اور بادشاہ نے بیٹے کا ماتھا چوم کر دعائیں دیں۔ شہزادے نے روانگی سے پہلے بادشاہ سے کہا "اباجان واپسی پر اگر میرے رتھ پر سفید جھنڈا نظر آئے تو سمجھ لیجیے گا کہ یونان کا عظیم استاد میرے ساتھ مقدونیہ آنے پر رضا مند ہو چکا ہے“

شہزادے نے وادی سے کافی دور اپنا رتھ روکا، اور وہ پیدل ہی یونان کے عظیم استاد کی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔ جھونپڑی کے قریب استاد اس کا منتظر تھا۔ شہزادہ اب استاد کے ساتھ کٹیا میں رہنے لگا۔ اس کی ہر موقع پر یہ کوشش ہوتی کہ استاد کا ہر کام خود کرے تاکہ اسے کسی قسم کی زحمت نہ ہو۔ وہ ہر وقت سائے کی طرح استاد کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دن طلوع آفتاب سے پہلے شہزادہ اور اس کا استاد [illegible] کی سیر کو نکلے۔ سیر کرتے کرتے وہ لوگ جھونپڑی سے بہت دور نکل گئے۔ سیر اور قدرت کے مناظر میں وہ ایسے گم ہوئے کہ راستہ بھول گئے۔ جنگلوں سے باہر نکلے تو انھوں نے دیکھا ان کے راستے میں ایک برساتی نالہ تھا جو [illegible] میں پانی ایک پہاڑی سے تیزی سے گر رہا تھا۔ اس لیے نالے نے نہر کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس نالے کے قریب پہنچ کر استاد اور شاگرد میں پہلے ندی پار کرنے پر بحث چھڑ گئی۔ استاد کی خواہش تھی کہ وہ پہلے ندی پار کرے جب کہ شہزادے کا اصرار تھا کہ ندی پہلے وہ پار کرے گا۔ خاصی بحث کے بعد بالآخر شہزادے نے استاد کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر ندی میں پاؤں ڈال دیے۔ پھر وہ بڑی احتیاط کے ساتھ چلتا ہوا ندی کے اس پار پہنچ گیا۔ ندی کے دوسرے کنارے پہنچ کر اس نے استاد کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا۔ اور خود بھاگتا ہوا نہ جانے کہاں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے چہرے پر عجیب سا اطمینان تھا۔

ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر شہزادے نے صدا لگائی۔ ”استادِ محترم! بڑے اطمینان سے تشریف لے آئیں اس طرف کوئی خطرہ نہیں ہے اور ندی میں اگرچہ پانی کا بہاؤ تیز ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ ندی پار نہ کی جا سکے!“

استاد نے ندی میں پاؤں ڈالے تو دوسری طرف سے شہزادہ ندی میں پہنچ گیا۔ اس نے استاد کا بڑے احترام سے ہاتھ پکڑا۔ اس طرح وہ دونوں ندی پار کر گئے۔

ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر استاد نے نہ صرف شہزادے سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا بلکہ قدرے ناراضگی سے کہا شہزادے تم نے ندی پہلے عبور کر کے نہ صرف میری حق تلفی کی بلکہ توہین بھی۔ اس لیے آج کے بعد تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

استاد کی بات سن کر شہزادے نے کہا۔ استادِ محترم“ پہلے ندی پار کر کے میں نے نہ آپ کی حق تلفی کی ہے نہ توہین۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی بات واضح کر دوں۔ اگر میری بات آپ کے اطمینان کے لیے کافی نہ ہوئی تو پھر میں واپس چلا جاؤں گا۔ استاد نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔ ”کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟“

استاد محترم! ندی کا پانی منہ زور تھا اور اس میں کتنی

جانے کا خطرہ تھا، اس لیے ضروری تھا کہ پہلے میں اسے عبور کرتا۔ اس کے علاوہ مجھے یہ گمان گزرا کہ شاید ہم کسی اور بادشاہ کے ملک کی حد میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس لیے میں نے گھوم پھر کر دیکھا کہ کہیں ہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ یہ دونوں کام میں نے اس لیے کیے کہ ندی میں ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ اگر میں ڈوبتا تو صرف ایک شہزادہ ڈوبتا۔ اسی طرح اگر میں پکڑا جاتا تو صرف میں پکڑا جاتا۔"

شہزادے کی یہ بات سن کر استاد کے منہ سے بے ساختہ نکلا، "کیا مطلب"؟

"جناب! میرا مطلب یہ ہے کہ سینکڑوں شہزادے بھی مل کر ایک ارسطو نہیں بن سکتے۔"

یہ کہہ کر شہزادے نے ادب سے سر جھکا لیا۔ استاد نے آگے بڑھ کر اپنے ہونہار شاگرد کا ماتھا چوم لیا۔ تھوڑی دیر بعد ارسطو اور اس کا لائق شاگرد رتھ میں سوار ہو کر شہر کی طرف جا رہے تھے۔ رتھ پر سفید رنگ کا جھنڈا دیکھ کر ہزاروں لوگ شہر پناہ کے باہر وطن کے عظیم استاد اور اس کے ... شاگرد کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ان کے شہر ... خوشی میں گھر گھر گھی کے چراغ جلائے گئے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ شاگرد کون تھا؟

یہ سکندر اعظم تھا (بہ شکریہ "بچگانہ")

ایف احمد شاد

بدلہ

شدت کی گرمی تھی۔ دھوپ کی تمازت سے بدن جلسا جاتا تھا۔ سڑک پہ دوڑتی ہوئی گاڑیوں کو شہزاد حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ چلتے چلتے اس کے پاؤں اب جواب دینے لگے تھے لیکن اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی تھی۔

اس شہر میں آئے ہوئے آج اسے کئی ہفتے گزر گئے تھے۔ لیکن ابھی تک اسے نوکری نہیں ملی تھی۔ جہاں بھی وہ نوکری کی تلاش میں گیا اسے بری طرح دھتکار دیا گیا۔ اور اب ہر طرف سے ناچار و مایوس ہوکر وہ اپنے گاؤں کو لوٹنے کی سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کے قریب سفید رنگ کی ایک کار آکر رکی۔ وہ ہکا بکا اپنی جگہ پہ کھڑا رہ گیا۔ چند سکنڈ کے بعد ایک اجنبی شخص نے کھڑکی سے باہر اپنا سر نکالا اور شہزاد کو اشارہ کرکے اپنی طرف بلایا۔ شہزاد.... آہستہ آہستہ چلتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا۔

"آؤ.... اندر بیٹھ جاؤ....!" اجنبی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"مگر.... مگر.... آپ...." شہزاد نے کچھ کہنا چاہا۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔ پہلے اندر آؤ!" اجنبی نے حاکمانہ لہجے میں کہا۔

شہزاد خاموشی کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ اور دوسرے ہی پل کار کولتار کی پکی سڑک پہ پھسلنے لگی۔

"یہ میرا گھر ہے۔" ایک خوبصورت سی عمارت کے قریب گاڑی کھڑی کرکے اجنبی نے کہا۔ "آؤ اندر چلیں۔"

شہزاد کار سے نیچے اتر گیا، اور اس کے قدم عالی شان عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔

"کیا تم نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا....؟" گھر کے اندر پہنچ کر اجنبی نے کہا۔

"ن.... نہیں....!" شہزاد کے لہجے میں تعجب کی جھلک تھی۔

"ہا، ہا، ہا...." اجنبی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "کمال ہے۔ تم مجھے اتنی جلدی کیسے بھول گئے؟ ارے میں سلیم ہوں۔ تمھارے بچپن کا دوست! ہم نے ایک ساتھ تعلیم پائی، گاؤں کی گلیوں میں ایک ساتھ جوان ہوئے۔ کیا تمھیں کچھ بھی یاد نہیں؟"

"تم.... تم سلیم ہو؟" شہزاد نے اسے پہچانتے ہوئے کہا۔ "تم کتنے بدل گئے ہو۔ میں تو تمھیں پہچان بھی نہ سکا۔" اور دوسرے ہی پل شہزاد کا ذہن ماضی کی تلخ یادوں کی طرف لوٹ گیا۔

بچپن میں شہزاد اور سلیم کافی اچھے دوست تھے

اشوک روڈ نمبر ۱۱۱ ۲۸ ۸ (وضاحت)

ان کی دوستی کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ لوگوں کو ان کی دوستی پہ ناز تھا۔

وقت نے کروٹ لی۔ شہزاد کے دل میں سلیم کے خلاف غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں اور وہ سلیم کا دشمن بن گیا۔ کلاس میں غلط الزام لگا کر اس نے سلیم کو رسوا کرنا شروع کر دیا۔ ایک بار تو شہزاد نے اپنے ساتھیوں سے مل کر اس کی پٹائی بھی کر دی۔ لیکن سلیم ہر ظلم کو خاموشی کے ساتھ سہتا رہا۔

پھر ایک دن گاؤں میں اچانک سیلاب آگیا سینکڑوں لوگ مر گئے۔ کچی مٹی کی جھونپڑیاں ملبے میں تبدیل ہوگئیں۔ اس سیلاب سے سلیم بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔ اس کے والد تو تھے نہیں۔ بوڑھی، بیوہ ماں پانی کے طوفانی ریلوں میں نہ جانے کہاں گم ہوگئی۔

اب سلیم بالکل اکیلا ہوکر رہ گیا تھا۔ اس نے اب اسکول جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ہر وقت گاؤں کے باہر کسی سنسان جگہ پہ بیٹھ کر کچھ سوچا کرتا۔ پھر ایک دن اچانک وہ گاؤں سے غائب ہوگیا۔ گاؤں کے لوگوں نے پاس پڑوس کے علاقے میں اس کی تلاش کی لیکن بیکار۔ اس کا کہیں پتا نہ چل سکا۔ آخر ناچار ہوکر لوگوں نے اس کی تلاش بند کر دی۔

سلیم کی اس تباہی پہ شہزاد کے دل میں مسرت کی کئی پھلجھڑیاں ایک ساتھ چھوٹ پڑی تھیں۔ وہ بہت خوش تھا۔ اور خوش بھی کیوں نہ ہوتا اس کا ایک دشمن جو ٹھکانے لگ گیا تھا۔ اس نے جی کھول کر سلیم کی تباہی کا جشن منایا تھا۔

"شہزاد ۔۔۔۔ کہاں کھو گئے ۔۔۔؟" اسے خاموش دیکھ کر سلیم نے ٹوکا۔

"اوں ۔۔۔۔!" شہزاد جیسے کسی گہرے خواب سے بیدار ہوگیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے ندامت بھرے لہجے میں کہا۔ "اتنے دنوں تم کہاں رہے میرے دوست؟"

"تم تو جانتے ہی ہو کہ گاؤں کے سیلاب نے مجھے ہر طرف سے اکیلا کر دیا تھا۔ اور کچھ دنوں کے بعد یہ اکیلاپن مجھے کاٹنے کو دوڑنے لگا تھا۔ اس لیے گاؤں چھوڑ کر میں شہر چلا آیا۔ یہاں میری ملاقات ایک فرشتہ صفت انسان سے ہوگئی۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ انھوں نے مجھے پڑھایا لکھایا اور مرتے وقت اپنی ساری جائداد میرے نام کر گئے۔ اب میں شہر کا سب سے بڑا وکیل ہوں۔"

"لیکن سلیم! مجھے معاف کر دو۔ میں تمھاری دوستی کے لائق نہیں۔ نہ معلوم میں نے تمھارے اوپر کتنے ظلم کیے ہیں۔" شہزاد کے لہجے میں افسوس کی جھلک تھی۔

"بھول جاؤ پرانی باتوں کو۔ آؤ میرے گلے سے لگ جاؤ۔ آج سے ہم ایک ہیں۔" سلیم نے آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور کہا "آج سے تم یہیں رہوگے۔ میرے اسسٹنٹ بن کر! اور میری کمائی میں آدھا حصہ تمھارا ہوگا۔"

کئی ہفتے خاموشی کے ساتھ گزر گئے۔ شہزاد بے حد خوش تھا۔

ایک روز صبح جب وہ سو کر اٹھا تو سلیم کو اپنے بستر سے غائب پایا اسے تشویش ہوئی۔ اس نے گھر کا کونا کونا چھان مارا لیکن سلیم کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اچانک اس کی نظر میز پر پڑے کاغذ کے ٹکڑے پر پڑی۔ اور وہ دیوانہ وار اس پہ جھپٹا۔ یہ سلیم کا خط تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

میرے دوست شہزاد!

کافی دنوں سے میرے دل پہ ایک بوجھ سا تھا لیکن تمھیں پانے کے بعد میں بے حد سکون محسوس کر رہا ہوں۔

مجھے کینسر ہے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ اس لیے میں نے اپنی ساری جائداد تمھارے نام کر دی ہے۔ اور اب میں تم سے بہت دور جا رہا

ہوں۔ مجھے تلاش مت کرنا۔

مجھے یقین ہے تم اس ذمہ داری کو بخوشی نبھاؤ گے۔ ارے میرا کیا ہے۔ زندگی کے بچے کھچے دن کہیں بھی گزار لوں گا۔

ہو سکے تو اپنے اس بدنصیب دوست کو معاف کر دینا۔

تمہارا دوست

سلیم!

"نہیں..... نہیں..... یہ تم نے کیا کیا؟" خط پڑھ کر شہزاد چیخ پڑا۔ "آخر تم نے مجھ سے یہ کیسا بدلہ لیا میرے دوست!" اور دوسرے ہی لمحہ وہ میز پہ پڑی سلیم کی تصویر کو اپنے سینے سے لگائے زار و قطار رو رہا تھا۔

خیال کے پھول

قرآن کریم:

- اے ایمان والو، اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملاؤ۔

حضور اکرم:

- خدا کی نظر میں وہ عظیم ہے جس کا اخلاق بلند ہے۔

حضرت عمر:

- سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو اپنی بات کو اچھی طرح ثابت کر سکے۔

شیخ سعدی:

- اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال نوچ سکتی ہیں۔

محمد علی جناح:

- اصل چیز زندگی نہیں ہے بلکہ ہمت، صبر و تحمل اور عزم صمیم ہے جو زندگی کو زندگی بنا دیتے ہیں۔

ارسطو:

- ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے، مگر دوستی جتنی پرانی ہو اتنی عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔

مامون رشید:

- اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا اپنی طرف سے لوگوں کا خیال خراب کرنا ہے۔

مجدد الف ثانی:

- جس طرح جسم پانی سے صاف ہوتا ہے اسی طرح دل سچائی سے پاک ہوتا ہے۔

حکیم لقمان:

- علم دل کو اسی طرح سیراب کرتا ہے جس طرح بارش خشک زمین کو۔

ثریا حجاب پٹھان

مینوبہ

کسی گاؤں میں ایک مالدار بڑھیا رہتی تھی۔ اُس کا شوہر مر چکا تھا۔ بڑھیا کے باغ میں پام کے بے شمار درخت تھے جن کے بیجوں سے تیل نکال کر وہ تیل کا بیوپار کرتی تھی۔ مگر بڑھیا کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اپنی نوکرانی کے ساتھ تنہا رہتی تھی، بڑھیا کو اولاد نہ ہونے کا بہت غم تھا۔ جب وہ گاؤں کی لڑکیوں کو اپنے اپنے گھروں میں کام کرتے دیکھتی تو یک سرد آہ بھر کے رہ جاتی — کیونکہ سوائے اُس کی نوکرانی کے، اُس کی مدد کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ ایک دن بڑھیا اپنی نوکرانی کو لے کر بازار گئی۔ اُس کے گھر میں تیل کے بہت سے مٹکے رکھے تھے۔ جب بڑھیا چلی گئی تو سب سے بڑے مٹکے میں ہلکی سی آواز ہوئی اور پھر خود ہی خود مٹکے میں ایک سوراخ بن گیا۔ اور اُس سوراخ میں سے نارنجی رنگ کا پام تیل بہنے لگا۔ مگر تعجب کی بات یہ کہ یہ تیل چاروں طرف نہیں بہا۔ بس ایک چوڑی سی لکیر بناتا رہا۔ پھر اچانک وہ لکیر ایک نہایت ہی خوب صورت لڑکی میں بدل گئی جس کی آنکھیں نیلی اور بال سنہرے تھے۔ اُس لڑکی نے اپنے چاروں طرف دیکھا اور پھر دوسرے مٹکوں کی طرف دیکھ کر گانے لگی "پام تیل پام تیل۔ بہہ۔ ماں کو سوکھی لکڑیاں چاہئیں کون لائے گا؟ پانی کون بھرے گا؟ جھاڑو کون دے گا؟ باجری کون پیسے گا؟ سہیلیاں باہر آؤ! سہیلیاں باہر آؤ!"

جس وقت لڑکی گا رہی تھی اسی وقت چاروں مٹکوں میں سے تیل بہنے لگا اور کچھ ہی دیر میں یہ تیل بھی چار خوب صورت لڑکیوں میں بدل گیا۔ وہ چاروں لڑکیاں پہلی لڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔ "ہم کیا کریں مینوبہ؟" چاروں نے ایک آواز ہو کر اُس سے پوچھا۔ مینوبہ نے چاروں لڑکیوں کو الگ الگ کام بتائے اور خود اپنی جگہ کھڑی رہی۔ ایک لڑکی جلد کر سے جنگل سے سوکھی لکڑیاں لینے چلی گئیں، دوسرے نے گھر کے سارے مٹکوں میں پانی بھرا۔ تیسری نے گھر میں جھاڑو دی۔ اور چوتھی نے جلدی جلدی اناج پیسا۔ کام ختم کر کے چاروں لڑکیاں اپنے اپنے مٹکے کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ مینوبہ نے چاروں طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر کچھ پڑھنے لگی اور چاروں لڑکیاں پھر تیل میں تبدیل ہو گئیں اور تیل خود بہ خود مٹکوں میں بھر گیا۔ پھر مینوبہ خود بھی تیل میں بدل گئی اور تیل مٹکے میں بھر گیا۔

جب خنکی ہوئی بڑھیا اور اُس کی نوکرانی گھر پہنچیں تو انھیں گھر کی حالت دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ گھر صاف ستھرا تھا۔ پانی کے مٹکے بھرے ہوئے تھے۔ جنگل سے لائی ہوئی سوکھی لکڑیوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا اور آٹا بھی پسا ہوا تھا۔ بڑھیا نے پڑوس میں جا کر پوچھا کہ میرے گھر کون آیا تھا؟ پر ان سب نے ایک ہی جواب دیا "تمھارے گھر کوئی نہیں آیا"۔ بڑھیا کی بات سن کر پڑوسیوں کو بھی بہت تعجب ہوا۔

دوسرے روز جب بڑھیا اور اُس کی نوکرانی کھیت پر سے لوٹے تو انھوں نے وہی سب دیکھا جو کل دیکھا تھا۔

وسنت رجب میونسپل کوارٹرس بہرام پورہ (احمدآباد)

بڑھیا نے پھر سب پڑوسیوں سے پوچھا تو پڑوسیوں نے وہی جواب دیا۔ یہ سب سن کر بڑھیا دل ہی دل میں بہت خوش بھی ہوئی۔ اب بڑھیا روزانہ صبح ہوتے ہی اپنی نوکرانی کو ساتھ لے کر کہیں نہ کہیں چلی جاتی اور شام کو جب گھر آتی تو سب کام کیا کرایا ملتا۔

ایک دن شام کو بڑھیا اپنے گھر کے آنگن میں آرام سے بیٹھی تھی کہ اس کے کانوں میں باریک سی آواز آئی، "میں جانتی ہوں کون تیرے گھر آکر کام کر جاتا ہے؟" بڑھیا نے چونک کر پیچھے دیکھا تو ایک چھپکلی گردن اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ چھپکلی نے پھر اسی باریک آواز میں اپنی بات دُہرائی۔ بڑھیا نے دُم سے پکڑ کر چھپکلی کو اپنے ہاتھ پر بٹھا لیا۔ "بتا میرے گھر کون آتا ہے"، بڑھیا نے چھپکلی سے پوچھا۔ بڑھیا کی بات سن کر چھپکلی نے کہا "نہیں پہلے مجھے کھانا دے"۔ بڑھیا نے جھٹ چھپکلی کے آگے کچھ کھانے کو رکھ دیا۔ کھانا کھا کر چھپکلی بولی: "سُن! تو کل کہیں مت جانا بلکہ اپنی نوکرانی کو بھیج دینا مگر گھر میں زور سے کہنا "میں جا رہی ہوں ۔ میں جا رہی ہوں"۔ پھر چپکے سے اندر کمرے کے کسی کونے میں چھپ جانا اور پھر دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے؟" دوسرے دن بڑھیا نے ایسا ہی کیا۔

بڑھیا کمرے کے ایک کونے میں چھپ گئی تھوڑی دیر بعد سب سے بڑے مٹکے سے تیل بہنے لگا۔ بڑھیا چونک پڑی اس نے سوچا شاید مٹکا پھوٹ گیا ہے۔ مگر تیل جب ایک خوبصورت لڑکی میں بدل گیا تو اس کو بہت حیرت ہوئی اس لڑکی نے اپنی میٹھی آواز میں وہی گانا گانا شروع کر دیا۔ "تیل ۔ تیل ۔ تیل بہ ماں کو لکڑیوں کی ضرورت ہے۔ کون لائے گا ماں کو پانی کی ضرورت ہے، کون بھرے گا؟ فرش صاف کرنا ہے کون کرے گا؟" گیت سن کر چاروں مٹکوں میں سے چار لڑکیاں نکلیں اور انھوں نے جلدی جلدی کام کرنا شروع کر دیا۔ بڑھیا یہ سب کچھ چپ چاپ دیکھتی رہی اور اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ کم از کم ایک لڑکی کو ضرور پکڑ لے گی اور جانے نہیں دے گی۔

کام ختم کرکے لڑکیاں اپنے اپنے مٹکوں کے پاس آکھڑی ہو گئیں۔ مینو بہ سر جھکا کر کچھ پڑھنے لگی اور لڑکیاں تیل میں تبدیل ہونے لگیں تو بڑھیا گھبرا گئی اور اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر مینو بہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مینو بہ نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی بہت کوشش کی، مگر بڑھیا نے ہاتھ نہیں چھوڑا۔ مینو بہ رونے لگی تو بڑھیا نے اسے پھسلایا، خوشامد کی اور اسے اپنے ساتھ رہنے کو کہا۔ مینو بہ نے کہا "میں بس ایک شرط پر تمھارے ساتھ رہوں گی اور وہ یہ کہ تم کبھی مجھے آگ کے پاس مت بھیجنا۔ بڑھیا نے مینو بہ کی شرط مان لی اور وہ دونوں ماں بیٹی کی طرح گھر میں رہنے لگیں۔

بڑھیا بہت خوش تھی کہ بڑھاپے میں اسے اتنی خوبصورت بیٹی مل گئی۔ بڑھیا مینو بہ کو بہت پیار کرتی تھی۔ اچھے اچھے کھانے کھلاتی، قیمتی کپڑے پہناتی اور بالکل اپنی بیٹی کی طرح چاہتی۔ مینو بہ سارا دن ہنستی گاتی اور کھانا پکانے کا کام چھوڑ کر سارا کام کرتی۔ بڑھیا مینو بہ کی بہت ناز برداری کرتی تھی اور آگ کے پاس تو اسے بھول کر بھی نہ جانے دیتی۔ اس طرح بڑھیا اور مینو بہ دونوں ہی خوشی خوشی رہنے لگی تھیں۔

ایک دن اتفاق سے بڑھیا اکیلی کھیت پر گئی۔ گھر میں صرف مینو بہ اور نوکرانی ہی تھے، نوکرانی مینو بہ سے بہت جلتی تھی بڑھیا کے جانے کے بعد نوکرانی بولی "مینو بہ آج میری طبیعت اچھی نہیں ہے کھانا تو پکا لے"۔ مینو بہ نے گھبرا کر کہا "نہیں نہیں میں آگ کے پاس نہیں جا سکتی" نوکرانی نے سوچا آج تو مینو بہ سے ہی کھانا پکواؤں گی۔ دیکھتی ہوں کیسے نہیں پکاتی۔ نوکرانی بہت موٹی تازی عورت تھی۔ وہ نازک سی مینو بہ کو گھسیٹتی ہوئی چولھے کے پاس لے گئی۔ مینو بہ بہت چیخی چلائی، روئی مگر موٹی نوکرانی نے ایک نہیں سنی۔ جیسے ہی مینو بہ چولھے کے پاس گئی وہ ایک دم پگھل گئی۔ اور سارے باورچی خانے میں تیل ہی تیل بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر نوکرانی بہت خوف زدہ ہوئی اور اسی وقت گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئی۔

جب بڑھیا کھیت پر اکیلے کام کر رہی تھی تو یکایک اس کا دل بہت گھبرانے لگا۔ اس نے جلدی جلدی کام پورا کیا اور گھر کی جانب چل پڑی۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھی کہ ایک چڑیا پھُر سے اُڑ کر اس کی باسکٹ پر آ بیٹھی اور گانے لگی

"مینوبہ کی ماں، او مینوبہ کی ماں!
تیل فرش پر بہ رہا ہے!
مینوبہ کی ماں او مینوبہ کی ماں!
تمہاری خوب صورت بیٹی غائب ہو چکی ہے!
دیکھو اس کے تیل میں اپنی دُم ڈبو کر لائی ہیں!"
بڑھیا نے دیکھا چڑیا کی دم تیل میں تر تھی۔ بڑھیا دوڑتی ہوئی اپنے گھر پہنچی تو اس نے دیکھا باورچی خانے میں تیل ہی تیل تھا۔ بدنصیب بڑھیا بہت روئی مگر اس کے بعد پھر کبھی بھی مشکوں کا تیل خوب صورت لڑکیوں میں تبدیل نہیں ہوا اور بڑھیا کو اپنی زندگی کے باقی دن تنہا گزارنے پڑے۔

ہمارے وزیراعظم شری راجیو گاندھی کی
شطرنج کی میز

(بشکریہ ٹائمز آف انڈیا۔ دہلی)

نام: محمد خالد حسین　　عمر: ۱۶ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، قدرت سے پیار کرنا اور اس کے نظاروں سے لطف اٹھانا، باغبانی، گھومنا اور مسکرانا وغیرہ وغیرہ۔
پتا: بذریعہ ڈاکٹر ایم اے صدیقی۔ مقام پوسٹ۔ بارا کھایا، چاکند، ضلع گیا (بہار) ۸۵۴۲۵۴۔

نام: پرنس خالد صدیقی　　عمر: ۱۷ سال
مشغلہ، قلمی دوستی کرنا، فوٹوگرافی کرنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا۔
پتا: شرافت ہاؤس، ڈی۔۴۔لال باغ پٹنہ۔ ۸۵۵۵۵۲۔

نام: محمد جاوید لطیف　　عمر: ۲۰ سال
مشغلہ: دانشوروں کے اقوال و علم قیافہ کا مطالعہ کرنا، اچھے اور معیاری شعر جمع کرنا۔ بی۔بی۔سی اردو پروگرام سننا۔
پتا۔ ۱۰۵/۲۰۹ چمن گنج کانپور۔ یو۔پی۔ ۲۰۸۰۰۱

نام: محمد منظہر نعمانی　　عمر: ۱۲ سال
مشغلہ، پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ میچ کھیلنا، پڑھنا لکھنا۔
پتا: معرفت جناب محمد اجمل صاحب، محلہ مہراج گنج، ڈاکخانہ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد (بہار)

نام: محمد حیدر بن رؤف　　عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، کیرم کھیلنا، لطیفے جمع کرنا اور والدین کی خدمت کرنا۔

نام: شکیل احمد　　عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: نماز پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، بڑوں کی عزت کرنا، اچھی کتابیں پڑھنا۔
پتا: شکیل احمد معرفت انیجل شریف، ۵ راد، جمی بازار اندور۔ ۴۵۲۰۰۴

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

باپ (بیٹے سے) جانتے ہو جب سکندرِ اعظم تمھاری عمر کا تھا تو وہ ارسطو کی تمام کتابیں پڑھ چکا تھا۔

بیٹا: اور ابا جان جب وہ آپ کی عمر کا تھا تو آدھی دنیا فتح کرچکا تھا۔

•

فٹ بال کے دو کھلاڑی آپس میں باتیں کررہے تھے۔

پہلا: میں نے ایک بار اتنی اونچی فٹ بال پھینکی کہ پورے ایک گھنٹے بعد واپس آئی۔

دوسرا: یہ تو خیر کوئی بات نہیں، میں نے ایک بار فٹ بال پھینکی جب واپس آئی تو اس کے ساتھ ایک پرچی تھی جس پر لکھا تھا: "یہ فٹ بال آئندہ چاند پر نہ آئے۔"

سید افضل زیدی۔ دہلی ۶

•

مالک: ایسے جاؤ جیسے تیر کمان سے جاتا ہے اور پھر اسی تیزی سے واپس آنا۔

نوکر: جناب کل تو آپ کہہ رہے تھے کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔

•

باپ: (بیٹے سے) قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے کیے کا پھل ملے گا۔

بچہ: ابا جان میں تو صرف آم لوں گا۔

ماں: بیٹا! اب اٹھ جاؤ دیکھو تو، سورج نکل آیا ہے۔

بیٹا: کمال ہے۔ سورج اگر آدھی رات کو نکل آئے تو کیا اس وقت بھی اٹھ کر بیٹھ جاؤں؟

•

کوئلے سے دیوار پر لکھتے دیکھ کر باپ نے بچے کو ٹو "دیوار پر کچھ نہ لکھو۔"

بچہ: "پہلے مکان میں تو آپ لکیریں کھینچنے پر مجھے منع نہیں کرتے تھے۔"

باپ: "ٹھیک ہے۔ وہ کرائے کا مکان تھا اور یہ ہمارا ذ مکان ہے۔"

مصطفےٰ کبیر (اسلام آبادی)

•

مسافر: ارے ارے، گاڑی روکو ایک عورت ٹرام گر پڑی ہے۔

کنڈکٹر: (لاپرواہی سے) کوئی حرج نہیں جناب اس نے ٹکٹ لے لیا ہے۔

•

استاد: (شاگرد سے) بتاؤ گلناز! بندرگاہ کسے کہتے ہیں

گلناز: (کچھ سوچ کر) سر! جہاں بہت سارے بندر رہتے

کے۔ انیس احمد، اسلامیہ ہائر سکینڈری سکول والمبا

•

ماسٹر: تمھارے جسم میں کل کتنی ہڈیاں ہیں۔

شاگرد: ایک سو آٹھ۔

ماسٹر: نہیں ایک سو سات

شاگرد: میں آج مچھلی کی ایک اور ہڈی نگل آیا ہوں۔

•

بیرا: جناب کھانے کے دام کھانے سے پہلے دے دیجیے

مسافر: کیوں؟

بیرا: تھوڑے دن ہوئے ایک صاحب کے حلق میں ہڈ پھنس گئی تھی اور وہ مرگیا۔ ہوٹل کے منیجر نے اس دام میری تنخواہ میں کاٹ لیے جب سے ہوشیار ہو گیا ہوں

محمد عارف، کرانا شاپ مانا، ضلع اکولہ [illegible]

سلام مسنون

پیام تعلیم مسلسل مل رہا ہے۔ یہ بچوں کے لیے ہی نہیں بڑوں کے لیے بھی بے حد پرکشش ہے۔ میری ہی مثال لے لیجیے۔ رسالہ نہ ملنے کی شکل میں کسی محبوب شے کے چھین جانے کا گمان ہوتا ہے۔ پہلے کی بہ نسبت رسالے میں کافی نکھار آیا ہے۔

زیر نظر شمارہ میں حافظ باقوی، امان اللہ شیروانی، عزیز، ارشاد عالم کی تخلیقات بہت پسند آئیں۔ ویسے رسالہ کی چھپائی بھی خوب ہے۔ آخر میں رسالہ کی ترقی کے لیے دعا گو

احمد نثار چنگیزی، بیرواچند پور کھوریا بازار۔ ضلع گورکھپور ۲۷۳۱۶۴

جناب ایڈیٹر صاحب سلام مسنون

پیام تعلیم ستمبر ۸۵ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ شکریہ! ہر اعتبار سے معیاری، دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ آپ کی دلچسپی اور معلومات کا بہت سا اچھا مواد پیش کرتے ہیں۔ یہ سارا مواد بچوں کی ذہن سازی اور تعمیر میں اچھا رول ادا کرتا ہے۔ میری رائے میں پیام تعلیم ہر اردو جاننے والے بچے کو پڑھنا چاہیے۔ اگر ہو سکے تو اسے کچھ اور سنوارنے اور خوبصورت بنانے کی طرف توجہ دیجیے گا۔

محمد علی جان ہلیگ گنج ڈونڈوارہ ضلع ایٹہ (یو۔ پی)

ایڈیٹر صاحب سلام مسنون

میں پیام تعلیم کا مطالعہ پابندی سے کرتا ہوں۔ موجودہ دور میں بچوں کے ادب کے سلسلے میں پیام تعلیم کا مقابلہ کسی دوسرے رسالے سے نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے پیامی ادبی سبھا کا پروگرام شروع کر کے رسالے کے حق میں انتہائی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔

محمد ہارون کرانا شاپ، مانا (اکولہ)

محترم ایڈیٹر صاحب اسلام علیکم

پیام تعلیم میں عید کے کچھ پکوان، اخبار کی کہانی بہت پسند آئے۔ دلچسپ خبریں اور ادھر ادھر سے پہلے پڑھتا ہوں۔ اس کو شروع کیا کیجیے۔ ہمدرد انسائکلو پیڈیا کیوں بند ہو گیا!

فیضان الرحمن فیضی، کلب، (ضلع ایوت محل)

محترم ایڈیٹر صاحب آداب

اگست کا شمارہ نظر نواز ہوا ماشاءاللہ کافی معیاری تھا۔ کہانیاں، عید کے کچھ پکوان، اخبار کی کہانی دل کو چھو گئے۔ ڈاک ٹکٹ ایک دلچسپ مشغلہ، کافی معلوماتی اور دلچسپ مضمون تھا۔ دلچسپ اس لیے کہ میں خود ڈاک ٹکٹ جمع کرتی ہوں۔ سب قلم کار حضرات کو میری طرف سے مبارکباد دیجیے۔

ممتاز بانو، ۵۰، نزدیک قریش لائبریری، صدر بازار دہلی ۶

مکرمی تسلیم

آج میری نظر سے "پیام تعلیم" مئی کا شمارہ گزرا۔ ہمدانی "ثریا حجاب" کا اور بچوں کی کوششیں کافی پسند آئیں۔ اور بھی باقی مضامین ٹھیک ہیں۔ ان سب قلم کاروں کو میری طرف سے مبارکباد دیں۔ میری نیک تمنا آپ کے ساتھ ہے اور ساتھ ہی ساتھ تعاون۔

زاہد رضوی (انڈال بردوان)

مکرمی اسلام علیکم

پیام تعلیم بدستور مل رہا ہے اتنا جلد اور ٹھیک وقت پر شاید ہی کوئی رسالہ ملتا ہو گا۔ مضامین عمدہ، چیدہ چیدہ، بچوں کے لیے، بعض مضامین بڑوں کے لیے تعلیم و تربیت کا باعث ہوا کرتا ہے۔ ٹائیٹل نہایت خوبصورت اور جاذب نظر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح جاری و ساری رکھے۔ آمین۔ بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

مطیع اللہ، راد نثار کالجیٹ اسکول، کٹک، اڑیسہ

پیامی ادبی معمّہ ۲ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: (۱) دجہ۔ جدید پہیلیاں۔ صفحہ ۴ (۲) کتے۔ گلابو چھپا اور پری زاد۔ ص ۳۶ (۳) کام کرنے۔ صحت کے الف بے۔ ص ۲۷ (۴) اڑنے۔ ہمارا دین اول۔ ص ۱۹ (۵) گرنے۔ بہادر۔ ص ۲۵ (۶) ڈر۔ جھوٹا لڑکا۔ ص ۲۲ (۷) گردن اڑا دوں۔ رسول پاک کے اخلاق۔ ص ۳۰ (۸) بستر۔ سلامہ و صمصامہ۔ ص ۲۷۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۷ خوش نصیب
فی کس ۱۴/۲۵ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ خلیق احمد۔ کمرہ ۴۳۹۔ اے ونگ منسٹری آف لا۔ شاستری بھون۔ نئی دہلی ۱۔ ۲۔ ایس۔ عزالہ نشاط غزل بک ملکی شیخ۔ میراں گلی۔ آمبور (۶۳۵۸۰۲) ۳۔ ایس لبنیٰ نشاط شوبی۔ ۴۔ ایس رعنا نشاط رینو۔ پتا وہی جو عزالہ نشاط کا۔ ۵۔ ایس۔ شفیق احمد زیدی ۱۱ محمد پورہ تیسری گلی۔ آمبور۔ تامل ناڈو۔ ۶۔ ایس۔ معشوق الٰہی ۸۔ ۷۔ ب ۲ او کھلا جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ ۷۔ عاصمہ خاتون۔ مکان نمبر ۱۳۵۰ پہاڑی املی مٹیا محل۔ دہلی ۶۔

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب
فی کس ۵ روپے کی کتابیں دی گئیں۔

۱۔ کاشفہ کوثر۔ ۲۱ جولارپیٹ صاجان۔ صاحب اسٹریٹ۔ وانمباڑی۔ ۲۔ شائستہ خلیل۔ مکان نمبر ۱۳۵۰ پہاڑی املی۔ مٹیا محل دہلی ۶۔ ۳۔ محمد مولانا اعظمی۔ معرفت عبداللہ دانش۔ ۲۴ نصراللہ ہوسٹل۔ وی ایم ہال۔ علی گڑھ۔ ۴۔ اظہر نعمانی۔ مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج۔ اورنگ آباد (بہار)۔ ۵۔ محمد اطہر نعمانی۔ مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار)۔ ۶۔ محمد نثار احمد صدیقی۔ ۷۔ نور فاطمہ زہرا۔ پتا مذکورہ بالا ۸۔ شبیر احمد حبیب اللہ انصاری۔ حکیم سیٹھ کا کارخانہ ۲۹۳ جے نظام پور۔ بھیونڈی۔ ۹۔ فہمیدہ بانو۔ بنت عبدالرشید صدیقی ۵ (الف) فیت والا بلڈنگ پائپ روڈ۔ کرلا۔ بمبئی (مہاراشٹر) ۱۰۔ نوید عمران۔ گورنمنٹ اردو لوئر پرائمری اسکول۔ بیڈر پیٹ۔ آنیکل

ادھر ادھر سے

نشاط پروین شیروانی

عالیہ خاتون

قومی یکجہتی میں اندرا گاندھی کا حصہ ۱۴ مضامین پر انعام کا اعلان
جامعہ ملیہ سینئر سیکنڈری اسکول نے بشمول اوّل پانچ انعامات حاصل کیے

دہلی۔ ۱۷ اکتوبر (نامہ نگار) آل انڈیا نہرو وچار اکیڈمی کے جنرل سکریٹری ایم سلیم نے بتایا کہ اکیڈمی کی جانب سے "قومی یکجہتی میں اندرا گاندھی کا حصہ" کے عنوان کے تحت تحریروں میں انعامی مقابلے کا اعلان کیا گیا تھا جس میں اکیڈمی کو ایک سو گیارہ طلبہ کی تحریریں موصول ہوئیں ان میں سے ۱۴ تحریروں کو انعامی مقابلہ میں انعامات کا مستحق قرار دیا گیا اکیڈمی کے آفس میں ۱۷ اکتوبر شام ۵ بجے پانچ ججوں پر مشتمل ایک کمیٹی جس میں جسٹس ایم۔ ایچ بیگ، منظور احمد آئی۔ پی۔ ایس، ذہین نقوی سکریٹری غالب اکیڈمی، پروفیسر بلبیر سنگھ دلی یونیورسٹی۔ ڈی ڈی شرما، اسسٹنٹ کمشنر پولیس شاہدرہ کی موجودگی میں تمام مضامین پر غور کرنے کے بعد چودہ مضامین جس میں پانچ جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول اور ۹، دہلی و دیگر اضلاع سے آئے ہوئے طلبا کو انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس مقابلے میں پہلا انعام ایک ہزار روپے کا نشاط پروین شیروانی جامعہ ملیہ نے حاصل کیا یہ سب ہی انعامات ۱۴ نومبر کو غالب اکیڈمی میں تقسیم کیے جائیں گے۔

جامعہ کے جن طلبہ و طالبات کو انعامات کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ ان کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

	نام	انعام	رقم
۱۔	نشاط پروین شیروانی	پہلا انعام	ایک ہزار روپے
۲۔	عالیہ خاتون	چوتھا انعام	چار سو روپے
۳۔	سیمیں مشیر	حوصلہ افزائی انعام	پچاس روپے
۴۔	نیر دانش	"	"
۵۔	محمد ریاض	"	"

۲۱ اکتوبر ۸۵ء　　　خیر اندیش　　　خالد محمود

دم دار ستارے کے مشاہدے کے لیے جاپان کا راکٹ خلا میں

ٹوکیو۔ ۱۹ اگست (ی ان ا) جاپان نے ہیلی دم دار ستارے سے متعلق جانکاری حاصل کرنے کے لیے آج ایک راکٹ داغا ہے۔ ستارہ سورج کے چاروں طرف اپنا ۷۶ سالہ چکر پورا کرنے کے لیے مدار میں داخل ہونے والا ہے۔ ایم یو۔ ۳ ایس ۲ راکٹ جنوبی جاپان کے یوچی نورا خلائی مرکز سے چھوڑا گیا۔ یہ ۸ مارچ ۸۶ء کو اس ستارے کے دو لاکھ کلو میٹر نزدیک تک پہنچ جائے گا۔ اس سے قبل جنوری میں ایم ایس ٹی۔ ۵ راکٹ چھوڑا گیا تھا۔ برطانیہ کے ایڈمنڈ ہیلی نے اسے ۱۷۰۵ء میں دریافت کیا تھا۔ ستارہ سورج کے چاروں طرف ایک چکر ۷۶ سال میں پورا کرتا ہے۔

راجستھان کی لڑکی کو پہلا انعام ماسکو کے کتابی میلے میں

ماسکو۔ ۱۶ ستمبر (ی ان ا) راجستھان کی رہنے والی بارہ سالہ لڑکی ندھی گہلوٹ نے ماسکو ۱۹۸۵ء کے کتابوں کے بین اقوامی میلے میں پینٹنگ کے بچوں کے قومی مقابلے میں پہلا انعام حاصل کیا۔ اسے یہ انعام اس کی جس تصویر پر ملا اس کا عنوان ہے "میں اپنا خواب دیکھ رہی ہوں" سوویت یونین عورتوں کی میگزین کی ایڈیٹر انچیف اور جیوری کی ممبر دی نیلو دروف نے کہا کہ اس مقابلے میں چونسٹھ ملکوں کے ۳۲ ہزار بچوں نے حصہ لیا تھا ندھی گہلوٹ کے علاوہ نیکی داس، بی سوامی ناتھم، پرکاسن کالیہ اور رانومان کو بھی انعام ملے۔

حیرت انگیز لوہے کا کھمبا

قطب مینار (دہلی) کے قریب کھڑا ہوا ایک قدیم لوہے کا کھمبا دنیا کے سائنسدانوں کے لیے ایک معما بنا ہوا ہے اس نے گویا اٹل فطری قوانین کی خلاف بغاوت کر رکھی ہے۔ اس لوہے کے کھمبے کو زنگ نہیں لگتا۔ یہ کھمبا پچھلے ایک ہزار چھ سو سال سے کھلے میدان میں کھڑا ہے۔ تپتی دھوپ، بارش اور تیز ہواؤں کے بیچ۔ اس کے باوجود اسے ابھی تک زنگ نہیں لگا۔

یہ انوکھا لوہے کا کھمبا قریب چوبیس فٹ اونچا ہے۔ تھوڑا سا حصہ زمین میں دفن ہے۔ اسے ایک گول کھمبے کی شکل میں ڈھالا گیا ہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس کا وزن چھ ٹن (چھ ہزار کلو) کے برابر ہے یہ کھمبا ٹھوس ہے اور اس میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔ کیمیائی تجزیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس میں ننانوے فیصد سے بھی زیادہ لوہا ہے۔

اس کھمبے پر پائی جانے والی ایک چھ سطرح سنسکرت تحریر نے کسی چندرا نامی راجا سے منسوب کرتی ہے تاریخ دانوں نے اسے گپت خاندان کے راجا چندر گپت دوم ۳۷۵ تا ۴۱۳ء کا ہے۔

دہلی کے اس لوہے کے کھمبے کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ یوں کہ دنیا میں اور کہیں بھی ایسی کوئی لوہے کی چیز نہیں پائی گئی ہے جو اتنے لمبے عرصے تک کھلے میدان میں رہنے کے باوجود زنگ سے بری ہو۔ معلوم ہوتا ہے قدیم ہندستانی کیمیاگر لوہے کو ہمیشہ کے لیے بے زنگ بنانے کا نسخہ جانتے تھے۔ لیکن یہ نسخہ ایک راز ہی رہا ہے۔ دنیا کے سائنسدانوں نے اس کھمبے پر کئی تجربات کیے لیکن لاحاصل۔ یہ بات ابھی تک نہیں معلوم ہو پائی ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہندستانیوں نے اس لوہے کے کھمبے کو کس طرح بنایا کہ اسے آج تک زنگ نہیں لگ سکا ہے۔

گھڑی میں چاند دیکھیے

لوگ چاند کے لیے جھگڑ رہے ہیں۔ ادھر سوئٹزرلینڈ کے ایک اہم ترین گھڑی ساز ادارے قطینہ نے ایک ایسی سون واچ تیار کی ہے جسے اسلامی گھڑی کا نام دیا جا رہا ہے۔ ادارے کے پریس ریلیز کے مطابق یہ گھڑی قطینہ کی دیگر گھڑیوں کے ساتھ ساتھ جلد ہی پاکستان میں دستیاب ہونے لگے گی۔ یہ سون واچ جسے اسلامی گھڑی کا نام دیا گیا ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ڈائل کے ساتھ ایک گول نشان دیا گیا ہے جس میں چاند اپنی اصل شکل و صورت میں نظر آتا ہے اور چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی صورت بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس گھڑی کی اختراع کرنے والوں کا دعوا ہے کہ اس گھڑی سے شب برات، عید، رمضان، حج اور دیگر مواقع پر چاند کی قطعی تاریخ کی تعیین کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مسلم ممالک میں اس اسلامی گھڑی کو خاص دلچسپی سے دیکھا جا رہا ہے۔

ضروری اعلان

طباعت اور کاغذ کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے ہمیں مجبوراً پیام تعلیم کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے اب جنوری ۶۹ سے عام شمارے کی قیمت ۳/- روپے ہوگی اور سالانہ ۲۵ روپے ہوگی۔

بچوں کی کوششیں

مولانا محمد علی جوہر:

مولانا محمد علی جوہر ہندستان کی جنگ آزادی کے صفِ اوّل کے رہنما تھے۔ آپ کا شمار ہندستان کی جنگ آزادی کے سپہ سالاروں میں کیا جاتا ہے۔ آپ کی پیدائش ریاست رام پور کے ایک آسودہ گھرانے میں ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء کو ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عبدالعلی خاں تھا جن کا انتقال ۱ اگست ۱۸۸۰ء کو ہوا۔ اس طرح مولانا کے سر سے بچپن ہی میں والد کا سایہ اٹھ گیا۔ آپ کی پرورش آپ کی والدہ نے کی جو بعد میں بی اماں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ۱۸۹۰ء میں مولانا علی گڑھ اسکول میں داخل ہوئے۔ وہ پڑھنے میں بہت تیز تھے لیکن پڑھتے لکھتے کم تھے چونکہ ان کا ذہن بہت تیز تھا۔ اس لیے تھوڑی سی محنت کے بعد امتحان میں امتیازی نمبروں سے پاس ہو جاتے تھے۔ انھیں لیڈر بننے کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے اسکول میں ایک ٹولی بنائی تھی اور خود اس کے سردار بن گئے تھے۔ اس میں وہ پڑھنے لکھنے اور باہر لڑنے جھگڑنے میں اپنی تیزی کا ثبوت دیتے تھے۔

۱۸۹۸ء میں انھوں نے بی۔ اے کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ پھر وہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں انھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے لنکن کالج میں داخلہ لیا اور آئی سی ایس کے امتحان کی تیاری کرنے لگے۔ جس میں وہ ناکام ہو گئے۔ یہ ان کے لیے اچھا ہی ہوا نہیں تو وہ انگریزوں کے وفادار ملازم ہو کر رہ جاتے۔

انگلستان سے لوٹنے کے بعد ۱۹۰۲ء میں ان کی شادی عظمت اللہ خاں کی صاحبزادی امجدی بیگم سے ہوئی۔

انھوں نے کلکتہ سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار "کامریڈ" نکالا جس میں وہ اپنے مزاج کے مطابق مضمون لکھتے تھے۔ انھوں نے دلّی سے ایک اردو اخبار "ہمدرد" بھی نکالا تھا۔

جب وہ کھلے طور سے آزادی کی لڑائی میں حصّہ لینے لگے تو انگریزوں نے انھیں رام پور میں نظر بند کر دیا لیکن ایک ہی دن بعد انھیں یہ حکم واپس لینا پڑا۔ محمد علی اور شوکت علی نے ایک جماعت "خلافت کانگریس" کے نام سے قائم کی اس جماعت کا مقصد بھی انگریزوں کی مخالفت کرنا تھا۔

۱۹۲۹ء میں حکومت برطانیہ نے ہندستان کی جنگِ آزادی کے رہنماؤں کو انگلستان گول میز کانفرنس میں مدعو کیا جس میں مولانا محمد علی جوہر نے بھی شرکت کی اور ایک یادگار تقریر کی:

"میں اسی حالت میں اپنے ملک واپس جاؤں گا جب آزادی کا پروانہ میرے ہاتھوں میں ہوگا۔ میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔ میں ایک غیر ملک میں جب تک وہ آزاد ہے مرنا پسند کروں گا۔ اگر آپ مجھے ہندستان کی آزادی نہیں دیں گے تو یہاں مجھے قبر کے لیے جگہ دینی پڑے گی۔"

یہ تقریر کرنے کے بعد وہ ہندوستان واپس نہیں لوٹ سکے۔ بقول جوہرؔ

ہے رشک ایک خلق کو جوہرؔ کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

آپ کی تاریخِ وفات ۴ جنوری ۱۹۳۱ء رہی۔ اور آپ بیت المقدس میں دفن کیے گئے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شبیر حسین عثمانی
مجیبی دواخانہ، جھریا، (بہار)

اصلی خزانہ

ایک گاؤں میں بوڑھا کسان رہتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ کچھ کام کے نہ تھے۔ کھیتی باڑی کرکے اپنی زندگی گزار رہا تھا۔ ایک دن کھیت سے گھر واپس ہو رہا تھا۔ زوردار کی بارش ہونے لگی، کسان بھیگ گیا اور بیمار پڑ گیا۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس نے اپنے چاروں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا۔ اور کہا "بیٹے! دیکھو میں چند گھڑی کا مہمان ہوں۔ میرے بعد اتفاق اور محبت سے رہنا۔ ہاں خوب یاد آیا میرے پاس ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ خزانے کا لفظ سنتے ہی لڑکے حیران ہو گئے اور بات کاٹ کر پوچھنے لگے "ابا جان! وہ کہاں ہے؟"

بوڑھے نے جواب دیا "وہ خزانہ میں نے کھیت میں چھپا رکھا ہے" اتنا کہنے کے بعد اس کی روح پرواز کر گئی۔

لڑکوں نے کفن دفن کے فرائض انجام دیے۔ اور دوسرے دن کدال اور بیلچے لے کر کھیت میں چلے گئے۔ اور کھیت کو ہر طرف سے نہایت اچھی طرح سے کھودنا شروع کیا۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور پھر چوتھا کھیت کھودنے لگے۔ شام کو سب تھک کر چور ہو گئے۔ مگر خزانے کا کہیں پتا نہ لگا کہنے لگے کہ بوڑھے نے مرتے دم ہم کو دھوکا دیا۔ بے کار کھیت کی کھودائی کی گئی۔

آخر میں اس کھیت میں موسم کے مطابق گندم بوئی گئی۔ اور پہلے سے چوگنی فصل ہوئی۔ اور وہ مالا مال ہو گئے۔ جس پر انھیں بوڑھے باپ کی بات کا مطلب سمجھ میں آیا کہ اصلی خزانہ تو محنت اور اتفاق ہے۔ سچ ہے محنت کبھی بیکار نہیں جاتی

کے۔ انیس احمد
بڑی پیٹھ، وانمباڑی

دامنِ ضبط آخر چھوٹ ہی گیا

کان سے کم سننے والا داماد اپنے بیمار سسر کی مزاج پرسی کرنے گیا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ جب میں پوچھوں گا "طبیعت کیسی ہے۔ تو وہ کہیں گے ٹھیک ہے میں پوچھوں گا کس ڈاکٹر کا علاج ہو رہا ہے۔ وہ کہیں گے آر۔ کے۔ گپتا کا۔ میں کہوں گا۔ یہ ڈاکٹر اچھا ہے۔ سوتے کہاں ہیں۔ تو سسر جی جواب دیں گے۔ اپنے کمرے میں، کھاتے کیا ہیں؟ کہیں گے نرم غذا۔ سوچ کر داماد سسرال پہنچا۔

دریافت کیا طبیعت کیسی ہے؟ سسر نے کہا۔ خراب ہے۔ داماد نے کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ اس کے بعد دریافت کیا۔ کس ڈاکٹر کا علاج ہو رہا ہے، سسر نے غصے میں کہا، ملک الموت کا۔ داماد نے کہا بہترین ڈاکٹر ہے۔ اب داماد نے پوچھا۔ کھاتے کیا ہیں۔ پتھر۔ سسر نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ واقعی نرم غذا ہے۔ داماد نے کہا۔ سوتے کہاں ہیں: قبر میں۔ سسر اکڑ گئے اور جب داماد نے کہا اچھی جگہ ہے تو سالوں نے پکڑ کر اچھی طرح بہنوئی کی مرمت کر دی۔

نواب عتیق اظہیر اہدی
گرجا پاڑہ، رانی گنج (بردوان)

ترقی کے لیے دماغ سے کام لیں:

امریکہ میں بٹیل کریگ ایک غریب لڑکا تھا۔ وہ بچپن ہی میں والدین کے سایے سے محروم ہو گیا تھا۔ دن بھر مزدوری کرکے پیٹ بھر کھانا کھا پاتا تھا۔ رات ایک کوٹھری میں تنہا گزارتا تھا۔ یہ کوٹھری اتنی چھوٹی تھی کہ

جب وہ دونوں ہاتھ پھیلاتا تو دونوں طرف کی دیواروں کو بہ آسانی چھو لیتا اور بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھ سے چھت چھو لیتا تھا۔

ایک دن وہ دل بہلانے کے لیے کوٹھری سے باہر آیا اور چلتا چلتا پاس کی لائبریری میں چلا گیا۔ اس نے ایک کتاب اٹھائی اور پڑھنے لگا۔ کتاب میں عقل سے کام لینے، دماغ کا صحیح استعمال کرنے اور محنت کی بڑائی پر ایک عمدہ مضمون تھا۔

وہ سوچنے لگا میرے جسم میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ میرا ذہن بھی اچھا ہے۔ مجھے کوئی سہارا دینے والا بھی نہیں ہے۔ مجھے اپنی صلاحیت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

وہ اپنی ترقی کے لیے روز ایک گھنٹہ سوچنے لگا۔ زیادہ محنت کرنے لگا۔ مزدوری کے ساتھ ساتھ اس نے چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچنا شروع کر دیں۔ پیسا جمع کرتا رہا۔ یہ غریب لڑکا اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگا۔ تجارت کے شوق اور تجربے نے اس کو بڑا آدمی بنا دیا۔ آخر کار ترقی کرتے کرتے اس نے عالی شان سنگ مرمر کا ایک بہت خوبصورت محل بنوا لیا۔ اور امریکہ کا نامی گرامی تاجر ہوا۔

یہ سب کچھ محنت اور اپنی ذہنی صلاحیت کو استعمال کرنے کا نتیجہ تھا۔

عظمیٰ عارف
درجہ دہم ب، گورنمنٹ کالج کدورہ، جالون۔

ایک تھا بے وقوف

ایک تھا بیوقوف۔ ایک دن اس کے پیٹ میں درد ہونے لگا وہ حکیم کے پاس گیا۔ حکیم صاحب نے دوا دیتے ہوئے کہا صرف کھچڑی کھانا۔ بے وقوف تو تھا ہی بے وقوف، اس نے سوچا کہ کھچڑی بھول نہ جاؤں۔ اس لیے بار بار کہنے لگا کھچڑی۔ کھچڑی راستے میں پتھر پڑا تھا۔ ٹکرا کر گر پڑا۔ کھچڑی بھول گیا۔ کھا چڑی، کھا چڑی کہنے لگا۔

سامنے کسان کے کھیت میں چڑیاں چگ رہی تھیں۔ کسان نے بے وقوف آدمی کی یہ بات سنی تو بہت غصہ ہوا اس نے بے وقوف آدمی کو خوب پیٹا اور کہا کہ اُڑ چڑی، اُڑ چڑی، بے وقوف تو تھا ہی اُڑ چڑی، اُڑ چڑی کہتا ہوا آگے بڑھا۔ راستے میں اس کی ملاقات ایک شکاری سے ہوئی۔ شکاری غصّے سے آگ بگولہ ہو گیا وہ سمجھا یہ آدمی اُڑ چڑی اُڑ چڑی کہہ کر میرے شکار کو اڑا رہا ہے۔ شکاری نے اسے خوب پیٹا۔ اس کے بعد کہا اُڑ چڑی، اُڑ چڑی کیوں کہتا ہے۔ بول پھنس چڑی، پھنس چڑی، بے وقوف یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا۔ اس کی ملاقات چار چوروں سے ہوئی انھوں نے جب پھنس چڑی، پھنس چڑی سنا تو بہت غصہ ہوئے۔ انھوں نے سمجھا یہ آدمی ہمیں پکڑے جانے کی بددعا دے رہا ہے۔ انھوں نے بے وقوف آدمی کی خبر لی اور اس سے کہا کہو ایک کے بعد دوسری، ایک کے بعد دوسری۔ اب بے وقوف یہ کہتا ہوا آگے بڑھا راستے میں ایک چھوٹا گاؤں تھا۔ اس دن وہاں کے مکھیا کا بیٹا مر گیا تھا۔ مکھیا کے گھر میں سب ماتم کر رہے تھے۔ سبھی لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور سامنے وہ بیوقوف ایک کے بعد دوسری، ایک کے بعد دوسری کہتا ہوا جا رہا تھا۔ یہ بات سن کر لوگوں کے دل میں آگ لگ گئی۔ انھوں نے بے وقوف آدمی کو خوب پیٹا۔ بے وقوف کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس کا قصور کیا ہے، لوگ اسے مارتے کیوں ہیں۔ آخر میں لوگوں نے سمجھایا۔ بے وقوف غم کے موقع پر ایسا کہنا نہیں چاہیے۔ کہو ایسا کبھی نہ ہو، ایسا کبھی نہ ہو۔ اور بے وقوف ایسا کہتا ہوا آگے بڑھا، ایک زمیندار کا مکان تھا اس دن زمیندار کے بڑے لڑکے کی شادی تھی۔ بارات کے آگے زمیندار کا لڑکا گھوڑے پر سوار تھا ادھر یہ بے وقوف ایسا کبھی نہ ہو، کی رٹ لگاتا جا رہا تھا۔ لوگ اس کی یہ باتیں سن کر غصّہ میں آگئے۔ پھر ایک آدمی نے سمجھایا کہو ایسے سب کی ہو، ایسے سب کی ہو، بے وقوف تو بالکل بے وقوف تھا وہ ایسے سب کی ہو، ایسے سب کی ہو، کہتا ہوا روانہ ہوا راستے میں ایک گھر کو

آگ لگی ہوئی تھی وہ وہاں جا کر رک گیا وہ جلتے ہوئے گھر کی طرف دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا ایسے سب کی ہو، ایسے سب کی ہو، گھر کے مالک نے یہ بات سنی تو غصہ میں آکر اس کی خوب مرمت کی اسے مارتے ہوئے اس سے کہا میں کھچڑی نکال دوں گا۔ بے وقوف نے یہ کھچڑی کا لفظ سنا تو بہت خوش ہوا دل ہی دل میں کہنے لگا اس کھچڑی نے تو مجھے اتنی مار کھلوائی ہے اور پھر کھچڑی، کھچڑی کہتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

محمد ہارون حاجی عبدالرشید
کرانا شاپ، امانا، ضلع اکولہ، م ۴۴۴۱۰۶ ۸۸۸

اندھے کا چراغ

ایک اندھا تھا اس نے ایک عجیب حرکت کی۔ اس نے اپنے کندھے پر پانی کا ایک گھڑا رکھا، ہاتھ میں ایک چراغ لیا اور گھور اندھیری رات میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ عجیب و غریب ماجرا دیکھ کر ایک شخص نے اس سے کہا۔

"اے کمزور و ناتواں اندھے! اس وقت تجھے یہ کیا سوجھی کہ اتنی اندھیری رات میں تو ہاتھ میں چراغ لے کر نکلا ہے۔ تو تو بڑا بے وقوف ہے تیرے لیے تو رات اور دن، خزاں اور بہار دونوں برابر ہیں بھلا چراغ کی اس روشنی سے تیرا کیا فائدہ ہوگا۔"

اندھے نے جو یہ باتیں سنیں تو ترش ہو کر بولا:

"بے وقوف تو، تو ہے میں تو ظاہر کا اندھا ہوں اور یہ چراغ میرے لیے نہیں ہے یہ چراغ تو تجھ باطن کے اندھے کے واسطے ہے کہ کہیں اس اندھیری رات میں تو میرا پانی سے بھرا گھڑا نہ توڑ دے یعنی چراغ کی روشنی سے تجھ پر روشن ہو کر اندھا پانی کا گھڑا لیے آتا ہے تو آپ ہی بچ کر چلے گا۔"

یہ انوکھی دلیل سن کر وہ بے چارہ چراغ خاموش کی مانند خاموش ہو گیا اور کچھ جواب نہ دے پایا۔

سلیم۔ اے آر۔ چھوٹے۔ لکشمی بائی چال، عدم نمبر ۳ نیو مل روڈ کرلا، بمبئی۔

وزیر کا انتخاب:

حلیم آباد میں راجا عاقل حکومت کرتا تھا۔ وہ نہایت ہوشیار اور طاقتور تھا۔ فہیم نامی اس کا ایک وزیر تھا۔ جو اپنی دانائی کے لیے مشہور تھا۔ ایک روز فہیم کا انتقال ہو گیا۔ راجا عاقل کو نئے وزیر کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے اپنی ریاست کے علاوہ پاس پڑوس کی ریاستوں میں یہ اعلان کروایا۔ "ریاست حلیم آباد کے راجا عاقل کو وزیر کی ضرورت ہے۔ جو کوئی راجا عاقل کے سوالات کے جوابات ٹھیک ٹھیک طور سے دے گا۔ اسے وزیر بنایا جائے گا۔" منادی سن کر لوگ جوق در جوق حلیم آباد پہنچنے لگے۔ جو شخص بھی راجا کے سامنے پیش ہوتا، راجا اس سے تین سوالات کرتا۔

۱۔ پوچھے بغیر میرا نسب نامہ تیار کر سکتے ہو؟
۲۔ سمندر کا تمام پانی پی سکتے ہو؟
۳۔ میرا محل جس پہاڑی پر ہے اسے گز بھر ہٹا سکتے ہو؟

راجا عاقل جس کسی سے سوال کرتا وہ لاجواب ہو جاتا اور اپنا سر خم کیے واپس لوٹ جاتا۔ کئی دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ رفتہ رفتہ لوگوں میں یہ افواہ زور پکڑتی گئی کہ راجا عاقل کو وزیر ملے گا ہی نہیں کیونکہ راجا کے سوالات احمقانہ ہیں۔ لیکن راجا عاقل کو یقین کامل تھا کہ اسے وزیر ضرور ملے گا۔ چنانچہ اس نے امید کا دامن تھامے رکھا۔

ایک دن صبح سویرے راجا عاقل باغ میں ٹہل رہا تھا کہ دربان نے آکر اسے یہ خبر دی کہ لقمان گڑھ سے ذہین نامی ایک شخص آیا ہے اور کہتا ہے کہ وہ راجا کے تمام سوالات کے جوابات دے سکتا ہے۔

"اس شخص کو یہاں لے آؤ۔" راجا نے دربان کو حکم دیا۔ دربان ذہین کو راجا عاقل کے پاس لے گیا۔ راجا نے ذہین کو اپنے قریب بٹھایا اور کہا "مجھے امید ہے کہ تم میرے سوالات کے ٹھیک ٹھیک طور سے جوابات

دو گے۔" اس کے بعد راجا نے ذہین سے پہلا سوال کیا۔
"مجھ سے پوچھے بغیر میرا نسب نامہ تیار کر سکتے ہو؟"
"آپ نسب نامہ تیار کرنے کی بات کرتے ہیں۔ میں نے تو آپ کا نسب نامہ پہلے ہی تیار کر لیا ہے۔" ذہین نے جواباً کہا۔
"سچ!" راجا نے متعجب ہو کر پوچھا۔
"ظلِ الٰہی! آپ کی سات پشتوں تک تو بہادر اور خدا ترس لوگ نظر آتے ہیں مگر اس سے آگے کے حالات بیان کرنے سے ناچیز کی زبان قاصر ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" راجا نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
"سمندر کا تمام پانی پی سکتے ہو؟" راجا نے دوسرا سوال کیا۔
"ہاں، مگر ایک شرط، وہ یہ کہ پہلے آپ سمندر میں دریاؤں کا پانی اونڈیلنا بند کروا دیں کیوں کہ دریاؤں کا پانی پینا آپ کے سوال میں نہیں ہے۔" ذہین نے اطمینان سے جواب دیا۔
ذہین کے اس عقلمندانہ جواب کو سن کر راجا عاقل بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اس نے ذہین سے اپنا تیسرا اور آخری سوال کیا:
"میرا محل جس پہاڑی پر ہے اسے تم کس طرح ہٹا سکتے ہو؟"
راجا عاقل کے اس سوال پر ذہین کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"یہ تو بائیں ہاتھ کا کام ہے۔"
"وہ کیسے؟" راجا نے حیرت سے پوچھا۔
"پہلے آپ پہاڑی پر سے اپنا محل، باغات اور جھرنے ہٹا دیجیے پھر دیکھیے کہ میں کس طرح پہاڑی کو کھود کر ہٹا دیتا ہوں۔" ذہین نے جواباً کہا۔
ذہین کی فراست کو دیکھ کر راجا عاقل کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے اپنے کارندوں کو بلوایا اور کہا کہ منادی کرادی جائے کہ راجا عاقل کو ایک نایاب وزیر مل گیا ہے۔ اس کے بعد ذہین نے اپنی دانائی کے بل بوتے پر حکیم آباد کی کایا ہی پلٹ دی۔ چند ہی سالوں میں حکیم آباد ترقی پذیر ریاست کا ایک حصہ بن گیا۔
بچو! ہمیں بھی چاہیے کہ جب کبھی بھی انتخاب کی ضرورت پیش آئے، راجا عاقل ہی کی طرح دانشمندی سے کام لیں۔

شیخ اختر حسین اختر
۱۵۲/۴، توتی چالیگھر پول، جمال پور، احمد آباد ۔ ۱

غزل

مسکراؤ خوشی کی بات کرو
رونے والو! ہنسی کی بات کرو

یہ اندھیرے کے تذکرے کب تک
دوستو! روشنی کی بات کرو

اہلِ محفل اداس بیٹھے ہیں
اب کوئی دل لگی کی بات کرو

بات جب ہے کہ دشمنوں سے بھی
حب کرو، دوستی کی بات کرو

پھول مرجھا گئے تو کیا غم ہے
کھلنے والی کلی کی بات کرو

کل کی باتیں کریں گے کل والے
خالد تم آج ہی کی بات کرو

محمد خالد الحق
آٹھویں جماعت، اسلام پیٹھ رڈاک گھر) ضلع وشاکھاپٹنم
۵۳۰۰۳۱

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 23

150 روپے کے نقد انعامات

دفتر پیامِ تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۵ء

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبر وار لکھیے۔

1 سب ـــــ والے کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک اتنی خوبصورت دلھن نہیں دیکھی۔ (شہر/بستی/گاؤں)

2 اب جیسے ـــــ بالکل نہیں جلتا۔ یہ بھلا کیوں؟ (لوہا/پانی)

3 اور مولانا ہیں کہ اپنے کسی ـــــ سے گرما گرم ـــــ میں مشغول ہیں (دوست/ملاقاتی۔ باتوں/مباحثے)

4 بی ـــــ کے میاں اس وقت باورچی خانے میں چلم بھر رہے تھے (لومڑی/میاؤں)

5 تمام عقل مند آدمیوں کو ـــــ داڑھی رکھنی چاہیے (لمبی/چھوٹی)

6 موٹے لوگ اس ـــــ میں بالکل پھنس جاتے ہیں (دروازے/کھڑکی/پاجامے)

7 ـــــ کا بدلہ یہ ہے کہ شکریے کے ساتھ ادا کیا جائے (فرض/قرض)

8 حضورؐ کی محبت و ـــــ تو ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ (عزت/احترام/عظمت)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۲ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیامِ تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپیوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

(اپنے حل اس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی معمّا نمبر 23 ماہنامہ پیامِ تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی

پیامی ادبی معمہ کا ٹوکن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

بچوں کی کتابیں
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت: ۲/۲۵
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت: ۴/۰۰
اردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت: ۷/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت: ۴/۰۰
کھیل سنسار
سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں
قیمت: ۴/۵۰
تین اناڑی
عصمت چغتائی
گکو، ببلو اور ٹیٹو۔۔۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔
قیمت ۲/=
ترجمہ قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمٰن
الٰہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی، لیکن اب تو اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۴/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔
قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمّا
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں۔
نام
پتا

Regd with R.N.I at No 10537/64
Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 Nov. 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

بچوں کی مذہبی کتابیں

پیارے رسولؐ	سلطانہ آصف فیضی	۳/۵۰
اللہ کے صفی	خلیل احمد جامعی	۲/۰۰
حضرت نظام الدینؒ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی	۲/۰
سرکار کا دربار	الیاس احمد مجیبی	۳/۵۰
قاعدہ یسرنا القرآن		۲/۲۵
ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم)	سید شہاب الدین دسنوی (فی حصہ)	۶/۰۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل، دوم)	عبدالواحد سندھی (فی حصہ)	۳/۰۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	" "	۳/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ (اوّل، دوم)	" " (فی حصہ)	۳/۵۰
قرآن پاک کیا ہے؟	" "	۳/۰۰
اسلام کیسے شروع ہوا!	" "	۳/۵۰
رسولِ پاکؐ	" "	۶/۰۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۳/۰۰
رسولِ پاکؐ کے اخلاق	" "	۳/۰۰
اللہ کے خلیل	" "	۳/۰۰
تحسین القرآن	تالیف: خدیجہ سیدنا طاہر سیف الدین	۳/۵۰
منہاج القرآن	" "	۳/۵۰
ارکانِ اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۲/۵۰
عقائدِ اسلام	" "	۱/۵۰
چار یار	الیاس احمد مجیبی	۳/۵۰
آں حضرتؐ	" "	۳/۰
[illegible]	خواجہ عبدالحئی فاروقی	۶/۷۵
[illegible]	" "	۳/۵۰
ہمارے رسولؐ	" "	۳/۰۰
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۳/۰
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی	۲/۰
سرکارِ دو عالمؐ	محمد حسین حسان	۳/۰

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

برنٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، دہلی ۲

پیام تعلیم

پان کھاکر، طبلہ بجاکر رام ناچا
ایک مزے دار کہانی
جو خاص طور سے چھوٹے بچوں کے
لیے لکھی گئی ہے
قیمت : ۱/۵۰
پھر میں چگوں کیا خاک
نہایت آسان زبان میں
چھوٹے بچوں کے لیے
ایک کہانی
قیمت : ۱/۵۰
اک دنا دن تا کے سے
چھوٹے بچوں کے لیے
چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھی گئی
مزے دار کہانی
قیمت : ۱/۵۰
پکڑ دم کیڑے کو
ایک گدھے نے شیر کو بھگا دیا۔
بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ چھوٹے
بچوں کے لیے۔ قیمت ۱/۵۰
پانچ بونے
پانچ کام چور بونوں
کی کہانی چھوٹے بچوں کے
لیے۔ قیمت: ۱/۵۰
ہتو جتو
یہ کہانی بھی چھوٹے بچوں
کے لیے لکھی گئی ہے، انھیں
کی زبان میں۔ قیمت: ۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی
چھوٹے بچوں کے لیے انھی
کی زبان میں ایک دلچسپ
کہانی۔ قیمت: ۲/۵۰
بچوں کے لیے عبدالواحد سندھی جامعی کی کتابیں
بی بنڑکی اور کوا
چھوٹے بچوں کے لیے
آسان زبان میں لکھی
گئی ایک دلچسپ کہانی
قیمت: ۱/۵۰
چیونٹی رانی
کہانی کی کہانی اور معلومات
کی معلومات۔
قیمت ۱/۵۰
جادو کا گھر
چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان
میں لکھی گئی ایک مزے دار
کہانی۔ قیمت ۱/۵۰
بچوں کی کہانیاں
ایک کتاب اور
کہانیاں سبھی سب
کی سب مزے دار
قیمت: ۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے
مگر کیسے چلے؟ اور راستے میں کیا
کیا ہوا، یہ تو پڑھنے
سے ہی پتا چلے گا۔
قیمت :
۱/۵۰

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دلی ۲۵

دسمبر ۸۵ء　　جلد ۲۳　　شمارہ ۱۲

اڈیٹر: ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰　　سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

لیجیے اس مہینے کے بیسویں صدی کے پچاسی سال پورے ہوگئے۔ آپ کے پیام تعلیم کی حیاتِ نو کی عمر بھی ۲۲ سال ہوچکی۔ یہ سال ہنگاموں کا سال رہا۔ دوسری باتوں کے علاوہ تعلیمی اداروں میں بھی ہلڑبازیاں جاری رہیں۔ خصوصاً گجرات میں تو طلبہ کی شورشوں نے تعلیم کو بہت نقصان پہنچایا۔ بدقسمتی سے وہاں آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اکتوبر میں مسز اندرا گاندھی کے قتل کے بعد ہزاروں بے گناہوں کی جانیں گئیں اور کروڑوں کی املاک تباہ ہوئیں۔ ہمارے لیے یہ بھی بڑا المناک حادثہ تھا۔ خدا کرے آنے والا سال امن و شانتی لے کر آئے۔

ان تمام ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے گرانی بہت بڑھ گئی خصوصاً کاغذ کے دام بہت بڑھ گئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں پیام تعلیم کی قیمت میں معمولی سا اضافہ کرنا پڑا۔ چنانچہ جنوری سے اس کے ایک شمارے کی قیمت تین روپے ہوگی اور سالانہ چندہ پچیس روپے۔

ہمیں یقین ہے کہ آپ کا تعاون نہ صرف یہ کہ جاری رہے گا بلکہ آپ اس کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنا کر ہمارا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں گے۔ جو لوگ دسمبر ۸۵ء میں خریدار بنیں گے ان سے موجودہ سالانہ بیس روپے ہی قبول کیے جائیں گے۔

اس شمارے میں کوکب جہاں صاحبہ کا "مشروم" محمد شاہد عظیم صاحب کا "ڈاک ٹکٹ کیسے جمع کریں" اور غلام رازق شیخ صاحب کا "عظیم سائنسی دور" کافی معلوماتی مضامین ہیں۔ اس کے علاوہ بھی پرچہ دلچسپیوں سے معمور ہے۔ ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دلی ۲۵ سے شائع کیا

کتاب	قیمت
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جھرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا نا سمجھ	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و ممصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
آؤ ڈرامہ کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰

کتاب	قیمت
مسلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/:
ہار کی تلاش	۴/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنا دن تا کے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
پھر میں پھگوں کیا خاک	۱/۵۰
پکڑو دم سکٹے کو	۱/۵۰
پان کھا کر طبلہ بجا کر...	۱/۵۰
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدد اور انا پردیس چلے	۱/۵۰
ہیو جیو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰
میاں ڈھینچول کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰
ایک کھوری تیل میں	۱/۵۰
تابیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/۰۰
پہیلیاں	۰/۸۰
جھوٹا لڑکا	۱/۵۰

کتاب	قیمت
جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
سندر چنار	۱/۵
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
میر انیس	۲/۰۰
دادا نہرو	۵/۰۰
جلوہ غالب	۲/۰۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
دم کٹا سانپ	۱/۰۰
ریڈیو فیچر	۲/۲۵
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (دوم)	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں (چہارم)	۱/۲۵
سماجی زندگی (سوم)	۱/۴۰
کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارے محاورے	۷/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (اول)	-/۵۰
انوکھا عجائب خانہ (دوم)	۰۰ ۴۰
انوکھا عجائب خانہ (چہارم)	-/۵۰
ہمارا دین (تین حصے) فی حصہ	۶/:

سیّدہ عنوان

بابر گڈّا

بابر گڈّا پیارا پیارا
سب کی آنکھوں کا ہے تارا

دادا خوب کھلاتے ہیں
جوس پھلوں کا پلاتے ہیں
ناک چڑھا کر ہنستا ہے وہ
دل کے نگر میں بستا ہے وہ
نانا نانی کا بھی دُلارا
بابر گڈّا پیارا پیارا

ٹھمک ٹھمک کر جب یہ چلتا
چابی کا گڈّا سا ہلتا
پھول ہے یہ شیریںؔ[1] کے گھر کا
چاند ہے یہ زاہدؔ[2] کے گھر کا
شیریں زاہد کا یہ دُلارا
بابر گڈّا پیارا پیارا

دادی ہر دم اس پر واری
بتیاں اس کی پیاری پیاری
اس کی پیاری پیاری صورت
سونے چاندی کی سی مورت
سارے کنبے کا بے حد پیارا
بابر گڈّا پیارا پیارا

ممّی اس کی پیاری پیاری
کِھلتے پھولوں کی سی کیاری
بَد نظروں سے بچائے خدایا
رکھّے اپنے فضل کا سایا
اُس کا نخرا نیارا نیارا
بابر گڈّا پیارا پیارا

بی، ۱۱، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

[1] ممّی کا نام، [2] پاپا کا نام

کوریائی لوک کہانی

ترجمہ: رضوان احمد خاں
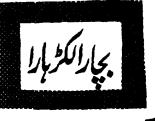
بہت دنوں کی بات ہے. کوریا میں ایک غریب نوجوان رہتا تھا جس کا گھر شالی کانگ وُنڈو KAN GWON DO صوبے میں ڈائمنڈ پہاڑی کے قریب تھا. اپنی بسر اوقات کے لیے وہ ہر روز پہاڑ پر جاکر جلاون کی لکڑیاں کاٹتا اور اپنے پڑوسیوں کے گھروں میں بیچ آتا تھا.

اس کی عمر کے سب نوجوانوں کی شادی ہو چکی تھی. لیکن اس کی مفلسی کے سبب اسے کوئی دلھن نہیں مل سکی. گانو والے کہا کرتے تھے کہ سورج نہ نکلے یہ ممکن ہے مگر ایسا کوئی دن نہیں آتا جب پہاڑوں پر اس کی کلہاڑی کی آواز نہ سنائی دے۔

ایک دن جب وہ پہاڑ پر لکڑیاں کاٹ رہا تھا تو ایک خوف زدہ ہرن دوڑتا ہوا اس کی جانب آیا اور بڑے آرزو مندانہ انداز میں اس سے مدد مانگی. ایک شکاری اس کا پیچھا کر رہا تھا اور وہ اس وقت خود کو موت کی گرفت میں محسوس کر رہا تھا. لکڑہارے نے اس پر رحم کھایا اور اسے لکڑیوں کے ڈھیر میں چھپا دیا. پھر وہ اپنا کام اسی طرح کرنے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو.

چند لمحوں کے بعد شکاری اس کی جانب آیا اور کہنے لگا "میرے بھائی! میں ایک ہرن کا پیچھا کرتا آرہا ہوں وہ بھاگ کر ادھر ہی کہیں آیا ہے. کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟

صدر شعبۂ اردو فارسی. ایس. کے. آر کالج. بروبگھا (مونگیر)

شکاری ہاتھوں میں تیر کمان لیے لکڑہارے کے سامنے کھڑا تھا. اسے پہاڑی راستوں کی پوری واقفیت تھی. لکڑہارے نے اس کی جانب دیکھا اور کہا "ہاں میں نے اسے دیکھا ہے وہ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور ادھر نشیب میں اتر گیا. اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کدھر گیا" شکاری ایک پل دیر کیے بغیر تیزی سے دوڑتا ہوا نشیب کی جانب چلا گیا.

ہرن لکڑی کے ڈھیر سے باہر نکلا اور اس نے لکڑہارے کا شکریہ ادا کیا. احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر وہ رونے لگا اور بولا "تم نے مجھے موت کے منہ سے بچا لیا. میں تمھارا نہایت احسان مند ہوں. تمھاری مہربانی کا بدلہ چکانے کے لیے میں تمھیں ایک ایسی بات بتاؤں گا جس سے تم کو بہت خوشی اور بڑی کامیابی ملے گی. وہ بات یہ ہے کہ کل دوپہر کے بعد دو بجنے سے پہلے تم ڈائمنڈ پہاڑ پر جاؤ جب ان جھیلوں کے پاس جا پہنچو جو پہاڑ کی چوٹیوں کے بیچ میں ہیں اور جہاں سے قوس قزح شروع ہوتی ہے تو پانی کے قریب اُگی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ. تم جلد ہی دیکھو گے کہ جنت کی آٹھ حوریں ان جھیلوں میں نہانے کے لیے اتر رہی ہیں. نہاتے وقت وہ اپنے ریشمی لباس جھیلوں کے کنارے صنوبر کے درختوں پر لٹکا دیں گی. تم اس کا خیال رکھنا کہ وہ تمھیں ہرگز نہ دیکھنے پائیں. چپکے سے جانا اور ان میں سے کسی ایک کے کپڑے چھپا کر رکھ لینا پھر تم دیکھو گے کہ جب وہ سب نہا لیں گی. تو آسمان پر واپس چلی جائیں گی مگر ایک رہ جائے گی وہ نہ جا سکے گی. تم اس کے پاس جاکر اسے منا لینا، وہ تمھارے ساتھ چلی جائے گی. تم اس کے ساتھ خوش رہو گے اور اولاد نصیب ہوگی لیکن جب تک اس کے چار بچے نہ ہو جائیں، اس کا لباس اسے ہرگز واپس نہ دینا" یہ کہنے کے بعد وہ ہرن اس نوجوان لکڑہارے کو چھوڑ کر روانہ ہو گیا.

دوسری صبح وہ نوجوان بہت سویرے جاگا اور ڈائمنڈ پہاڑ کی ان چوٹیوں پر پہنچ گیا جہاں آٹھ خوبصورت جھیلیں تھیں. نوجوان نے خود کو جھاڑیوں میں چھپا لیا اور

انتظار کرتا رہا۔ آسمان کے ایک کونے سے اچانک بدلی اٹھی اور بڑھنے لگی۔ آٹھ حوریں بدلیوں پر تیرتی ان جھیلوں کے پاس اتریں جہاں سے قوس قزح شروع ہوتی ہے۔ انھوں نے ہنس ہنس کر آپس میں گفتگو کی اور سبھوں نے ایک ساتھ اپنے کپڑے اتار کر صنوبر کے درختوں پر لٹکا دیے۔ پھر وہ آٹھوں الگ الگ ان آٹھ جھیلوں کے شفاف پانیوں میں اتر گئیں۔ لکڑہارے نے انھیں پانی میں تیرتے ہوئے دیکھا تو ہوش و حواس کھو بیٹھا تھوڑی دیر بعد جب اس کے حواس درست ہوئے اور ہرن کی باتیں یاد آئیں تب وہ چپ چاپ صنوبر کے ان درختوں تک گیا جہاں حوروں نے اپنے کپڑے لٹکائے تھے۔ ان میں جو سب سے کم عمر تھی اس کے کپڑے وہ اٹھا لایا۔

سورج غروب ہونے کے قریب آیا تو حوریں واپسی کی تیاریاں کرنے لگیں۔ انھوں نے اپنے اپنے کپڑے پہننے شروع کیے جب چھوٹی کے کپڑے نہ مل سکے تو انھیں سخت حیرت ہوئی وہ اس کا انتظار نہ کر سکیں اور قوس قزح پر سوار ہو کر آسمان پر چلی گئیں۔ چھوٹی حور نہایت گھبرائی ہوئی کھڑی سوچ رہی تھی کہ اس کے کپڑے کیا ہوئے۔ اسی وقت اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان لکڑہارا اس کے سامنے کھڑا ہے۔ شام کی سیاہی پھیل چکی تھی۔ نوجوان اپنی اس غلطی پر بہت نادم تھا اور اس سے معافی کا طلب گار ہوا۔ پھر بڑی نرمی اور شفقت سے منا کر اسے اپنے گھر لے آیا۔ جنت کی اس حور نے دنیاوی زندگی کو پہلی دفعہ قریب سے دیکھا۔ یہاں کے طور طریقے اسے عجیب لگے۔ پہلے تو وہ بہت گھبرائی مگر جلد ہی اس نے روزانہ کی گھریلو زندگی سے سمجھوتا کر لیا اور خوش رہنے لگی۔ کئی ماہ نہایت شادمانی سے گزر گئے یہاں تک کہ وہ ایک بچّے کی ماں بھی بن گئی۔ وہ اپنے کنبے میں گھل مل کر بسر کر رہی تھی۔ پھر جب دوسرا بچّہ پیدا ہوا تو والدین کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ موقع غنیمت دیکھ کر ایک دن اس عورت نے اپنے شوہر سے وہ آسمانی لباس طلب کیا جسے اس نے اب تک چھپا رکھا تھا۔ وہ بولی: "میں اب دو بچّوں کی ماں ہوں کیا تم اب بھی مجھ پر بھروسا نہیں کر سکتے؟" لیکن شوہر نے سنی ان سنی کر دی۔ کیوں کہ اسے اس بات کا ڈر تھا کہ وہ اپنے دونوں بچوں کو بازوؤں میں لے کر بھاگ سکتی ہے۔

جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اس نے اپنے لباس کی واپسی کے لیے منت سماجت شروع کر دی۔ شوہر کو خوش کرنے کے لیے اس نے پہلے تو شراب اور پرتکلف غذائیں پیش کیں پھر محبت بھرے لہجے میں بولی:

"میرے پیارے سرتاج! میں اب تین بچّوں کی ماں ہوں۔ بڑی مہربانی ہوتی اگر مجھے میرے کپڑے صرف دکھا ہی دیتے۔ اب میں آپ سے فریب نہیں کر سکتی۔ کیا مجھے دے سکتے ہیں؟"

وہ نوجوان اپنی بیوی کے جذبات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اس نے اسے وہ کپڑے، دکھا دیے، جنھیں اتنی مدّت تک چھپا رکھا تھا۔ مگر افسوس اس حور نے جوں ہی وہ لباس پہنا اس کی کھوئی ہوئی جادوئی طاقت اسے پھر حاصل ہو گئی۔ اس نے فوراً ایک بچّے کو اپنی ٹانگوں میں اور دو کو اپنے بازوؤں میں دبایا اور آسمان پر چلی گئی۔

لکڑہارا غم سے نڈھال ہو گیا اور اس امید میں کہ شاید وہ ہرن ایک بار پھر مل جائے اس نے لکڑیاں کاٹنے کا کام پھر سے شروع کر دیا۔ قسمت کی خوبی دیکھیے ایک دن وہ ہرن پھر ادھر آنکلا۔ لکڑہارے نے اپنی دکھ بھری داستان سنائی تو ہرن بولا کہ "جس دن سے تم نے اس حور کے کپڑے چھپائے ہیں، اس کے بعد سے وہ اب نہانے کے لیے یہاں نہیں آتیں۔ اگر تم اپنی بیوی بچّوں کو پانا چاہتے ہو تو خود تمھیں وہاں جانا ہوگا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کی ایک صورت ممکن ہے۔ کل پھر اسی جھیل کے پاس جاؤ اور انتظار کرو۔ تم دیکھو گے کہ رسی میں بندھی ایک بالٹی آسمان سے اترے گی۔ حوریں غسل کے لیے جھیل سے پانی لینے کو اسے لٹکاتی ہیں۔ تم اس بالٹی کو پکڑ لو اور اس میں بیٹھ جاؤ۔ وہ اسے فوراً کھینچ لیں گی۔"

لکڑہارے نے ہرن کے مشورے پر عمل کیا اور جنت میں پہنچ گیا۔ وہ جب وہاں پہنچا تو اس سے پوچھا گیا کہ

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" اس نے ساری باتیں بتائیں تو اسے جنت کے بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔ وہاں اس کے بیوی بچے مل گئے کیوں کہ اس کی بیوی اسی بادشاہ کی بیٹی تھی۔

بادشاہ نے اسے وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ وہ نہایت خوش رہنے لگا۔ وہاں اسے ہر روز نہایت لذیذ غذائیں کھانے کو ملتیں اور نہایت عمدہ کپڑے پہننے کو ملتے تھے۔ وہاں اسے کوئی فکر نہ تھی۔

ایک دن اس نے غمگین ہو کر اپنی ماں کے متعلق سوچا جسے وہ زمین پر تنہا چھوڑ آیا تھا۔ وہ اپنی بیوی سے بولا کہ "میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں" بیوی نے سمجھایا کہ "واپس نہ جائیے ورنہ پھر وہاں سے واپسی نہ ہو سکے گی" لیکن لکڑہارا اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ جلد واپس آ جاؤں گا۔ بالآخر اس کی بیوی رضامند ہو گئی۔ اور بولی: "میں تمھیں ایک گھوڑا دوں گی۔ اس پر سوار ہو جانا۔ وہ پلک جھپکتے ہی زمین پر پہنچا دے گا۔ لیکن اتنا دھیان رکھو کہ گھوڑے سے ہرگز نہ اترنا کیوں کہ اگر تمھارے پاؤں زمین سے چھو گئے تو پھر کبھی مجھ تک واپس نہ آسکو گے" وہ لکڑہارا گھوڑے پر سوار ہوا اور پلک جھپکتے ہی اپنی ماں کے گھر جا پہنچا۔ ماں اپنے بیٹے کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئی۔ دونوں نے کچھ دیر آپس میں باتیں کیں۔ جب اس نے گھوڑے سے اترے بغیر ماں سے رخصت چاہی تو اس کی ماں نے کہا۔ "ذرا تو کھیر تو کھالے، میں نے تیرے ہی لیے تیار کی ہے" بیٹے نے ماں کو مایوس کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پیالہ اتنا گرم تھا کہ فوراً اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور گھوڑے کی پیٹھ پر گرا۔ گھوڑا بھڑک کر تیزی سے پیچھے ہٹا۔ بچارا لکڑہارا زمین پر جا گرا۔ گھوڑا زور سے ہنہناتا ہوا اوپر اٹھا اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ لکڑہارا ہکا بکا رہ گیا۔ وہ پھر کبھی آسمان پر واپس نہ جا سکا۔ اس حادثے کے بعد اس کا معمول یہ بن گیا کہ اب وہ ہر روز کھڑا آسمان کی طرف دیکھتا رہتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ آخر ایک دن اس غم نے اس کی جان لے لی۔ اس کا دوسرا

باقی صفحہ ۱۰ پر

خضر تبریزی

لوری

پیاری ننھی گڑیا سو جا
سپنوں کی دنیا میں کھو جا

سال نیا ہے آنے والا
خوشیوں کو برسانے والا
لمحوں کو مہکانے والا

پیاری ننھی گڑیا سو جا
سپنوں کی دنیا میں کھو جا

چھوڑ دے اب تو رونا دھونا
لا کر دوں گا ایک کھلونا
سندر پیارا اور سلونا

پیاری ننھی گڑیا سو جا
سپنوں کی دنیا میں کھو جا

تیرے لیے لایا ہوں ابھی
میٹھی پہیلی بوجھیں ہر دم
چندا ماما کا یہ عالم

پیاری ننھی گڑیا سو جا
سپنوں کی دنیا میں کھو جا

پتہ: سلسلہ رینہ بیگم پوری مجاہد مومن نگر دہلی ۶

محمد شاہد عظیم

ڈاک ٹکٹ کیسے جمع کریں

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا بڑا ہی آسان ہے بس تھوڑی سی دلچسپی اور توجہ چاہیے۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، آپ کے دوست احباب اور رشتہ داروں کے پاس باہر سے جو خط آتے ہیں ان پر رنگا رنگ ٹکٹ لگے ہوتے ہیں جو ان کے لیے محض بیکار اور ردی کے ٹکڑے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، آپ انھیں مانگ کر جمع کرلیں، تھوڑے ہی دنوں میں اچھی خاصی تعداد میں ٹکٹ جمع ہوجائیں گے

البم میں ٹکٹ اس طرح چسپاں کرتے ہیں
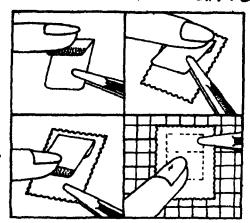
بیرونی ملکوں کے ٹکٹ بازار میں بھی بہ آسانی ملتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے شہر میں ایک آدھ ایسی دکان ضرور ہوتی ہے جہاں ڈاک کے ٹکٹ، البم وغیرہ فروخت ہوتے ہیں۔ یہ مختلف مجموعوں اور پیکٹوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ مختلف ملکوں کا ایک سو ٹکٹوں کا پیکٹ عام طور پر ۶، ۷ روپے میں مل جاتا ہے۔ بازار میں مختلف ملکوں کے ایک ہزار ٹکٹوں کا پیکٹ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ملکوں اور موضوعات پر ۲۵، ۵۰ ٹکٹوں کے پیکٹ مل جاتے ہیں۔ ان دکانوں پر ڈاک کے ٹکٹ کھلے بھی ملتے ہیں تاکہ شائقین اپنی ضرورت اور پسند کے مطابق انھیں خرید سکیں۔ ڈاک ٹکٹ جمع کرنے والوں کے لیے ابتدا میں صرف تین چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ تھوڑے بہت ٹکٹ جو آپ نے مانگ کر

بھوٹان کے چند ڈاک ٹکٹ

۱۸-۲-۱۱۲/۳ اسٹیشن روڈ۔ فلک نما (حیدرآباد)
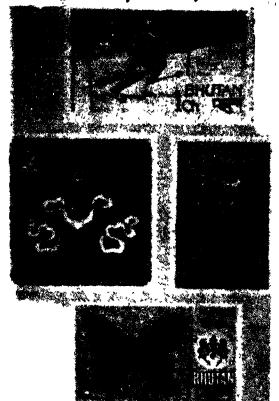
جمع کیے ہوں یا خریدے ہوں، دوسرے البم لاکر آپ اس میں چسپاں کرسکیں، تیسرے ہنجز (HINGES) جن سے ٹکٹ البم میں لگائے جاتے ہیں، انھیں ماونٹس (MOUNTS) بھی کہتے ہیں۔ نئے جمع کرنے والوں کو چھپی ہوئی البم ضرور خریدنی چاہیے جو زیادہ سے زیادہ دس روپے میں مل جاتی ہے ٹکٹ چسپاں کرنے کے لیے اس میں چوکور یا مستطیل خانے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر صفحہ پر ملک کا نام ممکن ہو تو نمونہ کے طور پر اس ملک کے کسی ٹکٹ کی تصویر بھی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی اس ملک کا رقبہ، آبادی، راجدھانی، محل وقوع بھی درج ہوتا ہے۔

TONGA

اسٹانلے گبنس کی کٹیلاگ

ٹونگا، عجیب وغریب شکل کے ڈاک ٹکٹوں کی اجرائی کے لیے شہرت حاصل کرچکا ہے۔
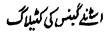
تاکہ ٹکٹ جمع کرنے والے اس ملک سے سرسری طور پر واقف ہوجائیں۔ ۵۰۰ ہنجز کا پیکٹ عام طور پر ۶ روپے میں ملتا ہے۔ یہ باریک اور مہین قسم کے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں جن کے ایک جانب گوند لگا ہوتا ہے بہت سے بچے اپنے اسکول کی کاپیوں میں ٹکٹ گوند، نشاستہ یا چاول کے دانوں سے چسپاں کرتے ہیں جس سے ٹکٹ خراب ہوجاتے ہیں انھیں اگر نکالنے کی کوشش کی جائے تو اکثر پھٹ جاتے ہیں اور کسی کام کے نہیں رہتے۔ ٹکٹوں کو ہمیشہ ہنجز سے چسپاں کرنا چاہیے اس طرح ٹکٹ البم سے برائے نام چپکے رہتے ہیں اور بہ آسانی نکالے جاسکتے ہیں۔ ہنجز کو رطوبت اور نمی سے بچانا چاہیے۔ خصوصاً برسات میں انھیں پلاسٹک کی تھیلی میں لپیٹ کر رکھنا چاہیے کیونکہ ذرا سی بھی رطوبت پاکر یہ ایک دوسرے سے چپک جاتے ہیں اور کسی کام کے نہیں رہتے۔

لفافوں وغیرہ سے ٹکٹیں اتارنے کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں کاغذ کے ساتھ پھاڑ لیں کہ ٹکٹوں کے ساتھ حاشیہ کی طرح کاغذ لگا رہے پھر کٹورہ میں یا صاف برتن میں پانی لیجیے اور ان میں ٹکٹوں کو بھیگنے کے لیے ڈال دیجیے دس پندرہ منٹ بعد جب کاغذ الگ ہوجائے تو انھیں ایک کونے سے پکڑ کر نکال لیجیے اور سوکھنے کے لیے کسی اخبار یا جاذب BLOTTING PAPER پر اس طرح پھیلا دیجیے کہ ان کی پشت اوپر رہے۔ بعض مرتبہ بھگونے کے باوجود ٹکٹوں کی پشت پر گوند رہ جاتا ہے اسے آہستہ آہستہ انگلی پھیر کر نکال دیجیے۔ کاغذ چھڑانے کے لیے ٹکٹوں کو کبھی بھی گرم پانی میں نہیں بھگونا چاہیے اور نہ صرف وغیرہ کے پانی میں ڈالنا چاہیے کیونکہ اس طرح ٹکٹ کا اصل رنگ یا کاغذ متاثر ہوسکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب ٹکٹ اچھی طرح سوکھ جائیں تو سب سے پہلے کٹے پھٹے یا بوسیدہ ٹکٹ علاحدہ کر دیجیے۔ پھر ٹکٹوں کو موضوع کے اعتبار سے ترتیب وار لگاتے جائیں۔ مثلاً شخصیتوں کے ٹکٹ ہیں تو وہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اگر کسی ٹکٹ کا ایک دندانہ PERFORATION بھی پھٹ جائے یا جھڑ جائے تو ٹکٹ کسی کام کا نہیں رہتا۔ ڈاک ٹکٹ چسپاں کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہنجز کے گوند والے حصہ کو ۱/۳ موڑ لیجیے، اس کے بعد ۲/۳ حصہ کو پانی سے گیلا کرکے ٹکٹ کی پشت پر لگائیے فوراً چپک جائے گا اب باقی ۱/۳ حصہ کو گیلا کرکے البم میں لگا لیجیے ٹکٹ البم کا زینت بن گیا۔ ٹکٹ جمع کرنے والوں کے لیے ۲ اور چیزوں کو بھی ضرورت ہوتی ہے جو یہ ہیں۔

(TWEEZER) سیدھی سطح والا لوہے کا باریک سا چمٹا جیسا کہ سناروں کے پاس ہوتا ہے، اسے ٹکٹ کو پکڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ٹکٹ پر انگلیوں کے دھبے اور نشان نہیں پڑنے پاتے MAGNIFYING GLASS جسے اردو میں عدسہ کہتے ہیں، یہ موٹا اور درمیان میں ابھرا ہوا شیشہ ہوتا

ہے۔ جس سے ہر چیز بڑی دکھائی دیتی ہے عدسہ کی مدد سے ٹکٹ کی باریک سے باریک تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے۔

PERFORATION GAUGE (اسکیل پٹری) جیسا دبیز کارڈ جس پر ٹکٹ کے اندر سے ناپنے کے لیے باریک نشان بنے ہوتے ہیں۔

(CATALOGUE) اگر آپ کے پاس بہت سی ٹکٹیں جمع ہوجائیں تو یہ جاننے کے لیے کہ ان میں کون سی ٹکٹیں قیمتی ہیں بالتصویر کیٹلاگ سے استفادہ ضروری ہے اس میں ہر ملک کے ٹکٹوں کی تفصیل مثلاً تاریخ اجراء و سنہ، موضوع، اصلی قیمت، استعمال شدہ (USED) غیر استعمال شدہ (MINT) ٹکٹ کی موجودہ قیمت درج ہوتی ہے۔ کیٹلاگ کو ہی بنیاد مان کر دنیا بھر میں ڈاک ٹکٹ خریدے بیچے اور تبدیل کیے جاتے ہیں۔ برطانیہ کے (STANLY GIBBONS کی کیٹلاگ دنیا بھر میں مستند مانی جاتی ہے اور اس کی بڑی مانگ ہے ہر سال اس کے مختلف اڈیشن شائع ہوتے ہیں۔ جو کافی ضخیم اور قیمتی ہوتے ہیں۔ سال گذشتہ گبنز نے دولت مشترکہ کے ملکوں (برطانیہ، ہندستان، پاکستان، سری لنکا وغیرہ کا جو کیٹلاگ چھاپا تھا اس کی قیمت لگ بھگ ۳۵۰ روپے تھی SCOTT کے کیٹلاگ بھی قدر منزلت کے نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ کیٹلاگ ڈاک ٹکٹ جمع کرنے والے کے لیے ایسی ہی ہے جیسا کہ اندھے کے لیے چھڑی، جب آپ کے پاس ڈھیر سارے ٹکٹ جمع ہوجائیں تو آپ کو کیٹلاگ خریدنی ہی پڑے گی۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے ڈاک ٹکٹ جمع کریں، دنیا بھر میں ہر سال اوسطاً ۹ ہزار نئے ڈاک ٹکٹ جاری ہوتے ہیں دنیا کے مختلف ممالک اب تک جو ڈاک ٹکٹ جاری کر چکے ہیں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی شوقین کے لیے لاکھوں روپے صرف کر کے بھی اتنے سارے ٹکٹ حاصل کرنا ممکن نہیں اور پھر بغیر سوچے سمجھے ہزاروں ٹکٹ خرید لینا پیسے اور وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں اس لیے عام طور پر اکثر افراد صرف اپنے ہی ملک کے ڈاک ٹکٹ جمع کرتے ہیں کیونکہ یہ بہ آسانی مل جاتے ہیں۔ مختلف ملکوں کے علاوہ بے شمار موضوعات پر ٹکٹ عام طور پر جمع کیے جاتے ہیں مثلاً جانور، اسپورٹس، اولمپکس پھول پودے، اسکاوٹس تاریخی عمارتیں، اہم شخصیتیں، پرچم، سمندری جہاز، طیارے خلا، باز او رسائنس داں ٹرین، ٹرانسپورٹ، یوم اطفال، بچے، پینٹنگز لیکن ان میں جانور، پرندے اور اسپورٹس عام پسند موضوعات ہیں۔ ان موضوعات پر مختلف ملکوں کے ٹکٹ آئے دن نکلتے رہتے ہیں یہ کبھی ختم نہ ہونے والا موضوع ہے، مگر ہے بڑا دلچسپ دنیا کی جن اہم شخصیتوں پر اب تک ڈاک ٹکٹ نکل چکے ہیں ان میں مہاتما گاندھی، لینن، کینیڈی، چرچل قابل ذکر ہیں بعض شائقین صرف کسی خاص رنگ مثلاً صرف سرخ یا نیلے رنگ کے ڈاک ٹکٹ جمع کرتے ہیں ظاہر ہے کہ صرف مشکل پسند ہی ایسا شوق رکھ سکتے ہیں۔

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا ایک عالمی شوق کے علاوہ ایک بہت بڑا اور وسیع کاروبار بن چکا ہے، امریکہ اور یوروپ میں اس کاروبار میں کروڑوں روپیا لگا ہوا ہے اس لیے ہر ملک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کے ڈاک ٹکٹ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوجائیں۔ ڈاک ٹکٹوں کے ڈیزائن اور سائز میں نت نئی تبدیلیاں کی جاتی ہیں، چوکور، مستطیل، تکون، مخروطی اور ہشت پہلو ٹکٹ تمام ممالک جاری کرتے ہیں پلاسٹک کے اور تھری ڈائمینشن ٹکٹ (جس میں ہر رخ سے ایک جداگانہ تصویر نظر آتی ہے) نکل چکے ہیں لیکن ایشیا، کا ایک چھوٹا سا ملک بھوٹان جو ہمارا قریب ترین پڑوسی ہے سب سے بازی لے گیا بھوٹان کو گلاب کی خوشبو میں بسے ہوئے ڈاک ٹکٹ اور پلاسٹک کا گول ریکارڈ نما ڈاک ٹکٹ جاری کرنے کا اعزاز حاصل ہے جسے گراما فون پر لگا کر اس ملک کا قومی ترانہ سنا جاسکتا ہے کتنا دلچسپ بات ہے!

GOLD FOILE STAMPS جس میں ڈاک ٹکٹوں پر سونے سے جلا جاتی ہے کئی ممالک جاری کر چکے ہیں۔ ایک اور ملک ہے ٹونگا جس نے عجیب و غریب شکلوں کے ڈاک ٹکٹ جاری کیے ہیں۔ یہ ڈاک ٹکٹ لاکھ مقبول سہی لیکن ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ سرے سے ڈاک ٹکٹ کی تعریف میں ہی نہیں آتے کیونکہ ڈاک ٹکٹ وہ ہے جسے خطوط پر چسپاں کیا جائے اور اس پر ڈاک کی مہر لگے۔ ظاہر ہے کہ پلاسٹک کے ڈاک ٹکٹ خطوں پر چسپاں نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

آفتاب عالم

جھگڑے کا انجام

پرانے زمانے میں کسی جنگل میں ایک گھوڑا اور ایک ہرن ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ جنگل کے ایک حصے میں ہری ہری گھاس تھی۔ یہ دونوں روزانہ وہاں جاکر گھاس چرا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد ان دونوں میں بہت گاڑھی دوستی ہو گئی۔

ایک دن جب دونوں گھاس چر رہے تھے اچانک دونوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو مارنے پر اتارو ہو گئے۔ ویسے تو گھوڑا ہرن سے زیادہ جاندار تھا مگر ہرن اپنے نکیلے سینگوں سے گھوڑے پر بار بار وار کرتا جس سے گھوڑا بری طرح زخمی ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے دل میں ہرن سے بدلہ لینے کی ٹھان لی لیکن وہ اکیلے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ ایک اور ساتھی کی تلاش میں نکل پڑا۔

چلتے چلتے گھوڑے کو ایک جگہ ایک شکاری دکھائی پڑا۔ گھوڑے نے اس شکاری کو اپنی مصیبت سنائی اور مدد چاہی۔ شکاری کو گھوڑے کی حالت پر ترس آگیا۔ اس نے مدد کرنے کی ٹھان لی۔ مگر اب دونوں کے سامنے مصیبت یہ تھی کہ کس طرح ہرن تک پہنچا جائے۔ ہرن وہاں سے کافی دوری پر تھا اور شکاری اتنی دور تک پیدل چلنے کے لیے تیار نہ تھا۔ آخر کار گھوڑے نے شکاری سے کہا کہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو جائے۔ یہ ترکیب شکاری کو بہت پسند آئی اور وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا ہرن کے پاس پہنچ گیا۔

ہرن آزادی سے گھاس چر رہا تھا۔ گھوڑے نے دور ہی سے شکاری کو اشارہ کر دیا۔ شکاری نے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے تیر چلا دیا اور اگلے ہی لمحے ہرن زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ گھوڑا بہت خوش ہوا اور شکاری کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

اب گھوڑے نے شکاری سے اپنی پیٹھ پر سے اترنے کو کہا لیکن شکاری کو گھوڑے کی سواری اتنی پسند آگئی کہ اس نے اترنے سے انکار کر دیا اور کہا: اب تو کہیں کبھی جانے کی بات بھول جا، مجھے کیا پتا تھا کہ تو اتنا کارآمد جانور ہے۔ اب میں تجھے بے کار ادھر ادھر گھومنے نہیں دوں گا۔ تجھ پر سواری کیا کروں گا، اب تو کبھی آزاد نہیں ہو سکتا!

گھوڑا شکاری کی اس بات پر بہت غمگین ہوا۔ اس نے کئی بار شکاری کو اپنی پیٹھ سے گرانا چاہا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ گھوڑا جیسے ہی شکاری کو گرانا چاہتا شکاری گھوڑے کی لگام کھینچ کر اسے بے قابو کر دیتا۔

بچو! کہا جاتا ہے کہ اسی دن سے آدمی نے گھوڑے کی سواری کرنا سیکھ لی اور گھوڑا سواری کے لیے استعمال ہونے لگا۔ گھوڑے کو ہرن سے جھگڑا کرنے کا نتیجہ مل گیا۔ وہ آج تک آدمی سے چھٹکارا نہیں پا سکا۔ (ہندی سے ماخوذ)

شبراز ہند اردو لائبریری، سورکی، جون پور، یو۔پی۔

(بقیہ صفحہ ۴۶)

جنم مرغے کی شکل میں ہوا۔ چنانچہ پرانی کہاوت ہے کہ مرغے چھت کے سب سے اونچے مقام پر چڑھتے اور آسمان کی طرف گردن بلند کر کے بانگ دیتے ہیں اس لیے کہ لکڑہارے کی روح ان میں سما گئی ہے اور گویا وہ آج بھی اپنی محبوب بیوی اور بچوں سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔

فہمیدہ عتیق

ہم دونوں

میری امّی ٹیچر تھیں۔ مگر میں دوسرے اسکول میں پڑھتی تھی۔ کبھی کبھی جلسہ یا پارٹی ہوتی تو امّی مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں۔ میں اکیلی تھی محلے کے بچّوں کے ساتھ ہی کھیلا کرتی تھی۔

ایک روز امّی میرے لیے ہسپتال سے بہن لے آئیں۔ میں بہت خوش ہوئی۔ میں تو بھائی لانا چاہتی تھی۔ مگر میں اس لیے خوش ہوگئی کہ اب ہم دونوں بہنیں گھر میں ہی کھیلا کریں گے اور ایک ساتھ اسکول جایا کریں گے۔ چھوٹی بہن بہت پیاری تھی۔ میں نے اس کا نام "مانی" رکھ دیا۔ مانی بھی مجھے دیکھ کر ہنس دیتی تھی۔ اب جب بھی میں پاپا کے ساتھ بازار جاتی مانی کے لیے کوئی نہ کوئی چھوٹا سا کھلونا لے آتی۔ اسکول میں کوئی چیز خریدتی تو مانی کا حصّہ بستے میں رکھ لیتی تھی۔

آہستہ آہستہ مانی بیٹھنے لگی امّی اس کے چاروں طرف گدّیاں لگا دیتی تھیں کچھ دن بعد مانی بغیر گدّی کے بیٹھ کر میرے ساتھ کھیلنے لگی۔ اب میں اپنے کمرے میں مانی کے ساتھ کھلونوں اور گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ ہمارے گھر میں خالہ جان بھی رہتی تھیں۔ ان کی دونوں لڑکیاں اکثر مجھے اپنے کمرے میں نہیں آنے دیتی تھیں۔ اس لیے تو مجھے دوسرے بچّوں کے ساتھ کھیلنا پڑتا تھا۔ اب تو میں مانی کے ساتھ اپنے ہی کمرے میں کھیلتی تھی۔

ایک روز امّی کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ وہ انجکشن لگا کر چلے گئے اور دوائیاں بھی دیں۔ میں نے اور مانی نے امّی کے لیے دعا کی امّی ٹھیک ہوگئیں۔ کچھ دن کے بعد امّی کی طبیعت پھر خراب ہوگئی۔ ایک سفید گاڑی آئی اور امّی کو ہسپتال لے گئی۔ دادی اماں نے بتایا کہ امّی انجکشن لگوانے گئی ہیں کل آجائیں گی۔ اس روز ہم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ رات کو خواب میں امّی نظر آئیں۔

صبح کو پاپا ہمیں اسکوٹر پر بیٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ امّی سفید چادر اوڑھے لیٹی ہوئی تھیں۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اور میں بھی اچک کر ان کے بیڈ پر چڑھ گئی۔ امّی سے مل کر میں اور مانی پاپا کے ساتھ گھر آگئے۔ اس روز میں اسکول بھی نہ جا سکی دیر ہوگئی تھی۔ دوسرے روز تو صبح ہی دادی اماں نے جگا دیا اور اسکول کے لیے تیار کر دیا۔ پاپا مجھے اسکول پہنچاتے ہوئے ہسپتال چلے گئے۔ اب ہم روزانہ شام کو امّی سے ملنے جاتے تھے۔ امّی روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھیں۔ اب تو وہ اٹھ بھی نہیں سکتی تھیں۔ ایک روز چچی جان واہ کینٹ سے امّی کو دیکھنے آئیں۔ جاتے ہوئے مانی

۱۹۵/آر/بلاک نمبر ۱۵ دستگیر کالونی فیڈرل بی ایریا (کراچی)

کو ساتھ لے گئیں میں نے پاپا سے کہہ کر ایک ہفتے ہی
میں مانی کو واپس بلالیا۔

ایک روز صبح سویرے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو
میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت خاصا اندھیرا تھا۔
میں نے دیکھا کہ پاپا نے جلدی سے بھاگ کر دادی
اماں کے کمرے کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ تایا
ابّا۔ خالہ جان اور چچا جان بھی اپنے کمروں سے باہر آگئے
پاپا نے جلدی سے اسکوٹر باہر نکالا اور چچا جان کو ساتھ
لے کر چلے گئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا
ہو رہا ہے۔

تھوڑی دیر میں وہی سفید گاڑی جس میں امّی
گئی تھیں ہمارے دروازے پر آکر رکی اس میں سے
پاپا چچا جان اور ماموں جان اترے۔ میں کھڑکی کے پردے
کے پیچھے سے دیکھ رہی تھی کہ شاید اب امّی آئیں گی مگر
انھیں اسٹریچر پر ڈال کر کمرے میں لایا گیا۔ سفید چادر ان
پر پڑی تھی۔ سب رو رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر ہم دونوں
بھی رونے لگے۔

سب بچوں کو پڑوس میں بھیج دیا گیا۔ شام تک
ہمارا گھر رشتہ داروں سے بھر گیا۔ کراچی والی خالہ جان بھی
اپنے بچوں کو لے کر جہاز سے پہنچ گئی تھیں۔ خالہ جان نے
ہمیں امّی کا منہ دکھایا۔ اور پھر پڑوس میں پہنچا دیا۔ ہم
نے وہاں سے دیکھا کہ بہت سے لوگ امّی کو لے جارہے
ہیں۔ جب ہم گھر آئے تو دادی اماں نے بتایا کہ امّی
ہسپتال گئی ہیں۔ ٹھیک ہو کر آجائیں گی۔

اب پاپا ہمیں ہسپتال بھی نہیں لے جاتے تھے۔
کافی عرصے کے بعد پتا چلا کہ امّی ایسی جگہ چلی گئی ہیں۔ جہاں
سے کوئی واپس نہیں آتا۔ اللہ میاں نے انھیں اپنے
پاس بلالیا ہے۔

اب میں مانی کا بڑا خیال رکھتی تھی۔ اکیلے باہر
نہیں جانے دیتی تھی۔ جب کوئی چیز ہمیں ملتی تو میں
پہلے مانی کو کھلاتی تھی۔ آہستہ آہستہ مانی بھی بڑی ہوتی
گئی۔ اب پاپا نے اسے بھی میرے اسکول میں داخل کرا
دیا تھا۔ ہم دونوں ایک ہی لنچ بکس لے جاتے تھے۔
خالہ جان کی دونوں بیٹیاں اپنا لنچ بکس لے جاتی تھیں۔
لیکن تفریح کے دوران ہم سب ساتھ بیٹھ کر ہی اپنا کھانا
کھاتے تھے۔

میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو دادی اماں
نے میلاد شریف کرایا اور پارٹی کی۔ میری سب دوستوں
کو بھی بلایا۔ مگر مجھے امّی یاد آتی رہیں۔ پاپا نے مجھے کالج
میں داخل کرا دیا۔ میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے
کام کاج میں بھی خالہ جان کا ہاتھ بٹاتی رہتی تھی۔ جب
کوئی مہمان آتا تو خالہ جان میری بڑی تعریف کرتیں۔ ویسے
مجھے بھی بڑے مزیدار کھانے پکانے آگئے تھے۔

مانی چھوٹی تو تھی ہی مگر شریر بھی بڑی تھی۔ کھانا
پکانے میں دل بالکل نہیں لگتا تھا۔ البتہ کھیل کود اور شرارتوں
میں سب سے آگے تھی۔ اسے گھر سجانے کا بھی بڑا شوق
تھا۔ دن یوں ہی ہنسی خوشی گزرتے رہے۔ ایک روز میں
اور مانی کالج سے آئے تو ہم نے دیکھا کہ پاپا اور دادی اماں
انڈیا جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ شام کو وہ دونوں
انڈیا روانہ ہو گئے۔ اب گھر میں خالہ جان، چچا جان اور دادا ابّا
سب تھے لیکن میری طبیعت بڑی اداس رہتی تھی۔ ایک
ماہ بعد پاپا اور دادی اماں کے آنے کی اطلاع ملی۔ تو ہم
دونوں بہنیں بہت خوش ہوئیں۔ لیکن ایک بات سمجھ
میں نہیں آرہی تھی کہ خالہ جان نے میرا اور مانی کا سامان
الگ چھوٹے کمرے میں کر دیا تھا۔

چچا جان، پاپا اور دادی اماں کو لینے ایرپورٹ
گئے ہوئے تھے۔ ہم نے گھر خوب صاف ستھرا کیا
اور دروازے میں انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں
ٹیکسی ہمارے گھر کی طرف آتی نظر آئی۔ تو ہم دروازے
کی اوٹ میں ہو گئے۔ پاپا اور دادی اماں کے ساتھ
ایک خوبصورت سی دلہن بھی تھیں وہ پاپا کے ساتھ ان
کے کمرے میں چلی گئیں۔

پاپا نے بتایا کہ ہم تمھارے لیے امی لائے ہیں۔ میں نے انھیں آداب کیا۔ اس وقت مجھے اپنی امی بہت یاد آئیں۔ مجھے ایسا لگا کہ جب مجھے نئی گڑیا ملی تھی تو میں پہلے والی گڑیا کو بھی ساتھ ہی رکھتی تھی۔ اب نئی امی آگئی ہیں تو کیا ہوا۔ میں اپنی امی کو تو نہیں بھلا سکتی۔ ان ہی خیالوں میں گم مجھے مانی کا خیال ہی نہ رہا۔ اتنے میں وہ خود دادی اماں کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ دادی اماں نے اسے بھی بتایا کہ یہ تمھاری امی ہیں۔

اب ہم دونوں اتنے عرصے امی سے جدا رہنے کے بعد سمجھ دار ہو گئے تھے۔ اچھے برے میں تمیز کر لینا مشکل نہ رہا تھا۔ ہم نے نئی امی کو کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ میں اکیلے میں اکثر مانی کو سمجھایا کرتی تھی کہ ہمیں نئی امی کا خاص خیال رکھنا ہے۔

میں نے میڈیکل میں داخلہ لیا تھا اور مانی کو سول انجینیرنگ گروپ پسند تھا۔ تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔

ایک روز کالج سے گھر آئے تو ڈرائنگ روم میں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ خالہ جان نے صحن میں ہی بتا دیا تھا۔ کہ ادھر نہ جانا۔ تھوڑی دیر بعد خالہ جان نے بڑا خوش رنگ شربت کا جگ اور گلاس ٹرے میں رکھ کر مجھے دیے اور مانی کو پھلوں کی باسکٹ پلیٹس اور چھری دی کہ ڈرائنگ روم میں مہمانوں کو دے آئیں۔ ڈرائنگ روم میں ایک مختصر خاصی صحت مند تھیں۔ دو لڑکیاں اور دو لڑکے بیٹھے تھے خیر ہم نے میز سجا کر مہمانوں کی تواضع کی اور ان لڑکیوں کے قریب بیٹھ کر باتیں کیں۔

کچھ دیر بعد مہمان تو رخصت ہو گئے۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ ہم دونوں بہنوں کے رشتے کے لیے آئے تھے۔ دوسرے روز ہی پیغام آگیا۔ چھوٹا بھائی ڈاکٹر تھا اور دوسرا انجینیر۔ میرے لیے ڈاکٹر کو منتخب کیا گیا۔ اور مانی کے لیے انجینیر۔ ابھی ہماری تعلیم مکمل ہونے میں دو سال باقی تھے۔ اس لیے صرف منگنی کی رسم ادا کی گئی۔ یہ دونوں بھائی بھی کچھ پڑھنا چاہتے تھے۔ اور دونوں باہر تھے۔ اس لیے بآسانی رضامند ہو گئے۔

دو سال بعد یہ دونوں پاکستان آئے تو ہماری شادیاں ہو گئیں۔ امی پاپا کے پاس دو چھوٹے بہن بھائی اور تھے۔

شادی کے چند دن بعد ہم لوگ لندن آگئے کیونکہ یہ دونوں بھائی یہاں کے شہری بن چکے ہیں۔ میں اور مانی یہاں کچھ فاصلے پر رہتے ہیں۔ ویسے اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اتنی ہمت دی کہ ہم نے اپنی تعلیم مکمل کرلی۔ یہ بات بالکل درست ہے۔ "خدا کسی کی محنت کو رائگاں نہیں کرتا۔" ●●

پہیلیاں

پیام تعلیم کے پچھلے شمارے میں ہم نے سرسید کی قائم کردہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی آج سے پچاس سال پہلے شائع کردہ لوریوں اور پہیلیوں کی کتاب سے اختر الواسع کی منتخب کردہ کچھ پہیلیاں شائع کی تھیں۔ پیامی بھائی بہنوں کی دلچسپی کے لیے ہم اسی کتاب سے اختر الواسع کی منتخب کی ہوئی کچھ پہیلیاں شائع کر رہے ہیں۔ (اڈیٹر)

۱

بے ماں باپ کا آیا سب کا باپ کہلایا

۲

چوبیس گھنٹے ، پانچ پریڈ پیچھے پلٹن آگے ہیڈ

۳

ایک تھال موتی سے بھرا سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھال پھرے موتی اس میں سے نہ کوئی گرے

۴

ایک نار میں دیکھی کاری بچہ جنے ہر دن ہر باری
بچہ ہوتے ہی ماں کو کھائے بچہ مرے تو ماں جی جائے

۵

چھوٹی سی ڈبیا ڈب ڈب کرے مانگ موتی گر گر پڑے

۶

لگ لگ کہو تو نہ لاگے اور مت مت کہو تو لگ جائے

۷

میٹھی میٹھی بات بناوے ایسا پرکھ کون ہے بھائی
بوڑھا بالا جو کوئی آوے واکے آگے سیس نوادے

۸

ایک جانور اصلی جس کے ہڈی نہ پسلی

۹

ایک جانور عجب جس کی دم پر غضب

۱۰

دو چیز ایک نہ کھاویں ایک کو چھوڑیں ایک کو کھاویں

۱۱

خون جس کا حلال ہے اور بوٹی جس کی حرام
بتاؤ صاحب جلدی سے کیا ہے اس کا نام

۱۲

چار کھڑے چار پڑے ایک کے منہ میں دو دواڑے

۱۳

ایک گھوڑا ایسا ، جس کے پیچھے ٹانگیں دو سُم
اور تماشا ایسا دیکھا، پیٹھ کے اوپر دُم

۱۴

دو سہیلی ایک مکان، چلیں پھریں گائیں ہر آن
ہاتھ نہ پانو آنکھ نہ کان، سب کو بتائیں آپ انجان

۱۵

جُل کر کے جل میں رہے آنکھوں دیکھی خسرو کہے

۱۶

کاٹھ کا گھوڑا، تیس سوار دیکھنے والا برخوردار

۱۷

ذرا سی بٹیا ، گز بھر چُٹیا

۱۸

ایک آبخورہ میں دو رنگ کا پانی

۱۹

چھوٹا منہ بڑی بات

۲۰

ایک چیز ایسی کہلائے ہر مذہب کا آدمی کھائے

ڈاکٹر رشید الوحیدی

یتیم کا سہارا

ایک یتیم بچہ ہر طرف دھکّے کھا رہا تھا. جس کے
اس جاتا وہی اسے ڈانٹ کر بھگا دیتا. وہ بھوکا تھا،
ھکا ہوا تھا، ننگے پانو تھا. چلتے چلتے پیر لہولہان ہو
گئے تھے. اس کے کپڑے میلے چیکٹ تھے. اس حالت میں
س کے پاس وہ جاکر کھڑا ہوتا. دھتکار دیا جاتا۔

اسے اپنے پیارے باپ کا محبت بھرا چہرہ یاد
رہا تھا۔ دل میں ہوک اُٹھ رہی تھی. کلیجا منہ کو آرہا
ھا وہ دھیرے دھیرے پکار رہا تھا:

"ابا۔ ابا۔ تم کہاں ہو آؤ مجھے گود میں لے لو۔
ھ سے اب مصیبت نہیں اٹھائی جاتی۔ ابا سب لوگ
جھ مارتے ہیں، دھتکارتے ہیں۔ ابا۔۔۔ امّی تو ہر وقت
رتی رہتی ہیں. میں ان کے آنسو پونچھتا ہوں تو مجھے
ینے سے پپٹا کر سسکیاں لینے لگتی ہیں۔"

اتنی بھری پُری دنیا میں اس یتیم بچّے کے سر پر کوئی
بت بھرا ہاتھ رکھنے والا نہیں، کوئی نہیں جو اسے سہارا
ے سکے۔ اس نامانوس اور اجنبی فضا میں ایک تسلّی
ینے والی. محبت سے بھرپور آواز سنائی دی۔

"آؤ بیٹا! تم غمگین کیوں ہو۔ آؤ میں تمھارے ننھے
ننھے گالوں سے آنسو پونچھ دوں. تمھیں اپنی گود کی پناہ
دوں۔ ادھر تو آؤ، اپنا غم، اپنی بپتا تو سناؤ، میں تمھاری
دکھی ماں کو بھی سہارا دوں گا۔"

یتیم بچّہ ایک منٹ کے لیے ٹھٹکا اور پھر سامنے
سے آتے ہوئے سفید ریش، نورانی چہرے والے بوڑھے
کی طرف کھنچا چلا گیا۔ اس کی گود میں پہنچ کر اس کے
سینے سے لگ کر سسک سسک کر رونے لگا۔ جیسے اس کی
ماں اسے لپٹا کر رویا کرتی تھی. جب اس کا ننھا سا
معصوم دل کچھ ہلکا ہوا تو اس نے بوڑھے کی آنکھوں
میں جھانک کر پوچھا۔

"دادا آپ کون ہیں۔ آپ دنیا بھر سے الگ کیسے
ہیں۔ آپ کے سینے میں یہ محبت بھرا دل کس نے رکھ دیا
ہے؟"

بیٹا!" بے شک میں، میرا دل، میرا طریقہ تمام دنیا
میں سب سے الگ ہے. میرا کام ہی یہ ہے کہ میں یتیموں
کا سہارا بنوں. شروع ہی سے، جب ساری دنیا
اندھیری کی بھول بھلیّوں میں گم تھی۔ مجھے یہ نورانی راستہ
دکھایا گیا. اور یہ راستہ میرے اچھے مالک نے مجھے بتایا
ہے اور مالک کا ایک بہت فرماں بردار، پیارا غلام اور
بندہ یہ راستہ مجھے دکھا گیا ہے. مالک نے یتیم بچّوں،
بچیّوں سے محبت کرنے کا تو حکم دیا ہی، یہ بھی نصیحت
کردی کہ یتیموں کا پیسا یا ان کے پاس کچھ مال ہو تو
تم اسے مت لے لینا. انصاف کے ساتھ، جب وہ بڑے
ہو جائیں تو ان کو دے دینا۔ ان کو بے باپ کا اور
بے سہارا سمجھ کر ان کے مال، ان کی جایداد ان کے
گھر وغیرہ پر لالچ کی نگاہ مت ڈالنا۔"

یتیم بچّہ حیرت سے یہ باتیں سنتا رہا۔ آخر پوچھ
ہی لیا۔ "دادا جان آپ کا نام اور آپ کے مالک کا نام کیا
ہے." دادا نے جواب دیا۔

بیٹا میرا نام "اسلام" ہے. یہ پیارا پیارا پیغام دینے
والے "اللہ میاں" اور جو یہ پیغام لائے ہیں وہ ہمارے
پیارے نبی "حضرت محمدؐ" ہیں. اور وہ پیغام یہ ہے۔

٭ ذاکر نگر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۵

واما الیتیم فلا تقہر (یتیموں کو ذلیل مت سمجھو) ولا تاکلوا اموال الیتامیٰ (یتیموں کا مال مت کھاؤ) واٰتوا الیتامیٰ اموالہم (اور دے ڈالو یتیموں کو اُن کا مال)

اچھا بیٹے! آج سے میں تمھارا باپ ہوں۔ اسلام یتیموں کا سہارا ہے۔

دیکھیے —— اور عمل کرنے کی کوشش کیجیے۔

دہلی کے نئے لفٹیننٹ گورنر جناب ایچ، ایل، کپور اپنے عہدے کا چارج لینے کے بعد سب سے پہلے اپنی والدہ کے گلے مل کر ان سے دعائیں لے رہے ہیں ←

"بزرگ بیٹے کی جوان محبت" ←

عظیم سائنس داں ارشمیدس

حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ۲۸۷ سال قبل سائرس میں ارشمیدس پیدا ہوا تھا۔ اُس کے والد فی ڈی آرٹ علم ہندسہ و علم فلکیات کے ماہر تھے۔

ارشمیدس کی ابتدائی تعلیم الیکزنڈریا میں ہوئی اس کے بعد وہ سائرس کے ایک شہر سِسلی چلا آیا۔ یہاں اس نے علم ہندسہ کا مطالعہ پابندی سے جاری رکھا۔ اس زمانے میں ہیرو، سائرس کا حکم راں تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں تعلیم کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔

ارشمیدس کی دِلی خواہش تھی کہ وہ ریاضی میں مہارت حاصل کرے۔

لیکن بادشاہِ وقت کے فرمان کے مطابق ارشمیدس نے مختلف ۴۰ ایجادات کیں جنھیں صنعت و حرفت کی ترقی اور سماج کی بہبود کے لیے استعمال کیا گیا مثلاً ارشمیدس اسکرو (ایک آلہ) کی مدد سے جوہڑ اور تالابوں سے پانی نکالا جاسکتا ہے۔

ارشمیدس نے ایک اور سائنسی کرشمہ دکھایا۔ سمندر میں دور کھڑے جہاز کو بادشاہ ہی سے رسی کھنچوا کر ساحل پر لنگر انداز کرایا۔ عوام کو یہ تماشا دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر بھرے ہوئے جہاز کو بیرم (LEVER) کی مدد سے اونچا اٹھا کر بھی دکھا دیا۔ یعنی بیرم LEVER اور چرخی PULLEY کے استعمال سے یہ ثابت کرتا تھا کہ چھوٹی طاقت بڑی طاقت میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔ اور اس سے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں۔ مشین کی قوت کا یہی راز ہے۔

مختصر یہ کہ اس نے اسکرو پمپ (SCREW PUMP) سادہ بیرم اور مشینوں کے لیے مختلف چھوٹے بڑے اسکروز (پیچ) کے مختلف استعمال کیے۔ ارشمیدس کی ایجادات اور اصولوں کی اہمیت کا پتا اس بات سے بھی چلتا ہے کہ آج کے دور میں جہاز، موٹر یا ہوائی جہاز کا نقشا بنانے والے جدید سائنس دانوں کو بھی ارشمیدس کے تجربات سے فیض پہنچتا ہے۔

۱۰/۸، سہاد مرکی چمن کالونی۔ دانی لیمڑہ (احمدآباد)

وزن معلوم کرنے کے لیے سادہ بیرم

ہیرو نے دیوتا کی نذر کرنے کو ایک ماہر منڈ

[illegible] کرایا۔

[ت]اج کے خالص سونے کی جانچ کا کام اس نے [ارشمی]دس کے سپرد کیا۔ دانش مند شخص اور عظیم سائنس داں [ارشمی]دس کو علم ہندسہ (GEOMETRY) کا مضمون [بے حد پ]سند تھا۔ وہ جب غسل کرنے بیٹھتا تب اپنے ذہن [میں ع]لم ہندسہ کی شکلیں بنایا کرتا۔

چنانچہ تاج میں استعمال شدہ خالص سونے اور ملاوٹ کی مقدار کا مسئلہ بھی اس نے غسل خانے میں حل کیا۔ نہانے کے لیے اس نے جیسے ہی ٹب میں پیر رکھا۔ ٹب سے کچھ پانی باہر گرا۔ اس نے اپنے جسم کو مزید ڈبویا تو اور زیادہ پانی باہر گرا۔

اس تجربے سے اسے اتنی خوشی ہوئی کہ "یورے کا" یورے کا" (مجھے مل گیا — مجھے مل گیا) پکارتے ہوئے دیوانہ وار باہر دوڑ پڑا۔ دوران غسل اسے یہ سراغ ملا تھا کہ کسی مادّے کو مائع بھرے برتن میں رکھا جائے تو وہ مادّہ اپنے حجم کے برابر مائع خارج کرتا ہے۔ اس نے تاج کو مائع بھرے برتن میں رکھ کر اس سے خارج شدہ مائع کا حجم معلوم کیا اسی طرح تاج کے ہم وزن سونے کا حجم بھی معلوم کیا۔ تاج اور ہم وزن سونے کے مقابلے سے پتا چلا کہ تاج کی بناوٹ میں کسی دوسری دھات کی ملاوٹ کی گئی ہے۔

اس تجربے کے ذریعہ ارشمیدس نے کثافت نوعی (SPECIFIC GRAVITY) کا اصول دریافت کیا جو ارشمیدس کا اصول کہلاتا ہے۔ مائع میں مادّہ کے وزن میں ہونے والی کمی اس کے خارج شدہ مائع کے حجم کے برابر ہوتی ہے۔ مادّہ کے منتقل کردہ مائع کا وزن ہی اس مائع کی برداری قوت کا ناپ ہے۔ وزنی اشیاء پانی میں بڑی آسانی سے اٹھائی جا سکتی ہیں۔ اس کا اصل سبب بھی یہ ہے کہ وزنی اشیاء پر پانی اپنی برداری قوت صرف کرتا ہے۔ جس سے وزنی اشیاء کا وزن گھٹتا ہے۔ [اس لیے ا]نھیں پانی میں بڑی آسانی سے اٹھایا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ رومی فوج کا جرنیل مارسیلس [illegible] جنگی جہازوں کے ساتھ سائرس پر حملہ آور ہوا اور اس کی فصیلوں تک پہنچ گیا۔ ہیرو نے ارشمیدس سے امداد طلب کی۔ اس کی عجیب و غریب تدبیروں کے سبب تین سال تک رومیوں کو سائرس کی فصیل سے دور رکھا گیا۔ اس نے دھات کے مقعر عدسے اس طرح ترتیب دیے کہ ان کے ملنے سے چھوٹے عکس کے ذریعہ لکڑی کے جہازوں کو آسانی نذرِ آتش کیا جا سکے۔ جب رومیوں نے سائرس کی فصیل کے سامنے ایک بلند ٹاور کھڑا کیا تو ارشمیدس نے کرین کے ذریعہ اسے بھی ناکارہ بنا دیا۔ اگر کوئی جہاز سائرس کے ساحل پر لنگر انداز ہوتا تو اس پر بھی لوہے کی سلاخوں کی ضرب لگا کر حملہ کیا جاتا۔ اس طرح اہلِ سائرس نے رومیوں کو شکست فاش دی۔ اس شکست کے بعد تو رومیوں میں ارشمیدس ایک سائنس داں نہیں بلکہ ایک جادوگر مشہور ہو گیا۔

ارشمیدس کی کتابوں میں ریاضی کی گتھیاں اور ریاضی کے ایسے اصول ملتے ہیں جو آگے چل کر طبعی سائنس کے بنیادی اصول ثابت ہوئے۔ اس نے جو کتابیں تصنیف کیں ان میں دائرہ، مدوّر، سپائرلس تیرنے والے مادّے، کشش ثقل (GRAVITY) چرخی (PULLY) بیرم (LEVER) جیسے موضوعات شامل ہیں۔ بدقسمتی سے اس کی چھ گراں قدر کتابیں گم ہو گئیں جن کا آج تک کوئی پتا نہیں چلا۔

اس نے ریاضی کی مدد سے زمین اور تاروں کا درمیانی فاصلہ دریافت کرنے، نیز زمین اور اس کے مرکز کشش ثقل کے باہمی تعلقات دریافت کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ہندسوی شکلوں کے مرکز کشش ثقل معلوم کرنے کے طریقے دریافت کیے۔ ناپ پٹی کی مدد سے وزن معلوم کرنے کے مختلف طریقے دریافت کیے اور ناپ پٹی کے مختلف سروں پر وزن میں ہونے والی تبدیلیوں کی معلومات بہم پہنچائی۔

رومی جرنیل کا حکم تھا کہ ارشمیدس کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ ایک رات کو رومی فوجی ارشمیدس کے مکان میں داخل ہو گئے، انھوں نے دیکھا کہ اتنی رات گزرنے پر بھی وہ ریاضی کا ایک مسئلہ حل کرنے میں مشغول تھا، ریت پر مختلف شکلیں بنی ہوئی تھیں اور وہ گہری سوچ میں غرق ان پر جھکا ہوا تھا۔ جب فوجی اس کے مکان میں داخل ہوئے تو ان کی جانب نگاہ اٹھائے بنا اس نے بڑی بے نیازی سے کہا، "میری شکلوں پر پیر نہ رکھنا مجھے ان نامکمل شکلوں کی تکمیل کر لینے دو۔" لیکن ایک فوجی نے غصہ میں آکر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ فوجی کی اس حرکت سے رومیوں کو بھی اس کی موت کا بے حد افسوس ہوا۔ کیونکہ وہ تو اسے زندہ گرفتار کر کے اس کی ایجادات سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

جرنیل مارسیلس نے ارشمیدس کے دوستوں کو اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے محبوب سائنس داں اور دانشور (WISEMAN) کی لاش کی تجہیز و تکفین کریں۔ اس کی بے شمار دریافتوں میں دائرہ اور اسطوانہ کی دریافت نہایت اہم تھی۔ ارشمیدس کی دیرینہ خواہش تھی کہ اس کی قبر پر بھی علامات کندہ کی جائیں۔ چنانچہ اس کی قبر کے کتبہ پر اسطوانہ اور دائرہ کی علامتیں کندہ کی گئی ہیں۔

خیال کے پھول

حضور اکرمؐ: جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؓ: معاف کرنا سب سے زیادہ اس کو زیب دیتا ہے جو سزا دینے پر قادر ہو۔

فرینکلن: — خوش گوار زندگی اور صحت معقول آمدنی سے قائم رکھی جا سکتی ہے۔

حکیم سعید: — کوئی انسان یا قوم اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتی جب تک وہ کوشش نہ کرلے۔

آسکر وائلڈ: ہر شخص اپنی غلطی کو تجربے کا نام دیتا ہے۔ شکست کا ایک ہی جواب ہے "فتح"۔

فرانسس بیکن: — پرانی لکڑی جلنے میں، پرانے دوست بھروسے میں، اور پرانے ادیب پڑھنے میں بہترین ہیں۔

لارڈ چیسٹر فیلڈ: — چالاکی، نااہلی کی تاریکی میں پناہ لیتی ہے۔

کارنیگی: کامیابی کے تمام عناصر میں اعتماد کا عنصر سب سے زیادہ اہم ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی: وطن کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ ضروری ہے۔

گوئٹے: اچھے خیالات بے باک بچوں کی طرح اچانک سامنے آکھڑے ہوتے ہیں اور چلا چلا کر کہتے ہیں کہ ہم یہاں ہیں ہم یہاں ہیں۔

کنفیوشس: — جس نے علم تو حاصل کر لیا مگر سوچ بچار کی عادت نہیں ڈالی اس کی ساری محنت ضائع ہو گئی۔

شیکسپیئر: کامیابی کا دارومدار آپ کی محنت اور کوشش پر ہے۔

عربی کہاوت: جو شخص ناپسندیدہ بات کہے گا وہ ناپسندیدہ بات سنے گا۔

والٹیر: — مجھے زندگی میں دو چیزوں سے نفرت ہے۔ ایک تو کسی جاہل سے دشمنی کرنا۔ اور دوسرے کسی ان پڑھ سے بحث کرنا۔

ایک بچہ اسکول سے اپنے امتحان کا نتیجہ لے کر سیدھا اپنے باپ کے پاس گیا۔
ابو ابو! آپ بہت خوش قسمت ہیں۔
باپ حیران ہو کر: وہ کیسے؟
بچے نے جلدی سے کہا۔
آپ کو اس سال کتابیں نہیں خریدنی پڑیں گی ماسٹر صاحب نے مجھے اس سال کلاس میں روک لیا ہے اور باقی جتنے نالائق لڑکے تھے سب کو دوسری کلاس میں بھیج دیا ہے۔
عارف احمد عثمانی بھونی محلہ جامنیر ضلع (جلگاؤں)

●

اُستاد (سفیان سے) ہندستان میں سب سے پہلے ریل گاڑی کہاں چلی؟
سفیان: (جلدی سے) پٹری پر

●

عرفان: (عثمان سے) تم کیا کھا رہے؟
عثمان: خاک کھا رہا ہوں
عرفان: تم جھوٹ بول رہے ہو۔
عثمان: خاک کا الٹا کاخ کاخ کے معنی محل۔ محل کا الٹا لحم، لحم کے معنی گوشت تو میں گوشت کھا رہا ہوں۔

●

اُستاد (عمران سے) بس کیسے بنتی ہے۔
عمران: ب، س، ملانے سے

●

اُستاد: (غفران سے) جہانگیر کے مرنے کے بعد کیا ہوا؟
غفران: دفن کر دیا گیا۔
محمد غفران احمد مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج اورنگ آباد)

●

سیٹھ جی: (ڈرائیور سے) جب تم کار موڑتے ہو تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔
ڈرائیور: آپ بھی میری طرح موڑ آنے پر آنکھیں بند کر لیا کیجے
حسن جلیس عثمانی قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

●

استاد: (شاگرد سے) اس جملے کا انگریزی میں ترجمہ کرو۔
"وہ گیا ایسا گیا کہ بس چلا ہی گیا"
شاگرد: ہی وینٹ ایسا وینٹ کہ بس وینٹ ہی وینٹ

●

اُستاد: کل اسکول میں انسپکٹر صاحب آئے تھے
"اس کا ترجمہ انگریزی میں کرو"
مظہر: مگر ماسٹر صاحب کل تو اسکول بند تھا۔ آپ غلط بات کیوں لکھوا رہے ہیں۔

●

اُستاد: (امتحان کے کمرے میں) اطہر تم لکھتے کیوں نہیں۔ تم قلم بند کیے کیوں بیٹھے ہو پرچہ کیوں نہیں حل کرتے۔
اطہر: جناب! پرچے میں لکھا ہے کہ اکبر کے حالات قلم بند کرو۔ اسی لیے قلم بند کر کے بیٹھا ہوں۔
محمد اسرار احمد خاں عماد پور رفیع گنج ضلع اورنگ آباد

●

ایک بے وقوف۔ جب میں پردیس میں تھا واکنگ اسٹک (چھڑی) کو سانپ سمجھتا تھا۔ . . . .
دوسرا بے وقوف: تو اس میں عجیب بات کون سی ہے؟
پہلا بے وقوف: گھر میں سانپ کو لکڑی سمجھتا تھا اور اس سے چھڑی کو مارتا تھا۔
محمد فخر الاسلام۔ مہراج گنج۔ رفیع گنج۔ اورنگ آباد۔ (بہار)

سادھنا گرگ ۔ ترجمہ: کوکب جہاں

مشروم

آپ نے بارش کے موسم میں بوندیں پڑتے ہی کوڑے کے ڈھیر یا مویشی خانے کے ارد گرد کچھ عجیب و غریب چھتری نما پودے نکلتے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ یہ مختلف اقسام کے جنگلی مشروم ہیں۔ اتر پردیش میں انھیں ککرمتا یا سانپ کی چھتری کہا جاتا ہے، بہار میں بھومی پھوڑی، پنجاب میں کھمبی، ہماچل پردیش میں کھمبی اور گجرات میں بلاڑی نو ٹوپ (بلی کی ٹوپی) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پہلے مشروم کے سلسلے میں بے شمار توہمات اور روایات عام تھیں۔ انھیں بیکار سمجھا جاتا رہا۔ لیکن اب انھیں اہم غذائی مادہ مانا جاتا ہے۔

مشروم کو غذا کے طور پر استعمال کرنے کی تاریخ نئی نہیں۔ لیکن باقاعدہ مشروم کی کھیتی ۵۰، ۶۰ سال پہلے شروع ہوئی۔ تائیوان، چین، جاپان، فرانس، امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ میں مشروم کی کھیتی بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے اس کی تجارت خوب ہوتی ہے۔ ہندستان میں مشروم کی کھیتی جموں کشمیر، ہماچل پردیش، پنجاب اور اتر پردیش کے کچھ حصوں میں ہوتی ہے۔ ان علاقوں میں چھوٹے اور کم سادھن والے کسانوں کے لیے مشروم کی کھیتی، پگھلا ہوا سونا سمجھی۔

آج مشروم سے بنے کھانے بڑی لذت اور خوشی سے کھائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ یہ کھانے بڑے مزے دار بنتے ہیں۔ بلکہ ان کی قدر اس لیے کی جاتی ہے کہ مشروم میں دیگر نباتات سے بہتر پروٹین کی مقدار پائی جاتی ہے۔ بعض مشروم میں، وٹامن بی گروپ کے غذائی مادّے، لوہا اور تانبا جیسی معدنیات بھی کافی مقدار میں ملتی ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان کی کیلری زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ ان میں اسٹارچ بہت کم مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ذیابیطس اور دورۂ دل کے مریضوں کے لیے مشروم کا استعمال مفید ثابت ہوا ہے اس کے علاوہ جلدی امراض، سفید داغ، برص اور پاگل پن کو دور کرنے میں بھی مشروم نہایت کارآمد ہیں۔

مشروم کی تقریباً ...۲۰ ضمنی اقسام ہیں لیکن ہندستان میں چار قسمیں عام ہیں۔ سب سے زیادہ مقبول قسم کو عام زبان میں سفید بٹن مشروم کہتے ہیں۔ مشروم کی یہ قسم سب سے زیادہ ذائقہ دار اور قابلِ استعمال ہے۔ اس کی شکل سفید بٹن کی سی ہوتی ہے اور یہ جموں کشمیر، ہماچل پردیش اور پنجاب میں پیدا ہوتا ہے۔ اس مشروم کی کاشت کے لیے ۱۸ سے ۲۵ درجہ سینٹی گریڈ تک حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان علاقوں میں اکتوبر سے جنوری تک سازگار زمانہ ملتا ہے۔ دوسری مقبول قسم کو پوآل مشروم کہا جاتا ہے۔ اس کی کھیتی، دھان کے پوآل پر جمنے کے سبب ہی اسے پوآل مشروم کہا جاتا ہے۔ یہ قسم ملایا، چین اور برما میں مقبول ہے۔ ہندستان میں پنجاب، تمل ناڈو اور اتر پردیش کے علاقوں میں اس کی کاشت ہوتی

۲۸ سے ۴۵ سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں اس کی کاشت کافی عمدہ ہوتی ہے۔ اس کی کاشت کے لیے دھان کا پیال، پسا ہوا چنا، بانس اور مشروم کے بیج کی ضرورت پڑتی ہے۔ کمروں میں چھوٹی چھوٹی ٹرے میں بھی مشروم کی قسم بوئی جاسکتی ہے۔ دیگر اقسام کنگری اور شاہی ٹیک ہیں۔ لیکن ان کی کاشت محدود پیمانے پر ہوتی ہے۔

ہندستان میں مشروم کی پیداوار اور کھپت دنیا کے مشروم پیدا کرنے والے اہم ممالک کی بہ نسبت بہت محدود ہے۔ یہاں ہر سال ۳ سو ٹن مشروم کی پیداوار ہوتی ہے جس کا نصف حصہ ہمارے ملک ہی میں استعمال ہو جاتا ہے۔ اور بقیہ نصف حصہ برآمد کر دیا جاتا ہے۔ امریکہ میں 3.0 (۱۹۸۰ء) لاکھ ٹن مشروم پیدا کیا جاتا ہے اور (۱.۷۰) لاکھ ٹن کی کھپت ہے۔ وہاں اس کمی کو درآمد کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے۔ مشروم کی برآمد دنیا میں سب سے زیادہ ملک تائیوان میں ہوتی ہے۔ جہاں ۶۰ ہزار ٹن پیداوار میں سے تقریباً ۵۰ ہزار ٹن مشروم برآمد کیا جاتا ہے۔

مشروم کی غذائیت اور ذائقہ کے سبب دنیا کے مختلف حصوں میں اس کا استعمال دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ آج دنیا میں مشروم کی کھپت تقریباً دس لاکھ ٹن ہے جس کا ایک بڑا حصہ برآمد کی دین ہے۔

ہندستان کے مختلف علاقوں میں مشروم کی اہم اقسام کی کاشت کے لیے مناسب آب و ہوا بھی ہے۔ نیز ضروری خام مال آسانی سے فراہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے چھوٹے کاشتکاروں، بے روزگار نوجوانوں، اور کم سادھن والے کسانوں کے لیے مشروم کی کاشت آمدنی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہمارے ملک میں مشروم کی پیداوار بڑھانے کے لیے بہت سے اقدامات کیے گئے ہیں۔ ہندستان کے زراعتی اداروں، علاقائی تجربہ گاہوں نیز مختلف زراعتی یونیورسٹیوں میں مشروم کی پیداوار بڑھانے کے لیے مختلف تجربات کیے جا رہے ہیں۔

حکومت کو پچھڑے ہوئے کسانوں کی مالی امداد کرنی چاہیے اور انھیں ممکن سہولت بہم پہنچانے کا اہتمام ضروری ہے۔

(بشکریہ سماج کلیان)

اشفاق احمد

بچھڑے کبھی یوں بھی ملے

ڈاکٹر جاوید ذہین، تجربہ کار، ہمدرد اور رحم دل تھے اسی لیے ان کا شمار بمبئی شہر کے مشہور ڈاکٹروں میں ہوتا تھا۔ وہ غریب مریضوں کا علاج مفت کرتے تھے۔ بمبئی شہر میں ان کے تین دواخانے تھے جو مختلف اوقات میں کھلتے تھے شہر میں ان کا شاندار بنگلہ تھا وہ روزانہ صبح آٹھ بجے گھر سے نکلتے اور رات کو دس بجے واپس ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر جاوید معمول کے مطابق آٹھ بجے بنگلہ سے نکلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک کال بیل بجی انھوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا دروازے کے باہر ایک لڑکا دس یا بارہ سال کا پسینے میں شرابور کھڑا ہانپ رہا تھا اس کے کاندھے پر پھٹا ہوا لال رومال تھا۔ بال الجھے ہوئے تھے وہ آگے بڑھا، سانس اکھڑی ہوئی۔

صاحب ..... ڈاکٹر صاحب .... میری ماں کو بچا لیجیے ..... میری ماں بہت بیمار ہے ڈاکٹر صاحب ... میں آپ کی فیس دن رات محنت کر کے ادا کر دوں گا صاحب، وہ سب کچھ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ " تم فیس کی فکر نہ کرو بیٹے۔ تم فکر نہ کرو۔ مگر یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو۔" میں سنجے نگر رہتا ہوں صاحب اچھا ٹھیک ہے یہ کہہ کر ڈاکٹر جاوید نے اپنا دواؤں کا بکس اٹھایا اور اس لڑکے کے ساتھ اپنی کار سنجے نگر کی طرف دوڑا دی۔ کار بہت تیز رفتار میں تھی لیکن لڑکا بہت بے چین نظر آرہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کار سنجے نگر میں داخل ہو گئی کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد لڑکے نے اشارہ کیا اور کار رک گئی۔ لڑکا ڈاکٹر جاوید کے ساتھ جھونپڑی میں داخل ہوا۔ جرمن کے تین برتن زمین پر پڑے تھے۔ ایک کونے میں اینٹوں کا چولھا تھا۔ دوسرے کونے میں اس کی ماں چٹائی پر پڑی کراہ رہی تھی جیسے ہی اس کی ماں نے ڈاکٹر کو جھونپڑی میں کھڑا پایا اپنے بیٹے پر غصہ ہوئی۔ " تیرے پاس ڈاکٹر صاحب کو پیسے دینے کے لیے کہاں سے آگئے؟" ماں ڈاکٹر صاحب بغیر فیس لیے تمھیں اچھا کر دیں گے۔ یہ سنتے ہی اس نے ایک نظر ڈاکٹر صاحب پر ڈالی اور خاموش ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کی ماں کی مکمل جانچ کی اور باکس سے گولیاں نکال کر دیں۔ پابندی سے دو صبح دو شام اور ایک دوپہر میں ٹھنڈے پانی کے ساتھ لینے کو کہا۔ اس کے بعد لڑکے سے کہا" میں پھر کل آؤں گا اور طبیعت دیکھ کر دوائیاں دوں گا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمھاری ماں بہت جلد اچھی ہو جائے گی۔

اچھا یہ بتاؤ تم کیا کام کرتے ہو، ڈاکٹر صاحب

سوت گرنی کوارٹر تاج آباد ناگپور ۹ ... ۴۴

[illegible] اسٹیشن پر قلی کا کام کرتا ہوں۔ تو ٹھیک ہے
[illegible] نو بجے والی ایکسپریس سے ہمارے
[illegible] ویٹنگ روم نمبر ۲ میں ٹھہریں گے تم
[illegible] تک پہنچا دینا۔ لیکن یہ خیال دل میں
[illegible] ان دوائیوں کے عوض میں میں تمھیں یہ کام
[illegible] ہوں بلکہ اس کی مزدوری میں کل تمھیں دے
[illegible] لڑکے نے خاموشی کے ساتھ سب کچھ سنا۔ ڈاکٹر
[illegible] نے چلتے وقت دوائیاں پابندی سے لینے کی پھر
[illegible] ایک بار پھر جھونپڑی کا جائزہ لینے لگے۔ اچانک
ان کی نظر ایک تصویر پر پڑی جس پر گرد و غبار جما
ہوا تھا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر اسے صاف کیا اور
غور دیکھنے لگے۔ انھیں وہ تصویر اپنے بچپن کی معلوم
ہو رہی تھی۔ وہ حیرت سے اس کی ماں سے پوچھنے
لگے۔ تمھیں یہ تصویر کہاں مل گئی۔

عجیب سوال کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب آپ۔ بھلا
کون ملی ہوئی کسی آدمی کی تصویر کو فریم کرا کے اپنے
گھر میں لگائے گا۔ اس تصویر کے پیچھے ایک بہت بڑی
دردناک کہانی چھپی ہے ڈاکٹر صاحب۔ دراصل ہم
لوگ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں۔ میری ایک بہن ایک
بھائی تھا۔ امی ابو حیدرآباد میں رہتے تھے۔ میری
شادی ہو چکی تھی۔ میرے شوہر ایک فیکٹری میں ملازم
تھے۔ مجھ سے چھوٹی بہن دسویں کلاس میں پڑھتی تھی۔
اور میرا اکلوتا بھائی ڈاکٹری ٹریننگ کے لیے باہر گیا تھا۔
سارا ماحول خوشگوار تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے
حیدرآباد کی زمین خون کی پیاسی ہو گئی۔ ہندو مسلم
کا فساد ہو گیا۔ اس دوران میرے والد نے
بھائی کو تار بھی کیا کہ وہ حیدرآباد آ جائیں۔ لیکن
میرے والد اپنے لڑکے کا دیدار نہ کر سکے اور گولیوں
کا نشانہ بن گئے۔ میری امی کا بھی وہی حال ہوا ان
کا بھی سینہ گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ میری چھوٹی بہن
کو بھی قتل کر کے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ مجھے ایک
ہندو سہیلی نے بچا لیا۔ میرے شوہر باہر تھے وہ باہر ہی
رہ گئے ان کا اب تک پتا نہ چلا کہ وہ زندہ ہیں یا مارے
گئے۔ ہم بہت ستائے ہوئے ہیں ڈاکٹر صاحب! میں تو
زندہ رہ گئی لیکن آج سوچتی ہوں کہ ایسے جینے سے تو مرنا
بہتر۔ ڈاکٹر صاحب! یہ جو تصویر آپ دیکھ رہے ہیں میرے
اکلوتے بھائی جاوید کی ہے کاش وہ ہوتا تو آپ ہی کی
طرح ایک ڈاکٹر ہوتا۔

ارے تم تو رونے لگے ڈاکٹر صاحب....!

میں تمھارا بھائی جاوید ہوں ذکیہ باجی میں مرا
نہیں زندہ ہوں۔ یہ میری ہی تصویر ہے۔ لیکن مجھے تو
یقین نہیں آ رہا ہے۔ یقین کرنے جیسی بات بھی تو نہیں
ہے ذکیہ باجی جیسے ہی مجھے ابا جان کا تار ملا تھا میں
حیدرآباد کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن حیدرآباد کے اسٹیشن پہ
پہنچا تو سبھی لوگوں نے مجھے حیدرآباد میں داخل ہونے
سے روک دیا اور مشورہ دیا کہ اگر تم جان کی سلامتی چاہتے
ہو تو واپس جاؤ بات سمجھ چکی تھی میں وہاں سے واپس بمبئی
آ گیا۔ اور اب جیسا بھی تمھارے سامنے ہوں ذکیہ باجی وہ
ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد
جب وہ ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو ڈاکٹر جاوید نے
مسکرا کر کہا ارے افضل اتنے دور کیوں کھڑا ہے اِدھر
آ... پھر اسے بھی گلے سے لگا لیا۔ ہاں افضل آج جو
مہمان آنے والے ہیں وہ مہمان نہیں، تمھارے ابو جان
ہیں۔

سچ ---!! ہاں افضل! پھر وہ ذکیہ باجی کی طرف
مڑے --- اب تم لوگ چلو گے بھی یا پھر یہیں رہو گے۔
تینوں کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں۔ تینوں اٹھے اور
خوشی خوشی کار میں بیٹھ کر بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔!!

بال پین کا موجد

۲۴ اکتوبر کو بال پین کا موجد مسٹر جوز بیرو کا مقامی جرمن اسپتال میں مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر ۸۶ سال تھی۔
مسٹر بیرو، ۲۰ ستمبر ۱۸۹۹ء کو ہنگری میں پیدا ہوئے ۱۹۴۰ء میں یوگوسلاویہ کے اسپتال ارجنٹینا کے صدر کشن جسٹو اور مسٹر بیرو ایک ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ صدر موصوف نے مسٹر بیرو کو ایک عجیب قسم کا قلم استعمال کرتے دیکھا تو اپنا تعارف کرایا۔ اور انھیں ارجنٹینا آنے کی دعوت دی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے مسٹر بیرو ترک سکونت کرکے ارجنٹینا کے دارالحکومت بیونس ایرس میں بس گئے مسٹر بیرو نے بتایا کہ ۱۹۵۱ء میں انھوں نے اپنی ایجاد یعنی بال پن کی رجسٹری امریکہ کی مشہور پارکر کمپنی کے نام کردی ان کی یہ ایجاد اتنی مقبول ہوئی کہ آج دنیا میں ہر پڑھا لکھا شخص اسے استعمال کرتا ہے۔

۲۹ اکتوبر ۸۹ء کو نیو ایرا ایجوکیشن سوسائٹی اندھیری کے زیر اہتمام انجمن خیر الاسلام ہال مدن پورہ بمبئی ۸ میں بچوں کے ادیبوں اور شاعروں کی خصوصی نشست سے خطاب کرتے ہوئے جناب ریاض احمد خان نے اپنے خطبۂ صدارت میں مسرت کا اظہار کیا کہ بچوں کے ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں ٹھوس قدم اٹھایا گیا ہے انھوں نے اردو کے بعض اخبارات اور بچوں کے رسالوں کو قابل مبارکباد بتایا جو بچوں کے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات بچوں تک پہنچا رہے ہیں نشست کا افتتاح کرتے ہوئے معروف شاعر و صحافی جناب عبداللہ کمال نے فرمایا کہ بچے ملک و قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں مستقبل کا دارومدار بھی بچوں پر ہوتا ہے لہٰذا ان کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کے مطالعہ کے لیے بہترین ادب ضروری ہے انھوں نے مزید کہا کہ ہر انسان کے اندر بچہ پوشیدہ ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ دنیا اپنی معصومیت اور خوب صورتی کو کھو دے گی۔

بچوں کے ادب کی موجودہ صورت حال اور اس کی ترقی کے امکانات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جناب ریاض آفندی نے فرمایا کہ ہر اسکول میں ایک ایسا مخصوص کمرہ ہونا چاہیے جس میں بیٹھ کر طلبہ و طالبات کتابوں کا مطالعہ کریں۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ بچوں کے ادیبوں اور شاعروں کو بچوں سے متعارف کروانا چاہیے۔

مہمان خصوصی خان محمد یونس صاحب نے اپنی جامع اور پر مغز تقریر میں بچوں کے ادیبوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کی تخلیقات کی طباعت و فروخت کے منصوبہ کار کی افادیت و اہمیت پر زور دیا۔

اس خصوصی نشست میں ریاض احمد خان، ہارون نوشتر انور خان، مومن جان عالم رہبر نظام الدین نظام، غنی غازی ساغر ملک، کلیم ضیا، اقبال عثمان مومن اور مقصود اظہر نے بچوں کی کہانیاں سنائیں۔ غلام صوفی حیدری، نورجہاں نور احمد وصی اور کوثر انصاری نے بچوں کے لیے نظمیں پڑھیں جناب عبداللہ کمال نے اپنا منظوم اسکرپٹ "دنیا" سنا کر خوب داد وصول کی۔

انجمن خیر الاسلام کے جوائنٹ سکریٹری جناب عبدالرحمٰن انصاری اور خان محمد یونس صاحب مہمان خصوصی تھے۔

جوابات: پہیلیاں

۱. حضرت آدم علیہ السلام (۲) نماز با جماعت (۳) آسمان (۴) دن رات (۵) آنکھ اور آنسو (۶) ہونٹ (۷) نالی (۸) جونک (۹) بچھو (۱۰) انار (۱۱) گنا (۱۲) پائے پٹیاں (۱۳) ترازو (۱۴) گھڑی (۱۵) کاجل (۱۶) رحل قرآن مجید (۱۷) سوئی (۱۸) انڈا (۱۹) توپ (۲۰) قسم

مکرمی مدیر محترم السلام علیکم

"پیام تعلیم" اب تک انتہائی شوق و دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتا رہا اور مجھے آپ کے اس موقر پرچے سے کافی فائدہ ہوا اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے۔ میں نے عربی پڑھنا شروع کردی ہے اب زیادہ توجہ درسی کتابوں یا عربی زبان سیکھنے پر دیتا ہوں

محمود الحسن حسنی خریداری ۵۲۵۲

محترم اڈیٹر صاحب

آپ کا "پیام تعلیم" موصول ہوا پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ جناب نسیم ستر کھی صاحب کا "پیالہ" بہت اچھا لگا اور آپ اب ہر ماہ "پیام تعلیم" روانہ کردیا کریں عین نوازش ہوگی۔ اگر سال بھر کی رقم ابھی جمع کرنا ہو تو لکھ دیں ورنہ پھر روانہ کردوں گا۔ (حفظ الرحمٰن خان، دینی بک ڈپو مرکزی روڈ پٹیل واڑی سارنگپور ضلع راج گڑھ ایم۔پی)

جناب اڈیٹر صاحب السلام علیکم!

بچوں کی کوششیں خوب ہیں۔ ایک کہانی "خوشبو اور پھول" لے کر آیا ہوں۔ ابھی میں نویں جماعت میں پڑھ رہا ہوں اس لیے کہانی میں غلطی ہو سکتی ہے آپ درست کرلیں۔ میرے اندر پڑھنے کا حوصلہ "پیام تعلیم" کی اچھی اچھی کہانیاں پڑھ کر پیدا ہو رہا ہے۔ (آفتاب عالم بابو، شاہ پور بھگونی سمستی پور۔ بہار)

جناب اڈیٹر صاحب! آداب

ہم جیسے لڑکوں کے لیے "پیام تعلیم" مفید پرچہ ہے لیکن ستمبر کا پیام تعلیم ملا ہی نہیں۔ پوسٹ والے سے دریافت کیا تو کہنے لگا ابھی تک کوئی رجسٹری نہیں آئی۔ براہ کرم پیام تعلیم پابندی سے بھیجیے۔

عارف احمد عثمانی بھوئی محلہ جامنیر ضلع جلگاؤں ایم۔ایس

جناب اڈیٹر صاحب! السلام علیکم!

میں ہر ماہ نہایت پابندی سے اپنا پیارا رسالہ "پیام تعلیم" پڑھتا ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بے حد پسند ہے۔ میں نے آپ کے رسالے کے لیے ایک کہانی روانہ کی تھی لیکن وہ کہانی آج تک شائع نہیں ہوئی۔ امید کرتا ہوں آپ اپنے رسالے کے قیمتی کالم میں میرے خط کو جگہ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ "پیام تعلیم" کی دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

کے انیس احمد بڑی پیٹ دامنباڑی

جناب اڈیٹر صاحب! سلام مسنون

اس ماہ کا پیام تعلیم بہت اچھا اور دلچسپ ہے اس پرچہ میں "جادوگر کا تحفہ" اور "بہتر شہزادی" بہت دلچسپ ہیں اگر اسی طرح کے مضمون شائع ہوتے رہے تو یہ پرچہ کافی ترقی اور بلندی پر پہنچ جائے گا۔

محمد غفران احمد

محلہ مہراج گنج ڈاک خانہ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار)

جناب اڈیٹر صاحب! السلام علیکم!

"پیام تعلیم" بدستور چل رہا ہے اتنا جلد اور ٹھیک وقت پر شاید ہی کوئی رسالہ ملتا ہوگا۔ مضامین عمدہ اور چیدہ چیدہ۔ بعض مضامین بڑوں کے لیے تعلیم و تربیت کا باعث ہیں۔ ٹائٹل نہایت خوب صورت اور جاذب نظر ہے اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح جاری و ساری رکھے بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

مطیع اللہ راد نشاء کا لیجیٹ اسکول کٹک (اڑیسہ)

ضروری اعلان

طباعت اور کاغذ کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے ہمیں مجبوراً پیام تعلیم کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے اب جنوری ۱۹۹۰ء سے عام شمارے کی قیمت ۳/۰۰ روپے ہوگی اور سالانہ ۲۵ روپے ہوگی۔

غلام درّانی

کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ وہ بہت محنتی تھا۔ گاؤں میں اس کی بڑی عزّت تھی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ وہ باپ کی نگرانی میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ خوشی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔

کسان اب بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا اور زندہ بچنے کی اُمید نہ رہی۔ ایک دن اس نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور اُن سے کہا۔

" میرے بچو، میں اب اس دنیا میں کچھ دیر کا مہمان ہوں۔ میرے مرنے کے بعد تم چاروں بھائی آپس میں مل جل کر رہنا، اپنے اپنے کام کو محنت اور توجّہ سے کرنا، کبھی ایک دوسرے کو دھوکا نہ دینا۔ میں نے اب تک اپنی زندگی ایک نیک اور محنتی آدمی کی طرح گزاری۔ اس کا راز میرے باپ یعنی تمھارے دادا کی کہی ہوئی تین باتیں تھیں۔ آج ان باتوں پر عمل کر کے میں نے یہ نام کمایا ہے۔ اسی طرح تم بھی میری باتوں پر عمل کروگے تو زندگی آرام سے گزاروگے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔

پہلی بات :۔" دو چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں۔" دوسری بات :۔" دو چیزیں ایک مرتبہ چلی جائیں تو پھر نہیں آتیں۔" تیسری بات :۔ دو چیزیں ایک مرتبہ آجائیں تو پھر نہیں جاتیں۔
کسان ان تینوں باتوں کا مطلب بھی سمجھانا چاہتا تھا کہ ایک ہچکی سی لگی اور اس نے دم توڑ دیا۔

چند دن بعد چاروں بیٹوں نے باپ کی کہی ہوئی باتوں کو کاغذ پر لکھ لیا اور اسی گاؤں کے ایک عالم (پڑھے لکھے شخص) کے پاس گئے۔ ان باتوں کا مطلب پوچھا۔ اس پڑھے لکھے آدمی نے چاروں کو اپنے قریب بٹھا لیا اور مطلب سمجھانے لگا۔

پہلی بات :۔ دو چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں۔" یعنی خوش حالی اور غریبی یہ دونوں ایک کے بعد ایک آتی رہتی ہیں۔ تمھارے پاس خوش حالی ہو تو خوش رہو۔ اور اگر غریبی آجائے تو رنج نہ کرنا۔

دوسری بات :۔" دو چیزیں ایک مرتبہ چلی جائیں تو پھر نہیں آتیں۔" یہ دو چیزیں ہیں جان اور عزت ان دونوں کو اچھی طرح سنبھال کر رکھنا چاہیے۔ اگر تم انھیں ایک مرتبہ کھو دوگے تو پھر یہ دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتیں۔

تیسری بات :۔" دو چیزیں ایک مرتبہ آجائیں تو پھر نہیں جاتیں۔" یہ دو چیزیں ہیں شہرت اور بدنامی۔ انسان کو اچھے کام کر کے شہرت حاصل کرنا چاہیے۔ اور بدنامی سے بچنا چاہیے۔

چاروں بھائی اس عالم کی یہ باتیں سمجھ کر اپنے گھر واپس آگئے اور تینوں باتوں پر عمل کر کے شہرت اور عزت کی زندگی گزارنے لگے۔

(تلگو ادب سے ماخوذ بشکریہ بالا چندریکا)

پیامی ادبی معمّا ۲۱ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل (۱) گلابو چوہیا اور پری زاد صفحہ ۲۲۔ کمر بڑ۔ (۲) روشن۔ ہمارا دین اول صفحہ ۷۰ (۳) روز۔ اچھی کہانیاں صفحہ ۲۱ (۴) ننھے چڑیاں صفحہ ۱۲ (۵) بولی۔ چڑیاں صفحہ ۱۳ (۶) دو۔ پہاڑ کی چوٹی پر صفحہ ۵۸ (۷) چراغ۔ گاندھی جی دکھنی افریقہ میں ص ۱۶ (۸) عقلمندی عقلمندی۔ گاندھی جی دکھنی افریقہ میں ص ۱۶۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۱۵ خوش نصیب فی کس ۶/۶۵ روپے تقسیم کیے گئے

۱۔ ارشد عرف گڈو۔ کمرہ نمبر ۱۲۵ پہاڑی املی مٹیا محل دلی ۶ ۲۔ عشرت فاطمہ ۳۔ عاصمہ خاتون۔ ۴۔ خلیق احمد کمرہ نمبر ۴۲۵ اے رنگ سینٹری آف لا نئی دہلی ۱۔ ۵ محمد مشتاق احمد۔ جوتا دکان۔ اسٹیشن روڈ۔ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد (بہار) ۶۔ محمد شبیر الاسلام کیر آف ڈاکٹر محمد ظفر الاسلام۔ مہراج گنج۔ ۷۔ محمد افتخار کیر آف نصیر الدین۔ ۸۔ کنیز فاطمہ زہرا کیر آف اے۔ ایم قاسمی مدرسہ اسلامیہ ۹۔ نور فاطمہ زہرا۔ ۱۰۔ سعیدہ خاتون۔ ۱۱۔ صابرہ بتول۔ ۱۲۔ مختار مونس۔ ۱۳۔ اختر حسین۔ ۱۴۔ محمد مظہر نعمانی ۱۵۔ محمد غفران احمد۔ (بہار)

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب فی کس ۵ روپے کی کتابیں دی گئیں۔

۱۔ محمد ارشد نعمانی کیر آف محمد اجمل مدرسہ اسلامیہ۔ رفیع گنج۔ اورنگ آباد (بہار) ۲۔ محمد نور الاسلام کیر آف ڈاکٹر محمد ظفر الاسلام۔ مہراج گنج۔ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار) ۳۔ عارف احمد۔ ن۔ این شیخ کنٹرولر بھونی گلی۔ جامنیر۔ جلگاؤں۔ ۴۔ غزالہ فاطمہ زہرا کیر آف۔ اے۔ ایم قاسمی مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج۔ ضلع اورنگ آباد (بہار) ۵۔ مسعود سعد سلمان 〃 〃 〃 〃 ۶۔ سعید کلیم جاوید ضلع اورنگ آباد (بہار) ۷۔ محمد مصطفےٰ رفیع گنجوی اورنگ آباد (بہار) ۸۔ محمد اطہر نعمانی اورنگ آباد (بہار) ۹۔ ابراہیم اسماعیل ملا۔ مقام پوسٹ کردھند۔ ۱۰۔ محمد یامن انصاری کیر آف لیڈر منزل محمد علی روڈ۔ مومن پورہ ناگپور ۱۸۔

نام: شکیل احمد، عمر: ۱۶ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، بڑوں کی عزت کرنا۔ اچھی کتابیں پڑھنا
پتا: (شکیل احمد معرفت انچل شریف ۵ راوجی بازار اندور)

نام: شبیر احمد، حبیب اللہ انصاری عمر ۱۵ سال
مشغلہ: اسکول کا کام پابندی سے کرتا ہوں، دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا، کرکٹ و دوسرے کھیلوں میں حصہ لینا۔
پتا: حکیم سیٹھ کا کارخانہ نمبر ۲۹۲ چوتھا نظام پور پوسٹ مقام بھیونڈی (ضلع تھانہ)

نام: تبسّم کوثر عمر ۱۵ سال
مشغلہ: ادبی رسالہ پڑھنا، افسانے لکھنا، دوستوں کے خطوط کا پابندی سے جواب دینا۔
پتا: پوسٹ باکس نمبر اے ۱۲۰۷ ذاکر نگر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

نام: پرنس خالد صدیقی عمر ۱۷ سال
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، فوٹوگرافی، تیرنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا،
پتا: شرافت ہاؤس ڈی۔ ۴ لال باغ پٹنہ ۸۰۰۰۰۴

نام: محمد جاوید لطیف عمر ۲۰ سال
مشغلہ: دانشوروں کے اقوال و علم قیافہ کا مطالعہ کرنا۔ معیاری اشعار یاد کرنا، بی بی سی۔ اردو پروگرام سننا۔
پتا: ۲۰۹/۱۰۲ چمن گنج کانپور (یوپی) ۲۰۸۰۰۱

نام: آصف احمد تاج محمد عمر ۹ سال
مشغلہ: بھائی جان کی کہانیاں پڑھنا۔ اسکول پابندی سے جاتا ہوں۔ استادوں کا ادب کرتا ہوں۔
پتا: بھوئی گلی جامنیر ضلع (جلگاؤں) ۴۲۴۲۰۶

دنیا کا سب سے بڑا بلب

جاپان کی ایک فرم نے ایک بلب تیار کیا ہے کمپنی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا بلب ہے اور اس کی روشنی اتنی تیز ہے کہ اس سے ۴۰۰ گز کے فاصلے پر اخبار پڑھا جا سکتا ہے۔ اس بلب کا محیط ۱۲ انچ ہے۔ اس کا وزن پچاس پونڈ اور وہ عام بلبوں سے ۷۰۲ گنا بڑا ہے۔

صاحب سڑک درخت

ترکی کے شہر سمرنا میں ایک ایسا درخت موجود ہے کہ جس کا تنا اتنا موٹا ہے کہ اس میں سے چار سڑکیں گزرتی ہیں

اڑن کرسی

امریکی خلائی ادارے ناسا نے ایک اڑنے والی کرسی ایجاد کی ہے جس پر ایک آدمی بیٹھ کر کنٹرول کر سکتا ہے۔ یہ گردن کے اشارے سے دائیں بائیں مڑتی ہے۔

حیرت انگیز

انڈونیشیا میں ایک عجیب و غریب درخت پایا جاتا ہے وہ رات کو اس قدر چمکتا ہے کہ کئی میل سے نظر آتا ہے اس کی روشنی میں آسانی سے لکھا پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کی اونچائی زیادہ سے زیادہ سات فٹ تک ہوتی ہے

فرانس کی ایک عورت نے تجربے سے ثابت کیا ہے کہ چیونٹیوں کی بستی میں فائر بریگیڈ ہوتے ہیں۔ ایک عورت نے جلتا ہوا سگریٹ چیونٹیوں کے درمیان رکھ دیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ آگ سے بے ہوش ہونے والی چیونٹیوں کو ایک خاص قسم کی چیونٹیوں نے آگ سے گھسیٹ کر باہر نکالا۔

عجیب و غریب گھڑی

جرمن میں ایک عجیب دلچسپ گھڑی ہے جس میں اوپر کی طرف دو ہرن لڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے نیچے جہاز کا لنگر ہے اور پھر ایک انسانی ڈھانچا ہے۔ آخر میں ایک بوڑھے کی گردن نظر آتی ہے جب گھنٹہ بجتا ہے تو یہ سب مل کر عجیب و غریب حرکتیں شروع کر دیتے ہیں

دلچسپ و عجیب

شارک مچھلی اور ڈاگ فش بچے دیتی ہے باقی سب مچھلیاں انڈے دیتی ہیں۔

فلپائن کی جھیلوں میں پائی جانے والی گوبی مچھلی کی لمبائی صرف آدھا انچ ہوتی ہے۔

برازیل کے دریاؤں میں پائی جانے والی "آرا پیما" مچھلی کی لمبائی پندرہ فٹ اور وزن پانچ من ہوتا ہے

"اسٹنگر ریز" نامی مچھلی بڑی زہریلی ہوتی ہے۔ اٹلی میں ایک نوجوان اس سے زخم کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ برطانیہ میں ایک شخص اس کے زہر سے مر گیا تھا۔

سب سے اونچا درخت

دنیا کا سب سے اونچا درخت جو بے حد پرانا ہے کیلی فورنیا (امریکہ) کے نیشنل پارک میں ہے اس کی اونچائی ۲۷۷ فٹ اور اس کا گھیرا ۱۰۱ فٹ ہے۔ اگر اسے کاٹ کر اس کی دیا سلائیاں بنا لی جائیں تو دنیا کے ہر شخص کو ماچس کی ایک ڈبیا مل جائے گی

بچوں کی کوششیں

سبق :

"ارے نشاط"۔ نشاط کی ممّی نے اسے آواز دیتے ہوئے کہا "ذرا ڈاکٹر صاحب سے میری دوائی تو لے آ"۔

"نہیں ممّی اس وقت تو میں نہیں جاؤں گا۔ میں تھکا ہوا ہوں"۔ "ارے تو تیری نئی سائکل کس کام آئے گی۔ جا سائکل پر چلا جا"۔ "ٹھیک ہے"۔ نشاط نے اٹھتے ہوئے کہا۔ جانا ہی پڑے گا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور سائکل لے کر ڈاکٹر صاحب کی ڈسپنسری کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے سائکل ڈسپنسری کے باہر کھڑی کر دی اور تالا لگائے بغیر ہی اندر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحب کو پرچہ دے کر وہ اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ کالی داڑھی مونچھوں والا آدمی اس کی سائکل لیے جا رہا ہے۔ وہ اس آدمی کے پیچھے بھاگا مگر وہ آدمی دور جا چکا تھا۔

پریشان ہو کر نشاط نے جلدی سے کمپاؤنڈر کو بتایا۔ کمپاؤنڈر نے نشاط کو اپنی سائکل کی چابی دے دی۔ چابی لے کر نشاط ڈسپنسری سے باہر آیا اور تالا کھول کر جلدی سے سائکل پر چڑھ کر اس سائکل چور کو ڈھونڈھنے لگا وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے اپنے دوست عمران کی بات پر کیوں دھیان نہیں دیا۔ عمران نے کہا تھا کہ کبھی اپنی سائکل کو بغیر تالا لگائے مت چھوڑنا۔ گلی کے موڑ پر آ کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ تو دور اس کو وہ آدمی نظر آیا۔ نشاط نے اس شخص کا پیچھا کیا۔ وہ بار بار پچھتا تا۔ اس کے پاپا نے اسے یہ نئی سائکل ابھی کچھ دن پہلے ہی آٹھویں جماعت پاس ہونے پر انعام میں دی تھی۔

وہ آدمی تیزی سے دوسری سڑک پر مُڑ گیا یہ سڑک نشاط کے گھر کی طرف کو جاتی تھی۔ نشاط چور چور کہہ کر چلّایا۔ سائکل چور گھبرا کر ایک پھاٹک میں گھس گیا۔ نشاط بڑا خوش ہوا۔ چور غلطی سے نشاط کے ہی پھاٹک میں داخل ہو گیا تھا۔ نشاط نے سوچا کہ اب چور آسانی سے پکڑا جا سکے گا۔ اس کے چور چور چلّانے پر محلّے کے دوسرے لوگ بھی پھاٹک میں آ گئے۔ نشاط نے دیکھا کہ چور اطمینان سے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ اس نے چور کو دیکھا تو ایسا لگا جیسے وہ اُسے جانتا ہے۔ چور نے ہنستے ہوئے اپنی داڑھی مونچھیں اُتار کر پھینک دیں۔ ارے یہ تو نشاط کا دوست عمران تھا۔

عمران نے نشاط کی پیٹھ پر ایک دھپ لگائی اور بولا "کہو اب تو سائکل بغیر تالا لگائے نہیں چھوڑ دو گے؟"

نشاط بڑا نادم ہوا۔ اب وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنی سائکل کو تالا لگانا نہیں بھولتا۔

رضیہ شبنم اوگانوی

دنیا کا راجا کون؟

بہت دنوں کی بات ہے۔ کسی گانو میں ایک شیخ جی رہتے تھے۔ ان کے گھر میں ایک بہت خطرناک مچھر رہتا تھا۔ وہ سب مچھروں کا سردار تھا۔ اس کا نام بھینو تھا۔ وہ دن بھر شیخ جی کی کوٹھری میں پڑا سوتا رہتا اور رات ہوتے ہی باہر نکل آتا اور شیخ جی کے خوب کاٹتا اور خون چوستا۔ شیخ جی اس سے پریشان تھے۔ وہ لاکھ کوشش کرتے کہ بھینو کو کسی طرح مار دیں مگر وہ ان کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔

ایک دن شیخ جی، بھینو سے تنگ آ کر بڑبڑانے لگے۔ وہ بولے "انسان دنیا میں سب سے طاقت ور ہے وہ دنیا

کا راجا ہے۔ مگر ایک ذرا سے مچھر سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔
بھینو بھی وہیں ایک کونے میں بیٹھا یہ بات سن رہا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے دل میں کہا: انسان دنیا کا راجا ہے مگر مجھ سے ڈرتا ہے تو اس حساب سے تو دنیا کا راجا میں ہوا! یہ سوچ کر وہ سیدھا شیخ جی کے پاس گیا اور بولا،
شیخ جی، انسان دنیا میں سب سے طاقت ور ہے مگر ہم سے ڈرتا ہے اس لیے آج سے دنیا کا راجا میں ہوں۔ آج سے میرا حکم ماننا پڑے گا۔ ساری دنیا میں یہ بات پھیلا دو۔ شیخ جی کو بہت زور کی ہنسی آئی وہ بولے:
ارے پدی کے شوربے۔ میں اور تجھے راجا مانوں! کبھی نہیں۔ ارے بے وقوف، جنگل کا راجا شیر جو ہم سے ڈر کر بھاگتا ہے وہ تک تجھے اپنا راجا نہیں مانے گا۔ تم آخر ہو کیا چیز؟!
چیز ارے ابھی تم یہی تو نہیں جانتے کہ ہم کیا چیز ہیں میں ابھی شیر کے پاس جاتا ہوں تم دیکھنا وہ فوراً مجھے اپنا راجا مان لے گا۔ بھینو جلدی جلدی اڑ کر جنگل کے راجا شیر کے پاس پہنچا اور اس سے بولا۔
"اے شیر کے بچّے ہماری بات سنو۔ تم جنگل کے راجا ہو۔ مگر انسان سے ڈرتے ہو اور سب انسان مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے آج سے میں دنیا کا راجا ہوں:" شیر کو بہت زور کی ہنسی آئی اس نے دہاڑ کر کہا:
ہا ہا۔ ہا ہا میں اور تمھیں راجا مانوں۔ کبھی نہیں۔ ارے بے وقوف۔ پرندوں کا راجا مور جو کہ ہم سے پناہ مانگتا ہے۔ وہ تک تجھے اپنا راجا نہیں مانے گا۔ تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔
"ارے تم کیا جانو کہ ہم کیا ہیں۔ تم دیکھنا مور مجھے دیکھتے ہی اپنا راجا مان لے گا۔ فوراً وہاں سے اُڑ گیا اور سیدھا مور کے پاس پہنچا اور اس سے بولا؛
"اے مور کے بچّے! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ راج گدی خوبصورتی سے نہیں چلتی۔" تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" مور نے غصّے میں کہا۔ ہا ہا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم شیر سے ڈرتے ہو۔ شیر انسان سے ڈرتا ہے اور انسان مجھ سے

ڈرتا ہے۔ اس لیے آج سے دنیا کا راجا میں ہوں۔ تمھیں میرا حکم ماننا پڑے گا"
دنیا کا راجا۔ واہ کیا بات کہی ہے۔ گندے پانی سے پیدا ہوئے اور دنیا کے راجا بننے کا خواب دیکھنے لگے۔ ارے تمھیں تو ایک چھپکلی تک راجا نہیں مانے گی جسے میں کھاتا ہوں اور جو مجھ سے پناہ مانگتی ہے۔
اچھا تو یہ بات ہے۔ میں ابھی تمھارے پاس لوٹ کر آتا ہوں پھر تم دیکھنا کہ چھپکلی کیسے مجھے فوراً اپنا راجا مان لے گی۔ یہ کہہ کر بھینو فوراً وہاں سے اُڑ گیا اور سیدھا چھپکلی کے پاس گیا اور اس سے بولا:
"ارے اے چھپکلی۔ ہماری بات کا جواب دو۔ تم مور سے ڈرتی ہو؟"
"ہاں" چھپکلی نے کہا۔
"شیر سے مور ڈرتا ہے؟"
"ہاں"
"اور انسان سے شیر ڈرتا ہے؟"
"ہاں بھئی ہاں۔"
"مگر انسان مجھ سے ڈرتا ہے۔ وہ دنیا میں سب سے طاقت ور ہے۔ تو پھر اب تمھیں بتاؤ کہ دنیا کا راجا کون ہوا؟" بھینو نے غصّے میں کہا۔
"بیشک حضور آپ ہوئے۔" چھپکلی نے کہا۔ "بھئی یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ دنیا میں آپ سب سے طاقت ور ہیں۔ تو دنیا کے راجا بھی آپ ہوئے۔"
بھینو اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے چھپکلی سے کہا" تو پھر جاؤ ساری دنیا میں اعلان کرا دو کہ دنیا کے راجا ہم ہیں اور آج سے سب ہمارا حکم ماننا شروع کر دیں۔
"حضور میں ابھی اعلان کرائے دیتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیے۔ اس خوشی میں آج دعوت کرنا چاہتی ہوں۔ چھپکلی نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے تم بھی کیا یاد کرو گی کہ دنیا کے راجا نے تمھارے گھر کھانا کھایا تھا:"

اب بھنو جیسے ہی چلنے کو ہوا، چھپکلی نے اسے ایک جھٹکے میں اپنے منہ میں لے لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چٹ کر گئی۔ مغرور کا انجام یہی ہوتا ہے۔

فرخ ریحان
عرفان منزل، بدر باغ علی گڑھ

خدا کو نہ بھولو

بہت زمانے کی بات ہے ایک بادشاہ اپنے درباریوں کی خوشامد اور جھوٹی تعریفوں سے اتنا مغرور ہو گیا تھا کہ خدا کو بھی نہ مانتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں اس سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں ہے۔ ایک بار ایک لڑکا بادشاہ کے دربار میں آیا اور بے خوف ایک پرچہ وزیر کے ذریعے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جو کچھ اس میں لکھا تھا اسے پڑھ کر سنانے کی ہمت وزیر کو نہ ہوئی۔ جب بادشاہ نے پرچہ پڑھا تو غصے سے سرخ ہو گیا۔ پرچے پر لکھا تھا "خدا کو نہ بھولو" لیکن بادشاہ نے درباریوں کو یہ نہیں بتایا کہ پرچے میں کیا لکھا ہے۔ البتہ اس نے لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا "تم کو اس کا انعام ملے گا" اور پھر بادشاہ نے ایک فرمان لکھ کر دیتے ہوئے کہا "تم کوتوال شہر کے پاس اسے لے جاؤ وہ تم کو ایسا انعام دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے" لڑکا بادشاہ کا فرمان لے کر باہر نکلا تو ایک درباری نے سوچا کہ انعام نہ جانے کتنا بڑا ہوگا، اس لیے اس نے فرمان لڑکے سے زبردستی چھینا اور اپنے لڑکے کو دے کر کوتوال کے پاس بھیج دیا۔ تاکہ انعام اس کو مل جائے۔ فرمان میں لکھا تھا "اس گستاخ لڑکے کو فوراً قتل کر دو" فرمان پر مہر لگی تھی۔ اس لیے نہ درباری اسے کھول سکتا تھا۔ نہ اسے علم ہو سکتا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے ہی اس کا لڑکا کوتوال کے پاس پہنچا اسے قتل کر دیا گیا۔ وہ لڑکا جس نے بادشاہ کو پرچے کے [illegible] نصیحت کی تھی، دوسرے دن پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اس کے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی گئی۔ پھر بھی اس نے لڑکے سے پوچھا "کیا تم کو انعام نہیں ملا" لڑکے نے کہا "حضور میں کوتوال کے پاس پہنچ ہی نہیں سکا۔ کسی نے آپ کا فرمان زبردستی مجھ سے چھین لیا۔" بادشاہ نے کوتوال کو بلا کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ جو لڑکا فرمان لایا تھا اسے تو میں نے اسی وقت قتل کر دیا تھا۔ لڑکے نے یہ سنا تو اوپر منہ اٹھا کر بولا "اللہ تیرا شکر ہے واقعی جسے تو بچانا چاہے اسے کوئی مار نہیں سکتا" پھر اس نے بادشاہ سے کہا "حضور آپ نے دیکھا کہ آپ کے حکم پر میرے بجائے کسی اور کو قتل کر دیا گیا" بادشاہ اس وقت سخت غصہ ہوا مگر اس وقت ٹال گیا۔ صرف اتنا ہی حکم دیا کہ لڑکے کو قید کر دیا جائے۔ دوسرے دن بادشاہ شکار کرنے گیا تو اچانک اس کا گھوڑا ایسا گرا کہ بادشاہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ بادشاہ تکلیف کے عالم میں محل پہنچا۔ حکیموں نے اس کا علاج شروع کیا۔ رات جب وہ سویا تو دیکھا کہ کوئی آواز آ رہی تھی۔ "اے مغرور انسان اس لڑکے کو رہا کر دے۔ آج صرف تیری ایک ٹانگ ٹوٹی ہے۔ کل تیری دوسری ٹانگ بھی ٹوٹ سکتی ہے۔" بادشاہ کی آنکھ کھلی تو اس پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے اسی وقت لڑکے کو رہا کر دیا۔ لڑکا رہا ہو کر اس کے سامنے آیا تو بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا کر بہت سا انعام واکرام دے کر کہا: میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں اب تیری نصیحت یاد رکھوں گا۔ واقعی میں خدا کو بھول گیا تھا۔ اسے کبھی بھولنا نہیں چاہیے۔

محمد عارف
درجہ ہشتم، بھوئی گلی بھبی ٹیلر کے سامنے جامنیر ڈسٹرکٹ جلگاؤں (مہاراشٹر)

خوشبو اور پھول

آج میں پھر اس باغ میں ٹہلنے گیا ہوں۔ اس باغ کو میرے والد صاحب نے بڑے شوق اور محنت سے لگوایا تھا۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک مالی کو رکھا تھا۔ آج میری نظر ایک پھول پر پڑی جو دیکھنے میں بڑا ہی خوبصورت لگ رہا تھا۔ میں نے اس پھول کو توڑنا

ا مگر اچانک رک گیا اور ایسا لگا جیسے پھول کہ رہا ہو مجھے
ے توڑنا۔ میں تمھیں خوشبو دیتا ہوں۔ ذرا مجھے دیکھو کانٹوں
سا اپنی زندگی گزارتا ہوں۔ پھر بھی تم لوگوں کو خوشبو دیتا ہوں۔
اتنے میں مالی آگیا۔ میں نے اپنی بات مالی سے کہی۔ مالی ہنسنے
لگا اور بولا: منے میاں: میں نے باغ سینچنے اور پھولوں کی دیکھ
بھال میں عمر گزاری ہے۔ مگر بڑے سرکار کی اپنے مالک کی
ے بات زندگی بھر یاد رہے گی۔
وہ کہا کرتے تھے کہ بچہ بھی پھول کی طرح ہوتا ہے۔
پھول کے رنگ اور خوشبو سے دوسروں کو خوشی ملتی ہے وہ
پھول کو اسی لیے چاہتے ہیں۔
بچوں کی پیاری صورت اور اچھی باتوں پر غیروں کو
بھی پیار آتا ہے۔
منے میاں! میری آنکھیں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ ایک دن
آپ بھی اپنے باپ کا نام چمکائیں گے۔

آفتاب عالم بابو
شاہ پور بگھونی، مغربی ٹولہ، سمستی پور ۸۴۸۱۲۱

تین مسافروں کی کہانی

تین مسافر سفر کر رہے تھے۔ رات ہوئی تو وہ ایک غار
میں چلے گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ رات یہاں بسر کر کے صبح آگے
بڑھ جائیں گے۔ وہ غار ٹھنڈا تھا وہ لوگ ایسے ہی لیٹے ہوئے
کہ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اچانک زور کی آواز آئی وہ
چونک اٹھ بیٹھے۔ غار میں اندھیرا پھیل گیا۔ انھوں نے باہر جانے
کا ارادہ کیا مگر وہ باہر نہیں جا سکے غار کے سامنے ایک بڑا
پتھر آ پڑا تھا۔ غار کا منہ بند ہو گیا تھا۔ پتھر اتنا بھاری تھا
کہ ہٹا کر راستہ نکالنا تو الگ رہا پتھر کو ہلانا بھی ممکن نہ تھا۔
نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ مسافروں میں سے ایک
پہنچا ہوا تھا۔ اس نے کہا، نیکی کبھی ضائع نہیں جاتی اگر
ہم نے نیکی کا کوئی کام کیا ہے تو ضرور ہماری مصیبت دور ہوگی۔

ایک مسافر بولا: مجھے ایک نیکی کا کام یاد آیا۔ جس زمانے
کا یہ ذکر ہے اُن دنوں میری حالت بہت خراب تھی۔ میرے
پاس چند بکریوں کے سوا کچھ نہ تھا بڑی مشکل سے دن گزرتے
تھے۔ میرے والدین بہت بوڑھے تھے۔ میں بکریوں کے دودھ
میں روٹی بھگو کر اُن کو کھلاتا تھا۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ
کر لے آتا اور فروخت کر کے کھانے کا سامان خرید لیتا تھا۔ اس
طرح دن گزرتے گئے۔ ایک دن کیا ہوا دودھ میں روٹی بھگو کر
ماں باپ کے پاس لے گیا۔ وہ سو رہے تھے میں نے سوچا کہ
ابھی جاگ اٹھیں گے اور کھالیں گے۔ یہ سوچ کر ہاتھ میں
پیالہ لیے میں ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ تمام رات ان کے سرہانے
کھڑا رہا صبح کو وہ جاگے اور میں نے کھانا کھلا دیا۔ اگر یہ کام
نیکی ہے تو میں نے ضرور نیکی کی ہے۔ یہ الفاظ اس نے کہے ہی تھے
کہ پتھر ذرا سا ہٹ گیا۔

دوسرے مسافر نے کہا، میرے پاس چند مزدور کام کرتے
تھے۔ جب کام ختم ہو گیا تو اپنی اپنی مزدوری لے کر سب چلے
گئے۔ مگر ایک مزدور پہلے ہی چلا گیا۔ اس کی رقم میرے پاس
رہ گئی۔ میں نے اس رقم سے ایک بھیڑ خرید لی۔ دوسرے سال
دو بھیڑیں ہو گئیں تیسرے سال چار اور اس طرح مال بڑھتا
گیا اور کئی سال گزرتے گئے۔

ایک دن وہ مزدور آگیا اور اپنی مزدوری مانگی۔ میں نے
ساری بھیڑیں اس کے حوالے کر دیں۔ یہ اسی کا حق تھا۔ وہ
بہت خوش ہوا اور دعائیں دیتا چلا گیا۔ اب پتھر ذرا اور ہٹ
گیا۔

تیسرے مسافر نے بتایا: میں ایک شخص کو اپنے فائدے
کی خاطر نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ میرے دل نے کہا، تو اپنی خوشی
کے لیے اس کو کیوں نقصان پہنچا رہا ہے؟ مجھے شرم آگئی اور میں
اپنے ارادے سے باز رہا۔ اس مرتبہ زیادہ کھسک گیا۔ اب پتھر اتنا ہٹ
چکا تھا کہ وہ تینوں مسافر غار سے باہر نکل آئے۔

سید عبدالکریم
بستی درنگل۔

پیامی ادبی معمّا نمبر 24

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ر جنوری ۱۹۸۶ء

پہلا انعام: بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے۔ دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر ۵۰ روپے کی کتابیں۔

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبروار لکھیے۔

1 ـــــ دماغ پروفیسروں کو عینک استعمال کرنے کی بڑی عادت ہوتی ہے۔ (حاضر / غائب)
2 ایسی ـــــ میں بندوق چلانے میں خطرہ تھا کہ میں خود اندھا ہو جاؤں گا۔ (صورت / حالت)
3 پھول ـــــ وہ ایکا ایکی گھبرا کر پگڈنڈی کو دیکھنے لگی۔ (توڑتے توڑتے / سونگھتے سونگھتے)
4 میاں ریچھ شہد ـــــ کر بولے۔ اوّل درجے کا شہد ہے۔ (چکھ / سونگھ)
5 یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ فدک فتح ہو چکا تھا۔ یہ ہجرت کا ـــــ (سال تھا۔ (دسواں / ساتواں / نواں)
6 اچھا پانی پینے کے لیے سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ اس کو ـــــ لیا جائے۔ (چھان / ابال)
7 واقعی بی اماں کے ـــــ اور عقلمندی کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔ (قربانی / ایثار)
8 بہادری میں حضرت علی کا درجہ بہت ـــــ ہے۔ (بڑا / بلند)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۲ کی کتابوں میں ہی ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا کوپن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصّہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمّے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ذرا سنیے

انعام کی رقم بذریعہ منی آرڈر اس لیے روانہ کی جاتی ہے کہ آپ ان روپوں سے اچھی اچھی کتابیں خرید کر اپنی ذاتی لائبریری بنائیں۔

(اپنے حل اس پتے پر بھیجیے)

پیامی ادبی معمّا نمبر 24 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

پیامی ادبی معمّہ کا کوپن ٹائیٹل کے صفحہ ۳ سے کاٹیے۔

کتابیں ہی کتابیں

جی ہاں نیشنل بک ٹرسٹ نے انگریزی اور ہندی کے علاوہ ہندوستان کی دوسری بڑی زبانوں میں اہم اور معلوماتی موضوعات پر کتابیں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ مشترکہ ادب کی اشاعت بھی کی ہے۔ ٹرسٹ کی مطبوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ٹرسٹ کے اشاعتی پروگرام میں بچوں کے ادب کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ یقیناً ہر قاری کے لئے ٹرسٹ کی مطبوعات میں اس کی پسند کی کتابیں مل سکتی ہیں۔ اُردو کی مطبوعات میں سے چند درج ذیل ہیں۔ ٹرسٹ کی کتابیں ملک بھر میں اُردو کے تمام کتب فروشوں، پبلی کیشنز ڈویژن کے اسٹالوں اور این بی ٹی بک شاپس سے مل سکتی ہیں:

عوامی ترسیل ——— از: آر کے، چیٹرجی ——— مترجم: عرفان صدیقی ——— قیمت ۲۵—۱۹ روپے
آب و غذا آپ کی غذا ——— از: کے، ٹی، اچیا ——— " من موہن تلخ ——— " ۲۵—۱۴ روپے
آدرش ہندو ہوٹل ——— از: ببھوتی بھوشن بندوپادھیائے ——— " اشرف عابدی ——— " ۲۵—۱۹ روپے
درد کے رشتے ——— از: میرجی انارائے ——— " بلراج ورما ——— " ۰۰—۲۰ روپے
عصری ملیالم کہانیاں ——— مرتب: ایم۔ مکندن ——— " عبدالحق ——— " ۵۰—۱۸ روپے
اردو افسانے ——— مرتب: رضیہ سجاد ظہیر ——— (نیا ایڈیشن) ——— " ۰۰—۱۱ روپے
اُردو طباعت و اشاعت کے مسائل ——— مرتب: انور کمال حسینی ——— " ۰۰—۷ روپے
آزادی کی چھاؤں میں ——— از: بیگم انیس قدوائی ——— " ۵۰—۱۳ روپے
پریم چند کے مختصر افسانے ——— مرتب: رادھا کرشن (نیا ایڈیشن) ——— " ۵۰—۱۸ روپے
امیر خسرو ——— از: غلام سمانی ——— " ۷۵—۹ روپے
ٹیپو سلطان ——— از: بی، شیخ علی ——— مترجم: ظفر احمد نظامی ——— " ۵۰—۸ روپے

بچوں کے لئے:

ہم ہندوستانی ——— از: مہرو جے واڈیا ——— مترجم: ایس۔ اے۔ رحمٰن ——— ۵۰—۲ روپے
منیا نے پایا سونا ——— از: جگدیش جوشی ——— " " " ۵۰—۲ روپے
چھوٹی سی ایک لہر ——— از: ایس، چندرا درکر ——— " " " ۵—۲ روپے
کتابوں کی انوکھی دنیا ——— از: سیموئل ایپرائیل ——— مترجم: سید احسان الرحمٰن ——— ۵۰—۲ روپے
ڈمرو کی کہانی ——— از: ایم۔ سی گیبریل ——— امس مرزا ——— ۵۰—۲ روپے
مہا بھارت ——— از: کے، کٹشپ راؤ ——— " تعظیم احمد ——— ۵۰—۲ روپے
جنگل میں تالاب ——— از: اوما آنند ——— " عابدہ بیگم ——— ۵۰—۲ روپے
جانوروں کے ایک نگہبان کی مہمیں ——— از: ای آر، سی داومدار ——— " امر سنگھ ——— ۵۰—۲ روپے
عقلمند اور چالاک ——— از: سلا کھیرانی ——— " صادقہ ذکی ——— ۵۰—۲ روپے
سوناتی تحفہ ——— از: موہن سندر راجن ——— " خالدہ ناہید ——— ۵۰—۲ روپے
گلی محلے کے کھیل ——— از: ملک راج آنند ——— " ارنا گپتا ——— ۵۰—۲ روپے
بس کی سیر ——— از: وی کن نن ——— " ایس، اے، رحمٰن ——— ۵۰—۲ روپے
یہ دنیا پیاری پیاری ——— از: جینتی منوکرن ——— " اردو تحریر: سعدیہ رحمٰن ——— ۵۰—۷ روپے
دس کہانیاں ——— مرتب سراج انور ——— ۰۰—۴ روپے
بھارت کے بہادر بچے ——— از: سگرن سرواستوا ——— مترجم: سعیدالرحمٰن ——— ۵۰—۲ روپے
عیدگاہ (نیا ایڈیشن) ——— از: پریم چند ——— ۵۰—۲ روپے
گوتم بدھ ——— از: لیلا جارج ——— مترجم: سید ضمیر حسن ——— ۵۰—۲ روپے

زیرِ طبع

منتخب قومی شاعری ——— مرتب: سردار جعفری
پنجاب: ادب اور ثقافت ——— از: ایس، ایس، سیدی ——— مترجم: اسلم پرویز
آوارہ مسیحا ——— از: وشنو پربھاکر ——— " راشد سہسوانی
تاریکیاں ——— از: بھیشم ساہنی ——— " شہلا نقوی
سکھ دھرم اور سیکولرازم ——— از: کرتار سنگھ دگل ——— " زبیدہ مدان

فہرستِ کتب اور دیگر تاجرانہ معلومات کے لیے لکھیں:

ڈائرکٹر، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، (شعبہ سیلز اینڈ مارکیٹنگ) اے ۵، گرین پارک، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۶

"اکیلا چلو رے"
صحیح راستے پر
آپ کا عزم صمیم کے ساتھ
اکیلے ہی گامزن رہنا
آپ کا حوصلہ اور آپ کی رہنمائی
محروم اور مایوس لوگوں کے لئے
آپ کی دانشمندی
ہندوستان اور ہندوستانیت
کے لئے آپ کی محبت
ہر جگہ کے بنی نوع انسان کے لئے
آپ کی جدوجہد
اسے ہم آج اور ہر روز
یاد کرتے ہیں۔
ہم جانتے ہیں کہ آپ کو
یاد رکھنے کا صحیح طریقہ ہے
اپنے اتحاد کو قائم رکھنا
آپ کی شان کے شایان یادگار ہے
امن و آشتی بنائے رکھنا
davp 85/309

بچّوں کی
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دلچسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت : ۵۰/۰
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت : ۴/۰۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/۰۰
کھیل سنسار
سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔
قیمت : ۴/۵۰
عصمت چغتائی
بلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی
ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان
لکھا گیا ہے۔ قیمت ۳/-
ترجمہ
قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمٰن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی لیکن اب تو اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
کہاوت اور کہانی
روزمرّہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت : ۴/۵۰
سرکس
رنگین کار : ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
ٹوکن پیامی ادبی معمّا
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے ہر فیصلے سے متفق ہوں۔
نام
پتہ

Regd. with R.N.I. at No. 10537/64
Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 Dec. 1985

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، دہلی ۲